صلوٰۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف

علامہ حافظ محمد نصر اللہ مدنی

نماز ادا کرنے کا سنت طریقہ

فقہ حنفی کی روشنی میں

قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ

ادارہ قمر الاسلام برمنگھم (برطانیہ)

دعا

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے وقت جناب سید احتشام بخاری صاحب کو خصوصی دعاؤں میں یاد فرمائیں کہ جنہوں نے اس عظیم دینی کام میں ہمارے ساتھ مالی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سید احتشام بخاری صاحب کے اس تعاون کو قبول فرما کر ان کے جملہ مرحومین کی بخشش فرمائے۔ (آمین)

بالخصوص اللہ تعالیٰ بخاری صاحب کے والد سید انعام اللہ شاہ (مرحوم)، والدہ فہمیدہ انعام (مرحومہ)، ماموں سید نجم فردوس (مرحوم)، دادا سید اسد اللہ شاہ (مرحوم)، دادی نور (مرحومہ)، نانا سید محمد رفیق شاہ (مرحوم) اور نانی مزمل بیگم (مرحومہ) سمیت تمام مرحومین کی بخشش اور درجات کی بلندی فرمائے۔ (آمین)

سید احتشام بخاری صاحب اور ان کے جملہ اہل خانہ کو صحت عطا فرمائے۔ (آمین)

صدقہ جاریہ

اگر کوئی مسلمان بہن بھائی اپنے پیارے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے یہ کتاب چھپوا کر تبلیغ اسلام کیلئے تقسیم کرنا چاہے تو براہ کرم ان ٹیلی فون نمبرز، ای میل، یا درج ذیل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔ ہم آپ کے پیارے مرحومین کے نام کی دعا کے ساتھ یہ کتاب میں شائع کر دیں گے۔ (انشاء اللہ الحمید)

Idarah Qamar ul Islam
168-170 Fosbrooke Road, Small Heath
Birmingham, B10 9JP, United Kingdom.
Ph: 0044 121 773 0372 Cell: 0044 795 719 5722

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

صلوۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نماز ادا کرنے کا سنت طریقہ

فقہ حنفی کی روشنی میں

قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ

مصنف

علامہ حافظ محمد نصر اللہ مدنی

ادارہ قمر الاسلام برمنگھم (برطانیہ)

نام کتاب: صلوٰۃ الحبیب ﷺ

مصنف: علامہ حافظ محمد نصر اللہ مدنی

ناشر: ابوالفیوض حافظ سیّد محمد فاروق شاہ سیالوی
(بانی ادارہ قمر الاسلام برمنگھم، برطانیہ)

تعدادِ صفحات: 826

اشاعت بارِاوّل: 2014ء، 1435ھ

پروف ریڈنگ وترتیب: علامہ حافظ محمد خرم شہزاد فاروقی سیالوی
(0320-4891990)

فنی معاونت: الحاج حافظ عبدالرحمٰن سلطانی (یو۔کے)

Address:

Syed Muhammad Farooq Shah Sialvi
Idara Qamar ul Islam
168-170 Fosbrooke Road,
Small Health Birmingham, B10 9JP,
United Kingdom
Ph: 0044 121 773 0372, Cell: 0044 795 715 5722

فہرستِ مضامین

کتاب مسائل الصلوٰۃ

نماز کی مختلف حالتوں کا بیان

قرأت خلف الامام

كِتَابُ الصَّلٰوةِ الْاِسْتِخَارَةِ وَالْحَاجَةِ وَالتَّسْبِيْح

نماز جنازہ کا بیان

کتاب المآخذ

کتاب التقلید

فضائل درود و سلام پر 40 احادیث

اختتامیہ

اِنتساب

جنتی نوجوانوں کے سردار سیدنا حضرت
اِمام حسن ، سیدنا حضرتُ اِمام حسین اور
دیگر شہداءِ کربلا رضی اللہ عنہم کے نام، جن کی عظیم
قربانیوں کی وجہ سے آج اسلام زندہ ہے۔

ہدیہءِ عقیدت

مفکرِ اسلام علامہ پروفیسر محمد حسین آسیؔ رحمۃ اللہ علیہ

بانی و مہتمم نقش لاثانی اسلامک یونیورسٹی شکر گڑھ سیالکوٹ

............حسبِ فرمائش

پیرِ طریقت فخرِ سادات علامہ حافظ سید محمد فاروق شاہ سیالوی، برمنگھم برطانیہ
شیرِ اہلسنت و فاتحِ نجدیت حضرت علامہ قاری خواجہ محمد سلیمان عثمانی
الحاج حافظ محمد عبد الرحمن سلطانی برمنگھم۔ یو کے

تقریظ مبارک

مناظر اہل سنت فاتح نجدیت مصنف کتب کثیر ابوالحقائق

علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی حفظہ اللہ گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

نماز تمام عبادتوں میں بڑی عظیم عبادت ہے اور تمام فرائض میں بڑی اہمیت اور قدر و منزلت کا حامل فریضہ ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کی تعریف، تمجید، تقدیس، تسبیح اور رسول اکرم ﷺ کی تعظیم وتوقیر اور درودوسلام وذکر صالحین کا مجموعہ ہے۔ حالتِ نماز میں بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے اور اس کے قربِ خاص کی لذتوں سے بہرہ ور۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے نماز پر ہمیشگی اختیار کرنا اور اسے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کیساتھ ادا کرنا۔ اور اسے مفسدات اور مکروہات سے بچانا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (بخاری) کیونکہ آپ ﷺ کا مبارک طریقہ ہی مسلمانوں کے لئے اُسوۂ حسنہ ہے۔ مسائلِ نماز پر اہل سنت وجماعت کی متعدد کتب شائع شدہ ہیں۔ جن میں سے بعض مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ عالم با عمل، فاضلِ ذیشان، صاحبِ تحریر وتقریر، ادب ومحبت کی تصویر حضرت علامہ مولانا حافظ ابو ابراہیم محمد نصر اللہ مدنی آسوی زید فضلہ وبارك فی سعیہ نے نماز کے جملہ مسائل پر دلائل وحوالہ جات سے بھرپور اپنی نئی کاوش ''صلوۃ الحبیب ﷺ'' کے نام سے ایک خوبصورت کتاب تیار کی ہے، صاحب کتاب علم وتحقیق سے محبت رکھتے ہیں اس لئے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی بات بھی بے دلیل اور بغیر حوالہ نہ لکھی جائے۔ انہوں نے پیشِ نظر کتاب میں بھی اپنے اس انداز کو برقرار رکھا ہے۔ راقم الحروف اپنی مصروفیات کی بنا پر اس کتاب کو بالاستیعاب نہ پڑھ سکا صرف ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے اس دوران جو بھی مفید بات نظر آئی وہ عرض کردی

اور جو قابل اصلاح مقامات تھے ان کی نشاندہی کر دی ہے۔ امید ہے کہ مدنی صاحب کی دیگر کتب کی طرح یہ کتاب بھی مقبولِ عام ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہماری لغزشیں معاف فرمائے اور اُمور صالحہ قبول فرما کر دارین کی برکات عطا فرمائے آمین

راقم: ابوالحقائق علامہ غلام مرتضیٰ ساقیؔ مجددی گوجرانوالہ

فون: 0300-7422469

نشان منزل

حضرت علامہ محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی مرید کے لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

صلوۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علامہ مولانا الحاج حافظ القاری محمد نصر اللہ مدنی نقشبندی آسوی زید مجدہ کی مسائل نماز پر ضخیم و عظیم تصنیف لطیف ہے۔ جسے موصوف نے نہایت شرح و بسط اور محبت و عشق سے قلمبند فرمایا ہے۔ متعدد ابواب پر مشتمل یہ کتاب مستطاب مسلک حنفیہ کی مؤید ہے۔

حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عظیم احسان ہے کہ انسانی زندگی سے متعلقہ جملہ مسائل کا حق شریعت اسلامیہ سے اس شان سے حل فرمایا ہے کہ قیامت تک امتِ مصطفےٰ کی اکثریت انہی پر عمل پیرا رہے گی کیونکہ آپ نے قرآن و سنت، آثار صحابہ اور شرعی قیاس سے ہی ہر مسئلے کو زینت بخشی ہے۔ اور پیش نظر کتاب ”کتاب صلوۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم“ میں جمع فرمودہ مسائل کا حل آپ کی ہی برکات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

یوں تو اسلام کا ہر رکن اپنی اپنی حیثیت واہمیت کا حامل ہے مگر ہر مسلمان (مرد وزن) کے لئے نماز کا مقام بہت بلند و بالا ہے کیونکہ دیگر ارکان زکوۃ، روزہ اور حج ہر ایک مسلمان پر فرض نہیں کیونکہ ان ارکان کا یومیہ ادا کرنا فرض نہیں لیکن نماز پنجگانہ ہر بالغ مرد وزن پر فرض ہے گو بعض مخصوص ایام میں عورت کو استثناء حاصل ہے۔

نماز ایسا فرض ہے کہ صحت وتندرستی، عقل و شعور کے ہوتے ہوئے کسی ایماندار کو معاف نہیں۔ لہٰذا اس کی کما حقہ ادائیگی کے لئے اس کے جملہ مسائل کو جاننا ہر نمازی کے لئے از حد ضروری ہے۔ اسی اہم ضرورت کو باحسن وجوہ بجا لانے کے لئے مولانا محمد نصر اللہ مدنی نے بڑی خوبصورتی سے ہر ایک مسئلہ پر بالوضاحت لکھا ہے۔

گو فی زمانہ لوگوں کے پاس ایسی بڑی بڑی کتابیں پڑھنے کا وقت نہیں ہے وہ اس تیز رفتاری اور میڈیا کی بے شمار سہولتوں سے آن کی آن میں مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں مگر اکثریت آج بھی ایسی ہے جو سائنسی سہولتوں سے محروم ہے۔ ان کے لئے ''صلوٰۃ الحبیب،، کا مطالعہ بے شمار فوائد کا باعث ہوسکتا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف عوام بلکہ خواص خصوصاً واعظین، خطباء، مقررین اور ائمہ مساجد کے درس میں بھی معاون و مددگار نیز اسلامی چینل کے مسئولین و مبلغین کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوسکتی ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ حضرت مصنف زیدہ مجدہ کی اس مساعی جمیلہ کو قبولیت کا شرف عطا فرمائے اور موصوف اپنے قلم کو ایسے بنیادی مسائل کے مؤثر ترین حل کے لئے جاری و ساری رکھیں۔

فقط محمد منشا تابش قصوری، مرید کے۔

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

۲۰ مئی 2011ء بروز جمعۃ المبارک

تعارفی خاکہ

از: استاذ محترم حضرت علامہ ظہور احمد بروہی صاحب دامت برکاتہم العالیہ

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ سیالکوٹ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور عبادت میں اوّلین اور افضل ترین عبادت نماز ہے۔ یہ اللہ اور بندے کے تعلق کا مظہر بھی ہے اور بندے کے لئے اپنے خالق و مالک کی توجہ کے حصول کا باعث بھی۔ اس کتاب میں اسی اہم عبادت کی اہمیت، فضیلت اور تفصیلات کا بیان ہے۔

کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے صاحب کتاب کے تعارف کا خاکہ پیش کر دینا مناسب ہوگا۔ حافظ محمد نصر اللہ مدنی بن حاجی عاشق حسین بن برکت علی صاحب کا تعلق اعوان برادری سے ہے اور ان کا آبائی گاؤں آنولہ ہے جو علامہ اقبال کے شہر سیالکوٹ سے کنگرہ روڈ پر تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر انڈیا کی باڈر پر واقع ہے۔ لیکن مدنی صاحب کے والد صاحب ملازمت کے سلسلہ میں فاروق آباد ضلع شیخوپورہ کے ایک نواحی گاؤں ''تریون سیداں،، میں مقیم تھے وہیں پر غالباً ۱۹۶۳ء میں مدنی صاحب کی ولادت ہوئی اور وہیں پر پرائمری تک تعلیم حاصل کی اور والد صاحب سے ناظرہ قرآن پاک پڑھا اور ۱۹۷۲ء میں دس سال کی عمر میں فاروق آباد میں مولانا سید عباس علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ جامعہ صدیقیہ حیدریہ میں قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا اور ماشاء اللہ حافظہ تیز اور علم دین حاصل کرنے کا شوق تھا۔ حفظ کے ساتھ ساتھ قبلہ شاہ صاحب جو تقریر کرتے وہ انہیں یاد ہو جاتی لہٰذا دس گیارہ سال کی عمر میں ہی تقریر کرنا شروع کر دی تھی۔ ۱۹۷۴ء میں والد صاحب بحری جہاز پر حج کے لئے روانہ ہونے لگے تو مدنی صاحب کو شیخ الحدیث والتفسیر حافظ محمد عالم

رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ جامعہ حنفیہ دو دروازہ سیالکوٹ میں داخل کرا دیا گیا جہاں انہوں نے قاری محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۷۶ء میں حفظِ قرآن کی تکمیل کی اور آخری سبق قاری عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا اور انہیں سے تجوید پڑھی اور پھر ۱۹۷۷ء میں گوجرانولہ میں حضرت علامہ حاجی ابو داود محمد صادق صاحب کے مدرسہ جامعہ حنفیہ رضویہ سراج العلوم میں قاری بشیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس قرآن پاک کی دہرائی کرتے رہے۔ اس وقت مولانا اکرم رضوی صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی ظریف القادری صاحب بھی درس نظامی کر رہے تھے اس وقت قومی اتحاد کی تحریک نظام مصطفیٰ چل رہی تھی مدنی صاحب اس تحریک میں بھی شرکت کرتے رہے اور اس کے بعد قاری یوسف صدیقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ جامعہ صدیقیہ مستی گیٹ لاہور میں تجوید پڑھی۔ اور گاؤں آ کر مڈل سکول باجڑہ گڑھی میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی والد صاحب کے ساتھ باجڑہ گڑھی میں کپڑے اور کریانہ کی دکان پر بھی ڈیوٹی دیتے رہے تقریباً ۱۹۸۲ء میں ان کے والد صاحب سعودی عرب چلے گئے یہ کچھ عرصہ اکیلے دکان چلاتے رہے اور پھر والد صاحب کے حکم پر دکان چھوڑ کر جامعہ حنفیہ دو دروازہ میں درس نظامی میں داخلہ لے لیا یہاں پر انہوں نے ۱۹۸۴ء تک پڑھا اور پھر اسی سال فروری کے مہینہ میں ان کی شادی اپنے گاؤں میں چچا طالب حسین کی بیٹی نسرین سے ہوئی جو بہت نیک پارسا اور صابرہ وشاکرہ خاتون ہیں اور دینی کاموں میں ان کی معاون ہیں۔ اور شادی کے بعد انہوں نے دار العلوم محمدیہ غوثیہ سیالکوٹ کینٹ میں حضرت پیر سید نذیر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سایہء عاطفت میں ادیب عربی میں داخلہ لیا۔ بڑی شد و مد سے حصول تعلیم میں مصروف تھے کہ ان کے والد صاحب نے ان کے لئے سعودیہ عرب کا ویزہ بھیج دیا۔ اور زیارت وحاضری درِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق انہیں کشاں کشاں سعودیہ لے گیا۔ منطقہ نجد کے شہر ''القصیم'' میں کچھ عرصہ مزرعہ میں کھیتی باڑی کا کام کرتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اونٹ اور بکریاں بھی چراتے رہے اس کے علاوہ پاکستانی اور سعودی بچوں اور نوجوانوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے اور ساتھ ہی اپنی تعلیم بھی جاری رکھی تفسیر جلالین شیخ عبد الکریم سکندر سے پڑھی۔ اور وہاں انہیں احادیث حفظ کرنے کا شوق پیدا ہوا تو

انہوں نے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی جمع کردہ چالیس احادیث اور ریاض الصالحین حفظ کرلیں اور پھر انہیں پتہ چلا کہ کچھ نجدی لوگ صحاح ستہ حفظ کررہے ہیں تو انہوں نے بھی صحاح ستہ حفظ کرنا شروع کردی اور پھر انہیں محکمہ اوقاف میں ملازمت مل گئی چنانچہ چار سال یہ مؤذن اور امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور ۱۹۹۱ء میں وطن واپس آگئے اور ماڈل ٹاؤن مرادیہ روڈ مدینہ مسجد میں امامت اور خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور ساتھ ہی جامعہ حنفیہ دودروازہ سیالکوٹ میں تنظیم المدارس کے درجہ عالیہ کے امتحان کی تیاری شروع کردی چنانچہ شعبان ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۹۹۳ء کے منعقدہ امتحان میں شمولیت کی اور اچھے نمبروں سے پاس ہوگئے۔ اور اس کے بعد دار العلوم محمدیہ غوثیہ سیالکوٹ کینٹ میں حضرت پیر سید نذیر حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سایہء عاطفت میں ادیب عربی کی تیاری شروع کردی ۱۹۹۳ء موسم بہار کے امتحان میں شمولیت کی اور درجہ دوم میں کلی طور پر پاس ہوگئے۔ سند پر تاریخ ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۳ء لکھی ہوئی ہے۔ اسی دوران رمضان المبارک مدینہ مسجد ماڈل ٹاؤن میں نماز تراویح میں قرآن پاک بھی سناتے رہے اور دن کو دورہ قرآن کرنے کے لئے وزیرآباد میں مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں حاضری بھی دیتے رہے جہاں مولانا غلام فرید ہزاروی گوجرانوالہ سے مولانا غلام رسول رضوی فیصل آباد سے اور مولانا صدیق سالک ہزاروی صاحب سیالکوٹ سے تشریف لاکر دورہ قرآن کراتے رہے اور مفتی عبدالشکور ہزاروی صاحب بھی کلاس لیتے رہے۔ جب امتحان ہوا تو مدنی صاحب نے تمام دورہ قرآن کرنے والے علماء میں سے پہلی پوزیشن حاصل کی جس پر انہیں خصوصی انعام سے نوازا گیا۔ لیکن مدینہ پاک کی تڑپ نے انہیں چین نہیں لینے دیا دو سال بعد ۱۹۹۴ء میں پھر حجاز مقدس روانہ ہوگئے۔ اس بار سرکار رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص نظر عنایت فرمائی اور اپنے قدموں میں مدینہ پاک میں جگہ عطا فرمائی۔ ایک سال بعد ۱۹۹۵ء میں اپنے تمام بچوں کو بھی مدینہ منورہ بلالیا۔ اور ۲۰۰۵ء میں پاکستان چھٹی پر آئے اور حضرت علامہ حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندی میں شرف بیعت حاصل کی۔ مدینہ پاک میں مدنی صاحب نے تقریباً ۱۵ سال گذارے اس دوران آپ نے بچوں کو قرآن پاک

کی تعلیم بھی دی وراامامت بھی کرائی ،ڈرائیوری بھی کی اورحجاج کرام کومکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارات بھی کروائیں اور زیارات مدینہ منورہ کی وڈیوسی ڈیز بھی تیار کیں جس سے آج بھی حجاج کرام استفادہ کرر ہے ہیں اوروہ سی ڈیز بھائی طارق صاحب کے پاس ان کی دکان واقع راجہ بازار سیالکوٹ میں دستیاب ہیں ۔ رابطہ نمبر 03076157786اوراس کے علاوہ یو ٹیوب کے زیارات مدینہ کے باب میں بھی دیکھی جاسکتی ہیں ۔ان سی ڈیز میں مقامات مقدسہ کی زیارت کے ساتھ مدنی صاحب نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں حوالہ جات کے ساتھ ان مقامات کی تاریخ ،تعارف اورفضیلت نہایت دلنشیں انداز میں اورنعتیہ اشعار سے مزین کر کے پیش کی ہے۔ جسے دیکھ کرآپ کویوں محسوس ہوگا گویا کہ آپ مدینہ منورہ میں پھرر ہے ہیں۔

سیالکوٹ پاکستان میں کافی حدتک دینی علوم میں مہارت حاصل کرنے کے باوجود حافظ صاحب علمی تشنگی سے بے نیاز نہ ہوسکے مدنی صاحب اس شعر کے مصداق ہیں ؎

دنیا سے مطلب ہمیں کیامدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے کتابوں میں ہرورق ہوگا کفن اپنا

چنانچہ اسی مشن کی تکمیل کے لئے مدینہ منورہ کی مدینہ یونیورسٹی میں ۲۰۰۱ء میں ’’القسم اللغۃ العربیہ،، میں داخلہ لیا اور تین سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے اور ہر بار پہلی پوزیشن حاصل کی سوائے پہلی مرتبہ کے۔ ایسی انتھک محنت ہرکسی کے بس کی بات نہیں ہوتی اس کے پیچھے کوئی عظیم مقصداور پھراس مقصد سے گہری لگن ہوتی ہے اور یہ چیزیں قدرت نے انہیں خوب عطا کی ہیں۔ان تمام مصروفیات کے باوجودمدنی صاحب حضور ﷺ کے مہمانوں کی خدمت کرنانہیں بھولتے ان کی خدمت کرنا انہیں زیارات مدینہ کرانے میں اپنی بہت بڑی سعادت سمجھتے ہیں۔

میں وہ وقت نہیں بھول سکتا جب مدنی صاحب نے مجھے اوراہل خانہ کومدینہ منورہ کی بڑی محبت کے ساتھ اپنی گاڑی میں بٹھا کرزیارات کروائیں ۔ وہ منظراب بھی میری نگاہوں میں ہے کہ رجب شریف کا مہینہ اور ستائیسویں شب کی سہانی رات تھی کہ گنبد خضراء کے بالکل سامنے مسجدعلی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہوٹل میں بعض اہل محبت نے معراج النبی ﷺ کی محفل

رکھی اور مدنی صاحب نے مجھے خطاب کرنے کی دعوت دی اور میں اپنی قسمت پر ناز کر رہا تھا کہ میں معراج شریف کا واقعہ صاحب معراج ﷺ کے شہر میں بیان کر رہا تھا اور ساتھ ہی گنبد خضراء کا نظارہ بھی کر رہا تھا اور میں دل میں کہہ رہا تھا۔

کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء ایہہ مشتاق اکھیاں کتھے جا لڑیاں
کتھے مہر علی کتھے مدینے دی گلی ایہہ مشتاق اکھیاں کتھے جا لڑیاں

اور آج عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ آج جب کتاب چھپنے جا رہی ہے اور میں اپنے تلمیذ خاص مدنی صاحب کی کتاب پر تقریظ اور تعارفی خاکہ لکھ رہا ہوں تو مہینہ بھی رجب شریف کا ہے۔ اور میرے دل میں یہ آرزو مچل رہی ہے۔ اور میں عالمِ تصور میں مدنی صاحب کو مخاطب کر رہا ہوں۔

اوہ کیسیاں گھڑیاں سن مہمان ساں سوہنے دے دل فیروی کر دا اے طیبہ دا سفر ہووے
آکھیں سوہنے نوں وائے نی جے تیرا گذر ہووے میں مر کے وی نئیں مردا جے تیری نظر ہووے
دم دم نال ذکر کراں آقا تیریاں شاناں دا تیرے نام توں وار دیواں جنی میری عمر ہووے

بالخصوص مدنی صاحب پر حضور ﷺ کا خاص کرم یہ ہے کہ بعض لوگ سعودیہ میں دو تین سال رہ کر ہی بہکی بہکی باتیں کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنا دین و ایمان خراب کر بیٹھتے ہیں لیکن بیس سال سعودی عرب میں رہنے کے باوجود نہ صرف اپنے عقیدہ پر قائم رہے بلکہ اس قابل ہو گئے کہ تحریر و تقریر کے ذریعے دوسروں کے عقائد کی بھی حفاظت کر سکیں۔ مدنی صاحب کو باری تعالیٰ نے محنت و ریاضت کے علاوہ بھی بہت سی صفات سے نوازا ہے۔ تخریج احادیث، تصنیف و تالیف اور مسائل کی تحقیق کا ملکہ بھی عطا فرمایا ہے۔ اور مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کا جذبہ بھی۔ ان کی تصانیف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہیں ہونے دیا اور جہد مسلسل کو اپنایا ہے درج ذیل مطبوعہ کتابیں بھی انہوں نے مدینہ منورہ میں رہ کر تصنیف کی تھیں (۱) زیارات و برکاتِ مدینہ (۲) نعت رحمۃ للعالمین ﷺ بہ زبان صحابہ و تابعین (۳) ایصال ثواب (۴) اختیارات نبی

کریم ﷺ (۵) حاضر وناظر (۶) بے ادبوں کی پہچان۔

ان میں سے آخری چار کتابیں مارکیٹ میں دستیاب ہیں ''کرمانوالہ بک شاپ،،'' مکتبہ جمال کرم ،،داتا دربار مارکیٹ لاہور، عطار اسلامی کتب خانہ دودروازہ سیالکوٹ 03456747131، کراچی ورائٹی ہاؤس بوچڑ خانہ روڈ سیالکوٹ' مکتبہ عثمانیہ رحمت الٰہی (رام تلائی) سیالکوٹ۔اسکے علاوہ ماہنامہ ''الحقیقہ،، میں ہر ماہ آپ کے تحقیقی مقالات ومضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

''صلوۃ الحبیب ﷺ،،

زیر نظر کتاب ''صلوۃ الحبیب ﷺ،، حنفی نماز کے انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ نماز کی ساری جزئیات کو بھی احادیث نبوی ﷺ اور آثار صحابہ کرام کے قابل اعتماد اور مستند حوالوں سے مزین کیا گیا ہے اس طرح مصنف نے عوام اہل سنت کی دیرینہ ضرورت کو پورا کردیا ہے۔اور خواص وعوام کی دعاؤں کے مستحق بنے ہیں۔بہت سی ایسی چیزیں جو عام کتب نماز میں نہیں ملتیں اس کتاب میں مستند مذکور ہیں۔اس کتاب میں ۲۸ ابواب ہیں ہر باب میں اختلافی مسائل کو مستند احادیث کے حوالوں سے سلجھانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے ۔مثلا تقلید کی شرعی حیثیت، رفع الیدین، قرأت خلف الامام، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، اذان میں انگوٹھے چومنا، فضائل درود شریف پر چالیس احادیث، فضائل نماز میں چالیس احادیث، اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنے کا ثبوت، نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے دلائل کا تجزیہ، جنازہ کے ساتھ کلمہ کا ورد، نماز جنازہ کے بعد دعائے مغفرت، غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ، بعد از دفن دعائے مغفرت، قبر پر اذان دینے کی تحقیق، صلاۃ الحاجہ اور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے دعا، ولی کے وسیلہ سے دعا، بزرگوں کے نام کی نماز، صلاۃ غوثیہ، مرد اور عورت کی نماز میں فرق، عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنے کے استحباب پر دلائل، سرخ، سفید، سیاہ اور سبز عمامہ شریف کا جواز، غیر مقلدین کا نماز میں ٹانگیں چوڑی کرنا، بحری جہاز پر نماز، ریل میں نماز، ہوائی جہاز میں نماز، قضا نمازوں کا بیان، مریض کی

نماز اور کرسی پر نماز پڑھنا، نماز تراویح، مقتدی اور امام کے احکام، نمازی کے آگے سے گذرنا، داڑھی منڈانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم، مسئلہ سیاہ خضاب، تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادات کی جان ہے، روزمرہ پڑھی جانے والی 40 ضروری دعائیں، غموں اور پریشانیوں کا روحانی علاج، سجدہ کے احکام، سجدہ میں کسی ایک انگلی کے پیٹ لگانے کے فرض نہ ہونے کی تحقیق، نماز میں کپڑا موڑنے یا اڑسنے اور بال سنوارنے کا شرعی حکم، نماز میں سدل اور ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عظیم محدث ہونے کے شواہد، فقہ اور فقیہ کی فضیلت وغیرہا۔

کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کو پڑھنے والا احکام نماز کے سلسلہ میں مکمل اطمینان پاتا ہے اور کوئی تشنگی محسوس نہیں کرتا اور اس کتاب کا قاری ایسے لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ احناف کی نماز صحیح احادیث کے مطابق نہیں مسکت و مستند جواب دے سکتا ہے۔

اللہ تعالی موصوف مصنف کا زورِ قلم اور زیادہ کرے ان کے علم و فضل میں مزید برکتیں عطا فرمائے اور انہیں اسی طرح دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

دعا گو اور دعا جو

علامہ ظہور احمد بروہی

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ صدر بازار سیالکوٹ کینٹ

03074639642

نصر اللہ مدنی صاحب

03328028182

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْدُ

یہی ہے آرزو کہ تعلیم قرآن و حدیث عام ہو جائے
ہر ایک پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے
کلام اللہ سے ہر مسلم کا دل پر نور ہو جائے
یہی ہے مقصد کہ دُنیا سے جہالت دور ہو جائے

نبوت کی میراث۔

حضرت یحیٰ بن یحیٰ صمہودی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک ﷺ کا مرض الموت طویل ہوا اور وقتِ آخر آ پہنچا، مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں سے تمام علماء اور فقہاء امام صاحب کے مکان پر جمع ہو گئے تا کہ امامِ وقت کی آخری ملاقات سے فیض یاب اور ان کی وصیتوں سے بہرہ مند ہوں۔ یحیٰ بن یحیٰ کہتے ہیں کہ اس وقت امام مالک ﷺ کی عیادت کرنے والے مجھ سمیت ایک سوتیس علماء کرام حاضر تھے۔ میں بار بار امام مالک ﷺ کے پاس جاتا اور سلام عرض کرتا تا کہ اس آخری وقت میں امام کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور وہ نظر میری سعادتِ اُخروی کا وسیلہ بن جائے۔ میں اِسی کیفیت میں تھا کہ امام صاحب نے آنکھیں کھولیں اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہم کو کبھی ہنسایا اور کبھی رُلایا۔ اس کے حکم سے زندہ رہے اس کے حکم سے جان دیتے ہیں، اس کے بعد فرمایا موت آ گئی۔ خدا تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے، حاضرین نے عرض کیا: اس وقت آپ کے باطن کا کیا حال ہے؟ فرمایا: میں اس وقت اولیاء اللہ کی مجلس کی وجہ سے بہت خوش ہوں کیونکہ میں اہل علم کو اولیاء اللہ گردانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں ہے اور میں خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی تحصیل اور اس کی تعلیم میں گزری ہے اور میں اس سلسلہ میں اپنی تمام مساعی کو مستجاب اور مشکور گمان کرتا ہوں، اس لیے کہ تمام

فرائض اور سنن اور ان کے ثواب کی تفصیلات ہم کو زبانِ رسالت ﷺ سے معلوم ہوئیں مثلاً حج کا اتنا ثواب ہے اور زکوٰۃ کا اتنا اور ان تمام معلومات کو حدیث کے طالب علم کے سوا کوئی نہیں جان سکتا اور یہی اصل میں نبوت کی میراث ہے۔

سوجھ سے افضل عمل۔

حضرت یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے بعد امام مالک رحمہ اللہ نے ربیع کی ایک روایت بیان کی کہ کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی اُلجھن دور کر دینا سوجھ کرنے سے افضل ہے اور ابن شہاب زہری کی روایات سے بتایا کہ کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ راوی کہتے ہیں: اس گفتگو کے بعد حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے کوئی بات نہیں کی اور اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

(بستان المحدثین از شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ص:۱۰۰)

دُنیا سے مطلب ہمیں کیا مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے کتابوں میں ہر ورق ہو گا کفن اپنا
تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں
میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

☆☆☆

كِتَابُ
فَضَائِلُ الصَّلٰوة

فضائل نماز پر چالیس احادیثِ مبارکہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔

میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ الذاریات:۵۶)

جانور پیدا کئے تیری وفا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ضیاء کے واسطے
کھیتیاں سر سبز ہیں غذا کے واسطے
سب جہاں ہے تیرے لئے اور تو خدا کے واسطے

نماز اور معراج۔

معراج کیا ہے؟ معراج نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہونے کا اور یہی مقصد نماز سے حاصل ہوتا ہے کہ نماز کے ذریعے بندہ کو اللہ تعالیٰ کا قرب بھی نصیب ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی۔

سفرِ معراج کو لفظ سبحان سے شروع کیا اور نماز کو بھی لفظ سبحان سے شروع کیا، معلوم ہوا کہ نماز اور معراج کا آپس میں خاص تعلق ہے۔ اِسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (مشکوٰۃ)

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنا ہے تو وہ کام کریں جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور آپ کا سچا محب وہی ہے جو پانچ وقت کا نمازی ہے اور معراج کو ماننے والا بھی وہی ہے جو نماز پڑھنے والا ہے۔ بعض لوگ معراج بڑے جوش وخروش سے مناتے ہیں لیکن معراج کے خاص تحفہ نماز کے قریب نہیں جاتے حالانکہ جلسہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنت یا مستحب ہے لیکن نماز پڑھنا فرض ہے اور فرائض کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعہ مرتبہء ولایت

حاصل ہوتا ہے۔

نماز سے اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔

حدیث 1: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِيْ لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَأُعِيذَنَّهُ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے، میں اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ جن چیزوں کے ذریعہ بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے اُن میں سب سے پسندیدہ چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کی سماعت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور اُس کی بصارت بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اُسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ پکڑے تو ضرور میں اُسے پناہ دیتا ہوں۔

(بخاری کتاب الرقاق 61 باب التواضع 38 حدیث ترقیم العالمیہ 6021. ترقیم فتح الباری من الکمپیوٹر CD الکتب التسعہ 6502 مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ، حدیث ۔۔۔۔)

آتا ہے ہر طرف نظر نورِ خدا نماز میں۔

حدیث 2: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔ بندہ سجدہ کی حالت میں

اپنے رب سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے اس لئے تم سجدہ میں بہ کثرت دُعا کیا کرو۔

(مسلم کتاب الصلوٰۃ 5باب ما یقال فی الرکوع 42 حدیث 744-482
مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود ۸۹۴)

نماز سے نبی کریم ﷺ کا قرب ملتا ہے۔

حدیث 3: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَ ضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِي : (سَلْ) فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ : أَوَ غَيْرَ ذٰلِكَ. قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ قَالَ: فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ میں آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی اور ضروریات لایا (دریائے رحمت جوش میں آیا) آپ ﷺ نے فرمایا ''مانگ کیا مانگتا ہے'' میں نے عرض کی: میں آپ ﷺ سے جنت میں آپ (ﷺ) کی رفاقت (آپ کا ساتھ) مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ اور کچھ۔ میں نے کہا مجھے یہی کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو زیادہ سجدے کرکے اپنے معاملے میں میری مدد کر۔

(مسلم کتاب الصلوٰۃ 5باب ما یقال فی الرکوع 43 حدیث 754-489'
مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السجود 896)

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی ساری کائنات
مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

رسول اللہ ﷺ کا فرمانا ''مانگ کیا مانگتا ہے'' اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں آپ ﷺ کی ملک اور اِختیار میں دے دی ہیں کہ جس کو چاہیں جتنا چاہیں (بشرطِ موافقت تقدیر) عطا کردیں۔

لا و ربّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ (ﷺ) کی

حدیث 4: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدّہٖ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ۔ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کی عمر کو پہنچیں اور نماز نہ پڑھنے پر مارو جب وہ دس سال کی عمر کو پہنچیں (اور اس عمر میں) ان کے بستر علیحدہ علیحدہ کر دو۔

(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ 2 باب متی یومر الغلام بالصلوٰۃ 26 حدیث 418۔
مشکوٰۃ 572 کتاب الصلوٰۃ)

کھول کے دیکھ چشم دل، لطف ہے کیا نماز میں
آتا ہے ہر طرف نظر نورِ خدا نماز میں
بوڑھا ہو یا جوان ہو سب پر نماز فرض ہے
اور بچے کو دس سال کے مار کے لاؤ نماز میں
دیکھو امام تشنہ لب کیسے تھے عاشقِ نماز
تیغ تھی حلق پر رواں، سر تھا جھکا نماز میں

نماز کی اہمیت۔

باقی تمام فرائض زمین پر فرض ہوئے، نماز عرش پر بلا کر فرض کی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کی امت کے لئے نماز سے کوئی افضل تحفہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ وہی دیتا باقی تمام احکام جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے فرض ہوئے لیکن نماز معراج کی رات بلا واسطہ عطا ہوئی اور پھر باقی ارکان ایسے ہیں جو اُمراء پر فرض ہیں غربا پر فرض نہیں مثلاً زکوٰۃ، حج اور روزہ، مسافر اور بیمار پر فرض نہیں ہیں لیکن نماز ہر حال میں فرض ہے چاہے آدمی غریب ہو یا امیر، مسافر ہو یا مقیم، خوف ہو یا امن، بیمار ہو یا تندرست، نماز کسی حالت میں بھی معاف نہیں۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

روزے سال میں ایک مرتبہ، زکوۃ سال میں ایک مرتبہ، حج زندگی میں ایک مرتبہ لیکن نماز روزانہ اور وہ بھی پانچ مرتبہ، معلوم ہوا کہ نماز اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہے۔

تمام اعمال میں سے نماز رب کو بہت پیاری ہے۔

حدیث 5: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ: أَيُّ الأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: الصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ: ثُمَّ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ

ترجمہ: کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا' میں نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا۔

(مسلم کتاب الایمان 2باب بیان کون الایمان36حدیث 120-85 بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ 9باب فضل الصلوۃ 5حدیث496 -527 مشکوۃ کتاب الصلوۃ 568)

نماز میں بندہ رب تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے۔

حدیث 6: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللهَ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ۔

جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہو تو اپنے سامنے نہ تھوکے کیونکہ نمازی جب تک نماز میں رہتا ہے اپنے رب سے راز و نیاز کرتا رہتا ہے۔

(بخاری کتاب الصلوۃ 8باب دفن النخامۃ38 حدیث :399-416مسلم کتاب المساجد باب النھی عن البصاق:حدیث 852مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب المساجد حدیث:710-548)

نمازی دنیا و آخرت میں کامیاب ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ بیشک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔ (سورۃ الاعلیٰ ۱۴_۱۵)

نیز ارشاد ربانی ہے کہ: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔ (سورۃ المومنون ۱_۲)

مزید ارشادِ ربانی ہے کہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو، اس اُمید پر کہ تمہیں کامیابی ملے۔ (سورۃ الحج ۷۷)

سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔

حدیث 7: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلٰوتُهٗ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ عزوجل اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِيْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلَ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ۔ قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے جس عمل کا حساب ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر نماز صحیح ہوئی تو وہ کامیاب اور نجات پانے والا ہے اور اگر یہ درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور نقصان اُٹھانے والا ہے اگر فرض میں کچھ کمی رہ گئی تو رب تعالیٰ فرمائے گا: کیا میرے بندے کے پاس کوئی نفل ہے؟ پھر اس سے فرض کی کمی پوری کی جائے گی پھر تمام اعمال کا یہی حال ہوگا۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ 2 باب ما جاء ان اوّل ما یحاسب 193 حدیث: 378
مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ التسبیح 40 حدیث: ۱۳۳۰)

نماز پڑھنے سے جنت واجب ہوجاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ * اُولٰئِكَ ھُمُ الْوَارِثُوْنَ * الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ۔ وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں کہ فردوس کی میراث پائیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۃ المومنون: ۱۱_۹)

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ * اُولٰئِكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔ وہ جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کا جنتوں میں اعزاز واکرام ہوگا۔ (سورۃ المعارج آیت: ۳۵_۳۴)

حدیث 8: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَتَوَضَّأُ فَیُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ یَقُوْمُ فَیُصَلِّیْ رَكْعَتَیْنِ مُقْبِلًا عَلَیْھِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْھِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ جو مسلمان اچھی طرح وضو کرے اور پھر کھڑا ہوکر حضورِ قلب کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔

(مسلم کتاب الطہارہ 3باب ذکر المستحب 6حدیث نمبر:345-234 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ [illegible])

نمازی کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

حدیث 9: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ فِی الصَّلٰوةِ فُتِحَتْ لَهُ الْجِنَانُ وَكُشِفَتْ لَهُ الْحُجُبُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ رَبِّهٖ وَاسْتَقْبَلَتْهُ الْحُوْرُ الْعِیْنُ مَالَمْ یَمْتَخِطْ اَوْ یَتَنَخَّعْ۔ بندہ جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اس کے لئے جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کے اور رب کے درمیان حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں اور حورِ عین اس کا استقبال کرتی ہیں جب تک ناک نہ سنکے یا نہ کھنکارے۔

(رواہ الطبرانی ترغیب کتاب الصلوٰۃ باب الترھیب من البصاق فی المسجد 440 بہارِ شریعت 5/3)

نماز جنت کی چابی ہے۔

حدیث 10: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ۔ جنت کی چابی نماز ہے اور نماز کی چابی وضو ہے۔

(احمد-14135 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ الفصل الثالث ۲۹۴)

حدیث 11: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور آپ حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے: اِتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوْا زَكٰوةَ أَمْوَالِكُمْ وَأَطِيْعُوْا ذَا أَمْرِكُمْ تَدْخُلُوا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ اپنے رب سے ڈرو، پانچ نمازیں ادا کرو، ایک مہینہ کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے حاکموں کی اطاعت کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(ترمذی کتاب الجمعة 3 باب ما ذکر فی فضل الصلوٰۃ 82 حدیث 559
مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثانی ۵۷۱)

حدیث 12: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَلْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ۔ عورت جب پانچ نمازیں پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

(ابو نعیم، مشکوٰۃ کتاب النکاح باب عشرۃ النساء الفصل الثانی 3254)

حدیث 13: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَدِيْنَةَ فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ سَمِعْتُهُ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی لوگوں کے ساتھ

آپ ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت کی تو میں پہچان گیا کہ ایسا نورانی چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا (آپ یقیناً اللہ کے سچے نبی ﷺ ہیں) میں نے آپ ﷺ کا پہلا کلام جو سنا وہ یہ تھا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، رات کو نماز پڑھو اور جب لوگ سوئے ہوئے ہوں (یعنی نمازِ تہجد ادا کرو) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(ابن ماجة كتاب الاطعمة 24 باب اطعام الطعام 1 حديث 3242 مشكوٰة كتاب الزكوٰة باب فضل الصدقة 6 الفصل الثانی 1907)

حدیث 14: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
إِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِي يَقُولُ يَا وَيْلِي أُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَأُمِرْتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ۔ جب ابن آدم سجدہ کی آیت تلاوت کرتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک طرف ہو کر روتا ہے اور کہتا ہے: ہائے میری خرابی! ابن آدم کو سجدہ کا حکم ہوا اور اس نے سجدہ کیا، اس کے لئے جنت ہے اور مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا میں نے اِنکار کیا، میرے لئے دوزخ ہے۔

(مسلم كتاب الايمان 2 باب اطلاق اسم الكفر 35 حديث 115-81 مشكوٰة كتاب الصلوٰة باب السجود 14 حديث 895)

ذرا غور فرمائیں کہ شیطان نے صرف ایک مرتبہ اللہ کے حکم کی نافرمانی کی، اس کے گلے میں لعنت کا طوق ڈال کر جنت سے نکال دیا گیا اور انسان کو کئی سو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نماز کا حکم دیا پھر بھی جو نماز نہ پڑھے وہ روزانہ اللہ تعالیٰ کے کتنے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ روزانہ پانچ مرتبہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف بلایا جاتا ہے۔ ایک مہینہ میں ایک سو پچاس مرتبہ ایک سال میں (1825) ایک ہزار آٹھ سو پچیس مرتبہ۔ سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد جس نے دس سال نماز نہیں پڑھی، اس نے گویا (18250) اٹھارہ ہزار دو سو پچاس مرتبہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

بے نماز کا حشر فرعون اور قارون کے ساتھ ہوگا۔

حدیث 15: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک روز نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُوْرٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَنَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَأُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔ جو اس کی پابندی کرے گا، نماز اس کے لئے قیامت کے دن روشنی، دلیل اور نجات ہو جائے گی اور جو اس کی پابندی نہیں کرے گا، اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ دلیل اور نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور اُبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(احمد 6288 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث 578)

بے نمازی کا حشر ان بڑے بڑے کافروں کے ساتھ ہوگا اور نمازی کا حشر انبیاء، شہداء، صالحین کے ساتھ ہوگا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ بے نمازی کافر ہو جائے بلکہ بے نماز کو قیامت میں ان کفار کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا جیسے کسی شریف آدمی کو ذلیل کے ساتھ بٹھا دینا اس کی ذلت ہے۔ لہٰذا حدیث واضح ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ قیامت میں ہر شخص کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے دنیا میں محبت تھی اور جس طرح کا وہ کام کرتا تھا۔ بے نماز چونکہ کافروں کے سے کام کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا۔ نمازی نبیوں اور صدیقوں کی نقل کرتا ہے، لہٰذا اس کا حشر ان کے ساتھ ہوگا، اس لئے اچھوں کی نقل اچھی اور بُروں کی نقل بھی بری۔ (مراۃ 368/1)

نمازی کا حشر صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

حدیث 16: حضرت عمرو بن مُرّہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: يَارَسُوْلَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ شَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ وَصَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَأَدَّيْتُ الزَّكٰوةَ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَقُمْتُهُ فَمِمَّنْ أَنَا قَالَ: مِنَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وفی روایة: من مات علی هذا

کا ن مع النبیین والصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاء یوم القیامة هكذا. ونصب اصبعیه.
مَالَمْ یَعُقَّ وَالِدَیْهِ۔
یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خبر دیجئے کہ اگر میں گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور پانچ نمازیں ادا کروں اور زکوٰۃ ادا کروں اور رمضان کے روزے رکھوں اور رات کو قیام کروں تو میں کن لوگوں میں سے ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو صدیقین اور شہداء میں سے ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جو اس حالت میں مرے، وہ قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اس طرح ہوگا (اور اپنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو کھڑا کیا) جب تک وہ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرے۔

(رواہ احمد والطبرانی' ابن خزیمہ 2212 ابن حبان 3429 ترغیب وترھیب.
کتاب الصلوٰۃ حدیث-522 کتاب البر 3688 بہار شریعت 81/5)

نمازی کیلئے جنت میں گھر تیار کیا جاتا ہے۔

حدیث 17: حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یُصَلِّیْ لِلّٰهِ كُلَّ یَوْمٍ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَیْرَ فَرِیْضَةٍ إِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔ جو بندۂ مسلمان روزانہ اللہ کے فرائض کے علاوہ بارہ رکعات ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین 7باب فضل السنن الراتبہ 15 حدیث1198-728
مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السنن 30 حدیث 1159)

بارہ رکعات سنت مؤکدہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ پڑھتے تھے جن کی تفصیل اس حدیث میں ہے: دو رکعات فجر سے پہلے اور چار رکعات ظہر کے فرضوں سے پہلے اور دو رکعات فرضوں کے بعد، دو رکعات مغرب کے بعد اور دو رکعات عشاء کے بعد۔

(ترمذی حدیث380)

مغرب کے بعد کی سنتیں۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صلی المغرب ست رکعات لم یَتَکَلَّمْ فیما بینھن بسوء عُدِلْنَ لَهُ بِعَبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً۔ جو مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے جن کے درمیان کوئی بری بات نہ کرے تو اُس کے لئے یہ بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی فضل التطوع حدیث399 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السنن 30 حدیث 1173)

اس نماز کا نام اوّابین ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ چھ رکعتیں مغرب کی سنتوں اور نفلوں کے ساتھ ہیں۔ خیال رہے کہ ان جیسی احادیث فضائل میں عبادت کا ثواب مراد ہوتا ہے نہ کہ اصل عبادت۔ لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک نمازِ اوّابین پڑھ کر ۱۲ سال تک نماز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ226/2)

عشاء کی سنتیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ما صلّی رسول اللہ ﷺ العشاء قط فدخل علی الا صلی اربع رکعات اوست رکعات: رسول اللہ ﷺ جب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر میرے گھر میں داخل ہوئے، آپ ﷺ نے چار یا چھ رکعات ادا کیں۔

(ابو داود کتاب الصلوٰۃ2 باب الصلوٰۃ بعد العشاء305 حدیث 1108 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السنن 30 حدیث 1175)

ایک روایت میں گھر میں داخل ہونے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

(مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین 7باب فضل السنن الراتبہ 16 حدیث 1201)

لہٰذا کم از کم دو رکعت ضرور پڑھی جائیں۔

نمازی پر دوزخ کی آگ حرام کردی جاتی ہے۔

حدیث18: حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ حَافَظَ عَلَى أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى

النّار۔ جس شخص نے ظہر سے پہلے چار رکعات اور ظہر کے بعد چار رکعات پر پابندی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو آگ پر حرام کر دیا۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ 2باب ما جاء فی الرکعتین بعد الظھر 204حدیث: 393 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السنن 30 حدیث 1167)

حضرت ابوایوب انصاری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهرِ ليس فيهن تَسْلِيمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ ابوابُ السَّمَاءِ۔ ظہر سے پہلے چار رکعتیں جن کے بیچ میں سلام نہ ہو، ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

(ابو داود کتاب الصلوٰۃ 2باب الاربع قبل الظھر 296حدیث: 1078 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السنن 30 حدیث 1168)

عصر کی سنتیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رَحِمَ اللهُ امْرَاءً صَلّٰى قبلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا۔ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے عصر سے پہلے چار رکعات (سنتیں) ادا کیں۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ 2باب ما جاء فی الاربع قبل العصر 206 حدیث: 395 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السنن 30 حدیث 1170)

عشاء اور فجر کی نماز با جماعت ادا کرنے کی فضیلت۔

حدیث 19: حضرت عثمان بن عفان ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِى جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِى جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ۔ جس نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز با جماعت ادا کی گویا اس نے ساری رات نماز پڑھی۔

(مسلم کتاب المساجد 6باب فضل صلوٰۃ العشاء 47حدیث 1049-656 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب فضیلۃ الصلوات 3حدیث: 630)

نماز کیلئے مسجد کی طرف جانے پر حج کا ثواب ملتا ہے۔

حدیث 20: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلوٰةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ
وَمَنْ خَرَجَ إِلَى تَسْبِيحِ الضُّحَى لَا يَنْصِبُهُ إِلَّا إِيَّاهُ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلَاةٌ
عَلَى إِثْرِ صَلَاةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتَابٌ فِي عِلِّيِّينَ ۔ جو کوئی فرض نماز کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے نکلے، اس کا ثواب احرام باندھنے والے حاجی کی طرح ہے اور جو خاص چاشت کی نماز کے لئے نکلے کہ یہ نماز ہی اسے نکالے، اس کا ثواب عمرہ والے کی طرح ہے اور نماز کے بعد دوسری نماز جس کے درمیان کوئی بیہودہ بات نہ ہو اس کا نام عِلِّيِّين میں تحریر ہوگا۔

(ابو داود کتاب الصلوٰۃ 2باب ما جاء فی فضل المشی 49حدیث 471 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد7 الفصل الثانی حدیث:728)

خیال رہے کہ چاشت کی نماز اور دیگر نوافل اگرچہ گھر میں افضل ہیں لیکن اگر گھر کے مشاغل اور بچوں کے شور کی وجہ سے مسجد میں پڑھے تو بھی بہتر ہیں یہاں یہ ہی مراد ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز مسجد میں ہی افضل ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عِلِّيِّين ساتویں آسمان کے اوپر دفتر ہے جہاں ابرار کے نیک اعمال لکھے جاتے ہیں چونکہ اونچی جگہ پر واقع ہے، اس لئے اس کو عِلِّيِّين کہتے ہیں۔

نماز اشراق ادا کرنے پر حج اور عمرہ کا ثواب۔

حدیث 21: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ:قال رسولُ اللهِ ﷺ: تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔ جس نے نمازِ فجر با جماعت ادا کی پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا پھر اس نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اس کے لئے حج اور عمرہ کا ثواب ہے۔ راوی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پورے کا پورے کا پورے کا (ثواب)۔

(ترمذی کتاب الجمعہ 3باب ذکر ما یستحب 60حدیث:535 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ 18 حدیث: 971)

حج فرض ہے، عمرہ سنت، ایسے ہی نمازِ فجر فرض اور دو رکعتیں سنت۔ اس لئے ان دونوں کو جمع کرنے میں حج اور عمرے کا ثواب ہے۔

تحیۃُ الوضو ادا کرنے سے عالی مقامات حاصل ہوتے ہیں۔

حدیث 22: حضرت بریدہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی، حضرت بلال ؓ کو بلایا اور فرمایا کہ: یا بلالُ بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ ما دخلتُ الجنة قَطُّ إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي قَالَ بِلَالُ يارسُولَ اللهِ مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إلا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهَا وَرَأَيْتُ إِنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِهِمَا۔

تم کس وجہ سے جنت میں مجھ پر سبقت لے گئے، میں جنت میں کبھی بھی داخل نہ ہوا مگر اپنے آگے تمہارے قدموں کی آواز سنی۔ عرض کیا یارسول اللہ! (ﷺ) میں جب بھی اذان پڑھتا ہوں تو اس کے بعد دو رکعتیں ادا کرتا ہوں اور جب بھی بے وضو ہو جاتا ہوں، فوراً وضو کر لیتا ہوں اور میں نے سمجھ رکھا تھا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو رکعتیں لازمی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دو رکعتوں کے سبب تمہیں یہ مقام ملا ہے۔

(ترمذی کتاب المناقب 46 باب مناقب عمر 15 حدیث 3622 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب التطوع 39 حدیث: 1326)

اسی کی مثل حدیث بخاری اور مسلم شریف میں بھی ہے لیکن اس میں صرف تحیۃ الوضو کا ذکر ہے۔ اذان کے بعد دو رکعتوں کا ذکر نہیں ہے۔

(بخاری کتاب الجمعہ 11 باب فضل الطہور 174 حدیث: 1081-1149 مسلم کتاب فضائل الصحابہ 45 باب من فضائل عمر 21 حدیث: 4497-2458 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب التطوع 39 حدیث: 1322)

اس حدیث سے اذان کے بعد دو رکعتیں ادا کرنے اور باوضو رہنے اور وضو کے بعد نفل پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوئی اور یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی نفلی عبادت کو واجب کی طرح ہمیشہ ادا کرے تو اس سے نفل حرام نہیں ہو جاتے جیسے اذان سے قبل اور بعد اور جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اور ہر نئی چیز بدعت نہیں ہوتی اور اپنے اجتہاد سے مقرر کی

ہوئی بعض عبادات پر ثواب ملتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی سنت کی مخالفت نہ ہوتی ہو یا حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع نہ کیا ہو جیسے فرض نماز کے بعد اور سنتیں اور نوافل ادا کرنے کے بعد اجتماعی دعا مانگنا یا اجتماعی ذکر کرنا وغیرہ۔ یہ اُمور جائز ہیں کیونکہ شریعت میں اس سے منع نہیں کیا گیا۔

نماز دخولِ جنت کا سبب ہے۔

حدیث23: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسولَ اللہِ اَخبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ قَالَ: لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيْمٍ وَاِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمضانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ: یارسول اللہ! (ﷺ) آپ مجھے ایسے عمل کی خبر دیں جو مجھے جنت میں داخل کردے اور جہنم سے دور کردے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تونے مجھ سے بہت بڑا سوال کیا ہے لیکن یہ اس کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ آسان کردے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور کعبہ کا حج کرو۔

(ترمذی کتاب الایمان 37 باب ما جاء فی حرمة الصلوٰۃ 8 حدیث: 2541 مشکوٰۃ کتاب الایمان الفصل الثانی حدیث: 29)

نماز سے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں۔

حدیث24: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَيْنِ مِنْ شَجَرَةٍ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ يَتَهَافَتُ فَقَالَ يا اَبَاذَرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يارسُولَ اللّٰهِ قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَيُصَلِّي الصَّلٰوةَ يُرِيْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتَ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ كَمَا يَتَهَافَتُ هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ • نبی کریم ﷺ سردی کے موسم میں باہر تشریف لے گئے جب پتے جھڑ رہے تھے۔ حضور انور ﷺ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑلیں چنانچہ پتے جھڑنے لگے۔ فرمایا: اے ابوذر! میں نے عرض کی۔ حضور! حاضر ہوں۔ فرمایا: جب مسلمان بندہ اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ایسے ہی جھڑ جاتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد 20576 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث 576)

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حدیث 25: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: اَنَّ رَجُلاً اَصَابَ مِنَ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَخْبَرَهُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى "اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ هٰذَا؟ قَالَ: لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ۔ ایک مرد نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری" کہ دن کے کناروں اور رات کی ساعتوں میں نماز قائم کرو، نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں" اس نے کہا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا یہ صرف میرے لئے ہے؟ فرمایا: میری ساری اُمت کے لئے ہے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ 9 باب الصلوٰۃ کفارۃ 4 حدیث: 495-526 مسلم کتاب التوبہ 50 باب قولہ تعالیٰ اِنَّ الحسنات 7 حدیث: 4963- 2763 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الاول 566)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام خطائیں معاف کرانے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس آیت پر عمل کرتے تھے" اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے حضور حاضر ہو کر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی ان کے لئے استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔

(سورۃ النساء 64)

مجرم بلائے آئے ہیں جَآءُوْكَ ہے گواہ
پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا" العبرۃ بعموم الالفاظ لا بخصوص السبب" اعتبار عموم

الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ شانِ نزول کا مثلاً یہ آیت اس صحابی کے بارے میں اُتری لیکن اس کا
عام ہے۔ کوئی مسلمان کوئی گناہ صغیرہ کرے۔ اس کی نمازیں وغیرہ معافی کا ذریعہ ہیں کیوں
صغیرہ پر دوام (ہمیشگی) کبیرہ ہے اور یہ جان کر بوس و کنار کرنا یا گانے سننا یا غیر اسلامی فلم
دیکھنا کہ نماز سے معاف کرالیں گے، کفر ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جرأت کرنا ہے۔
حدیث اس کے لئے ہے جو اتفاقاً ایسا معاملہ کر بیٹھے پھر شرمندہ ہو کر توبہ کرے۔ لہٰذا
حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اس میں ان حرکتوں کی اجازت دے دی گئی۔

نماز روزہ سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حدیث 26: حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمْعَةُ اِلَى الْجُمْعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ
بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ۔ پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان
تک درمیان کے گناہ مٹانے والی ہیں، جب کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔
(مسلم کتاب الطہارۃ 3 باب الصلوات الخمس 5 حدیث 342-233 مشکوٰۃ کتاب
الصلوٰۃ الفصل الاول 564)

نمازِ پنج گانہ روزانہ کے صغیرہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہیں، اگر کوئی ان نمازوں کے ذریعہ
گناہ نہ بخشوا سکا تو نمازِ جمعہ ہفتہ بھر کے صغائر کا، اگر کوئی جمعہ کے ذریعہ بھی گناہ نہ بخشوا سکا
اسے اچھی طرح ادا نہ کیا تو رمضان المبارک سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ خیال رہے کہ
گناہِ کبیرہ جیسے کفر و شرک، زنا، چوری وغیرہ یوں ہی حقوق العباد بغیر توبہ معاف نہ ہوں گے۔
خیال رہے کہ جو اعمال گنہگاروں کی معافی کا ذریعہ ہیں وہ نیکوکاروں کی بلندیٔ درجات کا ذریعہ
ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے: " اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۔ " (سورۃ النساء ۳۱)

سنت کے مطابق نماز ادا کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حدیث 27: حضرت عثمان ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو

فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَ هَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتَ كَبِيْرَةً وَذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ۔ جس مسلمان نے بھی فرض نماز کا وقت پایا، اچھی طرح وضو کیا، خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھی، تو وہ نماز اس کے پچھلے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی، جب تک کہ وہ کوئی کبیرہ گناہ نہ کرے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

(مسلم کتاب الطہارۃ 3باب فضل الوضوء 4حدیث:335-228 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ286)

پانچ نمازوں سے گناہوں کا مَیل دُور ہونیکی مثال۔

حدیث 28: حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ ؟ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قال: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔

بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ نہائے کیا اس پر کچھ میل رہے گا لوگوں نے عرض کیا: بالکل میل نہ رہے گا۔ فرمایا یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے گناہ مٹاتا ہے۔

(مسلم کتاب المساجد 6باب المشی الی الصلوٰۃ 52حدیث :1071-667 بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ 9باب الصلوات الخمس6 حدیث 497مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الاول :565-528)

چالیس دن باجماعت نماز پڑھنے والا آگ اورنفاق سے بری ہے۔

حدیث 29: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَتْ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ: جو اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس روز باجماعت نماز پڑھے کہ پہلی تکبیر پاتا رہے تو اسکے لئے دو پروانے لکھ دیئے جاتے ہیں ایک پروانہ آگ

سے آزادی کا اور دوسرا نفاق (منافقت) سے آزادی کا۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ 2 باب ما جاء فی فضل التکبیرۃ الاولیٰ 66 حدیث 224 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب ما علی الماموم 28 الفصل الثانی حدیث: 1144)

اس عمل کی برکت سے یہ شخص دنیا میں منافقین کے اعمال سے محفوظ رہے گا، اسے اخلاص نصیب ہوگا، قبر و آخرت میں عذاب سے نجات پائے گا۔

نماز کیلئے مسجد کی طرف چلنے سے ہر قدم پر گناہ مٹتے ہیں۔

حدیث 30: حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ ثُمَّ مَشَى إِلَى بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللهِ لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِنْ فَرَائِضِ اللهِ كَانَتْ خُطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيْئَةً وَالأُخْرٰى تَرْفَعُ دَرَجَةً

جو اپنے گھر سے وضو کر کے اللہ کے گھروں میں سے کسی ایک گھر کی طرف چلا، تا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کوئی فرض ادا کرے تو اس کے ہر قدم کے بدلہ میں ایک گناہ معاف ہوگا اور دوسرے سے ایک درجہ بلند ہوگا۔

(مسلم کتاب المساجد 6 باب المشی الی الصلوٰۃ 52 حدیث: 1070-666)

مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنے سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

حدیث 31: حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ خطائیں مٹادے اور درجے بلند کردے؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ! (ﷺ) آپ ﷺ نے فرمایا: تکلیف کے وقت مکمل وضو کرنا، مسجد کی طرف زیادہ قدم رکھنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا تمہارے لئے یہی رباط ہے، تمہارے لئے یہی رباط ہے۔

(مسلم کتاب الطہارۃ 3 باب خصال الفطرۃ 16 حدیث: 369-251 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ 282)

رباط کا لغوی معنی ہے: گھوڑا پالنا، اِصطلاح میں جہاد کی تیاری کرنا یا سرحدِ اسلام پر رہ کر کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہنا۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مورچے سنبھالنا ظاہری رباط ہے اور مذکورہ بالا اعمال باطنی رباط (باطنی جہاد) نفس اور شیطان کے مقابل حدودِ ایمان کی حفاظت ہے۔

رکوع وسجود صحیح ادا کرنیوالے کیلئے اللہ تعالیٰ کی بخشش کا وعدہ۔

حدیث 32: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: خَمْسُ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ اللهُ تعالیٰ مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَّاهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَلَهُ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْد اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ۔ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیں۔ جو ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں صحیح وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع وخشوع پورا کرے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسے بخش دے گا، جو ایسا نہ کرے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ نہیں۔ اگر چاہے تو اسے بخشے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔

(ابو داود کتاب الصلوٰۃ 2باب فی المحافظۃ9حدیث: 361 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثانی 570)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کافر نہیں اور ترکِ نماز کفر نہیں کیونکہ کافر کی بخشش نہیں ہوتی۔

تارکِ نماز کو کافر یا قتل کرنے میں مذاہبِ فقہاء۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ بین الرجل وبين الشرك والكفر ترك الصلوٰة۔ انسان اور اس کے کفر وشرک کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے۔

(مسلم کتاب الایمان 2باب بیان اطلاق اسم الکفر35حدیث116-82 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الاوّل 569)

اس حدیث کے تحت شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر کے نماز کو ترک کر دے، اس کے کفر پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ وہ شخص ملت اسلامیہ سے خارج ہے، مگر یہ کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو، یا مسلمانوں کے ساتھ اتنا عرصہ نہ رہا ہو کہ اس کو نماز کی فرضیت کا علم ہو جائے اور اگر وہ نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس نے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کیا ہے جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے تو اس میں لوگوں کا اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور جمہور سلف وخلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ کافر نہیں فاسق ہے، اس سے توبہ طلب کی جائے گی۔ اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اس کو حداً قتل کر دیا جائے گا، جس طرح شادی شدہ زانی کو حد میں سنگسار کیا جاتا ہے لیکن اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا، متقدمین کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ وہ کافر ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض اصحاب شافعیہ کا بھی یہی مسلک ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور کوفہ کے دیگر علماء اور امام شافعی رحمہ اللہ کے تلمیذ امام مزنی کا مسلک یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہے اور نہ اس کو قتل کیا جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کر لے اور نماز پڑھنے لگے۔ جمہور فقہاء جن کا موقف یہ ہے کہ نماز ترک کرنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، ان کا استدلال اس آیت سے ہے ''بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم ہو اس کو بخش دیتا ہے جس کیلئے چاہے۔'' (سورہ النساء آیت :48)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے استدلال کرتے ہیں: ''من مَاتَ وهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لا اله الا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ'' جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کو لا اِلٰہ اِلا اللہ کا یقین تھا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ (مسلم کتاب الایمان حدیث :26 مشکوٰۃ:37)

جو علماء تارکِ نماز کو قتل کرنے کے قائل ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ''پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو، ان کو پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو

ان کا رستہ چھوڑ دو''۔ (سورۃ توبہ آیت:5)

اس آیت کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے، یعنی اگر وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، ورنہ ان کو قتل کر دو۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُمِرْتُ ان اُقَاتِلَ الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ ویقیموا الصلوۃ ویؤتوا الزکوۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماء ھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللہ۔ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے۔

(بخاری کتاب الایمان 25 مسلم 22 مشکوۃ 12)

اس حدیث کے بھی مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے، یعنی جس شخص نے نماز نہیں پڑھی اس کی جان و مال محفوظ نہیں ہوں گے۔

جواب: فقہائے احناف اس آیت اور حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس آیت اور حدیث میں صرف نماز کے ترک کرنے پر قتل کا حکم نہیں ہے اس میں بحث ہے، اس آیت اور حدیث میں اس شخص کو قتل کرنے کا حکم ہے جو ایمان نہ لائے اور نماز نہ پڑھے اور زکوۃ ادا نہ کرے یعنی ایمان اور عمل صالح دونوں کے مجموعہ کے تارک کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ صرف نماز کے تارک کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں سے زکوۃ نہ دینے کی وجہ سے قتال کیا تھا وہ ادائیگی زکوۃ کا انکار کرتے تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

جو علماء تارک نماز کو کافر کہتے ہیں، ان کی دلیل اس باب کی احادیث ہیں: انسان اور اس کے کفر و شرک کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے۔ (مسلم 82 مشکوۃ 569)

دوسرے علماء نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ انسان نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اس سزا کا مستحق ہے جو کافر کو نماز کے ترک کی وجہ سے دی جاتی ہے، یا یہ تاویل ہے کہ جو شخص نماز کے ترک کو جائز اور حلال سمجھے وہ کافر ہے یا یہ کہ نماز کے ترک کی شامت انسان کو انجام کار کفر

کی طرف لے جاتی ہے یا اس کا نماز نہ پڑھنا کافروں جیسا فعل ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر فقہاء نماز ترک کرنے والے کو قتل کرنے کے قائل نہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّيْنِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔ جو مسلمان شخص اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے اور میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی گواہی دیتا ہو، اس کو قتل کرنا جائز نہیں، جب تک تین اسباب میں سے ایک سبب نہ پایا جاتا ہو، جان کا بدلہ جان، وہ شخص شادی شدہ زانی ہو، وہ شخص دین اسلام کو ترک کر کے جماعتِ مسلمین سے الگ ہو جائے۔

(بخاری کتاب الدیات 67 باب ان النفس بالنفس 6 حدیث 6370-6878 مسلم کتاب القسامۃ 29 باب ما یباح بہ 6 حدیث: 3175 مشکوٰۃ کتاب القصاص 3446-1676)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو قتل کرنے کے جو تین اسباب بتائے ہیں ان میں نماز کو ترک کرنا داخل نہیں ہے۔ اسلئے اس حدیث کی بناء پر تارکِ نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

(شرح مسلم امام نووی شرح مسلم سعیدی :538/1)

امام شافعی اور امام احمد کا دلچسپ مناظرہ۔

ایک مرتبہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے امام احمد علیہ الرحمہ سے پوچھا: کیا تم تارکِ نماز کو کافر کہتے ہو؟ امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ہاں تارکِ صلوٰۃ میرے نزدیک کافر ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے پوچھا: پھر اس کے مسلمان ہونے کی صورت کیا ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ کلمہ پڑھ لے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا: کلمہ تو وہ پہلے ہی پڑھتا ہے بحث ہی اس شخص کے بارے میں ہے جو کلمہ گو ہو اور نماز نہ پڑھتا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا: پھر اس کی توبہ کی صورت یہ ہے کہ وہ نماز پڑھ لے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ تو کافر ہے اور کافر کی نماز ہوتی ہی نہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ (طبقات الشافعیہ)

امام شافعی علیہ الرحمہ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو کافر کہنے کی صورت میں اس کے مسلمان ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں رہ جاتی۔

نماز سے ہر جائز حاجت پوری ہوتی ہے اور ہر غم و پریشانی دور ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ. إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ۔ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (سورۃ بقرہ آیت:153)

حدیث 33: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ كَانَتْ لَهٗ إِلَى اللهِ حَاجَةٌ اَوْ إِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِي آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللهِ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ: لَآ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ الحمد لله رَبِّ العالمينَ اَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَاتَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَاحَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ جس کو اللہ تعالیٰ سے یا کسی انسان سے حاجت ہو، وہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجے پھر کہے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ حلم والا ہے کرم والا ہے، اللہ پاک ہے، بڑے عرش کا مالک ہے، سب تعریفیں جہانوں کے مالک اللہ تعالیٰ کی ہیں، الٰہی میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب اور تیری بخشش کے اعمال اور ہر نیکی میں سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کئے نہ چھوڑ اور میری کوئی حاجت نہ چھوڑ جو تیری رضا کا باعث ہے مگر اسے پورا کردے، اے سب سے بڑھ کر رحم کرنیوالے۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ 2 باب ما جاء فی صلوٰۃ الحاجۃ 236 حدیث:441 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب التطوع 39 حدیث:1327)

خیال رہے کہ حاجت روا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بعض حاجتیں براہِ راست اس سے مانگی جاتی ہیں اور بعض کسی مخلوق کے ذریعے سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض بندے حاجت روا ہوتے ہیں اور مجازی حاجت روا مان کر مشکل کشائی کے لئے ان کے پاس جانا شرک نہیں۔

مرقاۃ نے فرمایا: حاجت سے مراد دینی دنیاوی ساری حاجتیں ہیں۔

(مراۃ المناجیح از مفتی احمد یار خاں صاحب رحمہ اللہ جلد ۲/۳۰۴)

نماز حاجت روائی اور مشکل کشائی کا ذریعہ ہے۔

حدیث 34: حضرت عثمان بن حنیف ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: اِنَّ رَجُلًا ضَرِیْرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ: إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ فَقَالَ: اُدْعُهُ فَأَمَرَهُ اَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوْءَهُ وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يا محمدُ اِنِّيْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ قال عثمان فَرَجَعَ فَكُشِفَ لَهُ عَنْ بَصَرِهٖ۔ ایک نابینا شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، عرض کیا: حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے آرام دے۔ فرمایا: اگر تو چاہے تو میں دعا کروں اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ وہ بولا: حضور رب سے دعا کردیں۔ راوی کہتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعات نماز ادا کرے اور یہ دعا مانگے: الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف تیرے رحمت والے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں اور اے محمد! (ﷺ) میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب تعالیٰ کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری یہ حاجت پوری کردے۔ الٰہی! میرے بارے میں ان کی یہ شفاعت قبول فرما۔ حضرت عثمان ﷺ فرماتے ہیں: جب وہ صحابی یہ عمل کر کے واپس آیا تو اس کی آنکھیں روشن ہو چکی تھیں۔

(ابن ماجۃ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ 6 باب ما جاء فی صلوٰۃ الحاجۃ 189 حدیث 1375 ترمذی کتاب الدعوات 45 باب فی دعاء الضیف 70 حدیث:3502- احمد 16605 السنن الکبریٰ حدیث 10496 ' ترغیب وترھیب کتاب النوافل حدیث 1008 الترغیب فی صلوٰۃ الحاجۃ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب جامع الدعاء 9 الفصل الثالث حدیث:2495)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز سے مشکلیں دور ہوتی ہیں۔ دوسرا یہ ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ کی کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں ملتی اور صحابہ کرام مشکل حل کرانے کے لئے حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے۔

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑ آئے
ہمیں معلوم ہے دولت تیری عادت تیری

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو نداء کرنا اور نعرۂ رسالت لگانا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا وسیلہ بعد از وصال بھی جائز ہے کیونکہ منع پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ امام اہل سنت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے انداز میں اس حدیث کا کیا خوب ترجمہ کیا۔

یا الٰہی رحم فرما مصطفیٰ (ﷺ) کے واسطے
یارسول اللہ (ﷺ) کرم کیجئے خدا کے واسطے
مشکلیں حل کر شہ مشکل کشا کے واسطے
کر بلائیں رد شہید کربلا کے واسطے

نماز انسان کے لئے دافع البلاء ہے۔

حدیث 35: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا خَرَجْتَ مِنْ مَنْزِلِكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَمْنَعَانِكَ مِنْ مَخْرَجِ السُّوْءِ إِذَا دَخَلْتَ إِلَى مَنْزِلِكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَمْنَعَانِكَ مِنْ مَدْخَلِ السُّوْءِ۔ جب تو اپنے گھر سے باہر جائے تو دو رکعت نماز ادا کر، یہ دو رکعات تمہیں برے خروج سے بچائیں گی (یعنی ہر قسم کی آفات کو تم سے دور کریں گی) اور جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نماز ادا کر، یہ دو رکعات تمہیں گھر میں برے داخلہ سے بچائیں گی۔

(رواہ البزار فی مسندہ 81- اس حدیث کی غیر مقلد وہابی ناصر الدین البانی سے توثیق دیکھو۔ "سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ البانی" حدیث 1323)

حقیقتاً آفات اور مشکلات سے بچانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ یہاں پر اس حدیث میں آفات سے بچانے کی نسبت نماز کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ سبب ہے۔ اس کو نسبتِ مجازی کہتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کسی ولی یا نبی ﷺ کو مشکل دور کرنے والا مشکل کشا یا دافع البلا کہا جائے تو وہ بھی اس حدیث کی رو سے بالکل جائز ہوگا۔ شرک یا بدعت ہرگز نہیں ہوگا کیونکہ ان کو بھی مجازی طور پر مشکل کشا کہا جاتا ہے۔ وہ بھی مشکل دور کرنے کا سبب ہوتے ہیں، ان کی دعا سے بلائیں دور اور رزق ملتا ہے۔ جو لوگ مسلمانوں کو بغیر سوچے سمجھے مشرک کہتے ہیں، وہ سخت غلطی پر ہیں۔ وہ قرآن وحدیث میں غور نہیں کرتے، قرآن وحدیث میں اس کی ہزاروں مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (زمین اُگاتی ہے)(سورۃ بقرہ آیت:61) حالانکہ اُگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے یہاں اُگانے کی نسبت زمین کی طرف کی گئی ہے جو ایک عام مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ تو افضل مخلوق ہیں جب اللہ تعالیٰ کے کاموں کی نسبت ایک عام مخلوق کی طرف کرنا جائز ہے تو اللہ تعالیٰ کے ولی اور نبی ﷺ کی طرف بھی مجازی نسبت کرنا بدرجہ اولی جائز ہے۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو کہا "میں تمہیں ستھرا بیٹا دینے آیا ہوں" (سورہ مریم آیت:19) حالانکہ بیٹا دینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ فرشتے معصوم ہوتے ہیں وہ شرک وبدعت سے پاک ہوتے ہیں۔ اگر اللہ کے کاموں کی نسبت اپنی طرف کرنا شرک ہوتا تو جبریل علیہ السلام یہ کلمہ کبھی نہ کہتے۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی مدد اللہ کی مدد ہوتی ہے، ان کا مشکل دُور کرنا اللہ کا مشکل دُور کرنا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اللہ والے اللہ کے حکم سے بندوں کے حاجت روا مشکل کشا ہوتے ہیں بلکہ ان کے جسم کے ساتھ جو کپڑا الگ جائے وہ بھی دافع البلاء مشکل کشا ہو جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے ابا جان کے چہرے پر ڈال دینا ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

(سورہ یوسف آیت:93)

نماز کے وقت بینائی لوٹ آتی۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نابینا ہونے کی وجہ سے ایک لڑکے کو اپنے ساتھ

رکھتے تھے اور جب بھی نماز کا وقت ہوتا، آپ کا عصاء تھام کر مسجد لے آتا اور آپ کو قبلہ کی جانب کھڑا کر دیتا اور آپ باجماعت نماز ادا فرماتے۔ ایک دن نماز کے وقت وہ لڑکا نہ آیا، آپ نے اسے آواز دی لیکن وہ موجود نہ تھا۔ آپ نے شوقِ نماز میں بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔ "اے میرے مالک! یہ نابینا ہونا مجھے قیامت میں کہیں رُسوا نہ کر دے۔ مولا! مجھے رسوائی سے بچالے"۔ یہ دُعا کرنا ہی تھا کہ فوراً آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ آپ خوشی خوشی مسجد کی طرف نماز کے لئے روانہ ہو گئے اور حسبِ معمول آپ نے باجماعت نماز ادا کی پھر ہمیشہ آپ کا یہ معمول ہو گیا کہ جب نماز کا وقت ہوتا آپ کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور جب نماز ختم کر کے گھر پہنچتے تو آپ کی آنکھوں کی روشنی چلی جاتی اور آپ نابینا ہو جاتے۔

(شواھد النبوۃ' فیضانِ سنت ص1005)

بوقتِ مصیبت نماز کی اِستعانت سے اللہ کا بندہ ذِلت ورُسوائی سے بچ گیا۔

حدیث 36: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كانَ جُرَيْجٌ رَجُلًا عَابِدًا فَاتَّخَذَ صَوْمَعَةً فكانَ فِيهَا فَأَتَتْهُ أُمُّهُ وَهُوَ يُصَلِّي فَقالَتْ يا جُرَيْجُ فَقالَ يارَبِّ أُمِّي وصَلاتِي فَأَقْبَلَ عَلَى صَلاتِهِ فَانْصَرَفَتْ فَلَمَّا كانَ مِنَ الْغَدِ أَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّي فَقالَتْ يا جُرَيْجُ فَقالَ يا رَبِّ أُمِّي وصَلاتِي فَأَقْبَلَ عَلَى صَلاتِهِ فَانْصَرَفَتْ فَلَمَّا كانَ مِنَ الْغَدِ أَتَتْهُ وَهُوَ يُصَلِّي فَقالَتْ يا جُرَيْجُ فَقالَ أَيْ رَبِّ أُمِّي وصَلاتِي فَأَقْبَلَ عَلَى صَلاتِهِ فَقالَتْ: اَللّٰهُمَّ لاتُمِتْهُ حَتّٰى يَنْظُرَ إِلَى وُجُوهِ الْمُومِسَاتِ فَتَذَاكَرَ بَنُو إِسْرَائِيلَ جُرَيْجًا وَعِبَادَتَهُ وَكَانَتِ امْرَأَةٌ بَغِيٌّ يُتَمَثَّلُ مِنْ حُسْنِهَا فَقالَتْ: إِنْ شِئْتُمْ لَأَفْتِنَنَّهُ لَكُمْ فَتَعَرَّضَتْ لَهُ فَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهَا فَأَتَتْ رَاعِياً كانَ يَأْوِي إِلَى صَوْمَعَتِهِ فَأَمْكَنَتْهُ مِنْ نَفْسِهَا فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَحَمَلَتْ فَلَمَّا وَلَدَتْ قالَتْ: هُوَ مِنْ جُرَيْجٍ فَأَتَوْهُ فَاسْتَنْزَلُوهُ وَهَدَمُوا صَوْمَعَتَهُ وَجَعَلُوا يَضْرِبُونَهُ فَقالَ: مَا شَأْنُكُمْ؟ قالُوا زَنَيْتَ بِهٰذِهِ الْبَغِيِّ فَوَلَدَتْ مِنْكَ فَقالَ: أَيْنَ الصَّبِيُّ فَجَاءُوا بِهِ فَقالَ دَعُونِي حَتّٰى أُصَلِّيَ فَصَلَّى فَلَمَّا انْصَرَفَ أَتَى الصَّبِيَّ فَطَعَنَ فِي بَطْنِهِ وَقالَ يا غُلامُ مَنْ أَبُوكَ قالَ فُلانٌ الرَّاعِي فَأَقْبَلُوا عَلَى جُرَيْجٍ يُقَبِّلُونَهُ وَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ وَقالُوا نَبْنِي لَكَ صَوْمَعَتَكَ مِنْ ذَهَبٍ قالَ لا

أَعِيْدُوْهَا مِنْ طِيْنٍ كَمَا كَانَتْ فَفَعَلُوْا۔ جریج ایک عبادت گزار شخص تھا، اس نے ایک
عبادت گاہ بنایا۔ جس وقت وہ معبد میں نماز پڑھ رہا تھا اس کے پاس اس کی والدہ آئی اور کہا:
اے جریج! اس نے (دل میں) کہا: اے میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک
طرف میری نماز ہے لیکن وہ نماز پڑھتا رہا اور اس کی ماں واپس چلی گئی' دوسرے دن پھر وہ اسی
وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا اس نے کہا: اے جریج! اس نے (دل میں) کہا: اے
میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف میری نماز ہے لیکن وہ نماز پڑھتا رہا
اس کی ماں واپس چلی گئی، اگلے روز ماں پھر اس وقت آئی جب وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے کہا:
اے جریج! اس نے (دل میں) کہا: اے میرے رب! ایک طرف میری ماں ہے اور ایک
طرف میری نماز ہے لیکن وہ نماز میں مصروف رہا، اس کی ماں نے کہا: اے اللہ! جب تک
فاحشہ عورت کا منہ نہ دیکھ لے اس پر موت طاری نہ کرنا، بنی اسرائیل جریج اور اس کی عبادت کا
بہت چرچا کرتے تھے۔ بنی اسرائیل میں ایک بدکارہ عورت تھی جس کا حسن ضرب المثل تھا
اس نے کہا: اگر تم چاہو تو میں جریج کو فتنہ میں مبتلا کر دوں، وہ عورت جریج کے پاس گئی۔ جریج
نے اس کی طرف توجہ نہ کی، ایک چرواہا جریج کے عبادت خانے میں رہتا تھا، اس عورت نے
اس چرواہے کو اپنے نفس کی دعوت دی، چرواہے نے اس سے اپنی خواہش پوری کی جس سے
عورت حاملہ ہو گئی جب اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس نے کہا: یہ جریج کا بچہ ہے۔ لوگ آئے
انہوں نے جریج کو عبادت گاہ سے اُتارا اور عبادت گاہ کو گرا دیا اور لوگوں نے جریج کو مارنا
شروع کیا، جریج نے پوچھا: تمہارے اس ہنگامے کا کیا سبب ہے، لوگوں نے کہا کہ تم نے اس
بدکارہ عورت سے زنا کیا ہے اور تم سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے، جریج نے کہا: وہ بچہ کہاں ہے؟ لوگ
اس بچہ کو لے کر آئے۔ جریج نے کہا: ٹھہرو! مجھے نماز پڑھنے دو، اس نے نماز پڑھی، فارغ ہو کر
بچہ کے پاس آیا اور اس کے پیٹ میں اُنگلی چبھو کر کہا: اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نے کہا
: فلاں چرواہا، لوگ جریج کی طرف مڑے، اس کو بوسے دینے لگے اور حصولِ برکت کے لیے اس
کو چھونے لگے اور کہا: ہم آپ کے لیے سونے کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں۔ جریج نے کہا: نہیں
تم اسی طرح مٹی کا بنا دو۔

(مسلم کتاب البر 46باب تقدیم بر الوالدین 2 حدیث: 2550-4626 بخاری کتاب
احادیث الانبیاء 42باب واذکر فی الکتاب مریم 42حدیث :3181-3436)

اس سے معلوم ہوا کہ مشکل کے وقت نماز پڑھنے سے بڑی سے بڑی مشکل دور ہو جاتی ہے اور مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد چاہنا انبیاء اور اولیاء کرام کا طریقہ ہے لیکن اس کے برعکس ہم پر اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اگر پہلے نماز پڑھتے بھی ہوں تو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ترقی کی جو نئی راہیں زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے حرم سے بیبیاں نکلیں
مصیبت میں بھی انہیں یادِ خدا آتی نہیں
منہ سے دعا نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

درج بالا حدیث میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ثبوت ہے کہ ایک ولی کے کہنے پر دودھ پیتا بچہ بول پڑا۔

کرامت کی تعریف۔

جو کام عام لوگوں کی طاقت اور عادت کے خلاف ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے ولی سے بغیر دعویٰ نبوت کے ظہور ہو، اس کو کرامت کہتے ہیں۔ بعض اوقات اولیاء اللہ کی کرامات ان کی طلب اور اختیار سے واقع ہوتی ہیں جیسے حضرت جریج کا یہ واقعہ اور حضرت آصف بن برخیاء کا تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دینا اور کبھی اولیاء اللہ کی طلب اور اختیار کے بغیر کرامات واقع ہوتی ہیں جیسے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس بے موسمی پھلوں کا آنا، یہی حال معجزات کا ہے۔

بے نمازی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی امان نہیں۔

حدیث 37: حضرت جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلَّى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِی ذِمَّةِ اللهِ فَلاَ يَطْلُبَنَّكُمُ اللهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ مَنْ يَطْلُبُهُ مِنْ ذِمَّتِهِ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهُ عَلٰى وَجْهِهِ فِى نَارِ جَهَنَّمَ۔ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ تعالیٰ کی امان میں ہے، پس کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی امان میں خلل نہ ڈالے، جس نے اللہ تعالیٰ کی امان میں خلل ڈالا اللہ تعالیٰ اس کو اوندھے منہ جہنم کی آگ

میں ڈال دے گا۔

(مسلم کتاب المساجد 6باب فضل صلوۃ العشاء 47 حدیث:1050*657 مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب فضیلۃ الصلوات 3 حدیث:627)

فجر کی نماز پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کی امان میں ایسا ہوتا ہے جیسے ڈیوٹی کا سپاہی حکومت کی امان میں کہ اس کی بے حرمتی حکومت کی بے حرمتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم نمازی کو ستاؤ اور قیامت میں سلطنتِ الٰہیہ کے باغی بن کر پکڑے جاؤ۔

تارکِ نماز کا حکم۔

ارشادِ ربانی ہے: فَخَلَفَ مِن مْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ پس ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے، عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔

(سورہ مریم:59)

ارشادِ ربانی ہے: فِيْ جَنّٰتٍ يَّتَسَآءَ لُوْنَ ٭ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ٭ مَاسَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرٍ ٭ قَالُوْ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۔ اہل جنت مجرموں سے سوال کرتے ہیں تمہیں کس بات دوزخ میں لے گئی؟ وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔

(سورۃ المدثر:43-40)

ارشادِ ربانی ہے: يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ٭ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ۔ جس دن ایک ساق کھولی جائے گی (جس کے معنیٰ اللہ ہی جانتا ہے) اور سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے☆ نیچی نگاہیں کئے ہوئے ان پر ذلت چڑھ رہی ہوگی اور بیشک وہ دنیا میں سجدہ کی طرف بلائے جاتے تھے جب وہ تندرست تھے۔

(سورۃ القلم:42-41)

بے نماز کے کان میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔

حدیث 38: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقِيْلَ مَازَالَ نَائِمًا حَتّٰى اَصْبَحَ مَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ: بَالَ الشَّيْطَانُ

فِي أُذُنِهٖ۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: وہ صبح تک سوتا رہا، نماز کے لئے نہ اُٹھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان نے اس شخص کے کان میں پیشاب کر دیا۔

(بخاری کتاب الجمعۃ 11 باب اذا نام ولم یصل 170 حدیث: 1076-1144
مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین 7 باب ما روی فیمن نام الیل 28 حدیث 1293
مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب التحریض علی قیام الیل 33 حدیث: 774،1221)

یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی کوتاہی کی وجہ سے صبح کو نہ جاگیں اور رات کو دیر تک جاگتے رہیں اور صبح کی نماز کو قضا کرنا اپنی عادت بنالیں اور اس حدیث میں کسی منافق کا ذکر ہے کیونکہ عشاء اور فجر کی نمازیں ان پر بھاری ہیں۔ اس حدیث سے کوئی صحابی مراد نہیں کیونکہ تمام صحابہ نماز کے عاشق تھے۔ ان کی راتیں عبادت میں اور دن جہاد میں گزرتے تھے۔

دانستہ نماز چھوڑنے کا گناہ۔

حدیث 39: حضرت معاذ بن جبل ؓ بیان کرتے ہیں: أَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللهِ شَيْئًا وَإِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَإِنْ أَمَرَاكَ أَنْ تَخْرُجَ مِنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَإِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللهِ۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں کی وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ مانو، اگرچہ مار دیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ، اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمہیں اپنے گھر بار اور مال سے نکل جانے کا حکم کریں، فرض نماز عمداً ہرگز نہ چھوڑو کیونکہ جو کوئی دانستہ نماز چھوڑ دے اس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ و ضمان جاتا رہا۔

(احمد 21060 مشکوٰۃ کتاب الایمان باب الکبائر الفصل الثالث 61)

بے نماز اللہ تعالیٰ کی امان میں نہیں رہتا۔ نماز کی برکت سے انسان دنیا میں آفتوں سے، مرتے وقت خرابی خاتمہ سے، قبر میں ناکام ہونے سے اور حشر میں مصیبتوں سے بفضلہ تعالیٰ امن میں رہتا ہے۔

بے نماز کی قبر میں سزا۔

حدیث 40: حضرت سمرہ بن جندب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّهُ آتَانِي اللَّيْلَةَ آتِيَانِ، وَإِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِي، وَإِنَّهُمَا قَالَا لِي انْطَلِقْ وَإِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا، وَإِنَّا أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ وَإِذَا آخَرُ قَائِمٌ عَلَيْهِ بِصَخْرَةٍ وَإِذَا هُوَ يَهْوِي بِالصَّخْرَةِ لِرَأْسِهِ فَيَثْلَغُ رَأْسَهُ فَيَتَدَهْدَهُ الْحَجَرُ هَا هُنَا فَيَتْبَعُ الْحَجَرَ فَيَأْخُذُهُ فَلَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ حَتَّى يَصِحَّ رَأْسُهُ كَمَا كَانَ ثُمَّ يَعُودُ عَلَيْهِ فَيَفْعَلُ بِهِ مِثْلَ مَا فَعَلَ الْمَرَّةَ الْأُولَى قُلْتُ لَهُمَا سُبْحَانَ اللَّهِ مَا هٰذَانِ قَالَا لِي فَإِنَّهُ الرَّجُلُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ وَيَنَامُ عَنِ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوبَةِ۔ رات میرے پاس دو فرشتے آئے انہوں نے مجھے اُٹھایا اور کہا چلئے، میں ان کے ساتھ چل دیا تو ہم ایک ایسے آدمی کے پاس پہنچے جو لیٹا ہوا تھا اور دوسرا اس کے پاس پتھر لئے کھڑا تھا۔ وہ اس کے سر پر مارتا جس سے وہ پھٹ جاتا چنانچہ پتھر وہاں سے لڑھک کر دور چلا جاتا، وہ پتھر کے پیچھے جاتا ہے، وہ اسے لے کر واپس نہیں آتا کہ اتنی دیر میں اس کا سر درست ہو جاتا ہے پھر واپس لوٹ کر وہ اسی طرح کرتا ہے جیسے اس نے پہلی دفعہ کیا تھا۔ میں نے کہا سبحان اللہ! یہ کون ہیں انہوں نے کہا یہ وہ شخص تھا جس نے قرآن پڑھا لیکن عمل نہیں کیا اور فرض نماز کے وقت سویا رہا۔

(بخاری کتاب التعبیر 71 باب تعبیر الرؤیا 48 حدیث: 6525-7047 مسلم کتاب الرؤیا: 2275 4220 مشکوٰۃ کتاب الرویا: 4621)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو سر اللہ تعالیٰ کے لئے نہ جھکے وہ قبر میں کچلا جائے گا اور یہ سزا اس کو قیامت تک ملتی رہے گی وہ قرآن پڑھا ہوا تھا اتنی بڑی نعمت اسے عطا ہوئی تھی جس کا اس نے شکر ادا نہ کیا جس کی وجہ سے اس کو یہ سزا ملی۔

سونے والے اپنے رب کو سجدہ کرکے سو
کیا خبر اُٹھے یا نہ اُٹھے صبح کو
کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

طبع آزاد پہ قید رمضان بھاری ہے
تمھی کہہ دو یہی آئین وفاداری ہے
قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں محفلِ انجم بھی نہیں
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے
جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
اُمراء نشّۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملتِ بیضاء غربا کے دم سے

☆☆☆

كِتَابُ الطَّهَارَةِ

اَلْاَحْکَامُ الشَّرِیْعَۃُ

چند ضروری اصطلاحات قابل ذکر ہیں کہ ان سے ہر جگہ کام پڑتا ہے۔ اَلْمَشْرُوْعُ اَنْوَاعٌ اَرْبَعَۃٌ فَرْضٌ وَوَاجِبٌ وَسُنَّۃٌ وَمُسْتَحَبٌّ وَیَلِیْھَا الْمُبَاحُ۔ جائز اُمور چار قسم پر ہیں: فرض، واجب، سنت اور مستحب اور انہی کے ساتھ مباح بھی ہے۔

وَغَیْرُ الْمَشْرُوْعَاتِ نَوْعَانِ مُحَرَّمٌ وَمَکْرُوْہٌ۔ ناجائز اُمور دو قسم پر ہیں: حرام اور مکروہ اور مکروہ کی دو قسمیں ہیں: تحریمی اور تنزیہی۔

"اَمَّا الْفَرْضُ" فَمَا ثَبَتَ بِدَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ لَاشُبْھَۃَ فِیْہِ وَحُکْمُہُ الثَّوَابُ بِالْفِعْلِ وَالْعِقَابُ بِالتَّرْکِ بِلَا عُذْرٍ وَالْکُفْرُ بِالْاِنْکَارِ فِی الْمُتَّفَقِ عَلَیْہِ۔ فرض وہ شرعی حکم ہے کہ جو ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ نہ ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ہے اور بلا عذر چھوڑنے پر عذاب اور اس کا انکار کفر ہے اور اس پر اتفاق ہے جیسے پانچ نمازیں یا نماز میں قیام رکوع سجدہ وغیرہ اور اس کو فرض اعتقادی بھی کہتے ہیں۔

"وَالْوَاجِبُ" مَا ثَبَتَ بِدَلِیْلٍ فِیْہِ شُبْھَۃٌ وَحُکْمُہٗ کَحُکْمِ الْفَرْضِ عَمَلًا لَا اِعْتِقَادًا فَلَا یَکْفُرُ جَاحِدُہٗ۔ واجب وہ شرعی حکم ہے جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں شبہ ہو اور اس کا حکم عمل کے لحاظ سے فرض کی طرح ہے لیکن اعتقادی فرض کی طرح نہیں یعنی اس کا منکر کافر نہیں ہے جیسے نماز وتر وغیرہ۔

"وَالسُّنَّۃُ" مَا وَاظَبَ عَلَیْہِ النَّبِیُّ ﷺ مَعَ تَرْکِہٖ مَرَّۃً اَوْمَرَّتَیْنِ. وَحُکْمُہُ الثَّوَابُ بِالْفِعْلِ وَالْعِتَابُ بِالتَّرْکِ فِی سُنَّۃِ الْھُدٰی۔ اور سنتِ مؤکدہ وہ فعل ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو لیکن ایک یا دو مرتبہ اس کو چھوڑ بھی دیا ہو اس کے کرنے پر ثواب ہے اور چھوڑنے پر ملامت۔ جیسے ظہر سے قبل چار سنت وغیرہ۔

"وَالْمُسْتَحَبُّ" مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ مَرَّةً وَتَرَكَهُ مَرَّةً اُخْرٰى وَمَا اَحَبَّهُ السَّلَفُ وَحُكْمُهُ الثَّوَابُ بِالْفِعْلِ وَ عَدَمُ الْعِقَابِ بِالتَّرْكِ۔ مستحب وہ ہے جسے نبی کریم ﷺ نے کبھی کیا اور کبھی چھوڑ دیا ہو اور جس کو صحابہ و تابعین نے پسند کیا ہو۔ اس کے کرنے پر ثواب ہے اور چھوڑنے پر عذاب نہیں جیسے عصر سے قبل چار سنت وغیرہ۔

"وَالْمُبَاحُ" مَا يُخَيَّرُ الْعَبْدُ بَيْنَ الْاِتْيَانِ وَالتَّرْكِ وحُكْمُهُ عَدَمُ الثَّوَابِ وَالْعِقَابِ فِعْلًا وَتَرْكًا۔ مباح وہ ہے جس کے کرنے اور نہ کرنے پر بندہ کو اختیار دیا گیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب نہیں اور چھوڑنے پر ملامت نہیں۔ جیسے کھانا پینا سونا لیکن یہ اس وقت ہے جب اس مباح کو عادتاً کیا جائے اور اگر اس میں اچھی نیت کی جائے تو اس پر ثواب بھی ہے مثلاً اس لئے کھائے پیے تاکہ عبادت کے لئے طاقت حاصل ہو تو اس پر ثواب ملے گا۔

"وَالْمُحَرَّمُ" مَا ثَبَتَ النَّهْيُ فِيْهِ بِلَا مُعَارِضٍ لَهُ وَحُكْمُهُ الثَّوَابُ بِالتَّرْكِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْعِقَابُ بِالْفِعْلِ وَالْكُفْرُ بِالْاِسْتِحْلَالِ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ۔ اور حرام وہ ہے جس کے متعلق ایسی قطعی دلیل سے نہی ثابت ہو جس کے مخالف یا معارض کی کوئی دلیل نہ ہو۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ترک کرنے پر ثواب ہے اور اس کا ارتکاب کرنے پر عذاب ہے اور اس حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اور اس پر اتفاق ہے۔ جیسے کسی کو ناحق قتل کرنا یا اس کا مال لوٹنا، شراب پینا وغیرہ۔

"وَالْمَكْرُوْهُ" مَا ثَبَتَ النَّهْيُ فِيْهِ مَعَ الْمُعَارِضِ وَحُكْمُهُ الثَّوَابُ بِالتَّرْكِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَخَوْفُ الْعِقَابِ بِالْفِعْلِ وَ عَدَمُ الْكُفْرِ بِالْاِسْتِحْلَالِ۔ مکروہ، وہ ہے جس کے متعلق ایسی دلیل سے نہی ثابت ہو جس کے مخالف یا معارض کوئی دلیل ہو، اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ترک کرنے پر ثواب ہے اور اس کا ارتکاب کرنے پر عذاب ہے اور اس کو حلال سمجھنا کفر نہیں ہے اور مکروہ کی بھی دو قسمیں ہیں: مکروہ تحریمی و مکروہ تنزیہی۔

(خلاصہ کیدانی)

مولانا عبدالعلی مسلم الثبوت کی شرح میں لکھتے ہیں: فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اگر دلیل قطعی کے ساتھ کسی فعل کی حتمی طلب ہو تو وہ فرض ہے اور اگر دلیل قطعی کے ساتھ کسی کام کو ترک کرنے کی حتمی طلب ہو تو وہ حرام ہے۔ اگر دلیل ظنی کے ساتھ کسی فعل کی حتمی طلب ہو تو وہ واجب ہے اور اگر دلیل ظنی کے ساتھ کسی کام کو ترک کرنے کی حتمی طلب ہو تو وہ مکروہ تحریمی ہے۔ وجوب اور مکروہ تحریمی دونوں فرض اور حرام کے ساتھ اس چیز میں شریک ہیں کہ دونوں کے ترک پر اُخروی عذاب کا استحقاق ہے۔ (فواتح الرحموت :58/1)

اگر فعل کی طلب راجح ہو تو وہ فعل مستحب ہے اور اگر ترک کی طلب راجح ہو تو وہ فعل مکروہ تنزیہی ہے اور فعل یا ترک کی حتمی طلب کا مطلب یہ ہے کہ اس کام کو کرنا یا اس کا ترک لازم اور ضروری ہو اور نہ کرنے پر اُخروی عذاب کا استحقاق ہو اور راجح طلب کا مطلب یہ ہے کہ اس فعل کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر کوئی مؤاخذہ نہ ہو اور جس کام کے کرنے کی طلب ہو اور نہ اس کے نہ کرنے کی طلب ہو وہ فعل مباح ہے۔

(شرح مسلم سعیدی :440/6)

وضو کا بیان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اے ایمان والو! جب تم نماز کو کھڑا ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹوں تک پاؤں دھوؤ۔ (سورۃ المائدۃ آیت:۶)

نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔

نماز مشروط اور شرط کے بغیر مشروط نہیں پائی جاتی اس لئے سب سے پہلے طہارت کا بیان کیا جائے گا۔

حدیث 41: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُقْبَلُ صلاۃٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ ولا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں ہوتی اور حرام مال سے کوئی صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ (مسلم کتاب الطهارة :224 - 329مشکوۃ :301)

نماز کیلئے طہارت ایسی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی بلکہ جان بوجھ کر بے طہارت نماز ادا کرنے والے کو علماء نے کافر لکھا ہے اور کیوں نہ ہو کہ بے وضو یا بے غسل نماز پڑھنے والے نے عبادت کی بے ادبی اور توہین کی۔ وضو اور غسل کی سنتیں اور مستحبات پورا نہ کرنے کا اثر امام پر بھی پڑتا ہے۔

حدیث 42: حضرت شبیب بن روح سے روایت ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے راوی کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ فَاِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ فجر پڑھی اور سورہ روم کی قرأت کی۔ آپ کو متشابہ لگ گیا۔ جب نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں طہارت اچھی طرح نہیں کرتے ہم پر یہی لوگ قرآن مشتبہ کر دیتے ہیں۔

(نسائی کتاب 11 الافتتاح باب القراءۃ فی الصبح 41 حدیث :938 مشکوۃ :295 بہار شریعت 6 / :2)

وضوء اور سائنس

وضو کی حکمت کے سبب قبولِ اسلام۔

ایک صاحب کا بیان ہے کہ: "میں نے بیلجیئم میں یونیورسٹی کے ایک طالب علم کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے سوال کیا: وضو میں کیا سائنسی حکمتیں ہیں؟ میں لاجواب ہو گیا۔ اس کو ایک عالم کے پاس لے گیا لیکن ان کو بھی اس کی معلومات نہ تھیں۔ یہاں تک کہ سائنسی معلومات رکھنے والے ایک شخص نے اس کو وضو کی کافی خوبیاں بتائیں مگر گردن کے مسح کی حکمت بتانے سے وہ بھی قاصر رہا وہ چلا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آیا اور کہنے لگا، ہمارے پروفیسر نے دورانِ لیکچر بتایا: "اگر گردن کی پشت اور اطراف پر روزانہ پانی کے چند قطرے لگا دیئے جائیں تو ریڑھ کی ہڈی اور حرام مغز کی خرابی سے پیدا ہونے والے امراض سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے"۔ یہ سن کر وضو میں گردن کے مسح کی حکمت میری سمجھ میں آ گئی لہٰذا میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں اور وہ مسلمان ہو گیا۔

وضو اور مایوسی کا علاج۔

مغربی ممالک میں مایوسی یعنی (DEPRESSION) کا مرض ترقی پر ہے، دماغ فیل ہو رہے ہیں، پاگل خانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ نفسیاتی امراض کے ماہرین کے یہاں مریضوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ مغربی جرمنی کے ڈپلومہ ہولڈر ایک پاکستانی فزیوتھراپسٹ کا کہنا ہے: مغربی جرمنی میں ایک سیمینار ہوا جس کا موضوع تھا" مایوسی (DEPRESSION) کا علاج ادویات کے علاوہ اور کن کن طریقوں سے ممکن ہے" ایک ڈاکٹر نے اپنے مقالے میں ایک حیرت انگیز انکشاف کیا کہ "میں نے ڈپریشن کے چند مریضوں

کے روزانہ پانچ بار منہ دُھلائے کچھ عرصے بعد ان کی بیماری کم ہوگئی۔ پھر ایسے ہی مریضو کے دوسرے گروپ کے روزانہ پانچ بار ہاتھ، منہ اور پاؤں دُھلوائے تو مرض میں بہت اضا ہوگیا۔ یہی ڈاکٹر اپنے مقالے میں اعتراف کرتا ہے، مسلمانوں میں مایوسی کا مرض بہت کم پا جاتا ہے کیونکہ وہ دن میں کئی بار ہاتھ، منہ اور پاؤں دھوتے (یعنی وضو کرتے) ہیں۔

وضواور ہائی بلڈ پریشر۔

ایک ہارٹ اسپیشلسٹ کا بڑے وثوق کے ساتھ کہنا ہے: ہائی بلڈ پریشر کے مریض کو وض کرواؤ پھر اس کا بلڈ پریشر چیک کرو، لازماً کم ہوگا۔ ایک مسلمان ماہر نفسیات ڈاکٹر کا قول ہے نفسیاتی امراض کا بہترین علاج وضو ہے'' مغربی ماہرین نفسیاتی مریضوں کو وضو کی طرح روزا کئی بار بدن پر پانی لگواتے ہیں۔

وضواور فالج۔

وضو میں جو ترتیب وار اعضاء دُھوئے جاتے ہیں یہ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ پہلے ہاتھوں ک پانی میں ڈالنے سے جسم کا اعصابی نظام مطلع ہوجاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ چہرے اور دماغ کی رگوں کی طرف اس کے اثرات پہنچتے ہیں۔ وضو میں پہلے ہاتھ دھونے پھر کلی کرنے پھر ناک میں پانی ڈالنے پھر چہرہ اور دیگر اعضاء دُھونے کی ترتیب فالج کی روک تھام کے لئے مفید ہے۔ اگر چہرہ دھونے اور مسح کرنے سے آغاز کیا جائے تو بدن کئی بیماریوں میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

چہرہ دھونے کی حکمتیں۔

آج کل فضاؤں میں دھوئیں وغیرہ کی آلودگیاں بڑھتی جارہی ہیں۔ مختلف کیمیاوی مادے سیسہ وغیرہ میل کچیل کی شکل میں آنکھوں اور چہرے وغیرہ پر جمتا رہتا ہے۔ اگر چہرہ نہ دُھویا جائے تو چہرہ اور آنکھیں کئی امراض سے دوچار ہوجائیں۔ ایک یورپین ڈاکٹر نے ایک مقالہ لکھا، جس کا نام تھا'' آنکھ، پانی، صحت'' اس میں اس نے اس بات پر زور دیا کہ '' اپنی آنکھوں کو دن میں کئی بار دھوتے رہو ورنہ تمہیں خطرناک بیماریوں سے دوچار ہونا پڑے گا'' چہرہ دھونے سے منہ پر کیل نہیں نکلتے یا کم نکلتے ہیں۔ ماہرین حسن وصحت اس بات پر متفق ہیں کہ

ہر طرح کے LOTION اور CREAM وغیرہ چہرے پر داغ چھوڑتے ہیں۔ چہرے کو خوبصورت بنانے کے لئے چہرے کو کئی بار دھونا لازمی ہے۔ "امریکن کونسل فار بیوٹی" کی سرکردہ ممبر "بیچر" نے کیا خوب انکشاف کیا ہے کہتی ہے: "مسلمانوں کو کسی قسم کے کیمیاوی لوشن کی حاجت نہیں وضو سے ان کا چہرہ دھل کر کئی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے" محکمہ ماحولیات کے ماہرین کا کہنا ہے: "چہرے کی الرجی سے بچنے کے لئے اس کو بار بار دھونا چاہئے" الحمدللہ! ایسا صرف وضو کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ الحمدللہ! وضو میں چہرہ دھونے سے چہرے کا مساج ہو جاتا، خون کا دوران چہرے کی طرف رواں ہو جاتا، میل کچیل بھی اتر جاتی اور چہرے کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ (نماز کے احکام از مولانا محمد الیاس قادری)

حدیث 43: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ۔ قیامت کے دن میری امت اس حالت میں بلائی جائے گی کہ منہ اور ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکتے ہونگے۔ جس سے ہو سکے چمک زیادہ کرے۔

(بخاری کتاب الوضوء 133'136 مسلم کتاب الطہارۃ 3 باب استحباب اطالۃ12 حدیث: 362 -246 مشکوۃ کتاب الطہارۃ 290)

حدیث 44: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا تَوَضَّاَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ۔

جب مسلمان بندہ یا مومن وضو کرنے لگتا ہے تو جس وقت اپنا چہرہ دھوتا ہے تو جیسے ہی چہرہ سے پانی گرتا ہے یا پانی کا آخری قطرہ گرتا ہے تو اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے اپنی آنکھوں سے کئے تھے اور جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو جیسے ہی ہاتھوں سے لگ کر پانی کے قطرے

گرتے ہیں یا پانی کا آخری قطرہ گرتا ہے تو اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے ہاتھوں سے کئے تھے اور جب وہ پاؤں دھوتا ہے تو جیسے ہی پاؤں سے لگ کر پانی کے قطرے گرتے ہیں یا پانی کا آخری قطرہ گرتا ہے تو اس کے وہ گناہ جھڑ جاتے ہیں جو اس نے اپنے پاؤں سے کئے تھے یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔

(مسلم کتاب الطھارۃ 3باب خروج الخطایا 11حدیث: 360-244 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ 285)

حدیث 45: حضرت عثمان بن عفان ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ۔ جس شخص نے مکمل طور پر اچھی طرح وضو کیا اس کے تمام جسم حتیٰ کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں۔

(مسلم کتاب الطھارۃ 3باب خروج الخطایا 11حدیث: 361-245 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ 284)

حدیث 46: حضرت عمر بن خطاب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ۔ اَوْ فَيُسْبِغُ۔ الْوَضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ: "اَشْهَدُ اَنْ لا اله اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ۔ تم میں سے جوکوئی اچھی طرح وضو کرے اور پھر کہے:" اَشْهَدُ اَنْ لا اله الا اللهُ وحدہ لاشريك له وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔

(مسلم کتاب الطھارۃ 3باب ذکر المستحب 6حدیث: 345-234 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ: 289)

ایک روایت میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر مندرجہ بالا یہ کلمہ پڑھنے کا حکم ہے۔

(ابو داود کتاب طھارت 1باب مایقول الرجل اذا توضا :64 حدیث 145 مسند احمد حدیث:16723)

لیکن آسمان کی طرف انگلی اٹھانے کا حکم کسی حدیث میں نہیں ،لہٰذا انگلی نہ اٹھائی جائے۔ ترمذی کی روایت میں اس کلمہ کے بعد "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِيْنَ واجْعَلْنِي مِنَ

اَلْمُتَطَهِّرِیْنَ'' بھی پڑھنے کا حکم ہے۔

(ترمذی کتاب الطهارة باب فیما یقال بعد الوضوء حدیث 50)

ایک روایت میں یہ دعا پڑھنے کا بھی حکم ہے: ''سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ و بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لا اله اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ''

(رواه الطبرانی فی الاوسط' ترغیب کتاب الطهارة حدیث :349)

اور یہ دعا مجلس کا کفارہ بھی ہے کہ مجلس برخاست ہونے سے پہلے اگر یہ دعا پڑھ لی جائے تو اس مجلس میں اگر کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہو یا کوئی منہ سے غلط بات نکل گئی ہو، جھوٹ غیبت وغیرہ تو وہ بخش دی جاتی ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الدعوات حدیث 2433، ترمذی کتاب الدعوات حدیث 3355)

وضو کے بعد سورۃ القدر پڑھنے کی فضیلت۔

حدیث پاک میں ہے: جو وضو کے بعد ایک مرتبہ ''سورۃ القدر'' پڑھے تو وہ صدیقین میں سے ہے اور جو دو مرتبہ پڑھے تو شہداء میں شمار کیا جائے گا اور جو تین مرتبہ پڑھے گا تو اللہ عزوجل اسے میدانِ محشر میں انبیاء کے ساتھ رکھے گا۔

(کنز العمال ج 9ص 132حدیث: 26085 دار الکتب العلمیه، بیروت)

جو وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر ''سورۃ القدر'' پڑھ لیا کرے، ان شاء اللہ اس کی نظر کمزور نہیں ہوگی۔ (مسائل القرآن 291)

حدیث 47: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِذَا اسْتَیْقَظَ اَحَدُکُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَتَوَضَّأَ فَلْیَسْتَنْثِرْ ثَلَاثًا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَبِیْتُ عَلٰی خَیْشُوْمِهٖ۔ جب کوئی خواب سے بیدار ہو تو وضو کرے اور تین بار ناک صاف کرے کہ شیطان اس کے نتھنے پر رات گزارتا ہے۔

(بخاری کتاب بدء الخلق 41 باب صفة ابلیس 10 حدیث :3052-3295 مسلم کتاب الطهارة 3 باب الایتار 8 حدیث: 348-238 مشکوٰۃ کتاب الطهارۃ:392)

حدیث 48: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَسْبَغَ الْوُضُوْءَ فِی الْبَرْدِ الشَّدِیْدِ کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ کِفْلَانِ۔ جو سخت

سردی میں کامل وضو کرے اس کے لئے دونا ثواب ہے۔

(روہ الطبرانی فی الاوسط، ترغیب حدیث :306بہار شریعت9 / 2:)

حدیث 49: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَتِلْكَ وَظِيْفَةُ الْوُضُوْءِ الَّتِي لابُدَّ مِنْهَا وَمَنْ تَوَضَّأَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُ كِفْلان وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلاثًا فَذٰلِكَ وضُوْئِي وَوُضُوْءُ الأنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي۔ جو ایک بار کرے تو یہ ضروری بات ہے اور جو دو بار وضو کرے تو اس کو دونا ثواب ہے اور تین بار کرے تو یہ میرا اور اگلے انبیاء علیہم السلام کا وضو ہے یعنی اعضائے وضو کو تین بار دھونا سنت ہے۔(احمد :5476 ابن ماجه:414 بهار شریعت9 / 2:)

حدیث 50: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّأَ عَلَى طُهْرٍ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ عَشْرَ حَسَنَاتٍ۔ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(ترمذی کتاب الطهارة 1 باب ما جاء فی الوضوء لكل صلوة 44 حدیث:55 ,مشکوة کتاب الطهارة الفصل الثانی حدیث :293 بهار شریعت:10/2)

خیال رہے کہ وضو پر وضو مستحب ہے جبکہ پہلے وضو کے بعد نماز یا ایسی عبادت ادا کرلی جو وضو پر موقوف ہو ورنہ بار بار وضو کئے جانا مکروہ اور پانی کا اسراف ہے۔

حدیث 51: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْإِسْتِنْجَاءَ وَالْمَضْمَضَةُ۔ دس چیزیں سنت ہیں: مونچھیں ترشوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن ترشوانا، جوڑوں کا دھونا، بغل کے بال نوچنا، زیر ناف بال صاف کرنا، استنجا کرنا اور کلی کرنا۔

(مسلم کتاب الطهارة 3 باب خصال الفطرة 16 حدیث :384-261 مشکوة کتاب الطهارة باب السواک(د) حدیث :379 بهار شریعت :11/2)

طہارت کی دو قسمیں ہیں: طہارتِ صغریٰ اور طہارتِ کبریٰ۔ طہارتِ صغریٰ وضو ہے اور کبریٰ غسل۔ جن چیزوں سے صرف وضو لازم ہوتا ہے ان کو حدثِ اصغر کہتے ہیں اور جن سے غسل فرض ہو، ان کو حدثِ اکبر۔ ان سب کا مختصر بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

وضو کے فرائض

فرائض وضو میں مذاہبِ فقہاء

وضو میں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مسلک۔

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک وضو میں صرف چار فرض ہیں: ۱: چہرہ دھونا ۲: کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دھونا ۳: چوتھائی سر کا مسح کرنا ۴: ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا

امام مالک علیہ الرحمہ کا مسلک۔

امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک وضو میں سات فرض ہیں۔ ۱: نیت ۲: منہ دھونا ۳: کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دُھونا ۴: سر کا مسح کرنا ۵: ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا ۶: افعالِ وضو کو فوراً یعنی پے در پے کرنا ۷: پانی کو اعضاءِ وضو پر لگانا

امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک وضو میں چھ فرض ہیں: ۱: نیت ۲: منہ دُھونا ۳: کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دُھونا ۴: بعض سر کا مسح کرنا خواہ چند بالوں پر ہو، ۵: ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا ۶: اعضائے مذکورہ میں ترتیب قائم رکھنا۔

امام احمد علیہ الرحمہ کا مسلک۔

امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وضو میں چھ فرض ہیں: ۱: منہ دُھونا ۲: کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ دُھونا ۳: تمام سر کا کانوں سمیت مسح کرنا ۴: ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دُھونا ۵: ترتیب ۶: پے در پے وضو کرنا۔

فرائض وضو میں حنفی مسلک کی ترجیح۔

امام مالک کے نزدیک وضو میں سات فرض ہیں، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وضو

میں چھ چھ فرض ہیں۔ حالانکہ فرضیت قرآنِ کریم سے ثابت ہوتی ہے اور قرآنِ کریم میں صرف چار چیزوں کا ذکر ہے اور یہی امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے۔ باقی ائمہ ثلاثہ جو وضو میں سات یا چھ فرض مانتے ہیں ان کے مذہب سے قرآنِ کریم پر زیادتی لازم آتی ہے۔ جن زائد اُمور کو ان ائمہ نے فرض مانا ہے ان کا حدیث سے ثبوت ہے اور تمام احادیث ظنی ہیں اور ان سے فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

فرائضِ وضو

۱: چہرہ دھونا

وضو کے فرائض میں سے پورے چہرے کو دھونا فرض ہے۔ سر کے بال جہاں سے اُگ شروع ہوتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے نچلے حصہ تک چہرہ کی لمبائی ہے اور دونوں کانوں کا درمیانی حصہ چوڑائی ہے۔ جس آدمی کی داڑھی ہلکی ہو کہ بالوں کے نیچے سے چہرے کی کھال نظر آئے، اس پر بالوں کو اور بالوں کے نیچے کھال کو دھونا ضروری ہے اور جس کی داڑھی گھنی ہو، وہ صرف بالوں میں خلال کرے، داڑھی کو اس کی جڑھوں تک دھونا اس پر واجب نہیں۔

۲: ہاتھ دھونا

وضو میں ہاتھوں کا دھونا بھی فرض ہے، اُنگلیوں کے شروع سے لے کر کہنیوں تک ہاتھ ہیں اور کہنیاں ہاتھوں میں داخل ہیں۔ (تبیانُ القرآن :100/3)

۳: چوتھائی سر کا مسح کرنا

سر کے مسح کی مقدار میں مذاہبِ ائمہ کرام

وضو میں تیسرا فرض سر کا مسح کرنا ہے۔ مسح کی مقدار میں اِختلاف ہے، امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا کہ مسح کی اتنی مقدار ہے جس سے کم سے کم مقدار پر مسح کا اطلاق ہو سکے، البتہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا مستحب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پورے سر کا مسح کیا تھا اور امام مالک اور امام احمد علیہما الرحمہ کے نزدیک پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور بعض مشائخ احناف کے نزدیک تین اُنگلیوں کی مقدار مسح کرنا فرض ہے۔

چوتھائی سر پر مسح کے متعلق اَحادیث

حدیث 52: عن المغیرۃ بن شعبۃ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ توضأ فَمَسَحَ بنا صیته وعلی العمامة وعلی الخفین .فی روایة.وَمُقَدَّمِ رَأْسِہٖ۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور پیشانی کی مقدار مسح کیا اور عمامہ اور موزوں پر مسح کیا، ایک روایت میں ہے: سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا۔

(مسلم کتاب الطھارۃ 3باب المسح علی الناصیۃ23 حدیث :412-411، 274-
مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب الوضو(4) :399 شرح مسلم سعیدی :871/1 تبیان القرآن:101/3)

سر کا اگلا حصہ جو کل سر کا چوتھائی ہوتا ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی سر کا مسح کیا، یہ حدیث امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کی قوی دلیل ہے کہ مسح، سر کا چوتھائی حصہ فرض ہے، اس سے زیادہ سنت۔ امام مالک علیہ الرحمہ کے ہاں پورے سر کا مسح فرض اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک بال کا چھولینا بھی کافی ہے، یہ حدیث ان دونوں بزرگوں کے مؤقف کے خلاف ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی سر سے کم مسح کبھی نہ کیا۔ اگر ایک بال کا مسح کافی ہوتا تو بیانِ جواز کے لئے کبھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل فرماتے اور اگر پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ پر چوتھائی سر پر کفایت نہ فرماتے۔ خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر عمامہ شریف پکڑ لیا تھا تاکہ گر نہ جائے، دیکھنے والے سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ کا بھی مسح کر رہے ہیں۔ اس لئے ایسی روایت کر دی۔ عمامہ پر مسح کرنا قرآن کے خلاف ہے: قرآن میں ہے "وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِکُمْ" اور سروں کا مسح کرو۔ لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی سر کا مسح کیا اور باقی عمامہ کا، نیز اگر عمامہ کا مسح ہوتا تو سر کے مسح کا نائب ہوتا اور نائب اور اصل جمع نہیں ہو سکتے، یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک پاؤں دھو لو اور ایک پاؤں کے موزے پر مسح کر لو یا آدھا وضو کر لو اور آدھا تیمم۔

(مرآۃ المناجیح از مفتی احمد یار خاں صاحب رحمہ اللہ :286/1)

حدیث53: عن انس بن مالك قال:رَأَیْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ یَتَوَضَّأُ وَعَلَیْهِ عِمَامَةٌقِطْرِیَّةٌ فَاَدْخَلَ یَدَهُ مِنَ الْعِمَامَةِ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهٖ وَلَمْ یَنْقُضِ الْعِمَامَةَ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ نے سرخ رنگ کا منقش قطری عمامہ باندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے عمامہ کے نیچے سے ہاتھ داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ نہیں کھولا۔

(ابو داؤد کتاب الطهارة 1باب المسح علی العمامة57 حدیث :126 ابن ماجة :557کتاب الطهارة)

اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سر کے پورے اگلے حصہ پر مسح کیا اور یہ سر کا چوتھائی حصہ ہے جس کو ناصیہ کہتے ہیں۔ یہاں پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ان حدیثوں میں سر کے اگلے حصہ پر مسح کرنے کے فعل کا ذکر ہے۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس سے کم مقدار پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چوتھائی سر کی مقدار سے کم پر بھی مسح کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس سے کم مقدار پر بھی مسح کرتے تا کہ اُمت کو معلوم ہو کہ یہ بھی جائز ہے۔ سر پر مسح کرنا فرضِ قطعی ہے اور اس کی مقدار فرضِ ظنی ہے۔ فرضِ قطعی میں اختلاف یا اس کا انکار جائز نہیں ہے اور فرضِ ظنی میں مجتہد دلائل سے اختلاف کرسکتا ہے۔

عمامہ پر مسح کرنا۔

علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: عمامہ پر مسح کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام احمد علیہ الرحمہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کامل وضو کر کے عمامہ پہنا ہو تو عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے جس طرح موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ جو فقہا عمامہ پر مسح کرنے کا انکار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے۔ ''وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ'' اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ (سورۃ المائدۃ آیت :٦) جو شخص عمامہ پر مسح کرے گا وہ سر پر مسح نہیں کرے گا اور اس پر اجماع ہے کہ چہرے پر کوئی کپڑا لپیٹ کر اگر اس کپڑے پر مسح کیا جائے تو تیمم میں کافی نہیں ہوگا، اس کا مفاد یہ ہے کہ جس عضو پر مسح کرنا ہے، اس عضو پر کپڑا رکھ کر مسح کیا جائے تو وہ کافی نہیں ہوگا۔ اسی طرح سر پر عمامہ رکھ کر عمامہ پر مسح کیا جائے تو وہ سر کے مسح سے کفایت نہیں کرے گا، علامہ

خطابی نے کہا ہے: اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کرنے کو فرض کیا ہے اور عمامہ پر مسح کرنے والی حدیث تاویل کی محتمل ہے۔ محتمل چیز کی وجہ سے یقینی چیز کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ ٹوپی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور عورت کے لئے دوپٹہ پر مسح کرنے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں ہے کہ یہ جائز ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔

(عمدة القاري :101/3، شرح مسلم سعيدى :950/1)

مُفتیٰ بہٖ قول یہ ہے اگر ٹوپی یا ڈوپٹہ اتنا باریک ہو کہ تری پھوٹ کر (نکل کر) چوتھائی سر کو تر کر دے تو مسح ہو جائے گا۔ (عالمگیری۔ بہار شریعت)

۴: ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں دھونا

پیروں کے دُھونے پر دلائل

قرآن مجید، اَحادیث اور اِجماعِ علماء سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور وضو میں پیروں پر مسح کرنا جائز نہیں اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں پیروں پر مسح کیا جائے ان کو دھویا نہ جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے '' وَاَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ '' اور لام پر زبر ہے اور اس کا عطف '' فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ '' (اپنا چہرہ ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں دھوؤ)۔ صحابہ کرام میں سے حضرت علی، ابن مسعود ﷺ کی بھی یہی قراءت ہے اور قراء میں سے ابن عامر، نافع اور کسائی کی بھی یہی قرأت ہے اور عاصم سے بھی ایک روایت یہی ہے (الحاوی الکبیر :49/1) اور اس قراءت کا تقاضا یہ ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہو اور حسبِ ذیل حدیث بھی اس پر دلیل ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے۔

حدیث 54: حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: تَخَلَّفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْثَلَاثًا۔ ایک سفر میں نبی کریم ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے پھر آپ ﷺ ہم سے آملے۔ درآنحالیکہ ہم نے نمازِ عصر میں دیر کر دی۔ سو ہم وضو کرنے لگے اور پیروں پر مسح کرنے لگے تو آپ ﷺ نے بہ آواز

بلند دو یا تین بار فرمایا: ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہو۔

(بخاری کتاب الوضوء4 باب غسل الرجلین 27 حدیث 158، 163- مسلم کتاب الطھارۃ3 باب وجوب غسل الرجلین9 حدیث :354-241 یہی روایت شیعوں کی تفسیر مجمع البیان میں بھی درج ھے، جلد دوم جزء سوم ص ۱۶۳، مطبوعه تهران جدید)

اس حدیث سے تین مسائل ثابت ہوئے: ایک یہ کہ جب موزے نہ پہنے ہوئے ہوں تو وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے، مسح جائز نہیں، اسی پر تمام صحابہ کرام، اہل بیتِ اطہار اور سارے اُمت کا اجماع ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیشہ پاؤں ہی دھویا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو مکمل دھونا فرض ہے حتیٰ کہ انگوٹھی کے نیچے اور بالوں کے سوراخوں میں پانی پہنچانا وضو اور غسل میں فرض ہے۔ تیسرے یہ کہ گناہِ صغیرہ پر سخت عذاب ہوسکتا ہے۔ (مرآۃ المناجیح :286/1)

حدیث 55: حضرت عمر بن خطاب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: اَنَّ رَجُلًا تَوَضَّأَ فَتَرَكَ مَوْضِعَ ظُفُرٍ عَلَى قَدَمِهِ فَأَبْصَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: ارْجِعْ فَأَحْسِنْ وُضُوءَكَ فَرَجَعَ ثُمَّ صَلَّى۔ ایک شخص نے وضو کیا اور اپنے پیر میں ایک ناخن جتنی جگہ چھوڑ دی۔ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ کو دیکھ لیا اور فرمایا: جاؤ اچھی طرح اپنا وضو کرو وہ لوٹ گیا اور پھر نماز پڑھی۔

(مسلم کتاب الطھارۃ 3 باب وجوب استیعاب10 حدیث :359-244)

حدیث 56: عَنْ اَبِی حیة قال: رَاَيْتُ عَلِيًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَقَالَ أَرَدْتُ اَنْ أُرِيَكُمْ طُهُوْرَ نَبِيِّكُمْ ﷺ۔ ابو حیہ بیان کرتے ہیں: میں نے دیکھا کہ حضرت علی ﷺ نے وضو کیا اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا اور کہا: میں نے یہ ارادہ کیا کہ تمہیں تمہارے نبی اکرم ﷺ کے وضو کا طریقہ دکھاؤں۔

(مصنف ابن ابی شیبه :26/1)

آیتِ وضو میں قراءتِ جر سے علماءِ شیعہ کے اِستدلال کے جوابات۔

قرآنِ پاک کی آیت کریمہ میں قراءتِ جر کی تقدیر پر بھی وَاَرْجُلَكُمْ کا عطف اَيْدِيَكُمْ پر ہے اور اس پر جر (زیر) جوار کی وجہ سے ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: اِنِّی اَخَافُ علیکم عَذَابَ یوم اَلِیْمٍ بے شک میں تم پر دردناک دن کے عذاب کا خوف کرتا

ہوں۔ (سورہ ہود آیت :26) اس آیت میں اَلِیْمٍ عذاب کی صفت ہے۔ اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہئے تھی لیکن چونکہ اس کے جوار میں یومٍ پر جر ہے، اس لئے اس کو بھی جر دے دی گئی، اس کو جر جوار کہتے ہیں، اسی طرح اَرْجُلَکُمْ کا عطف اَیْدِیَکُمْ پر ہے۔ اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہئے تھی لیکن اس کے جوار میں بِرُؤُسِکُمْ چونکہ مجرور ہے اس لئے اس کو بھی جر دے دی گئی لہٰذا یہ جر جوار ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے: اَرْجُلَکُمْ اور اَرْجُلِکُمْ دو متواتر قرأتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے، اسی طرح قرآن مجید کی قرأت میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور اَرْجُلَکُمْ کا معنی ہے۔ پیروں کا دھونا اور اَرْجُلِکُمْ کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا۔ اسلئے اَرْجُلَکُمْ کی قرأت اس حال پر محمول ہے، جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور اَرْجُلِکُمْ کی قرأت اس حال پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے پہنے ہوں، یعنی جب موزے پہنے ہوں تو پیروں پر مسح کرو اور جب موزے نہ پہنے ہوئے ہوں تو پیروں کو دھولو، اس طرح ان دونوں قرأتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

علماء شیعہ کی عقلی دلیل کا جواب۔

علماء شیعہ نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور وضو میں جن اعضاء پر مسح کیا جاتا ہے تیمم میں ان کو ترک کر دیا جاتا ہے، سو اگر وضو میں پیروں کے دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں ان پر مسح ہوتا اور جب کہ تیمم میں پیروں کو ترک کر دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ کسی حدیث میں، یہ محض ذہنی اختراع ہے، اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے، وہ چہرہ، ہاتھ اور پیر ہیں، ان کو دھویا جائے گا اور جس عضو پر مسح کا حکم دیا ہے وہ سر ہے، اس پر مسح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے تیمم کے لئے قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ قرآن وحدیث میں تیمم کیلئے صریح حکم ہے کہ چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی

فرع ہے، اسی طرح غسل کی بھی فرع ہے اور جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقی بدن کو ترک کیا جاتا ہے تو چاہئے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھولیا جائے اور باقی بدن پر مسح کرلیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاسِ فاسد ہے۔

(شرح مسلم سعیدی :1/889-894 تبیان القرآن :3/102)

وضو میں پاؤں دھونے کا ثبوت کتبِ شیعہ سے۔

حدیث 55: حضرت زید بن علی ؓ اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ؓ نے فرمایا: میں ایک دفعہ بیٹھا وضو کررہا تھا کہ اتنے میں حضورِ اکرم ﷺ تشریف لے آئے۔ ابھی میں نے وضو شروع ہی کیا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کلی کرو اور ناک میں پانی ڈالو اور صاف کرو پھر میں نے تین مرتبہ منہ دھویا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: دو ہی دفعہ کافی تھا پھر میں نے اپنے دونوں بازو دُھوئے اور اپنے سر کا دو مرتبہ مسح کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایک ہی دفعہ کافی تھا وَغَسَلْتُ قَدَمَیَّ پھر میں نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے علی! (کرم اللہ وجہہ) اُنگلیوں کے درمیان خلال کر اللہ تمہیں آگ کے خلال سے بچائے۔

(الاستبصار جلد اول ص ،، باب وجوب المسح علی الرجلین، تهذیب الاحکام جلد اول ص ،، فی صفة الوضو والفرض منه)

اَلحمدللہ! شیعوں کی معتبر کتاب سے پاؤں دھونے کا ثبوت مل گیا۔ یہ طریقۂ وضو اس شخصیت کا ہے جو تمام اہل بیت کے جدِ اعلیٰ اور مسلمانوں کے خلیفہ ہیں اور اس وضو کا معائنہ فرمانے والے خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس سے زیادہ صحیح اور معتبر وضو اور کون سا ہوسکتا ہے۔ یہ صحیح ترین وضو کی ترتیب اور کیفیت کے اعتبار سے وہی ہے جس پر اہل سنت کاربند ہیں اور اہل سنت ہی اہل بیت کے سچے محب ہیں اور شیعہ جو حضرت علی علیہ السلام اور اہل بیت کرام والا وضو نہیں کرتے، وہ اہل بیت کے محب کیسے ہو سکتے ہیں بلکہ شیعوں کے وضو کی ترتیب قرآن کے بھی خلاف ہے۔ قرآن نے پہلے منہ دھونے کا حکم دیا ہے۔ یہ پاؤں سے شروع کرتے ہیں، صرف وضو ہی نہیں بلکہ ان کی ہر بات ہی اُلٹی ہے۔ بتاؤ جو قرآن کے خلاف چلے وہ صراطِ مستقیم پر ہو سکتا ہے؟

وضو کی سنتیں

امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو میں تیرہ سنتیں ہیں:

۱: وضو میں عبادت کی نیت کرنا۔

۲: بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر وضو شروع کرنا۔

۳: پہنچوں تک تین بار ہاتھ دُھونا۔

۴: کلی کرنا۔

۵: مسواک کرنا۔

۶: ناک میں پانی ڈالنا۔

۷: داڑھی میں خلال کرنا۔

۸: ہاتھ اور پیروں کی اُنگلیوں میں خلال کرنا۔

۹: پورے سر کا مسح کرنا۔

۱۰: کانوں کے ظاہر و باطن کا اُسی گیلے پانی سے مسح کرنا۔

۱۱: قرآنِ کریم میں اعضائے مذکورہ کی ترتیب کے مطابق وضو کرنا۔

۱۲: وضو کے تمام افعال کو پے در پے کرنا۔

۱۳: ہر عضو کو تین بار دھونا۔ (شرح مسلم سعیدی :394/1)

سنت نمبر ۱: دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین بار دھونا۔

ہاتھوں کو برتن میں داخل کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو، وضو کرنے والا نیند سے بیدار ہو یا نہ ہو لیکن نیند سے بیدار ہونے کی صورت میں ہاتھوں کو دھونے کی زیادہ تاکید ہے۔

حدیث 56: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
إِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلَا يَغْمِسْ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ حَتَّى يَغْسِلَهَا ثَلَاثًا فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ۔ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اس وقت تک برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک اپنے ہاتھ کو تین بار دھو نہ لے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ نے

رات کہاں گزاری۔

(مسلم کتاب الطهارة 3باب كراهة غمس المتوضئ 26 حديث :416-278 بخاری کتاب الوضوء باب الاستجمار وترا: 157 -162 مشکوٰۃ کتاب الطهارة باب سنن الو(ضوء) حديث :391)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثیر پانی کے لئے قلتین (دو گھڑے کی مقدار) معیار نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقاً ہاتھ دھونے کا حکم دیا ہے یہ نہیں فرمایا اگر پانی قلتین سے کم ہوتو پھر ہاتھ دھونا، قلیل پانی میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے وہ پانی نجس ہو جاتا ہے خواہ وہ نجاست اس پانی کے رنگ، بو اور ذائقہ کو تبدیل نہ کرے کسی چیز کو پاک کرنے کے لئے سات بار دھونا ضروری نہیں بلکہ تین بار دھونے سے چیز پاک ہو جاتی ہے۔

سنت نمبر ۲: بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر وضو شروع کرنا۔

حدیث 57: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صَلٰوةَ لِمَنْ لا وُضُوْءَ لَهُ ولا وُضُوْءَ لِمَنْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ۔ جس شخص کا وضو نہ ہو اس کی نماز نہیں اور جو بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں۔

(ابو داود: کتاب الطهارة 1باب في التسمية على الوضوء 48حديث :92، ابن ماجه کتاب الطهارة 2باب 41حديث 393 مشکوٰۃ کتاب الطهارة باب سنن الوضوء (۱) حديث :2)

وضو سے قبل بسم اللہ پڑھنا عام علماء کے نزدیک مستحب ہے اور یہاں کمال کی نفی ہے جو وضو کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو کامل نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا: "اے ایمان والو! جب تم نماز کو کھڑا ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ۔" اس آیتِ کریمہ میں وضو کے چار فرض بیان کئے گئے ہیں۔ اگر بسم اللہ کو ضروری قرار دیا جائے تو پھر وضو کے پانچ فرض ہو جائیں گے لہٰذا یہ قرآن کے خلاف ہوگا اور بسم اللہ واجب بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ وضو میں کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اسلئے ثابت ہو گیا کہ وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔ اس حدیث کی وضاحت دوسری حدیث میں کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث ضعیف السند بھی ہے۔ اس کے

راوی ابن ابی فدیک کے متعلق محمد بن سعد نے کہا: یہ حجت نہیں۔ محمد بن موسیٰ کے متعلق ابو حاتم رازی نے کہا: یہ شیعہ تھا۔ یعقوب بن سلمہ الذہبی نے کہا: یہ حجت نہیں ہے۔

حدیث 58: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ تَوَضَّاَ وَذَكَرَ اسْمَ اللهِ فَإِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ ... وَمَنْ تَوَضَّاَ وَ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ لَمْ يُطَهِّرْ إِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔** جو وضو کرے اور اللہ کا نام لے تو وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جو وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو صرف وضو کی جگہ ہی کو پاک کرتا ہے۔

(دار قطنی ،مشکوۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضوء(،) حدیث 428 بہار شریعت :10/2)

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: یہاں گناہوں سے پاکیزگی مراد ہے یعنی وضو کے اوّل میں بسم اللہ پڑھ لینے کی برکت سے سارے جسم کے بیرونی اور اندرونی گناہ معاف ہوجاتے ہیں کیونکہ جسم میں دل اور دماغ بھی ہے۔ بسم اللہ نہ پڑھنے سے ظاہری اعضاء کے گناہِ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں، اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں: بسم اللہ سے وضو شروع کرنا سنت ہے۔

حدیث 59: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **يَا أَبَا هُرَيْرَةَ إِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَإِنَّ حَفَظَتَكَ لا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰى تَحْدُثَ مِنْ ذٰلِكَ الْوُضُوْءِ۔**

اے ابو ہریرہ! (رضی اللہ عنہ) جب تم وضو کرو تو کہو بسم اللہ والحمد للہ پھر تمہارے کراماً کاتبین اس وقت تک تمہاری نیکیاں لکھتے رہیں گے جب تک تم اس وضو پر قائم رہو گے۔

(رواہ الطبرانی فی الصغیر 131/1 الحدیث :196 مجمع :220/1)

سنت نمبر ۳: مسواک

مسواک کرنی چاہئے :لکڑی کی معروف مسواک نہ ہو تو انگلی سے دانت صاف کرنے سے بھی سنت ادا ہوجاتی ہے۔ ٹوتھ برش مسواک کا متبادل نہیں ہے بلکہ ماہرین نے اعتراف کیا ہے کہ جب برش کو ایک بار استعمال کرلیا جاتا ہے تو اس میں جراثیم کی تہہ جم جاتی ہے۔ پانی سے

دُھلنے پر بھی وہ جراثیم نہیں جاتے بلکہ وہیں نشوونما پاتے رہتے ہیں۔ برش کے باعث دانتوں کی اوپری قدرتی چمکیلی تہ اُتر جاتی ہے۔ برش کے استعمال سے مسوڑھے آہستہ آہستہ اپنی جگہ چھوڑ جاتے ہیں۔ جس سے دانتوں اور مسوڑوں کے درمیان خلا (Gap) پیدا ہو جاتا ہے اور اس میں غذا کے ذرّات پھنستے، سڑتے اور جراثیم اپنا گھر بناتے ہیں۔ اس سے دیگر بیماریوں کے علاوہ آنکھوں کے طرح طرح کے امراض بھی جنم لیتے ہیں۔ اس سے نظر کمزور ہو جاتی ہے بلکہ بعض اوقات آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔

مسواک سے دانتوں اور مسوڑوں کی تکلیف دور ہوتی ہے۔

ایک تاجر کا کہنا ہے "سوئٹزرلینڈ میں ایک نومسلم سے میری ملاقات ہوئی، اس کو میں نے تحفۃً مسواک پیش کی، اس نے خوش ہو کر اس کو چوم لیا اور ایک دم اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے، اس نے جیب سے ایک رومال نکالا، اس کی تہ کھولی تو اس میں تقریباً دو انچ کا سا مسواک کا ٹکڑا برآمد ہوا۔ کہنے لگا: میرے اسلام قبول کرنے کے وقت پر مسلمانوں نے یہ مسواک تحفہ دیا تھا۔ میں بہت سنبھال سنبھال کر اس کو استعمال کر رہا تھا، یہ ختم ہونے کو تھا مجھے تشویش تھی کہ اللہ عزوجل نے کرم فرمایا اور آپ نے مجھے مسواک عنایت فرمادی۔ اس نے بتایا کہ ایک عرصے سے میں دانتوں اور مسوڑھوں کی تکلیف سے دوچار تھا۔ ہمارے ڈینٹسٹ سے ان کا علاج نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے اس مسواک کا استعمال شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں افاقہ ہو گیا۔ میں ڈاکٹر کے پاس گیا، وہ حیران رہ گیا اور پوچھنے لگا: میری دوا سے تمہارا مرض اتنی جلدی دور نہیں ہو سکتا، سوچو کوئی اور وجہ ہو گی۔ میں نے ذہن پر زور دیا تو خیال آیا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور یہ ساری برکت مسواک ہی کی ہے۔ جب میں نے ڈاکٹر کو مسواک دکھائی تو وہ حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔

منہ کے چھالے کا علاج۔

اطباء کا کہنا ہے: "بعض اوقات گرمی اور معدہ کی تیزابیت سے منہ میں چھالے پڑ جاتے ہیں اور اس مرض سے خاص قسم کے جراثیم منہ میں پھیل جاتے ہیں۔ اس کے لئے منہ میں تازہ مسواک ملیں اور اس لعاب کو کچھ دیر تک منہ کے اندر پھیرتے رہیں۔ اس طرح کئی مریض

ٹھیک ہو چکے ہیں"۔ سائنس دان جو بات آج تجربات کے نتیجے میں بتا رہے ہیں ہمارے آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چودہ سو سال پہلے بتادی تھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **فی السواک عشر خصال : يُطَيِّبُ الْفَمَ ويُذْهِبُ البلغم والحفر ويجلوا لبصر ويشد اللثة ويصحح المعدة ويُوَافِقُ السُّنة ويُفْرِحُ الملائكة ويُرْضِي الرب ويزيد في الحسنات:** مسواک میں دس خوبیاں یا دس فوائد ہیں: مسواک منہ کو پاکیزہ کرتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے، سوراخوں کو بند کرتی ہے، آنکھوں کی روشنی تیز کرتی ہے، مسوڑھوں کو مضبوط کرتی ہے، معدہ کو صحیح رکھتی ہے، سنت کے مطابق ہے، فرشتوں کو خوش کرتی ہے، رب کو راضی کرتی ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتی ہے۔

(جامع صغیر حدیث 5930)

حدیث 60: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِي لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ** اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری اُمت پر شاق ہوگا تو میں ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا امر کر دیتا یعنی فرض کر دیتا۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد حسن ترغیب حدیث :320 بہار شریعت :10/2)

علامہ نووی فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم وارد نہ ہو، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ یہ اکثر اصحاب اُصول اور جمہور فقہا کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے۔ **(شرح مسلم نووی)**

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو چاہیں اُمت پر واجب کر دیں اور جس چیز سے چاہیں اُمت کو روک دیں، احکامِ شرعیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احکام نافذ کرنا مشیتِ الٰہی کے تابع ہے۔ اللہ تعالیٰ بالذات شارع ہے اور آپ بِالتَّبع شارع ہیں۔

خوشبو اور مسواک کو ہر نماز کے وقت فرض کرنے کا اختیار۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِي لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ وَالطِّيْبِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ۔** اگر مشقتِ امت کا

خیال نہ ہوتو اپنی امت پر ہر نماز کے وقت مسواک اور خوشبو فرض کر دوں۔

(ابو نعیم فی کتاب السواک بسند حسن وسعید بن منصور فی سننہ عن مکحول مرسلاً)

(الامن والعلیٰ ص:۱۲۵)

یہاں خوشبو کی فرضیت بھی زائد فرمادی۔ نبی کریم ﷺ اُمت پر بڑے رحیم وکریم ہیں، مسواک اور خوشبو فرض نہیں فرمائی تا کہ میری امت اس فرض کو چھوڑ کر گنہگار نہ ہو جائے اگر فرض تو نہیں ہے لیکن سنت ضرور ہے، جو اہل محبت ہو گا وہ نبی کریم ﷺ کی سنتوں سے پیار ضرور کرے گا۔

حدیث 61: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ فَإِنَّهُ مُطَيِّبَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ۔ مسواک کا التزام رکھو وہ سبب ہے منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا۔

(احمد:5599، ترغیب کتاب الطہارۃ: 326، بہار شریعت :10/2)

حدیث 62: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَضْلُ الصَّلَاةِ بِالسِّوَاكِ عَلَى الصَّلَاةِ بِغَيْرِ سِوَاكٍ سَبْعِيْنَ ضِعْفًا۔ جو نماز مسواک کرکے پڑھی جائے وہ اس نماز سے کہ بے مسواک پڑھی جائے ستر حصے افضل ہے۔

(احمد :25135، ترغیب کتاب الطہارۃ: 336، بہار شریعت :11/2)

ایک روایت میں ہے: "رکعتان بِالسواكِ افْضَلُ من سَبْعِيْنَ ركعةً بغير سواكٍ" دو رکعتیں مسواک کے ساتھ ان ستر رکعتوں سے افضل ہیں جو بغیر مسواک کے ادا کی جائیں۔ (جامع صغیر حدیث :4467) ترغیب کتاب الطہارۃ: 338)

حدیث 63: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تُجْزِئُ مِنَ السِّوَاكِ الْأَصَابِعُ" اُنگلیاں مسواک کرنے سے کفایت کرتی ہیں۔

(بیہقی سنن کبریٰ 41/1 شرح مسلم سعیدی 913/1)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسواک عرض

کی جائے طولاً نہ کی جائے۔ مسواک دانتوں اور زبان پر کی جائے، مسواک کو دائیں ہاتھ سے پکڑے، مسواک کرتے وقت تین بار پانی لینا مستحب ہے، مسواک کی لمبائی ایک بالشت اور موٹائی ایک چھنگلی یعنی چھوٹی انگلی کے برابر ہونی چاہیے، مستحب یہ ہے کہ پیلو کے درخت کی مسواک بنائی جائے اور اگر وہ خشک ہو تو اس کو پانی میں بھگو کر نرم کر لیا جائے۔ محیط میں مذکور ہے کہ عورت کے لئے دنداسہ کرنا مسواک کے قائم مقام ہے اور جب کسی کو مسواک میسر نہ ہو تو انگلی سے دانت صاف کرلے۔ (عمدة القاری :185/3 شرح مسلم سعیدی :912/1)

سنت نمبر ۴: کلی کرنا اور ناک میں تین تین بار پانی ڈالنا۔

حدیث 64: عَنْ ابی حیة قال : رَاَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّاَ فَغَسَلَ کَفَّیْهِ حَتّٰی اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَذِرَاعَیْهِ ثَلَاثًا وَمَسَحَ بِرَاْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَیْهِ اِلَی الْکَعْبَیْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِیَکُمْ کَیْفَ کَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔

ابوحیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا، ہاتھ دھوئے حتیٰ کہ ان کو صاف کرلیا پھر تین بار کلی کی پھر تین بار ناک میں پانی ڈالا پھر تین بار چہرہ دھویا پھر تین بار کلائیاں دھوئیں پھر ایک بار سر پر مسح کیا پھر اپنے قدموں کو ٹخنوں سمیت دھویا پھر انہوں نے کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا پھر فرمایا: میں نے یہ پسند کیا کہ تم کو دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس طرح وضو کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الطهارة حدیث :45، مشکوة کتاب الطهارة باب سنن الوضوء (4) حدیث :410، نسائی کتاب الطهارة 1 باب عدد غسل الیدین 79 حدیث: 95 ابوداود:109)

اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تین بار کلی کی اور ہر بار کلی کے لئے الگ پانی لیا تاہم ایک چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ الگ الگ پانی لیا جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعضاء کا دھونا تین تین بار سنت ہے مگر مسح ایک ہی بار۔ یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے۔ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے لئے الگ الگ پانی لینے پر ہماری دلیل امام طبرانی کی یہ روایت ہے:

حدیث 65: حضرت کعب بن عمرو یامی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ تَوَضَّأَ فَمَضْمَضَ ثَلاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلاثًا يَأْخُذُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مَاءً جَدِيدًا۔ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا آپ نے تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور ہر بار نیا پانی لیا۔

(طبرانی:181/19)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے اور ان کا سکوت اس حدیث کی صحت پر ان کے راضی ہونے کی دلیل ہے۔ (عمدۃ القاری:265/2)

حدیث 66: عبداللہ بن زید ﷺ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا بِثَلَاثِ غُرُفَاتٍ مِنْ مَاءٍ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور ناک صاف کی تین بار تین چلو پانی سے۔

(بخاری کتاب الوضوء 4 باب مسح الراس 42 حدیث :185-192 مسلم کتاب الطہارۃ 3 باب 7 حدیث :346- 235 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضوء (4) حدیث :394)

سنت نمبر ۵: پورے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا۔

حدیث 67: عبداللہ بن زید ﷺ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتَّى ذَهَبَ بِهِمَا إِلَى قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ" پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اپنے سر کا مسح کیا دونوں ہاتھوں کو آگے پیچھے لے گئے سر کے اگلے حصے سے شروع کیا پھر انہیں گدی تک لے گئے پھر انہیں واپس جگہ پر لائے جہاں سے مسح شروع کیا تھا پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔

(بخاری کتاب الوضو 4 باب مسح الراس 42 حدیث :179-185-192 مسلم کتاب الطہارۃ 3 باب 7 حدیث :346- 235 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضو 4 حدیث :394)

سنت نمبر ۶: کانوں کا مسح کرنا

حدیث 68: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: "رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ أُذُنَيْهِ دَاخِلَهُمَا بِالسَّبَّابَتَيْنِ وَخَالَفَ إِبْهَامَيْهِ إِلَى ظَاهِرِ

أُذُنَيْهِ فَمَسَحَ ظَاهِرَهُمَا وَبَاطِنَهُمَا" رسول اللہ ﷺ نے اپنے کانوں کا مسح کیا کانوں کے اندر اپنی (سبابہ) اُنگلیاں ڈالیں اور کانوں کی پشت پر اپنے انگوٹھے رکھے اور کانوں کے ظاہر وباطن پر مسح کیا۔

(ابن ماجۃ کتاب الطہارۃ 2 باب ما جاء فی مسح الاذنین) (52 :حدیث:433 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضو 4 حدیث 413)

کانوں کا مسح سر کے ساتھ ہی کیا جائے گا نئے پانی کی ضرورت نہیں۔

حدیث 69: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ دونوں کان سر سے ہیں۔

(ابن ماجۃ کتاب الطہارۃ 2 باب اَلْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ (53) :حدیث:439، ترمذی 27/1 حدیث: 35 مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضوء 4 حدیث 416)

سنت نمبر ۷: داڑھی میں خلال کرنا سنت ہے۔

حدیث 70: عن عثمان ص أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُخَلِّلُ لِحْيَتَهُ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کا خلال کیا کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الطہارۃ 1 باب 23 حدیث :29، مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضوء 4 حدیث 409)

سنت نمبر ۸: ہاتھوں اور پیروں کی اُنگلیوں میں خلال کرنا سنت ہے۔

حدیث 71: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِذَا تَوَضَّأْتَ فَخَلِّلْ بَيْنَ أَصَابِعِ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ"۔ جب تم وضو کرو تو اپنے ہاتھوں اور پیروں کی اُنگلیوں میں خلال کرو۔

(ترمذی کتاب الطہارۃ 1 باب 30 حدیث :37، مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب سنن الوضو (4) حدیث 406)

سنت نمبر ۹: ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے۔

حدیث 72: عن عمرو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يارسولَ اللهِ كيفَ الطُّهُورُ فَدَعَا بِمَاءٍ فِي إِنَاءٍ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ

ثَلاثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاثًا ثُمَّ غَسَلَ ذِرَاعَيْهِ ثَلاثًا ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ فَأَدْ
إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَتَيْنِ فِى أُذُنَيْهِ وَمَسَحَ إِبْهَامَيْهِ عَلَى ظَاهِرِ أُذُنَيْهِ وَبِالسَّبَّابَتَيْ
بَاطِنَ أُذُنَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلاثًا ثَلاثًا ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَ
هٰذَا أَوْ نَقَصَ فَقَدْ أَسَاءَ وَظَلَمَ۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا
روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسو
اللہ! (ﷺ) وضو کس طرح ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور ا
ہاتھوں کو تین بار دھویا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا پھر اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا پھر اپنے
کا مسح کیا اور اپنی (دو سبابہ) انگلیوں کو اپنے کانوں میں داخل کیا اور اپنے انگوٹھوں سے ا
کانوں کی پشت پر مسح کیا اور انگلیوں سے کانوں کے باطن پر مسح کیا پھر اپنے دونوں پیر دا
تین تین بار دھویا پھر فرمایا: اس طرح وضو ہوتا ہے جس نے اس پر زیادتی کی یا کمی کی اس
برا کام کیا۔

(ابوداود کتاب الطهارة 1 باب الوضوء ثلاثا 51 حدیث:116 ،مشکوٰۃ کتاب الطہار
باب سنن، الوضوء 4 حدیث 417 ابن ماجه کتاب الطهارة 2 باب 48 حدیث :416)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے لئے ناکافی جا
کر زیادتی کی اس نے ظلم کیا، ورنہ اگر مزید صفائی کے قصد سے یا ٹھنڈک حاصل کرنے
لئے تین بار سے زیادہ دھویا تو وہ مباح ہے۔ یا جس نے تین بار دھونے کو طہارت کے
زائد جان کر کمی کی اس نے ظلم کیا ورنہ ایک یا دو بار دھونا بھی آپ سے ثابت ہے۔

سنت نمبر ۱۰: نیت کرنا

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک وضو میں عبادت کی نیت کرنا سنت ہے۔ امام شافع
علیہ الرحمہ کے نزدیک، وضو سے پہلے وضو کی نیت کرنا فرض ہے۔ امام مالک اور امام احمد علی
الرحمہ کے نزدیک نیت کرنا طہارت کی شرط ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے کہ تمام
اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اس حدیث کا یہ معنی نہیں کہ تمام اعمال کی صحت کا مدار نیت پ
ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ بیع، شراء، نکاح، طلاق، رد اور قبول کوئی چیز بھی نیت کے بغیر صحیح نہ ہو

اس لئے حدیث کا معنی یہ ہے کہ تمام اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر طہارت کے قصد کے بغیر کوئی شخص بارش میں نہا لے تو اس کا غسل اور وضو صحیح ہوگا اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ طہارت کا ثواب اس کی نیت سے ملے گا۔

سنت نمبر ۱۱: دائیں عضو کو بائیں سے پہلے دھونا سنت ہے۔

حدیث 73: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُوْرِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ۔ نبی کریم ﷺ بقدرِ طاقت اپنے تمام کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔ اپنی طہارت کرنے میں اور کنگھی کرنے میں اور نعلین پہننے میں۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ 8 باب التیمن فی دخول المسجد 47 حدیث :408-426 مسلم کتاب الطھارۃ باب التیمن فی الطھور 19 حدیث:395-268، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب سنن الوضوء (4) حدیث:400)

حدیث 74: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا لَبِسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ۔ جب تم پہنو اور وضو کرو تو دائیں طرف سے شروع کرو۔

(ابوداود کتاب اللباس 26 باب فی الانتعال 44 حدیث 3612 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب سنن الوضو (4) حدیث 401)

سنت نمبر ۱۲: گردن کا مسح کرنا سنت ہے۔

حدیث 75: حضرت کعب بن عمرو یامی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ”أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ فَمَضْمَضَ ثَلَاثًا وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا يَأْخُذُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مَاءً جَدِيْدًا وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا فَلَمَّا مَسَحَ رَأْسَهُ قَالَ هٰكَذَا وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ مِنْ مُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتّٰى بَلَغَ بِهِمَا إِلَى أَسْفَلِ عُنُقِهِ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ“ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، آپ ﷺ نے تین بار کلی کی، تین بار ناک میں پانی ڈالا اور ہر بار نیا پانی لیا، تین بار چہرہ دھویا پھر جب سر کا مسح کیا اور فرمایا: اس طرح، اور اپنے ہاتھ سے سر کے اگلے حصے کی طرف اشارہ کیا اور ان کو گدی کی طرف سے گردن کے نیچے تک لے گئے۔ (طبرانی :181/19)

حدیث 76: حضرت نافع بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فر
مَنْ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ بِيَدَيْهِ عَلَى عُنُقِهِ وَقِيَ الْغُلَّ یوم القیامۃ۔ جس نے وضو کیا
اپنے ہاتھوں سے گردن پر مسح کیا وہ قیامت کے دن گردن میں بیڑیاں پہنانے سے
گیا۔(اعلاء السنن:66/1)

حدیث 77: حضرت موسیٰ بن ابی طلحہؓ فرماتے ہیں: مَنْ مَسَحَ قَفَاهُ
رَأْسِهِ وَقِيَ الْغُلَّ یوم القیامۃ۔ جس نے گردن سمیت سر کا مسح کیا وہ قیامت کے دن گر
میں بیڑیاں پہنانے سے بچ گیا۔(اسرار المرفوعہ حدیث:828، تلخیص ابن حجر 2/1

ملا علی قاری اور ابن حجر عسقلانی علیہما الرحمہ فرماتے ہیں: یہ حدیث موقوف ہے لیکن حک
مرفوع ہے کیونکہ ایسی بات اپنی طرف سے نہیں کہی جاسکتی۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:
حدیث کو ابن عمر والی مرفوع حدیث سے تقویت حاصل ہوتی ہے جسے ''مسند الفردوس'' میں
ضعیف کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ والضَّعِيفُ يُعْمَلُ به فِی فَضَائِلِ الأع
اتفاقا۔ ولذا قال أئِمَّتُنَا :إنَّ مَسْحَ الرَّقَبَةِ مُسْتَحَبٌّ أوْ سُنَّةٌ۔ اور ضعیف حد
فضائل اعمال میں بالاتفاق معمول بہ ہے۔ اسی لئے ہمارے ائمہ نے فرمایا ہے: کہ گردن کا
مستحب یا سنت ہے۔ (اسرار المرفوعہ حدیث:828 ص:209)

علامہ بغوی اور قاضی شوکانی کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (نیل الاوطار: 204/1)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالوی غیر مقلد (اہل حدیث) نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور
ہے کہ گردن پر مسح کو بدعت کہنا غلط ہے نیز یہ کہ تلخیص الحبیر کی مندرجہ بالا عبارت اور ا
سلسلہ کی دیگر روایات قابل استدلال ہیں۔ خصوصاً جب کہ کوئی حدیث ان کے مخالف نہیں ہے

(بدور الأهلة ص ..)

سنت نمبر 13: ترتیب اور پے در پے وضو کرنا۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کا اس پر مسلسل عمل رہنا، ا
کی واضح دلیل ہے۔

وضوتوڑنے والے اُمور

سبیلین یعنی اگلے مخرج اور پچھلے مخرج سے جو چیز نکلے مثلاً بول و براز، اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وضوٹوٹنے کے اسباب میں سے بیان فرمایا ہے: (پاخانہ پیشاب وغیرہ) ''أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ'' یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آئے۔ (سورہ المائدہ آیت:٦)

ہوا کا خروج بھی ناقض وضو ہے۔

حدیث 78: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَايَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ مَالَمْ يُحْدِثْ فَقَالَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: الصَّوْتُ يعني الضَّرْطَةَ۔ مسجد میں نماز کا انتظار کرنے والے شخص کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک کہ اس کو حدث لاحق نہ ہو۔ ایک عجمی شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حدث سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ہوا کا خارج ہونا۔

(بخاری کتاب الوضوء 4 باب من لم یر الوضوء 34 رقم الحدیث :170 -135- 176)

جسم سے خون یا پیپ نکلے یا منہ بھر کر قے آئے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

حدیث 79 : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسُولَ اللهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ: لا، إِنَّمَا ذَلِكَ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایسی عورت ہوں جس کو مسلسل حیض آتا

رہتا ہے اور میں بالکل پاک نہیں ہوتی۔ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں یہ صرف رگ سے خون نکلتا ہے رحم سے نہیں نکلتا ہے۔ سو جب تمہیں حیض آئے تو نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم خون دھولو اور نماز پڑھو پھر ہر نماز کیلئے ایک بار وضو کر لو حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

(مسلم کتاب الحیض 4 باب المستحاضہ 14 حدیث: 501 -333 بخاری کتاب الوضوء 4 باب غسل الدم 63 حدیث 221-228 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب المستحاضہ ...)

اس حدیث میں رگ سے نکلنے والے خون کو وضو ٹوٹنے کی علت فرمایا۔ سو جہاں یہ علت پائی جائے گی وضو ٹوٹ جائے گا۔

حدیث 80: حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْوُضُوْءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ ہر بہنے والے خون سے وضو (لازم) ہے۔

(دار قطنی 157/1 رقم الحدیث: 571)

حدیث 81: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ فِي الْقَطْرَةِ وَالْقَطْرَتَيْنِ مِنَ الدَّمِ وُضُوْءٌ إِلَّا اَنْ يَكُوْنَ دَماً سَائِلًا: کہ ایک قطرہ یا دو قطروں سے وضو نہیں ٹوٹتا، سوا اس کے کہ بہنے والا خون نکلے۔ (دار قطنی 157/1 رقم الحدیث: 573-572) امام دار قطنی نے ان دونوں سندوں کو ضعیف کہا ہے۔ تعددِ اسانید سے حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔

حدیث 82: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اَصَابَهُ قَيْءٌ اَوْ رُعَافٌ اَوْ قَلْسٌ او مَذْيٌ، فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ ثُمَّ لِيَبْنِ عَلٰى صَلَاتِهِ وَهُوَ فِي ذٰلِكَ لَا يَتَكَلَّمُ۔ جس شخص نے منہ بھر کر قے کی یا اس کی نکسیر پھوٹ گئی یا اس کو ابکائی آئی یا مذی نکلی تو وہ واپس لوٹے اور وضو کرے اور اپنی نماز پوری کرے اور اس دوران کلام نہ کرے۔

(ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ 6 باب ما جاء فی البناء 137 حدیث: 1211 دار قطنی 155/1 معجم طبرانی عن ابن عباس)

حدیث 83: عن ابی الدرداء رضی اللّٰہُ عنہ أن رسُولَ اللہ ﷺ قاء

فَاَفْطَرَ فَتَوَضَّاَ: قال ابو عيسی وقد رأی غیرُ واحدٍ مِنْ اهلِ الْعلمِ مِنْ اصحابِ النبی وغیرِهِمْ مِنَ التابعینَ الوُضُوءَ مِنَ الْقَیْءِ وَالرُّعَافِ وهو قَوْلُ السُّفیانَ الثَّورِیِّ وَابْنِ المُبارِكِ واحمدَ واسحاقَ ۔ حضرت ابو الدرداؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو قے آ گئی ۔ آپ ﷺ نے روزہ افطار کیا اور وضو کیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا مسلک یہی ہے کہ قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور سفیان، ابن مبارک، امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ علیہم کا بھی یہی مسلک ہے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ 1 باب ما جاء فی الوضوء من القیء (64) حدیث 80 مشکوۃ کتاب الصوم باب تنزیہ الصوم (3) حدیث:2008 ابو داود کتاب الصوم 8 باب الصائم یستقی عامدا 32 حدیث :2033، دارمی کتاب الصوم باب القیء للصائم حدیث :1665 شرح معانی الاثار :96/2)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منہ بھر کر قے روزہ توڑ دیتی ہے اور وضو بھی لیکن اس کے بر عکس امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ قے سے اور خون سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام شافعی علیہ الرحمہ کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وضو نہیں واجب ہوتا مگر آواز یا بو سے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ 1 باب ما جاء فی الوضوء من الریح 56 حدیث:69 ابن ماجۃ کتاب الطھارۃ باب لا وضوء الا من حدث حدیث:508 مشکوۃ کتاب الطھارۃ باب ما یوجب الوضوء حدیث :310)

اس حدیث سے اِستدلال درست نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بول و براز نکلنے سے اور جماع سے بھی وضو نہ ٹوٹے۔ جب کہ شوافع کے نزدیک عورت کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اپنے ذکر (آلہ تناسل) کو ہاتھ لگانے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس حدیث میں ان میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں۔ اس لئے اس حدیث میں غیر مخرجین سے خون نکلنے اور منہ بھر کے قے کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث اس شخص کو سنائی ہے جس کو ہوا خارج ہونے کا شک ہوتا رہتا تھا، اس لئے انہوں نے کہا کہ جب تک آواز نہ نکلے یا بدبو نہ آئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

مذی اور ودی سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حدیث 84: حضرت علی ﷜ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے مذی کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ مذی سے وضو اور منی سے غسل کرنا ہے۔
(ترمذی کتاب الطهارة 1باب ما جاء فی المني 83 حدیث :106مشکوٰۃ کتاب الطهارة باب ما یوجب الوضوء حدیث:311)

حضرت علی ﷜ کا یہ سوال حضرت مقداد ﷜ کے ذریعے تھا بلا واسطہ نہ تھا، منی اور مذی میں فرق یہ ہے کہ منی شہوت توڑ دیتی ہے اور مذی بڑھا دیتی ہے نیز منی دودھ کی طرح سفید گاڑھی لیس دار ہوتی ہے اور مذی پیشاب کی طرح اور لیس دار بھی۔

نیند سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کو لیٹے ہوئے نیند آ جائے یا کسی چیز سے اس طرح ٹیک لگائے ہوئے نیند آ جائے کہ اس چیز کو ہٹایا جائے تو وہ گر جائے گا، اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

حدیث 85: حضرت صفوان بن عسال ﷜ بیان کرتے ہیں کہ: کان رسولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ: رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم فرماتے تھے کہ سفر کی حالت میں تین دن موزے اتارنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر جنابت ہو جائے تو موزے اُتار دیں (اور غسل کریں) البتہ پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے موزے اُتارنے کی ضرورت نہیں۔ (بلکہ وضو کے وقت پاؤں پر مسح کر لینا کافی ہے۔)

(ترمذی کتاب الطهارة 1 باب المسح علی الخفين للمسافر71 حدیث :89
مشکوٰۃ کتاب الطهارة باب المسح علی الخفين9 حدیث:520)

نوٹ: اس حدیث میں پیشاب، پاخانہ اور نیند کا ایک ہی حکم بیان ہوا ہے کہ ہر دو کی طرح نیند بھی وضو توڑنے والی ہے۔

حدیث 86: عن ابن عباس رضی اللہ عنهما اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ نَامَ وَهُوَ سَاجِدٌ حَتَّى غَطَّ أو نَفَخَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ فَقُلْتُ يارسُولَ اللهِ إِنَّكَ قَدْ نِمْتَ قَالَ: إِنَّ الْوُضُوْءَ لايَجِبُ إِلَّا مَنْ نَامَ مُضْطَجِعًا فَإِنَّهُ إِذَا اضْطَجَعَ اسْتَرْخَتْ مَفَاصِلُهُ. حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں سوئے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراٹے لئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر نماز پوری کی، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ تو سو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو اس شخص پر واجب ہوتا ہے جو لیٹ کر سوئے کیونکہ جب انسان لیٹتا ہے تو اس کے اعصاب ڈھیلے ہوجاتے ہیں۔

(ترمذی کتاب الطهارة 1 باب ما جاء فی الوضوء من النوم 57حدیث :72 مشکوٰة کتاب الطهارة باب المسح علی الخفین9 حدیث:518)

بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر سونا بھی اِسی حکم میں ہے کیونکہ وضو ٹوٹنے کی علت اعضاء کا ڈھیلا پڑنا ہے خواہ لیٹ کر ہو یا بیٹھے ہوئے ٹیک لگا کر حتیٰ کہ جو کوئی بیٹھے ہوئے اونگھے اور اونگھتے میں گرے، گرنے کے بعد آنکھ کھلے وضو جاتا رہا اور اگر گرنے سے قبل آنکھ کھل گئی پھر گرا تو وضو نہ گیا۔ کھڑے کھڑے یا بغیر سہارا لگائے سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

حدیث 87: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ "کان أصحابُ رسُولِ اللهِ ﷺ يَنْتَظِرُوْنَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ حَتَّى تَخْفِقَ رُءُ وْسُهُمْ ثُمَّ يُصَلُّوْنَ وَلَا يَتَوَضَّئُوْنَ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نمازِ عشاء کا انتظار کرتے تھے حتیٰ کہ ان کے سر جھک جاتے تھے پھر نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔

(ابو داود کتاب الطهارة1باب فی الوضوء من النوم 79حدیث:172مشکوٰة کتاب الطهارة باب ما یوجب الوضوء حدیث:317)

لہٰذا جس نیند میں اعضاء ڈھیلے نہ پڑیں اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر عورت سجدے میں سو جائے تو وضو گیا اور اگر مرد سجدے میں سو جائے تو وضو نہیں جاتا کیونکہ مرد سجدے میں غافل نہیں ہوسکتا ورنہ گر جائے گا۔ (مرآۃ المناجیح:250/1)

حدیث 88: حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " إِنَّمَا الْعَيْنَانِ وِكَاءُ السَّهِ فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ" آنکھیں سُرین کا بندھن ہیں تو جب آنکھ سوگئی تو بندھن کھل گیا۔

(دارمی کتاب الطهارة 2 باب الوضوء من النوم 48 حديث :716 مشكوة كتاب الطهارة باب ما يوجب الوضوء حديث :315)

لہٰذا سونا وضو توڑ دیتا ہے جیسے موت غسل توڑ دیتی ہے مگر نبی اکرم ﷺ کی نیند سے وضو نہیں جاتا کیونکہ وہ غافل نہیں ہوتے اسی لئے ان کی خواب بھی وحی الٰہی ہوتی ہے نیز شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے خبری کی نیند وضو توڑ دے گی بیٹھے بیٹھے اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس میں اعضاء ڈھیلے نہیں پڑتے۔

نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے کیونکہ بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلی لیکن حدیث میں تصریح ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قیاس پر حدیث کو مقدم کرتے ہیں۔

حدیث 89: حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (دار قطنی حدیث :587)

ہنسنے سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور نماز بھی۔

حدیث 90: حضرت حسن رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ: " بينا النبي ﷺ يصلي جاء رجل فوقع في بئر فضحك بعض القوم فامر رسول الله ﷺ مَنْ ضَحِكَ أَنْ يُعِيْدَ الْوُضُوءَ وَالصلوٰة" ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک نابینا شخص آیا اور ایک گڑھے میں گر گیا بعض لوگ ہنس پڑے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہنسا ہے وہ نماز اور وضو دوبارہ لوٹائے۔ (دار قطنی جزء ،، ص 166 رقم الحديث :7)

قہقہہ، ضحک اور تبسم میں فرق۔

قہقہہ یہ ہے کہ ہنسنے کی آواز خود سنے اور اس کے ساتھ والا نمازی بھی سنے ۔اس سے نماز اور وضو دونوں لوٹائے جائیں گے۔ضحک یہ ہے کہ ہنسنے کی آواز صرف اپنے آپ تک محدود رہے ساتھ والے نمازی تک نہ پہنچے،اس سے صرف نماز ٹوٹتی ہے وضو باقی رہتا ہے۔تبسم یہ ہے کہ اس میں ہنسنے کی آواز نہیں ہوتی۔صرف چہرے پر مسکراہٹ آتی ہے اس سے نہ نماز باطل ہوتی ہے اور نہ وضو۔

عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

امام شافعی اور امام احمد علیہ الرحمہ کے نزدیک جب مرد عورت کے یا عورت مرد کے بدن کو بلا حجاب چھوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جب تم نے عورتوں کو مس کیا ہو پس پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔وہ اس آیت میں لمس کا معنی چھونا کرتے ہیں، امام مالک اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں لمس جماع سے کنایہ ہے یعنی جماع اور مباشرت سے وضو ٹوٹتا ہے صرف چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن مجید میں لمس،مس کے الفاظ میں جماع سے کنایہ ہے۔

(الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۷۷)

حدیث 91: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ’’ كُنْتُ أَنَامُ بين يَدَیْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَرِجْلَایَ فِی قِبْلَتِهٖ فاذا سجد غمزنی فَقَبَضْتُ رِجْلَیَّ فاذا قام بَسَطْتُهُمَا والبُيُوْتُ يومَئِذٍ لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ‘‘ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سو رہی تھی اور میرے دونوں پیر آپ ﷺ کے سامنے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ میں جاتے تو میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے ، میں اپنے پیر سمیٹ لیتی ۔ جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو میں اپنے پیر پھیلا دیتی ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ 8باب الصلوٰۃ علی الفراش 22حدیث :369 -382مسلم کتاب 5 باب51 حدیث :791-512 مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب السترہ 9حدیث :786)

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عورت کے بدن کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نماز میں عمل

قلیل سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اندھیرے میں نماز پڑھنا جائز ہے اور عورت سامنے ہو تو نماز پڑھنا جائز ہے۔

مس ذکر ناقض وضو ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک مس ذکر (شرم گاہ کو چھونے) سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حدیث 92: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وھل ھو اِلَّا مُضْغَۃٌ مِنْہُ" وہ تمہارے جسم کا ایک عضو ہی تو ہے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ 1 باب ما جاء فی ترک الوضوء من مس الذکر 62 حدیث :8، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب ما یوجب الوضوء حدیث :320)

اس حدیث کی سند قوی ہے امام ترمذی اس کے متعلق فرماتے ہیں: وھذا الحدیث احسن شیء روی فی ھذا الباب۔ امام شافعی کا استدلال اس حدیث سے ہے: بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ مَسَّ ذَکَرَہٗ فلا یُصَلِّ حَتّٰی یَتَوَضَّأ" جس شخص نے اپنی شرمگاہ کو چھوا، وہ وضو کئے بغیر نماز نہ پڑھے۔

(ترمذی :77 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب ما یوجب الوضوء حدیث :319)

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی علیہم الرحمہ نے اس کے خلاف بکثرت آثار روایت کئے ہیں۔

حدیث 93: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا کان کو۔ (شرح معانی الاثار 47/1)

حدیث 94: حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں ذکر کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں۔ (شرح معانی الاثار 47/1)

اس مسئلہ میں دونوں جانب احادیث اور آثار ہیں اور قیاسِ صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ مس ذکر سے وضو واجب نہیں ہوتا کیونکہ اولاً تو یہ دیگر اعضاء کی طرح ایک عضو ہے۔ جس طرح دیگر اعضاء کو چھونے سے وضو واجب نہیں ہوتا اس کو چھونے سے بھی وضو واجب نہیں ہوتا۔ ثانیاً: اس لئے کہ خون، پیپ اور بول و براز کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، جو نجس العین ہیں تو جو عضو فی نفسہ طاہر ہے، اس کو چھونے سے وضو کیسے ٹوٹے گا؟

غسل کا بیان

غسل میں تین چیزیں فرض ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، سارے بدن پر پانی بہانا کہ ذرا سی جگہ بھی خشک نہ رہے۔

ارشادِ ربانی ہے: وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب اہتمام سے طہارت حاصل کرو۔ (المائدہ آیت ۶)

حدیث 95: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ

جس نے غسل جنابت میں بال برابر جگہ بغیر دھوئے چھوڑ دی تو اسے آگ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔

(ابو داود كتاب الطهارة 1 باب فی الغسل من الجنابة97 حديث :217 ،مشكوة كتاب الطهارة باب الغسل 5 حديث :444)

عذاب پر عذاب ہوگا ایک تو ناپاک رہنے کا، دوسرے تمام نمازیں برباد کرنے کا، لہٰذا غسل میں بڑی احتیاط چاہیے۔ ناف، بغل کان کی لو، ان میں بہت خیال سے پانی پہنچایا جائے کہ یہاں اکثر بغیر توجہ پانی نہیں پہنچتا۔

حدیث 96: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تحت كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَأَنْقُوا الْبَشَرَ۔ ہر بال کے نیچے ناپاکی ہے۔ لہٰذا بال دھوؤ اور کھال صاف کرو۔

(ترمذی كتاب الطهارة 1 باب ما جاء ان تحت كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةً حديث :99 ،مشكوة : كتاب الطهارة باب الغسل 5 حديث :443)

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ غسل میں جسم کے سارے بال بھگو...
ہے، اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا تو غسل نہ ہوگا، دوسرے یہ کہ اگر بدن پر خشک مٹی، گند...
آٹا یا موم لگا رہ گیا جس کے نیچے پانی نہ پہنچا، تب بھی غسل نہ ہوگا۔ لہٰذا اگر ناخنوں پر نیل...
لگی ہوئی ہو تو غسل درست نہیں، کیونکہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے گا۔

سوال: کتنی چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے؟

جواب: پانچ چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱: احتلام

احتلام یہ ہے کہ بالغ مرد یا عورت نیند سے بیدار ہوں اور اپنے کپڑوں یا بدن میں... پائیں اور اس تری کے منی یا مذی ہونے کا یقین ہو یا احتمال ہو تو غسل واجب ہے، اگرچہ خو... یاد نہ ہو، اور اگر خواب یاد ہے مگر اس کا کوئی اثر کپڑے وغیرہ پر نہیں تو غسل واجب نہیں۔

حدیث 97: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ... عَنِ الرَّجُلِ يَجِدُ الْبَلَلَ ولا يَذْكُرُ احتلاما قال: يَغْتَسِلُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے... شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو تری پائے اور خواب یاد نہ ہو آپ نے فرمایا غسل کرے... وعَنِ الرَّجُلِ يَرَى أَنَّهُ قَدْ احْتَلَمَ وَلَمْ يَجِدْ بَلَلًا قال: لا غُسْلَ عَلَيْهِ اور اس... کے بارے میں پوچھا گیا جو خیال کرے کہ اسے احتلام ہوا ہے اور تری نہ پائے فر... اس پر غسل نہیں۔ ام سلیم نے عرض کیا: یارسول اللہ هل علی المرءة تری ذلك غ... قال نعم إِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ کیا عورت پر بھی غسل ہے جو یہ دیکھے فرمایا: ہا... عورتیں مردوں کی مثل ہیں۔

(ترمذی کتاب الطهارة 1 باب ما جاء فيمن يستيقظ 82 حدیث :105 ،مشكوٰة : كتا... الطهارة باب الغسل 5 حدیث :441)

تری مطلق غسل واجب کردے گی اگرچہ مذی کی ہو کیونکہ کبھی پتلی منی مذی ہی محسوس ہو... ہے یہی ہمارا مذہب ہے اور یہ حدیث ہماری دلیل ہے۔

حدیث 98: حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت اُم سلیم نے عرض کیا: ان اللہ لا یستحی من الحق فھل علی المراۃ من غسل اذا احتلمت یقینا اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا کیا عورت پر غسل واجب ہے، جب اسے احتلام ہو؟ قال: نَعَمْ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فرمایا: ہاں، جب پانی دیکھے۔ فَغَطَّتْ ام سلمۃ تَعْنِی وَجْهَهَا وَقَالَتْ یارسول اللہِ اَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ تو اُم سلمہ نے منہ چھپالیا اور بولیں یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم، کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ قال: نعم تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا۔ فرمایا: ہاں، تمہارا ہاتھ گرد آلود ہو، ورنہ بچہ اپنی ماں کے ہم شکل کیوں ہوتا ہے۔

(بخاری کتاب العلم 3 باب الحیاء فی العلم 50 حدیث: 127-130 مسلم کتاب الحیض 4 باب وجوب الغسل 7 حدیث :471-313 ،مشکوٰۃ : کتاب الطہارۃ باب الغسل 5 حدیث :443)

خواب کی صورت میں بغیر تری دیکھے غسل واجب نہیں ہوتا خواہ منی ہو یا مذی کیونکہ کبھی منی پتلی ہونے کی صورت میں مذی محسوس ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوں، انہیں احتلام بھی نہیں ہوتا یعنی رب تعالیٰ انہیں زنا کے خیال سے بھی پاک رکھتا ہے۔ یہ ہے ازواج پاک کی عصمت۔

۲: اِلْتِقَاءُ الْخِتَانَيْنِ (دونوں شرمگاہوں کا ملنا)

حشفہ یعنی ذکر کا سر عورت کے آگے یا پیچھے یا مرد کے پیچھے داخل ہونا دونوں پر غسل واجب کرتا ہے شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت انزال ہو یا نہ۔ بشرطیکہ دونوں مکلف ہوں اور اگر ایک بالغ ہے تو اس بالغ پر فرض ہے اور نابالغ پر اگرچہ غسل فرض نہیں مگر غسل کا حکم دیا جائے گا۔

نوٹ: یہ صرف غسل کا حکم بیان کیا جارہا ہے، ورنہ مرد یا لڑکے سے بدفعلی یا عورت سے غیر فطری فعل کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ایسے ناجائز اور غیر فطری فعل کے مرتکب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون قرار دیا ہے اور حدیث میں ان کے بارے میں سخت سزائیں بیان ہوئی ہیں ایسے ملعونوں کو قتل کرنے یا ان پر دیوار گرانے کا حکم ہے۔ قرآن پاک میں بیان ہوا ہے کہ قومِ لوط

لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتی تھی تو ان پر عذاب آیا۔ جبریل امین نے ان کے پانچ شہر
نیچے ہاتھ ڈال کر اتنا اونچا اٹھایا کہ وہاں کے مرغوں کی آوازیں آسمان پر پہنچنے لگیں
اچانک اٹھایا کہ برتنوں کا پانی تک نہ چھلکا۔ سونے والے جاگ نہ سکے اور وہاں سے
نیچے گرادیا اور ان پر پتھروں کی بارش ہوئی۔ (سورہ ھود مع تفسیر آیات 83-77 رکو

حدیث 99: حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
اِذَا جَلَسَ اَحَدُکُمْ شُعَبِهَا الاربع ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ وَا
يُنْزِلْ۔ جب کوئی مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے تو غسل
ہوگیا اگرچہ انزال نہ ہو۔

(مسلم کتاب الحیض 4 باب نسخ الماء من الماء 22 حدیث :525، 348- بخاری
کتاب الغسل 5 باب اذا التقی الختان 28 حدیث : 282-291 مشکوٰۃ : کتاب
الطهارة باب الغسل 5 حدیث :430)

عورت کی چار شاخوں سے مراد اس کے چار ہاتھ پاؤں مراد ہیں، اس حدیث کا م
ہے کہ جب مرد کے عضو تناسل کا اگلا حصہ یعنی حشفہ عورت کی اندام نہانی میں غائب ہوجا
غسل واجب ہوجاتا ہے، خواہ انزال ہو یا نہ ہو اور یہ حدیث ان تمام احادیث کی ناسخ
میں ہے کہ بغیر انزال غسل واجب نہیں ہوتا۔

۳: خروجِ منی

بغیر جماع کے شہوت کی حالت میں تیزی کے ساتھ منی نکلنے سے غسل واجب ہوجا
اس میں نیند اور بیداری کی دونوں حالتیں برابر ہیں، نیز مرد و عورت کا بھی ایک ہی حکم ہے
شہوت کے ساتھ اپنی جگہ سے جدا نہ ہوئی بلکہ بوجھ اٹھانے سے یا بلندی سے گرنے سے
نکلی تو غسل واجب نہیں۔ اگر منی کچھ نکلی اور قبل پیشاب کرنے یا سونے یا چالیس قدم چلنے
نہالیا اور نماز پڑھ لی اب بقیہ منی نکلی تو غسل کرے کہ یہ اسی منی کا حصہ ہے جو اپنے محل سے
کے ساتھ جدا ہوئی تھی اور پہلے جو نماز پڑھی تھی ہوگئی اس کے اعادہ کی حاجت نہیں او
چالیس قدم چلنے یا پیشاب کرنے یا سونے کے بعد غسل کیا پھر منی بلا شہوت نکلی تو غسل ضر

نہیں اور یہ پہلی کا بقیہ نہیں کہی جائے گی۔ (بہار شریعت ونور الایضاح)

حدیث 100: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مِنَ الْمَذْيِ الْوُضُوْءُ وَمِنَ الْمَنِيِّ الْغُسْلُ۔ مذی سے وضو ہے اور منی سے غسل۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ باب ما جاء فی المنی حدیث: 106 مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ مایوجب الوضوء حدیث: 311)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ سوال حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے ذریعے تھا بلا واسطہ نہ تھا۔ منی اور مذی میں فرق یہ ہے کہ منی شہوت توڑ دیتی ہے اور مذی بڑھا دیتی ہے نیز منی دودھ کی طرح سفید اور گاڑھی لیس دار ہوتی ہے اور مذی پیشاب کی طرح مگر لیس دار۔

۴: حیض کا ختم ہونا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ولا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔

اور وہ تم سے حیض کا حکم پوچھتے ہیں تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں۔ (سورۃ بقرہ آیت نمبر: 222)

۵: نفاس کا ختم ہونا

نفاس وہ خون ہے جو بچہ کی ولادت کے بعد آتا ہے اور اس کی اکثر مدت چالیس دن ہے اور کم کی کوئی حد نہیں یعنی چالیس دن پورے کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے پہلے جب بھی خون بند ہو جائے تو وہ نہا دھو کر نماز شروع کر دے گی اور چالیس دن کبھی خون آیا اور کبھی نہیں تو یہ سب نفاس ہی ہے، اگرچہ پندرہ دن کا فاصلہ ہو جائے۔ (بہار شریعت) اور جو خون چالیس دن سے زیادہ آئے وہ استحاضہ ہے۔ نماز روزہ معاف نہیں ہوگا اور حیض میں تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ آنے والا خون استحاضہ ہے اور مستحاضہ عورت پر بھی غسل واجب ہے۔ جب اس کے حیض یا نفاس کے دن پورے ہو جائیں۔

حدیث 101: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

یارَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ أَفَادَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ: لَا، إِنَّ ذٰلِكَ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي۔

یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں استحاضہ والی عورت ہوں (یعنی ہر وقت ماہوار خون جاری رہتا ہے) اور کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک رگ سے خون نکلتا ہے، حیض نہیں ہے جب حیض آئے تو نماز کو چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دو۔

(مسلم کتاب الحیض 4باب المستحاضة 14حدیث: 501-333 بخاری کتاب الوضوء 4 باب غسل الدم 63 حدیث :221-228مشکوٰۃ:557 کتاب الطھارۃ باب المستحاضة 13 حدیث 557)

مستحاضہ وہ عورت ہے جسے استحاضہ کا خون آتا ہے، استحاضہ بیماری ہے جس میں عورت کی رگ کھل کر خون جاری ہو جاتا ہے۔ یہ خون حیض ونفاس کا نہیں ہوتا اس کی کوئی مدت نہیں ہوتی اور اس میں نماز، روزہ، صحبت، مسجد میں داخلہ قرآن کی تلاوت کچھ بھی منع نہیں بلکہ اس کا حکم معذور کی طرح ہے کہ ایک وقت وضو کر کے نماز پڑھتی رہے اگرچہ خون آتا رہے نماز کا وقت ختم ہونے پر وضو ٹوٹ جائے گا دوسری نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے۔ یہی حکم اس کا ہے جس کو سلس بول (ہر وقت پیشاب کے قطرات آنا) کی بیماری ہو یا ہر وقت اس کی ہوا خارج ہوتی رہتی ہو وہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرے۔

حیض کی حکمت

عورت بالغہ کے بدن میں فطرتاً ضرورت سے کچھ زیادہ خون پیدا ہوتا ہے کہ حمل کی حالت میں وہ خون بچے کی غذا میں کام آئے اور بچے کے دودھ پینے کے زمانہ میں وہی خون دودھ بن جائے اور ایسا نہ ہو تو حمل اور دودھ پلانے کے زمانہ میں اس کی جان پر بن جائے۔ یہی وجہ

کہ حمل اور ابتدائے شیر خوارگی میں خون نہیں آتا اور جس زمانہ میں حمل ہو نہ دودھ پلانا وہ خون اگر بدن سے نہ نکلے تو قسم قسم کی بیماریاں پیدا ہو جائیں۔ (بہار شریعت ۲/۷۰)

حیض کی مدت

بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے جو خون عادی طور پر نکلتا ہے اور، بچہ پیدا ہونے کے سبب سے نہ ہو، اُسے حیض کہتے ہیں اور بیماری سے ہو تو اِستحاضہ اور بچہ پیدا ہونے کے بعد ہو تو نفاس کہتے ہیں۔

حیض کی کم از کم مدت تین دن تین راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ دس دن دس راتیں ہیں۔ جو خون تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ ہو وہ اِستحاضہ ہے۔

حدیث 102: حضرت ابو امامہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
لا يَكُونُ الْحَيْضُ لِلْجَارِيَةِ وَالثَّيِّبِ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ وَلا اَكْثَرَ مِنْ عَشَرَةِ اَيَامٍ فَاِذَا رَاَتِ الدَّمَ فَوقَ عَشَرَةِ اَيَّامٍ فَهِيَ مُسْتَحَاضَةٌ۔ کنواری لڑکی یا شادی شدہ کے لئے حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔ (دار قطنی 218/1) حدیث:59)

مسئلہ: دس دن رات سے کچھ بھی زیادہ خون آیا تو اگر یہ حیض پہلی مرتبہ آیا ہے تو دس دن تک حیض ہے بعد کا استحاضہ اور اگر پہلے اسے حیض آچکے ہیں اور عادت دس دن سے کم کی تھی تو عادت سے جتنا زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ اس کو پانچ دن کی عادت تھی اب آیا دس دن تو کل حیض ہے اور بارہ دن آیا تو پانچ دن حیض کے باقی سات دن استحاضہ کے اور ایک حالت مقرر نہ تھی بلکہ کبھی چار دن کبھی پانچ دن تو پچھلی بار جتنے دن تھے وہی اب حیض کے ہیں باقی استحاضہ۔

مسئلہ: یہ ضروری نہیں کہ اس مدت میں ہر وقت خون جاری رہے جبھی حیض ہے بلکہ اگر بعض وقت بھی آئے جب بھی حیض ہی ہے۔ (بہار شریعت)

حیض والی عورت کے احکام۔

حیض والی عورت کو نماز معاف ہے اور روزہ کی بعد میں قضا کرے گی۔ حیض والی عورت

مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی اور نہ طواف کرسکتی ہے اور نہ عمل زوجیت اور حیض والی عورت اور مرد و عورت قرآن کی تلاوت نہیں کرسکتے اور نہ اس کو چھو سکتے ہیں لیکن اگر قرآن جز دان (علیحدہ غلاف) میں ہو تو اس جزدان کے چھونے میں حرج نہیں۔ حالت حیض میں عورت طلاق دینا حرام ہے، مطلقہ کی عدت تین حیض گزرنے سے پوری ہوتی ہے۔

مسئلہ: معلمہ (ٹیچر) کو حیض یا نفاس ہو تو ایک ایک کلمہ سانس توڑ توڑ کر پڑھائے اور ... کرانے میں حرج نہیں۔

مسئلہ: قرآن مجید کے علاوہ اور تمام اذکار، کلمہ، درود شریف وغیرہ پڑھنا بلا کراہت جا... بلکہ مستحب ہے اور ان چیزوں کو وضو یا کلی کرکے پڑھنا بہتر اور ویسے بھی پڑھ لیا جب بھی حر... نہیں اور ان کو چھونے میں بھی حرج نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ان کلمات طیبات کو بھی علیحدہ کپڑ... سے پکڑا جائے۔ ایسی عورت کو اذان کا جواب دینا بھی جائز ہے۔ حیض و نفاس والی عورت ... ساتھ کھانا یا اس کا جھوٹا کھانا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ ہاں اس حالت میں ہم بستری ... جماع حرام ہے، ناف سے گھٹنے تک عورت کے بدن سے مرد کا اپنے کسی عضو سے چھونا جائز نہیں جب کہ کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو اور اگر ایسا کپڑا حائل ہو کہ بدن کی گرمی محسوس نہ ہوگی تو حرج نہیں ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے چھونے یا کسی طرح کا نفع لینے میں کوئی حرج نہیں یونہی بوس و کنا... بھی جائز ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے بہار شریعت: 76/2)

حیض والی عورت کی گود یا زانو پر سر رکھ کر قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ حیض کی نجاست حکمی ہے حقیقی نہیں۔ اسی طرح حیض کے دوران استعمال ہونے والے کپڑے بھی پاک ہیں۔ ہاں جہاں خون لگ جائے ان کو دھولیا جائے باقی لباس پاک ہے ان کو دھونا ضروری نہیں یہ سب باتیں حدیث سے ثابت ہیں۔ بعض عورتیں ماہواری کے دوران جو کپڑے استعمال کرتی ہیں ان کو بالکل ناپاک سمجھتی ہیں اور ان کو دھونا ضروری خیال کرتی ہیں اگرچہ اس پر کوئی ناپاک چیز نہ لگی ہو مثلاً خون وغیرہ تو یہ بات بالکل حدیث کے خلاف ہے اور یہ صرف عورتوں کا وہم ہے کہ وہ کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں ہاں اگر ان پر خون لگ جائے تو صرف اتنا ہی کپڑا دھویا جائے

سارے کپڑے دھونے کی ضرورت نہیں بلکہ عورت خود بھی ناپاک نہیں ہوتی کیونکہ یہ نجاست حقیقی نہیں حکمی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ المؤمن لا يَنْجُسُ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔** مسلم کتاب الحیض باب الدلیل علی ان المومن لا ینجس حدیث :556) صرف مطلب یہ ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھ سکتی، تلاوتِ قرآن نہیں کرسکتی اور مسجد میں نہیں جاسکتی وغیرہ یہ مطلب نہیں کہ اس کے جسم کے ساتھ نجاستِ حقیقی یعنی پیشاب وغیرہ لگ گیا ہے اور اب وہ کوئی کام نہیں کرسکتی اگر یہ مطلب ہوتا تو اس کے لئے کھانا پکانا بھی جائز نہ ہوتا اور اس کے ساتھ مل کر کھانا کھانا بھی جائز نہ ہوتا۔

حدیث 103: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) فرمایئے کہ جب ہم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو وہ کیا کرے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے۔ **فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّيَ فِيهِ۔** تو اسے مَل دے پھر پانی سے دھو دے پھر اس میں نماز پڑھے۔

(بخاری کتاب الحیض 6 باب غسل دم المحیض 9 حدیث 296،-307 مسلم کتاب الطھارۃ باب نجاسۃ الدم حدیث:438-291، مشکوۃ کتاب الطھارۃ باب تطھیر النجاسات 8 حدیث 493)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیض کا خون نجاستِ غلیظہ ہے کہ حضور ﷺ نے اسے دھونے سے پہلے ملنے کا حکم دیا۔ دوسرا یہ کہ ناپاک کپڑا دُھلتے ہی پاک ہو جاتا ہے سوکھنا شرط نہیں۔ تیسرا یہ کہ سارا کپڑا دھونا ضروری نہیں صرف ناپاک حصہ دھولیا جائے۔ چوتھا یہ کہ نضح کے معنی چھڑکنا یا چھینٹا مارنا نہیں بلکہ دھونا ہے کیونکہ حیض کا خون پانی کے چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا خوب دھویا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قوی دلیل ہے کہ شیر خوار بچے کا پیشاب چھینٹے سے پاک نہیں ہوتا اس کا دھونا ضروری ہے کیونکہ وہاں بھی لفظ نضح ہے

حدیث 104: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ ملے

حالانکہ میں ناپاک تھا۔ آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپ کے ساتھ چلا حتیٰ کہ آپ
میں چپکے سے نکل گیا منزل میں آیا غسل کیا پھر حاضر ہوا حالانکہ آپ تشریف فرما تھے
این کنت یا ابا ھریرہ فقلت لہ۔ اے ابو ہریرہ! تم کہاں تھے؟ میں نے واقعہ
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فقال سُبْحَانَ اللهِ اِنَّ الْمُؤمِنَ لا یَنْجُسُ۔ سبحان اللہ
ناپاک نہیں ہوتا۔

(بخاری کتاب الغسل 5 باب الجنب 24 حدیث: 276-285، مسلم کتاب الحیض
باب الدلیل علی ان المؤمن لا یَنْجُسُ 29 حدیث 556-371، مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ
باب مخالطۃ الجنب 6 حدیث 451)

یہ حقیقی نجاست نہیں کہ جنبی سے مصافحہ وغیرہ منع ہو، خیال رہے کہ کافر بھی نجس نہیں، قرآن
جو مشرکوں کو نجس فرمایا گیا ہے اس سے گندگیِ اعتقاد مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنبی کا
جھوٹا نجس نہیں۔ جنبی سے مصافحہ یا معانقہ بلکہ اس کے ساتھ بیٹھنا بھی جائز ہے۔

حدیث 105: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كُنْتُ اَشْرَبُ وَاَنَا حَائِضٌ
ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ۔ میں بحالتِ حیض پیتی پھر
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی برتن دیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ شریف میرے منہ والی جگہ رکھ کر
وَاَتَعَرَّقُ الْعَرْقَ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوْضِعِ فِيَّ
میں بحالتِ حیض ہڈی چوستی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا منہ شریف میرے
والی جگہ رکھتے۔

(مسلم کتاب الحیض 4 باب جواز غسل الحائض 3: حدیث: 453_300 مشکوٰۃ کتاب
الطھارۃ باب الحیض 12 حدیث: 547)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اپنی بیوی کا جھوٹا کھانا پینا جائز ہے بلکہ سنت ہے
ہے۔ فقہاء کرام جو مرد کو عورت کا جھوٹا کھانا منع کرتے ہیں وہاں اجنبی عورت مراد ہے
مسئلہ اس حدیث کے خلاف نہیں۔

حدیث 106: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَّكِئُ

حَجْرِیْ وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ یَقْرَءُ الْقُرْآنَ۔ نبی کریم ﷺ میری گود میں تکیہ لگاتے حالانکہ میں حائضہ ہوتی پھر قرآن کی تلاوت کرتے۔

(بخاری کتاب الحیض 6 باب قراءۃ الرجل 3 حدیث 288-297 _ مسلم کتاب الحیض 4 باب جواز غسل الحائض 3: حدیث :454-301 _ مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب الحیض 12 حدیث: 548)

معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کے زانو یا گود میں سر رکھ کر قرآن پڑھنا جائز ہے کیونکہ حائضہ کی نجاست حکمی ہے حقیقی نہیں۔ مردہ غسل دینے سے پہلے نجس حقیقہ بھی ہوتا ہے، اس لئے قبل غسل بلا ڈھکے قرآن پڑھنا منع ہے۔

حدیث 107: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نَاوِلِیْنِی الْخُمْرَۃَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَقُلْتُ اِنِّیْ حَائِضٌ فَقَالَ: اِنَّ حَیْضَتَكِ لَیْسَتْ فِیْ یَدِكِ۔ مسجد سے ہم کو چٹائی دے دو، میں بولی میں حائضہ ہوں، فرمایا: تمہارا حیض تمہارے ہاتھ میں نہیں۔

(مسلم کتاب الحیض 4 باب جواز غسل الحائض 3: حدیث :450-298
مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب الحیض 12 حدیث: 549)

یعنی تم کو اس حالت میں مسجد میں جانا منع ہے، نہ کہ وہاں سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لینا۔

حدیث 108: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کان رسول الله ﷺ یصلی وانا حِذَاءَہٗ وانا حائض وربما اصابنی ثوبه اذا سجد۔ نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے اور میں آپ کے برابر ہوتی اور میں حالت حیض میں ہوتی تھی اور بعض اوقات سجدہ کرتے وقت آپ کا لباس مجھ سے ٹکراتا۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ 8 باب اذا اصاب ثوب المصلی 19 حدیث: 366-379، مسلم کتاب الصلوٰۃ 5 باب الاعتراض بین یدی المصلی 51 حدیث 513-797، مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب الحیض 12 حدیث: 550)

اس سے معلوم ہوا کہ حائضہ کا جسم نجس حقیقی نہیں ورنہ کپڑا ساتھ لگنے سے، وہ کپڑا ناپاک ہو جاتا اور اس میں نماز جائز نہ ہوتی۔

حائضہ عورت کو نماز معاف ہے اور روزہ کی قضا کرے گی۔

حدیث 109: معاذہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت روزہ تو قضاء کرتی ہے نماز قضاء نہیں کرتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا تو حروریہ ہے، میں نے عرض کیا: میں حروریہ نہیں ہوں محض جاننا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: کَانَ یُصِیْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ۔ حیض کے ایام میں ہمیں روزوں کی قضاء کا حکم تو دیا جاتا تھا اور نمازوں کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

(مسلم کتاب الحیض 4باب وجوب قضاء الصوم 15 حدیث 335-508:
مشکوٰۃ: کتاب الصوم باب القضاء 5حدیث 2033)

یہ حکم متفق علیہ ہے، تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حیض ونفاس کی حالت میں عورت پر نماز روزہ واجب نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اس پر روزہ کی قضاء واجب ہے اور نماز کی قضاء واجب نہیں ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ان میں فرق یہ ہے کہ نمازیں زیادہ ہیں اور دن میں بار بار پڑھی جاتی ہیں اس کے برعکس روزے صرف سال میں ایک بار واجب ہوتے ہیں۔ (شرح مسلم سعیدی: 1029/1)

مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سبحان اللہ! کیسا ایمان افروز جواب ہے کہ مجھے عقلی حکمتوں سے غرض نہیں، ہم تو حکم کے تابع ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کی قضاء کا حکم دیا نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا، اس لئے یہ فرق ہو گیا، ہمیں عقلی حکمتوں سے کیا غرض، بیمار تو طبیب کے نسخے پینے کی کوشش کرتا ہے، دواؤں کے اوزان سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتا۔ (مرآۃ المناجیح: 176/3)

حدیث 110: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَتَمْكُثُ اللَّيَالِي مَا تُصَلِّي وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّيْنِ۔ عورت چند راتیں رُکی رہتی ہے نماز نہیں پڑھتی اور رمضان میں افطار کرتی ہے اور یہ اس کے دین کا نقصان ہے۔

(مسلم کتاب الایمان 2باب بیان نقصان الایمان 24 حدیث 114-79 بخاری کتاب الحیض 6 باب ترک الحائض الصوم 6 حدیث :293-304 مشکوٰۃ: 19)

حدیث 111: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں جب حج پر گئی تو ماہواری آ گئی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ ھٰذَا اَمْرٌ کَتَبَہُ اللّٰہُ عَلٰی بَنَاتِ اٰدَمَ فَاقْضِیْ مَا یَقْضِی الْحَاجُّ غَیْرَ اَنْ لَّا تَطُوْفِیْ بِالْبَیْتِ حَتّٰی تَطْھُرِیْ۔

یہ ایک ایسی چیز ہے جو بناتِ آدم پر لکھ دی گئی ہے تو حج کے ارکان ادا کر جیسے حاجی ادا کرتے ہیں لیکن خانہ کعبہ کا طواف نہ کرنا یہاں تک کہ تو پاک ہو جائے۔

(مسلم کتاب الحج 16 باب وجوہ الاحرام 17 حدیث 2115: بخاری کتاب الحیض 6 باب کیف کان بدء الحیض 1 حدیث :285-294 مشکوٰۃ کتاب المناسک باب دخول مکۃ حدیث 2572)

حدیث 112: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَقْرَءِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَیْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھیں۔

(ترمذی کتاب الطہارۃ 1 باب ما جاء فی الجنب والحائض 98 حدیث 121 ، مشکوٰۃ 461 کتاب الطہارۃ : باب مخالطۃ الجنب 6)

یہاں شے سے مراد پوری آیت ہے اور حائضہ کے حکم میں نفاس والی عورت بھی داخل ہے یعنی حائضہ ، نفاس والی اور جنبی قرآن کریم کی پوری آیت تلاوت نہ کرے۔ (مراۃ 310/1)

حدیث 113: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْرُجُ مِنَ الْخَلَاءِ فَیُقْرِئُنَا الْقُرْاٰنَ وَیَاْکُلُ مَعَنَا اللَّحْمَ وَلَمْ یَحْجُزْہُ عَنِ الْقُرْاٰنِ شَیْءٌ لَیْسَ الْجَنَابَۃَ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے نکلتے تو ہمیں قرآن پڑھاتے اور ہمارے ساتھ گوشت کھاتے تھے اور جنابت کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سے کوئی چیز نہ روکتی تھی۔

(ابوداود کتاب الطہارۃ 1 باب فی الجنب یقرا القرآن 90 حدیث :198 ،مشکوٰۃ 460 کتاب الطہارۃ : باب مخالطۃ الجنب 6)

معلوم ہوا کہ بغیر وضو تلاوت بھی جائز ہے اور کھانا پینا بھی درست اور حدثِ اکبر ہی تلاوتِ قرآن سے مانع ہے اور حدثِ اصغر یعنی بغیر وضو قرآن چھونا ممنوع ہے ، تلاوت جائز ہے۔ خیال رہے کہ جنبی کو تلاوتِ قرآن ممنوع ہے لیکن قرآنی دعائیں بہ نیتِ دعا

پڑھ سکتے ہیں۔ (مرآۃ 310/1)

حدیث 114: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّي لا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلا جُنُبٍ۔ ان گھروں کو مسجد سے پھیر دو کیونکہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔

(ابوداود کتاب الطھارۃ 1 باب فی الجنب یدخل المسجد 92 حدیث: 201، مشکوٰۃ 462 کتاب الطھارۃ: باب مخالطۃ الجنب 6)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مالکِ احکام بنایا ہے، فرماتے ہیں: میں حلال نہیں کرتا۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی
خدا نے محبوب کیا مالک و مختار بنایا

غسل کا مسنون طریقہ

حمام یا غسل خانہ میں داخل ہونے سے پہلے بسم اللہ پڑھے تا کہ اس کے اور جنات شیطان کے درمیان پردہ ہو جائے لیکن غسل خانہ میں داخل ہو کر کوئی دعا پڑھنا جائز نہیں۔ غسل کی نیت کر کے پہلے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین مرتبہ دھوئے پھر استنجا کی جگہ دھوئے خواہ نجاست نہ بھی لگی ہو پھر بدن پر جہاں کہیں نجاست ہو اس کو دور کرے پھر وضو کرے جیسے نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے۔ اگر کسی ایسی جگہ نہا رہا ہے جہاں پانی جمع ہو رہا ہے تو پاؤں آخر میں دھوئے ورنہ وضوء کے ساتھ ہی پاؤں بھی دھو لے پھر اپنے سر پر پانی ڈالے پھر دائیں کندھے پر اور پھر بائیں کندھے پر پانی ڈالے، ایک بار سارے جسم پر پانی بہانا فرض ہے اور تین بار سنت اور نہانے میں قبلہ رخ نہ ہو اور تمام بدن پر ہاتھ پھیر لے اور ملے اور ایسی جگہ نہائے کہ کوئی نہ دیکھے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو ناف سے گھٹنے تک کے اعضاء کا ستر ضروری ہے اور کسی قسم کا کلام نہ کرے نہ کوئی دعا پڑھے۔ اگر غسل خانہ میں نہا رہا ہے تو ننگا نہانا جائز ہے غسل کے بعد تولیہ کا استعمال جائز ہے۔ حضرت میمونہ کا آپ ﷺ کو تولیہ پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ تولیہ استعمال فرماتے تھے اور اس وقت کسی وجہ سے تولیہ ترک کر دیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لئے واپس کیا ہو، تا کہ اس کا استعمال لازمی سنت نہ سمجھ لی جائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ

وقت بدن کو ٹھنڈا رکھنا مقصود ہو کیونکہ دوسری حدیث میں تولیہ کا استعمال بھی ثابت ہے۔

حدیث 115: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: کَانَ لِرَسُولِ اللّٰہِ ﷺ خِرْقَۃٌ یُنَشِّفُ بِھَا بَعْدَ الْوُضُوءِ۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک کپڑا تھا جس سے آپ وضوء کے بعد اعضاء وضو پونچھتے تھے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ 1 باب ما جاء فی التمندل 40 رقم الحدیث :48، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب سنن الوضوء 4حدیث 421)

غسل کے بعد وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔

حدیث 116: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ لَا یَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ۔ رسول اللہ ﷺ غسل کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ 1 باب ما جاء فی الوضوء بَعْدَ الْغُسْلِ 79حدیث :107، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب سنن الوضوء 5حدیث 445)

غسل خانہ یا باتھ روم جانے یا کپڑے اُتارنے سے قبل بسم اللہ پڑھنا۔

حدیث 117: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سِتْرُ مَا بَیْنَ اَعْیُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ بَنِی آدَمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُھُمُ الْخَلَاءَ اَنْ یَقُوْلَ بِسْمِ اللّٰہِ۔ جنات کی آنکھوں اور لوگوں کے ستر کے درمیان پردہ یہ ہے کہ جب کوئی بیت الخلاء جائے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے۔

(ترمذی کتاب الجمعہ 3 باب ما ذکر من التسمیۃ 74 حدیث :551، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب ادب الخلاء 2حدیث 358)

یعنی جیسے دیوار اور پردے لوگوں کی نگاہ سے آڑ بنتے ہیں، ایسے ہی اللہ کا ذکر جنات کی نگاہ سے آڑ بنے گا کہ جنات اس کو دیکھ نہ سکیں گے۔ اس کے علاوہ یہ دعا بھی ہے۔ اور یہ دعا پڑھنا بھی سنت ہے۔

حدیث 118: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔

(بخاری کتاب الوضوء 4 باب مایقول عند الخلاء 9حدیث 139-142، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب ادب الخلاء 2حدیث 337)

قضاءحاجت سے فارغ ہوکراور لیٹرین سے باہر نکل کر یہ دعا پڑھیں۔

حدیث 119: غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَا

(ترمذی حدیث 7 ابن ماجہ کتاب الطهارة 2باب ما يقول اذا حرج من الف
10حدیث: 297 ، مشکوٰۃ کتاب الطهارة باب ادب الخلاء 2حدیث 374-359

حدیث 120: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: كَانَ ر
اللهِ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَاَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِ
ثُمَّ يُدْخِلُ اَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا اُصُوْلَ شَعْرِهِ ثُمَّ يُصُبُّ علی راسه
غُرَفٍ بِيَدَيْهِ ثُمَّ يُفِيْضُ الْمَاءَ عَلٰى جِلْدِهِ كُلِّهِ۔ رسول اللہ ﷺ جب جنابت
فرماتے تو ابتدا یوں کرتے کہ پہلے ہاتھ دھوتے پھر مکمل وضو کرتے پھر انگلیاں پانی میں
کران سے بالوں کی جڑیں تر کرتے پھر سر پر تین لپ پانی ڈالتے پھر تمام جلد پر پانی بہا

(بخاری کتاب الغسل 5باب الوضوء قبل الغسل 1حدیث :240-248
مسلم :316-474.مشکوٰۃ کتاب الطهارة باب الغسل 5حدیث 435)

حدیث 121: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: اَدْنَيْتُ لِ
اللهِ غُسْلَهُ مِنَ الجنابةِ فغسل كفيه مرتين او ثلاثا ثُمَّ اَدْخَلَ يده فی
ثُمَّ اَفْرَغَ بِهِ على فَرْجِهِ وغسله بِشِمَالِهِ ثُمَّ ضرب بِشِمَالِهِ الارضَ فَدَلَكَهَا
شَدِيْدًا ثُمَّ توضا وضوء ه للصلاة ثُمَّ اَفْرَغَ على راسه ثلاث حَفَنَاتٍ مِلْءَ
ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهِ ثُمَّ تَنَحّٰى عن مقامه ذلك فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ
بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهُ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کے لئے پانی رکھا، پہلے
نے دونوں ہاتھوں کو دھویا دو یا تین بار پھر برتن سے پانی لے کر بائیں ہاتھ سے استنجا
بائیں ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر خوب صاف کیا پھر مکمل وضو کیا پھر دونوں ہاتھوں سے چلو بھر
مرتبہ سر پر پانی ڈالا پھر تمام بدن کو دھویا پھر اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جا کر پیر
دھویا پھر میں آپ کے لئے تولیہ لے کر آئی لیکن آپ نے واپس کر دیا۔

(مسلم کتاب الحیض 4باب صفة غسل الجنابة 9حدیث:476-317 بخاری کتاب
الغسل 5باب نفض اليدين 18حدیث -276:267- مشکوٰۃ کتاب الطهارہ باب الغ
5حدیث :436)

وضواور غسل کوشروع کرنے سے پہلے ہاتھ دھونے مستحب ہیں اور اگر ان پر نجاست لگی ہوتو پھر ہاتھ دھونے واجب ہیں۔ غسل سے پہلے وضو کرنا سنت ہے بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے ساتھ پیر دھو لیتے اور بعض اوقات غسل کرنے کے بعد پیر دھوتے۔ ان میں مطابقت اس طرح ہے کہ اگر جگہ صاف ہوتو پیر پہلے دھوئیں ورنہ بعد میں، سر اور داڑھی میں خلال کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہ غسل میں واجب اور وضو میں سنت ہے، دونوں ہاتھوں سے چلو لے کر سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا چاہیے، جسم کو ملنا مستحب ہے۔ان احادیث سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں ناک میں پانی ڈالنا اور غرارے کرنا مشروع ہے۔ فقہاء احناف کی دلیل ارشادِ ربانی ہے۔ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہوتو خوب اہتمام سے طہارت حاصل کرو۔ (المائدہ آیت ٦)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمام بدن کو پاک کیا جائے اور بدن ناک اور منہ کو بھی شامل ہے۔ (عمدۃ القاری:195/3)

عورت کو غسل میں مینڈھیوں کو کھولنا ضروری نہیں جب کہ بالوں کو کھولے بغیر پانی پہنچ جائے اور اگر بالوں میں پانی نہ پہنچے تو پھر بالوں کو کھولنا واجب ہے۔ بعض عورتیں عورتوں کے سامنے ننگی نہاتی ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ جس طرح مرد کو مرد کے سامنے اپنا ستر کھولنا ناجائز ہے ایسے ہی عورت کو عورت کے سامنے بلا ضرورت اپنا ستر کھولنا ناجائز ہے۔

حدیث 122: حضرت یعلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھلی جگہ میں بغیر تہبند ننگے نہاتے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا: إِنَّ اللهَ عزوجل حَيِيٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ۔ اللہ تعالیٰ حیادار اور پردہ پوش ہے، حیا اور پردے کو پسند کرتا ہے تو جب تم میں سے کوئی نہائے تو پردہ کرلیا کرے۔

(ابو داود کتاب الحمام 25باب النهي عن التعري 1 حديث :3497 - مشكوة كتاب الطهاره باب الغسل 5حديث 447)

حدیث 123: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: لا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلا يُفْضِي الرَّجُلُ الى الرَّجُلِ فى ثوبٍ واحدٍ ولا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فى الثَّوْبِ واحد
کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کی طرف نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھے اور دو مرد برہنہ ہوکر ایک کپڑا میں نہ لیٹیں اور نہ دو عورتیں برہنہ ہوکر ایک کپڑے میں لیٹیں۔
(مسلم کتاب الحیض 4باب تحریم النظر الی العورات 17حدیث :512-338
مشکوٰۃ کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ1 حدیث:3100)

مرد کو مرد کا ستر اور عورت کو عورت کا ستر دیکھنا حرام ہے۔مرد کو اجنبی عورت کے تمام بدن دیکھنا حرام ہے، اسی طرح عورت کو اجنبی مرد کے تمام بدن کو دیکھنا حرام ہے خواہ وہ ایک دوسرے کو شہوت سے دیکھیں یا بغیر شہوت کے، یہ حکم اس وقت ہے جب کوئی ضرورت شرعیہ نہ ہولیکن جب کوئی ضرورتِ شرعیہ ہوتو اس وقت اس کے چہرے کو بلاشہوت دیکھنا جائز ہے البتہ بیوی اور شوہر ایک دوسرے کے تمام بدن کو دیکھ سکتے ہیں۔

مرد کا ستر عورت

مرد کو اپنے جسم کے جس حصہ کا ہر ایک سے چھپانا ضروری ہے وہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔

عورت کا ستر العورۃ

عورت کے ستر سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے جس کو شوہر کے علاوہ کسی اور شخص پر ظاہر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ آزاد عورت کا پورا جسم ہے، رہا چہرہ اور ہاتھ عورت ان کو اپنے محارم کے سامنے کھول سکتی ہے مثلاً باپ، دادا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، بھتیجا، بھانجا وغیرہ اور جو اجنبی مرد غیر محرم ہیں مثلاً ماموں، چچا، خالہ، پھوپھی کا بیٹا ان کے سامنے اس چہرے اور ہاتھوں کو بھی حجاب میں رکھنا لازم ہے۔(شرح مسلم سعیدی619/5-1031/1)

سوال: کتنی چیزوں کے لئے غسل کرنا سنت ہے؟

جواب: چار چیزوں کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

نماز جمعہ کے لئے، نماز عید کے لئے، احرام کے لئے، حاجی کے لئے عرفہ کے دن زوال کے بعد، باقی سب غسل مستحب ہیں۔

بَابُ التَّيَمُّمُ

تیمم کا بیان

ارشادِ ربانی ہے: وَإِنْ كُنتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا . . .

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب اہتمام سے طہارت حاصل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا، یا تم نے عورتوں سے صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو، اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو۔ (المائدہ آیت ٦)

جس کا وضو نہ ہو یا نہانے کی ضرورت ہو اور پانی پر قدرت نہ رکھتا ہو، وہ وضو اور غسل کی جگہ تیمم کرلے، پانی پر قدرت نہ ہونے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) ایسی بیماری کہ وضو یا غسل سے اس کے زیادہ ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا صحیح اندیشہ ہو خواہ یوں کہ اس نے خود آزمایا ہو یا یوں کہ کسی مسلمان اچھے حکیم نے جو ظاہراً فاسق نہ ہو کہہ دیا ہو کہ پانی نقصان کرے گا۔

(۲) وہاں چاروں طرف ایک میل شرعی یعنی ڈیڑھ میل انگریزی تک پانی کا پتہ نہ ہو یعنی بلحاظِ پیدل آدھے گھنٹہ کا فاصلہ ہو۔

(۳) اتنی سردی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

(۴) دشمن کا خوف کہ اگر اس نے دیکھ لیا تو مار ڈالے گا یا مال چھین لے گا یا اس طرف سانپ ہے یا شیر ہے۔

(۵) جنگل میں ڈول یا رسی نہیں کہ پانی بھرے۔

(۶) پیاس کا خوف وغیرہ وغیرہ۔

حدیث 124: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فُضِّلْنَا عَلَى النَّاسِ بِثَلَاثٍ جُعِلَتْ صُفُوْفُنَا كَصُفُوْفِ الْمَلَائِكَةِ وَجُعِلَتْ لَنَا

الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا اِذَا لَمْ نَجِدِ الْمَاءَ: ہمیں اور انسانوں (سابقہ اُمتوں) پر تین وجہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنادی گئی ہیں، ہمارے لئے تمام روئے زمین مسجد بنادی گئی اور اس کی مٹی پانی نہ ملنے کے وقت ہمارے لئے پاک کرنے والی بنادی گئی۔

(مسلم کتاب المساجد 6حدیث :811- 522 ، مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب التیمم :10حدیث :526)

ہر جگہ نماز ہوسکتی ہے پچھلی اُمتوں کی نمازیں صرف گرجوں اور کنیسوں میں ہی ہوسکتی تھیں۔ زمین میں پہاڑ، دریا اور ہوائی جہاز وغیرہ سب داخل ہیں۔ خیال رہے کہ رُوڑی، قبرستان، بت خانہ، مذبحہ وغیرہ میں نماز درست نہیں مگر یہ ایک عارضہ کی وجہ سے ہے اگر عارضہ ہٹ جائے تو نماز درست ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔ پانی نہ ملنے سے مراد اس کے استعمال پر قادر نہ ہونا ہے۔ خواہ اس لئے کہ پانی موجود نہ ہو یا اس لئے کہ موجود تو ہو مگر بیماری یا دشمن کی وجہ سے استعمال نہ کرسکے۔ مٹی سے مراد جنس زمین کی ہر چیز ہے۔ ریتا، پتھر، کان کا نمک، پتھری کوئلہ وغیرہ سب داخل ہیں۔ (مراۃ المناجیح :339/1)

احادیث میں اور بھی خصوصیات اس امت کی ثابت ہیں۔ یہ حدیث ان کے منافی نہیں اس لئے کہ اصول ہے کہ ایک عدد اپنے سے زیادہ کی نفی نہیں کرتا یہاں ان تین کی تخصیص خصوصیت مقام کی وجہ سے کی گئی ہے یا اس وقت وحی انہیں کے متعلق اُتری ہوگی۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر ''کل'' کے لفظ میں کچھ تخصیص ہوتی ہے اگر دوسرے دلائل کی وجہ سے تخصیص نہ مانی جائے تو لازم آئے گا کہ بت خانہ، قبرستان اور بیت الخلاء میں نماز جائز ہو حالانکہ یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ اسی طرح ''کل بدعة ضلا لة'' ہر بدعت گمراہی ہے میں بھی دوسرے دلائل کی وجہ سے تخصیص ہے ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ بُری بدعت یا ایسی بدعت جس سے سنت اُٹھ جائے گمراہی ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ** ہر مصور (فوٹو گرافر) جہنم میں جائے گا۔

(مسلم کتاب اللباس 38 باب تحریم تصویر 26 حدیث 3945-2110 - مشکوٰۃ کتاب اللباس باب التصویر 4 حدیث 4498)

ہر بدعت کو گمراہی کہنے والے بتائیں کہ کیا ہر تصویر بنانے والا دوزخی ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر آج کے دور میں کوئی بھی جنت میں نہیں جا سکتا۔ اگر اس حدیث میں تخصیص جائز ہے تو ''کل بدعۃ ضلالۃ'' ہر بدعت گمراہی ہے، میں بھی تخصیص ہو سکتی ہے اگر اس میں تخصیص نہیں تو پھر آج سے تمام وہابی فوٹو بنانا بند کردیں ورنہ تمام وہابی جہنم میں جائیں گے۔

حدیث 125: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ طَهُوْرُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَإِذَا وَجَدَ الْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَتَهُ فَإِنَّ ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس سال پانی نہ پائے پھر جب پانی پائے تو اس سے اپنا بدن دھوئے کہ یہ یقینا بہتر ہے۔

(ترمذی کتاب الطھارۃ 1 باب ما جاء فی التیمم 92 حدیث:115، مشکوۃ کتاب الطھارۃ باب التیمم:10 حدیث:530)

یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ تیمم وضو کی طرح طہارتِ مطلقہ اور کاملہ ہے۔ لہٰذا ایک تیمم سے ایک وقت میں بھی چند نمازیں پڑھ سکتے ہیں اور ایک وقت کے تیمم سے کئی وقت کی نمازیں پڑھ سکتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وضو قرار دیا تو جو وضو کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔ امام شافعی کے نزدیک تیمم ضرورتِ طہارت ہے کہ نماز کا وقت نکل جانے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے اور ایک تیمم سے چند نمازیں نہیں پڑھ سکتے۔ (مراۃ المناجیح:1/342)

اجتہاد اور تیمم کا ثبوت

حدیث 126: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو شخص سفر میں گئے نماز کا وقت آ گیا۔ ان کے ساتھ پانی نہ تھا، انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کرلیا پھر نماز پڑھ لی پھر وقت ہی میں پانی پالیا، ان میں سے ایک نے وضو سے نماز لوٹائی اور دوسرے نے نہ لوٹائی، پھر دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ **فَقَالَ لِلَّذِيْ لَمْ يُعِدْ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَاَتْكَ صَلَاتُكَ وَقَالَ لِلَّذِيْ تَوَضَّاَ وَاَعَادَ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔** جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اس سے فرمایا: تو نے سنت پالی اور تیری نماز کافی ہوگئی اور جس نے وضو کرکے

نماز لوٹائی تھی اس سے فرمایا تجھے ڈبل ثواب ہے۔

(ابو داود کتاب الطھارۃ 1 باب فی المتیمم 127 حدیث :286، مشکوٰۃ کتاب ال
باب التیمم :10 حدیث :533)

یہ ہوا اجتہاد کا اختلاف کہ ان میں سے ایک ہی صاحب حق پر تھے مگر کسی
اعتراض نہیں کیا ہم جو کہا کرتے ہیں کہ چاروں مذہب برحق ہیں، اس کا مطلب یہی
پر ملامت یا اعتراض نہیں اس کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

مٹی کی جنس سے تیمم کرنا۔

حدیث 127: حضرت ابو جہیم انصاری ﷺ بیان کرتے ہیں: أَقْبَلَ ال
مِنْ نَحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ فَلَقِيَهُ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى أَ
الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهِ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ نبی کریم ﷺ بئر
طرف سے آئے، ایک آدمی آپ سے ملا اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام
نہ دیا یہاں تک کہ دیوار کی طرف متوجہ ہوئے پھر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کیا پھر سلام
دیا اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ پیشاب کر رہے تھے کہ اس نے سلام کیا۔

(بخاری کتاب التیمم 7 باب التیمم فی الحضر 2 حدیث :325_337، مسلم ک
الحیض 4 باب التیمم 28 حدیث 554-369، مشکوٰۃ کتاب الطھارۃ باب ال
:10 حدیث :529)

یہاں حضور ﷺ کا جوابِ سلام کے لئے تیمم کرنا ایک خاص حال تھا اور طہارت
طہارت ہر حال میں ذکرِ خدا کرنا قانونِ شرعی تھا۔

امام نووی فرماتے ہیں: یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس وقت پانی نہ
آپ ﷺ نے سلام کرنے والے کا فوراً جواب نہیں دیا۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ قضا
کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو اس حالت میں اس کا جواب
مکروہ ہے۔ اسی طرح اس حالت میں اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کا ذکر بھی مکروہ ہے
حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مٹی کی جنس سے تیمم کرنا ضروری ہے اور اس پر غبار ہونا ضرور
جیسا کہ احناف کا مذہب ہے کیونکہ عام طور پر دیوار پر غبار نہیں ہوتا۔ (شرح مسلم نووی :1/

کیفیت تیمم

تیمم کے طریقہ میں اہم اختلافی مسئلے دو ہیں: تیمم کے لئے کتنی ضربیں ہیں ہاتھوں میں کتنی مقدار کا مسح ضروری ہے۔

تعدادِ ضربات میں اختلاف۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہیں۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ تیمم کے لئے ایک ضرب ہے۔ امام مالک کی تین روایتیں ہیں۔ ایک حنفیہ کے مطابق اور ایک حنابلہ کے مطابق اور تیسری روایت یہ ہے کہ فرض تو ضربِ واحد ہی ہے، دو ضربیں سنت ہیں، فروع مالکیہ میں اسی کو مختار کیا گیا ہے۔ سئل مالك كيف التيمم وأين يبلغ به فقال يضرب ضربة للوجه وضربة لليدين ويمسحهما إلى المرفقين۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث :112)

محل مسح میں اختلاف

یدین (ہاتھوں) میں کتنی مقدار مسح ضروری ہے حنفیہ کا مذہب، امام شافعی کا قولِ جدید، امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ مرفقین (کہنیاں) تک مسح ضروری ہے۔ امام احمد کا مذہب اور امام شافعی کا قولِ قدیم اور امام مالک کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف کفین (ہتھیلیاں) کا مسح کافی ہے۔ ابن شہاب زہری کا مذہب یہ ہے کہ آباط اور مناکب تک مسح ضروری ہے۔ ان دونوں مسلکوں میں امام احمد کے مذہب کا خلاصہ یہ ہوا کہ زمین پر ایک ضرب مار کر اسی سے چہرہ اور کفین کا مسح کرے۔ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایک ضرب سے چہرہ کا مسح کرے اور دوسری سے مرفقین تک ہاتھوں کا۔

احناف و شافعیہ کے دلائل

حدیث 128: حضرت ابوجہیم انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بئر جمل کی طرف سے آئے پیشاب یا قضائے حاجت فرما کر کہ میں آپ سے ملا اور آپ کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب نہ دیا یہاں تک کہ دیوار پر ہاتھ مارا، اس سے اپنے منہ کا مسح

کیا پھر دوسرا ہاتھ مارا اور اس سے اپنے ہاتھوں کا مسح کیا کہنیوں تک پھر میرے
جواب دیا۔(دار قطنی :177/1 تلخیص الحبیر :266/1)

حدیث 129: عن نافع أنه أقبل هو وعبد الله بن عمر من
حتى إذا كانا بالمربد نزل عبد الله فتيمم صعيدا طيبا فمسح وجهه
إلى المرفقين ثم صلى۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ
سے واپس آئے حتیٰ کہ جب ہم مربد میں تھے تو حضرت ابن عمر اترے اور پاک مٹی سے
اپنے منہ اور ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا اور پھر نماز پڑھی۔
(موطا امام مالك كتاب الطهارة 2باب العمل في التيمم 42رقم الحديث:
تلخیص الحبیر:257/1طحاوی :114/1)

اور ''مربد'' مدینہ سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔

حدیث 130: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
فرمایا: اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔
ضربیں ہیں ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت
(بلوغ المرام رقم الحديث :130 مستدرك للحاكم)

حدیث 131: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے
اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ: ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ۔ تیمم دو ضربیں
ایک ضرب منہ کے لئے اور ایک ضرب ہاتھوں کے لئے کہنیوں سمیت۔
(المستدرك للحاكم 180/1 اور یہی روایت حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے۔ رواه البزار

حدیث 132: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا
غسل جنابت کی حاجت ہوگئی (تو پانی نہ ہونے کے سبب بطور تیمم) میں مٹی میں لوٹ پوٹ
گیا، حضور ﷺ نے فرمایا: اس طرح ہاتھ مارو، اس نے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر اپنے
مسح کیا پھر دونوں ہاتھ مار کر کہنیوں تک ہاتھوں کا مسح کیا۔

(طحاوی :114/1 بیهقی باب کیف التیمم)

امام بیہقی نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔ ان روایات سے ثابت ہو گیا کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں اور ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کیا جائے گا۔

نظر صحیح سے ثبوت

امام طحاوی فرماتے ہیں: جب فقہاء نے تیمم کے بارے میں اختلاف کیا کہ اس کا طریقہ کیا ہے اور اس سلسلے میں روایات بھی مختلف ہیں تو ہم نے اس ضمن میں غور و فکر کی طرف رجوع کیا تا کہ ہم ان اقوال سے صحیح قول نکال سکیں، لہٰذا ہم نے اس کا جائزہ لیا تو وضو، ان اعضاء پر پایا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا اور تیمم بعض اعضاء سے ساقط کر دیا گیا، وہ سر اور پاؤں سے ساقط کر دیا گیا، تیمم وضوء کے بعض اعضاء پر ہوا، پس اس سے اس شخص کا قول باطل ہو گیا جو اسے کندھوں تک مانتا ہے کیونکہ جب یہ سر اور پاؤں سے ساقط ہو گیا حالانکہ یہ اعضاء وضو میں سے ہیں تو زیادہ مناسب ہے کہ ان اعضاء پر واجب نہ ہو جن پر وضو نہیں کیا جاتا۔ پھر بازوؤں میں اختلاف ہے کہ کیا ان کا تیمم کیا جائے گا یا نہیں تو ہم نے دیکھا کہ مٹی کے ساتھ چہرے کا تیمم کیا جاتا ہے جیسا کہ وہ پانی سے دھویا جاتا ہے، سر اور پاؤں کو دیکھا تو ان میں سے کسی کا تیمم نہیں ہوتا گویا جس عضو کے بعض حصے کا تیمم ساقط کیا گیا اُس پورے عضو کا تیمم بھی ساقط ہوا اور جس حصے پر واجب کیا گیا وہاں وضو اور تیمم کا ایک ہی حکم رکھا گیا کیونکہ اسے وضو کا بدل قرار دیا گیا ہے، پس جب ثابت ہوا کہ پانی کی موجودگی میں ہاتھوں کے جس بعض حصے کو دھویا جاتا ہے۔ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم بھی اسی حصے کا کیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہاتھوں کا تیمم (مسح) کہنیوں تک ہے۔ قیاس اور غور و فکر کا یہی تقاضا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ (طحاوی: 113/1)

حنابلہ کی سب سے اہم دلیل یہ حدیث ہے: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ضرب النبی بکفیه الارض ونفخ فیهما ثم مسح بهما وجهه وکفیه۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونکا پھر انہیں منہ اور ہاتھ پر پھیرا۔

(بخاری کتاب التیمم 7 باب المتیمم هل 4 حدیث :326-338 _ مسلم کتاب الحیض باب التیمم -552 -368 مشکوۃ 528)

اس حدیث کا سیاق وسباق واضح طور پر بتا رہا ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تیمم کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اس کی کیفیت بھی سمجھائی جا چکی تھی۔ حضرت عمر ﷛ اور حضرت عمار ﷛ کو وہ کیفیت بھی آتی تھی صرف تردد اس بات میں تھا کہ وضو کی طرح غسل میں بھی تیمم کافی ہو سکتا ہے یا نہیں اور اگر ہو سکتا ہے تو کیفیت وہی ہے یا اور، تو رسول اللہ ﷺ نے واقعہ سن کر بالقصد اسی چیز کی تعلیم دی۔ یعنی یہاں بیانِ نوعیت ہے بیانِ کیفیت نہیں یعنی جنابت کے تیمم میں زمین پر لوٹنے کی ضرورت نہیں صرف مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لینا کافی ہے تاکہ احادیث میں تعارض نہ ہو۔ اس کی واضح دلیل عمار بن یاسر کا اپنا عمل اور اپنی روایت کردہ حدیث ہے۔

حدیث 133: حضرت عمار بن یاسر ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قوم میں تھا جب تیمم کا حکم نازل ہوا تو ہمیں حکم دیا گیا۔ ہم نے ایک ضرب زمین پر چہرے کے لئے ماری اور دوسری ضرب زمین پر ماری اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت مسح کرنے کے لئے۔

(رواہ البزار۔ اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے درایہ میں کہا:
اس کی سند حسن ہے۔ تلخیص الحبیر: 269/1)

سوال: امام ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابن عباس ﷛ سے تیمم کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جب وضو کا ذکر کیا تو فرمایا: اپنے ہاتھ دھوؤ کہنیوں تک اور تیمم کے بارے میں فرمایا: (اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو) اور چور کے بارے میں فرمایا: چور کے ہاتھ کاٹو اور چور کے متعلق سنت یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کلائیوں تک کاٹے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ تیمم میں منہ اور ہاتھوں پر کلائیوں تک مسح کیا جاتا ہے یعنی مرفقین تیمم میں شامل نہیں۔

(ترمذی کتاب الطھارہ 1 باب ماجاء فی التیمم 110 حدیث: 135)

معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں کہنیوں تک حد مقرر فرمائی ہے لیکن تیمم میں کوئی حد مقرر نہیں فرمائی مطلق رکھا ہے چنانچہ مطلق کو اس کے ظاہر پر محمول کیا گیا ہے اور وہ ہیں دونوں ہتھیلیاں جیسا کہ چور کے بارے میں ہے کہ اس کی صرف کلائیوں تک ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ہاتھ، جب مطلق بغیر کسی قید کے بولے جاتے ہیں تو اس

ے مراد پورا ہاتھ ہوتا ہے انگلیوں کے سروں سے لیکر بغلوں تک اور رہا چور کے ہاتھ کاٹنے کا
سئلہ تو یہ ہمیں سنت سے معلوم ہوا، قیاس سے نہیں چنانچہ تیمم میں دونوں ہاتھوں کے مسح کو وضو
ں ہاتھ دھونے پر محمول کیا جانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ تیمم وضو کا بدل ہے اور اس کے
رے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان ہے کہ ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرو۔ چنانچہ
ں واضح نص کی موجودگی میں قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔ احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

سوال: اگر کسی گھر کے گرنے سے غبار اُڑے اور وہ مٹی کسی آدمی کے منہ اور ہاتھ پر پہنچ
جائے تو کیا تیمم ہو جائے گا اور اس سے نماز جائز ہوگی؟

جواب: اس سے تیمم نہیں ہوگا اور نہ اس سے نماز جائز ہوگی اس لئے کہ تیمم میں نیت فرض
ہے۔ ہاں اگر پانی میں غوطہ لگایا اور غسل کی نیت نہیں کی تو اس کا غسل ہو گیا۔ اسی طرح اگر تمام
عضاء وضو پر بارش کا پانی پہنچ گیا اور پانی بہہ گیا اور اس نے اپنے سر پر گیلا ہاتھ پھیر لیا تو اس کا
ضو ہو گیا اگرچہ اس نے وضو کی نیت نہ کی ہو، اس لئے کہ وضو اور غسل میں نیت فرض نہیں بلکہ
دونوں میں نیت سنت ہے۔ (قدوری)

بَابُ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ

موزوں پر مسح کا بیان

حدیث 134: حضرت صفوان بن عسال ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: کان اللّٰهِ ﷺ یَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا سَفَرًا اَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيهِنَّ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم فرماتے تھے حالت میں تین دن کیلئے موزے اُتارنے کی ضرورت نہیں ۔ ہاں اگر جنابت ہو موزے اُتار دیں (اور غسل کریں) البتہ پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے موزے اُ ضرورت نہیں (بلکہ وضو کے وقت پاؤں پر مسح کرلینا کافی ہے)

(ترمذی کتاب الطھارہ 1باب المسح علی الخفین للمسافر71حدیث :98- م کتاب الطھارہ باب المسح علی الخفین 9 حدیث :520)

حدیث 135: حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ موزوں پر مسح کیا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم، کیا آپ بھ ہیں؟ فرمایا: بل انت نَسِيْتَ بهذا امرنی ربی عزوجل: بلکہ تم بھول گئے مجھے رب عزوجل نے اسی کا حکم دیا ہے۔

(ابو داود کتاب الطھارہ 1باب المسح علی الخفین 59حدیث :134، مشکوٰۃ کتاب الطھارہ باب المسح علی الخفین 9 حدیث 524)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح قرآن پاک سے بھی ثابت ہے ''ارجلکم'' کی دو قراًتیں متواتر ہیں، لام کے زبر سے اور لام کے زیر سے۔ مطلب یہ موزے پہنے ہوں تو مسح کرو اور نہ پہنے ہوں تو دھولو اور ممکن ہے کہ یہاں اللہ کے حکم سے خفی ہو۔

حدیث 136: حضرت ابو بکر ﷺ بیان کرتے ہیں: انه رَخَّصَ لِلْمُسافِرِ اذَا تَوضا ولبس خفيه ثم احدث وضوء ان يمسح ثلاثة ايام ولياليهن وللمقيم يوما وليلة: نبی کریم ﷺ نے مسافر کو تین دن رات اور مقیم کو ایک دن رات موزوں پر مسح کی اجازت دی جب کہ اس نے وضو کر کے موزے پہنے ہوں پھر وہ بے وضوء ہو گیا۔

(ابن ماجه :549 كتاب الطهارة باب ما جاء في التوقيت، مشكوة:519)

یہ مدت حدث کے وقت سے شروع ہوگی نہ کہ وضو کے وقت سے یعنی جس وقت وضو ٹوٹے گا اس وقت کو یاد رکھنا ہے دوسرے دن اسی وقت مسح کرنے کی مدت ختم ہو جائے گی، اب موزے اُتار کر پورا وضو کرنا ہوگا۔

حدیث 138: حضرت علی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: لَوْكَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ: اگر دین رائے سے ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا، اوپر مسح کرنے سے بہتر ہوتا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ موزوں کے اوپر مسح کرتے تھے۔

(ابو داود:140 كتاب الطهارة باب كيف المسح، مشكوة:525)

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ موزوں کے صرف ظاہر پر مسح کیا جائے گا نہ کہ نیچے جیسا کہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر عقل کا حکم شرع کے خلاف ہو تو عقل مردود ہے اور حکم شرع مقبول۔ دیکھو عقل کہتی ہے کہ موزے کے نیچے مسح ہونا چاہئے کیونکہ زمین سے وہی حصہ لگتا ہے اور گندگی سے قریب وہی رہتا ہے مگر حکم شرعی کے مقابل اپنی رائے چھوڑ دیں۔

امام اعظم ﷺ فرماتے ہیں: اگر دین رائے سے ہوتا تو میں پیشاب سے غسل واجب کرتا اور منی سے وضو کیونکہ پیشاب بالاتفاق نجس ہے اور منی بعض علماء کے ہاں پاک ہے اور میں لڑکی کو لڑکے سے ڈگنی میراث دیتا کیونکہ لڑکی کمزور ہے۔ (مرقاۃ، مراۃ المناجیح:339/1)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ موزوں کے مسح پر تمام صحابہ متفق ہیں اور یہ مسئلہ ستر سے زیادہ صحابہ سے منقول ہے اور جس کسی نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی، ان کی موافقت بھی منقول

ہے۔ (فتح الباری: 305/1 باب المسح الخفین)

مسح کا طریقہ

ہاتھ کی اُنگلیاں پانی سے بھگو کر تین اُنگلیاں پاؤں کے پنجے پر رکھ کر اوپر کی طرف کھینچیں۔

جرابوں پر مسح کا بیان۔

اونی، سوتی، نائیلون، وغیرہ کی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت نہیں، لہٰذا جرابوں پر مسح کرنے سے وضو صحیح نہ ہو نتیجۃً نماز نہیں ہوگی۔

غیر مقلدین کے نزدیک بھی جرابوں پر مسح جائز نہیں۔

مبارک پوری غیر مقلد شرح ترمذی میں لکھتے ہیں: والحاصل عندی أنه ليس باب المسح على الجوربين حديث صحيح مرفوع خال عن الكلام۔ پوری تحقیق کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جرابوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں محدثین کی جرح وتنقید سے خالی ہو۔ (تحفة الاحوذی جلد، ص ۱۱۱)

مشہور غیر مقلد عالم میاں نذیر حسین دہلوی سے پوچھا گیا کہ اونی سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں......؟ وہ جواب کے شروع میں لکھتے ہیں: ''مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں، کیونکہ اس کی صحیح دلیل نہیں اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں آخر میں فرماتے ہیں: والحاصل انه لم يقم على جواز المسح على الجوربين المسئولة عنه دليل لا من الكتاب ولا من السنة ولا من الإجماع ولا من القياس الصحيح كما عرفت۔ الغرض مندرجہ بالا جرابوں پر مسح کی کوئی دلیل نہیں نہ قرآن کریم سے نہ سنت سے نہ اجماع سے اور نہ قیاسِ صحیح سے جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا۔

(محمد نذیر حسین (فتاویٰ نذیریہ) جلد، ص 333-327)

جرابوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جَوْرَبَيْنِ مُجَلَّدَيْنِ

(۱) جَوْرَبَيْنِ مُنَعَّلَيْنِ

(۱) جَوْرَبَيْنِ ثَخِيْنَيْنِ

(۱) جَوْرَبَيْنِ مُجَلَّدَيْن (وہ جرابیں جن کے اوپر اور نیچے چمڑا چڑھا ہوا ہو۔)

(۱) جَوْرَبَيْنِ مُنَعَّلَيْن (وہ جرابیں جن کے تلوے پر چمڑا چڑھا ہوا ہو اور کچھ چمڑا اُوپر پنجے پر بھی ہو، تقریباً جوتے کی مقدار۔)

(۱) جَوْرَبَيْنِ ثَخِيْنَيْن وہ جرابیں جن میں حسبِ ذیل شرائط ہوں:

(۱) اتنی گاڑھی ہوں کہ بغیر باندھے پنڈلی پر تھم سکیں۔

(۲) اتنی مضبوط ہوں کہ جوتوں کے بغیر یہ جرابیں پہن کر چند میل پیدل بغیر جوتے کے چلا جا سکے۔

(۳) جنہیں پہننے کے بعد پاؤں کی کھال نظر نہ آئے۔

(۴) اوپر پانی ڈالا جائے تو چھن کر نیچے کھال تک نہ پہنچ پائے۔

حنفیہ کے مذہب کی مشہور تقریر یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کے نزدیک جو جرابیں مجلد یا منعل ہوں، ان پر مسح کرنا بالاتفاق جائز ہے لیکن جو جرابیں مجلد یا منعل نہ ہوں لیکن ثخین ہوں، ان پر صاحبین یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک مسح کرنا جائز ہے۔ امام صاحب کا رجوع صاحبین کے قول کی طرف ثابت ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اونی، سوتی، نائیلون، وغیرہ کی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔

مبارکپوری غیر مقلد لکھتے ہیں: کہ فقہاء نے جرابوں پر مسح کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں تاکہ وہ موزوں کے حکم میں ہو کر ان احادیث کے ضمن میں داخل ہو جائیں جو موزوں کی بابت وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا بعض نے شرط لگائی ہے کہ ان پر چمڑا لگا ہوا ہو اور بعض نے کہا ہے کہ سخت کپڑے کی ہوں تو مسح جائز ہے۔ (تحفۃ الاحوذی) قرآن پاک سے وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ثابت ہے۔ غسل رجلین کی جگہ کسی اور چیز پر مسح کو اس کے قائم مقام قرار دینا یہ حکم کتاب اللہ پر زیادتی اور ایک قسم کا نسخ ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی خبر واحد سے جائز نہیں۔

موزوں پر مسح کا جواز احادیث مشہورہ بلکہ متواتر المعلی سے ثابت ہے۔ اس لئے ان حدیثوں کی وجہ سے ہم مسح علی الخفین کے قائل ہوئے ہیں لیکن جوربین پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح کرنا خبر واحد سے معلوم ہوا ہے اور یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور اگر بالفرض اسے حسن مان لیں تو پھر بھی اس میں کئی احتمالات ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ جوربین ثخینین ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مجلدین یا منعل ہوں۔ ایسی خبر واحد جو کئی وجوہ کو محتمل ہو، اس سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں۔ اس لئے جمہور ہر قسم کی جراب پر علی الاطلاق مسح کو جائز نہیں سمجھتے۔ ہاں جس جراب میں ایسی شرائط پائی جائیں جن کی وجہ سے وہ جرابیں صورتاً تو جرابیں ہوں لیکن حقیقتاً خف کے معنیٰ میں ہوں ان پر مسح کا جواز ثابت کرنے کے لئے مستقل دلائل کی ضرورت نہیں بلکہ جن احادیث مشہورہ کی بنا پر ہم مسح علی الخفین کو جائز کہتے ہیں، وہی حدیثیں ان جرابوں پر مسح کے جواز کی دلیلیں ہوں گی کیونکہ یہ جرابیں موزوں کے حکم میں ہوں گی اور جو جراب خف کے معنیٰ میں نہ ہو اس پر مسح جائز نہیں۔

جرابوں پر مسح کے دلائل کا جائزہ۔

دلیل نمبر ۱: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں پر اور نعلین پر مسح کیا۔

(ترمذی حدیث ۹۹ ابو داود 137 ابن ماجہ559 احمد 17741 مشکوٰۃ 523)

امام بیہقی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے، سفیان ثوری، عبدالرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، ابن المدینی اور امام مسلم جیسے جلیل القدر علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ابوقیس اور ہذیل نے اس حدیث کے بقیہ تمام راویوں کی مخالفت کی ہے چونکہ سب نے صرف موزوں پر مسح کا نقل کیا ہے۔ لہٰذا ابوقیس وہذیل جیسے روایوں کی وجہ سے قرآن کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں کہ حفاظِ حدیث اس روایت کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ لہٰذا امام ترمذی کا یہ کہنا قبول نہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: ابوقیس نے تمام روایوں کی مخالفت کی ہے نیز بہت سے علماء حدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے باوجودیکہ انہیں ثقہ راوی کی زیادتی کا مسئلہ معلوم تھا۔ لہٰذا میرے نزدیک ان کا ضعیف قرار دینا مقدم ہے ترمذی کے حسن کہنے پر۔ (تحفۃ الاحوذی)

دلیل نمبر ۲: حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں پر اور نعلین پر مسح کیا۔ (ابن ماجہ 553 وبیھقی)

ابوداؤد نے فرمایا یہ روایت نہ تو متصل ہے اور نہ قوی ہے۔ اس کا راوی عیسیٰ بن سنان ضحاک سے روایت کرتا ہے اور اس کو امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ اور نسائی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ابن ماجہ، تحقیق محمد فواد عبد الباقی)

مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: عیسیٰ بن سنان کو اختلاط ہو جایا کرتا تھا وہ ضعیف الحدیث ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں: ضحاک کا ابو موسیٰ سے سماع ثابت نہیں لہٰذا روایت منقطع ہے۔

دلیل نمبر ۳: حضرت بلال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں اور جرابوں پر مسح کرتے تھے۔ طبرانی زیلعی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور وہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔ بڑھاپے میں اس کی حالت بدل گئی تھی اور وہ شیعہ تھا۔

دلیل نمبر ۴: ابن حجر نے کہا ہے: اس کو طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ان میں سے ایک کے راوی ثقہ ہیں۔ مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں: گو کہ اس روایت کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں بھی اعمش ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے **عنعن** سے روایت کی ہے اور مدلس راوی کا **عنعنہ** قبول نہیں۔

دلیل نمبر ۵: ابن قیم نے بعض صحابہ کے عمل سے استدلال کیا ہے۔ ابوداود نے حدیث نمبر 137 کے تحت لکھا کہ یہ روایت نہ متصل ہے اور نہ قوی اور پھر کہا: حضرت علی، ابن مسعود، براء بن عازب، انس بن مالک، ابو امامہ رضی اللہ عنہم نے جرابوں پر مسح کیا۔

مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

(۱) کہ موزوں پر مسح کی بابت بہت سی احادیث منقول ہیں۔ جن کے صحیح ہو
اجماع ہے۔ اس معیار کی احادیث کی وجہ سے ظاہر قرآن کو چھوڑ کر ان پر عمل بھی کیا
جرابوں پر مسح کی بابت جو روایات منقول ہیں ان پر جو تنقید ہوئی ہے وہ آپ دیکھ چکے
اس قسم کی ضعیف روایات کی وجہ سے ظاہر قرآن کو کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے؟

(۲) بعض صحابہ کرام ﷺ جو جرابیں استعمال فرماتے تھے وہ اتنی باریک نہ ہو
پاؤں پر خود بخود ٹھہر نہ سکیں اور ان کو پہن کر طویل مسافت پیدل طے نہ ہو سکے، بلکہ
اور سخت ہوا کرتی تھیں۔ جو موزوں کے حکم میں تھیں۔ لہٰذا وہ موزوں پر مسح والی احا
ضمن میں شامل ہیں اور میرے نزدیک یہی بات واضح ہے۔ امام احمد کا بھی یہی کہنا
حضرات نے جن جرابوں پر مسح کیا وہ موزوں کی مانند تھیں۔ (تحفۃ الاحوذی) الحا
حضرات صحابہ کی جرابوں کی تفصیل معلوم ہوگئی تو اب موٹی باریک ہر قسم کی جراب پر
کہنا صحیح نہ رہا۔

دلیل نمبر ۶: حضرت ثوبان کی روایت میں تساخین کا لفظ آیا ہے۔ مبارک پوری
لکھتے ہیں: بعض حضرات تساخین کے لفظ سے استدلال کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ صحیح
حدیث منقطع ہے۔ ابن ابی الحاکم کتاب المراسیل ص ۲۲ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل
ہیں کہ راشد بن سعد کا سماع ثوبان سے ثابت نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج، ص 40

كِتَابُ
مَسَائِلُ الصَّلٰوة

بَابُ الْمَوَاقِيْت

اوقاتِ نماز کا بیان

قرآن مجید سے استدلال

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ: شام کے اور صبح کے وقت اللہ کی تسبیح کرو اسی کے لئے حمد ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور شام سے پہلے اور ظہر کے وقت۔

(سورۃ الروم آیت: 18-17)

ان آیات میں فجر، ظہر، عصر اور مغرب کے اوقات کا ذکر ہے۔ شام اور صبح میں فجر اور مغرب کے اوقات کا ذکر ہے ''وَعَشِيًّا'' میں عصر کی نماز کا وقت ہے اور ظہر کے وقت کا صراحۃً ذکر ہے اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے: ''وَعَشِيًّا'' میں شام اور عشاء دونوں مراد ہیں۔ اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ اور فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ: دن کے دونوں کناروں میں نماز پڑھئے اور رات کے حصہ میں۔

(سورۃ ہود آیت: 114)

اس آیت میں فجر اور مغرب کے علاوہ عشاء کا بھی ذکر ہے کیونکہ فجر اور مغرب دن کے دو کناروں کی نمازیں ہیں اور عشاء رات کے ایک حصہ میں پڑھی جاتی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں پانچ نمازوں کا ذکر آ گیا ہے: حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى: تمام نمازوں کی اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔ (سورۃ بقرہ آیت: 238)

اس آیت میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ: ''الصَّلَوَات'' جمع کا صیغہ ہے۔ عربی قواعد

کے اعتبار سے اس کا اطلاق کم از کم تین نمازوں پر ہوگا اور صلوٰۃِ وسطیٰ کا اس پر عطف کیا گیا
جو مغائرت کو مستلزم ہے، اس لئے صلوٰۃ وسطیٰ ان تین نمازوں کے علاوہ ہوگی اس طرح
نمازیں ثابت ہوئیں اور چار میں درمیانی نماز نہیں ہوسکتی اس لئے صلوات سے کم از کم
نمازیں مراد ہوں گی اور ایک وسطیٰ ملا کر پانچ نمازیں ثابت ہوگئیں۔

احادیث سے استدلال۔

پانچ نمازوں کی فرضیت پر اس قدر کثرت سے احادیث وارد ہیں جن کا شمار مشکل ہے
کہ علماء نے ان احادیث کو معناً متواتر قرار دیا ہے۔

اِجماعِ اُمت سے استدلال۔

بارہ سو سال تک اُمتِ محمدیہ کا پانچ نمازوں پر بلا انکار اجماع رہا اور اسلام کے تمام فرقے
اس پر متفق رہے۔ بارہ سو سال کے بعد عبد اللہ چکڑالوی منکرِ حدیث نے تین نمازوں کا قول
اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اس مسئلہ میں اجماع امت کے خلاف نئی راہ اختیار کی اور سوادِ اعظم
سے الگ ہوگیا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ
مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا: جس نے مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کوئی راہ
اختیار کی تو ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کر دینگے اور کیا ہی بری
جگہ پلٹنے کی۔ (سورہ النساء 115)

نمازِ فجر کا مستحب وقت

حدیث 138: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: فجریں دو ہیں ایک وہ جن میں کھانا حرام یعنی روزہ دار کے لئے اور نماز حلال
دوسری وہ کہ فجر حرام اور کھانا حلال۔ (رواہ الحاکم 204/1 بہار شریعت 11/3)

حدیث 139: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ وفی رِوَايَةٍ: نَوِّرُوا
بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ لِلْأَجْرِ۔ فجر کی نماز اُجالے میں پڑھو کہ اس میں بہت عظیم ثواب ہے

ایک روایت میں ہے: فجر کی نماز روشنی میں پڑھو کہ اس میں بہت عظیم ثواب ہے۔
(ترمذی :142 کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الاسفار بالفجر، مشکوٰۃ :614طحاوی 179/1)
امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسفار کا معنی ہے کہ فجر کا وقت متحقق ہو جائے اور اس میں شک نہ رہے، امام ابن ہمام نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر اسفار کا معنی فجر کے وقت کا متحقق ہونا ہو تو حدیث شریف کا معنی یہ ہوگا کہ فجر کا وقت متحقق ہونے سے اجر زیادہ ملتا ہے، جو اس بات کو مستلزم ہے کہ اگر وقت سے پہلے فجر پڑھ لی جائے تو پھر بھی اجر ملے گا اور یہ بداھۃً باطل ہے۔ (فتح القدیر)

جمہور صحابہ کا عمل

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت رافع ﷺ کی اس روایت کو حضرت بلال، حضرت انس، حضرت قتادہ، حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بھی روایت کیا ہے اور اسی پر جمہور صحابہ کا عمل تھا اور اکثر صحابہ اور تابعین نمازِ فجر روشنی میں پڑھنے کے قائل تھے۔

نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یہ صحیح ہے کہ فجر کی نماز اسفار کی حالت میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے چونکہ نماز کا ثواب جماعت کے ثواب کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اسفار میں نماز پڑھنے سے عموماً شرکاء جماعت کی تعداد ''غلس'' (اندھیرے) میں نماز پڑھنے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ (مسلك الختام 243/1)

حدیث 140: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو فجر کو روشن کر کے پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور قلب کو منور کرے گا اور اس کی نماز قبول فرمائے گا۔ (دیلمی، بھار شریعت 11/3)

حدیث 141: حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت ہمیشہ فطرت یعنی دین حق پر رہے گی جب تک فجر کو اُجالے میں پڑھے گی۔
(طبرانی فی الاوسط، بهار شریعت 11/3)

فجر میں تاخیر مستحب ہے یعنی اسفار میں (جب خوب اُجالا ہو یعنی زمین روشن ہو جائے) شروع کرے مگر ایسا وقت ہونا مستحب ہے کہ چالیس سے ساٹھ آیت تک ترتیل کے ساتھ

پڑھ سکے پھر سلام پھیرنے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر نماز میں فساد ظاہر ہو تو طہارت کر کے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ آیت تک دوبارہ پڑھ سکے اور اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ طلوعِ آفتاب کا شک ہو جائے۔ (بہارشریعت:16/3)

مسئلہ: عورتوں کیلئے ہمیشہ فجر کی نماز غلس (یعنی اوّل وقت میں) مستحب ہے اور باقی نمازوں میں بہتر یہ ہے کہ مردوں کی جماعت کا انتظار کریں۔ جب جماعت ہو چکے تو پڑھیں (در مختار، بہار شریعت :16/3) حاجیوں کے لئے مزدلفہ میں نہایت اوّل وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ (بہارشریعت:16/3)

بعض روایات میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر پڑھتے تھے پھر عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی لوٹ جاتی تھیں، اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔

(بخاری :820-867 کتاب لاذان باب خروج النساء الی المساجد، مسلم 1020-645)

یہ اندھیرا یا تو مسجد کا ہوتا تھا کیونکہ مسجد نبوی بہت گہری تھی یا وقت کا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر اوّل وقت میں ادا فرماتے تھے۔ ان عورتوں کی وجہ سے تاکہ اندھیرے میں اپنے گھر چلی جائیں پھر عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تب یہ حکم بھی بدل گیا۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھائی ہے بیانِ جواز کے لئے تاہم افضل یہ ہے کہ صبح روشن ہونے کے بعد نمازِ فجر پڑھی جائے کیونکہ اندھیرے میں نماز پڑھنے والی تمام احادیث فعلی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اندھیرے میں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا اور روشنی میں نماز پڑھنے والی حدیث قولی ہے، جب قولی اور فعلی میں تعارض ہو تو ترجیح قولی حدیث کو ہوگی، لہٰذا روشنی میں نماز پڑھنا افضل ہوا۔

نمازِ ظہر کا مستحب وقت

حدیث 142: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ بِالصَّلَاةِ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے۔

(نسائی: 495 کتاب المواقیت باب تعجیل الظهر فی البرد، مشکوٰۃ:620)

حدیث 143: حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ'' جب سخت گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو کہ سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے۔

(بخاری -536-504 کتاب موقیت الصلوۃ باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر،
مسلم :-972- 615مشکوۃ :590)

حدیث 144: حضرت ابوسعید خدری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''أَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ'' ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو کہ سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے۔

(بخاری :505-538 کتاب موقیت الصلوۃ باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، مشکوۃ :591)

ظہر کا آخر وقت

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابویوسف، امام محمد اور داؤد ظاہری علیہم الرحمہ کے نزدیک ظہر کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر ایک مثل سایہ تک رہتا ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مثل سایہ تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ امام صاحب کے قول پر دلیل یہ حدیث ہے:

حدیث 145: حضرت ابوذر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ مؤذن نے ظہر کی اذان کہنا چاہی فرمایا: ''أَبْرِدْ'' ٹھنڈا کر، پھر ارادہ کیا اور فرمایا: ''أَبْرِدْ:'' ٹھنڈا کر'' حَتّٰى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ'' یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے، جب سخت گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔

(بخاری حدیث نمبر 506-539 کتاب موقیت الصلوۃ باب الابراد بالظہر فی السفر)

یہ حدیث دو وجوہات سے امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے۔ اوّلاً یہ کہ آپ ﷺ نے ایک مثل سایہ کے بعد اذان دینے کی اجازت دی اور نماز بہر حال اس کے کچھ دیر بعد پڑھی، جس سے ثابت ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل سایہ کے بعد بھی رہتا ہے۔ ثانیاً اس وجہ سے کہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی کی شدت ایک مثل سایہ کے بعد کم ہوتی ہے اور متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب سخت گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔

حدیث 146: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وَقْتُ الظُّهْرِ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وكانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُولِهِ مَالَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ“ زوالِ آفتاب کے بعد جب انسان کا سایہ اس کے طول کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت ہوتا ہے، جب تک عصر کا وقت نہ آ جائے۔

(مسلم: 964-612 کتاب المساجد باب اوقات الصلوات الخمس، مشکوۃ: 581)

یہ حدیث اس مقصد میں بالکل واضح ہے کہ ایک مثل سایہ کے بعد ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔

حدیث 147: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الانجيلِ الانجيلَ فَعَمِلُوا الى صَلاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ أَيْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هَؤُلاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا قَالَ اللهُ عزوجل: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لا قَالَ فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ“ پہلی اُمتوں کی نسبت تمہارا زمانہ عصر سے غروبِ آفتاب تک ہے، اہل تورات کو تورات دی گئی اور وہ ظہر تک عمل کرنے کے بعد عاجز آ گئے، انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی انہوں نے عصر تک عمل کیا پھر عاجز آ گئے، انہیں ایک ایک قیراط دیا گیا پھر ہمیں قرآن دیا گیا اور ہم نے غروبِ آفتاب تک عمل کیا ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو تورات اور انجیل والوں نے اعتراض کیا: اے اللہ! تو نے ان کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو ایک ایک قیراط دیا حالانکہ ہم نے ان سے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میں نے تمہاری اُجرت سے کچھ کم کیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ میرا فضل ہے

جسے چاہے عطا کروں۔
(بخاری حدیث نمبر 524-557 کتاب مواقیت الصلاۃ باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اہل انجیل جنہوں نے ظہر سے عصر تک کام کیا تھا۔ ان کے کام کا وقت مسلمانوں کی نسبت زیادہ تھا کیونکہ مسلمانوں نے عصر سے مغرب تک کام کیا تھا اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک ہو تب ظہر کا وقت عصر سے زیادہ ہوگا اور اگر ظہر کا وقت ایک مثل سایہ تک ہو تو عصر کا وقت ظہر کے برابر یا زیادہ ہوگا۔ (شرح مسلم سعیدی 238/2)

حدیث 148: حضرت عبداللہ بن رافع ؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے اوقاتِ نماز کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ نے فرمایا: "اَنَا اُخْبِرُكَ صَلِّ الظُّهْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَكَ وَالْعَصْرَ اِذَا كَانَ ظِلُّكَ مِثْلَيْكَ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَ الْعِشَاءَ مَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ ثُلُثِ اللَّيْلِ وَصَلِّ الصُّبْحَ بِغَلَسٍ" میں تمہیں بتاتا ہوں جب ایک مثل سایہ ہو تو ظہر کی نماز پڑھو اور جب دو مثل سایہ ہو جائے تو عصر کی نماز پڑھو اور مغرب اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے تہائی رات گزر جانے کے بعد عشاء پڑھو اور منہ اندھیرے صبح کی نماز پڑھو۔

(موطا امام مالک کتاب وقوت الصلوٰۃ باب وقوت الصلوٰۃ ص ۰)

یہ حدیث امام ابوحنیفہ ؓ کے مسلک پر صاف تصریح ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

نماز ظہر کی تعجیل اور تاخیر کی روایات میں تطبیق:

محدث جلیل امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی مختلف احادیث تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک جماعت کے نزدیک سال بھر میں نماز ظہر جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ یہ حضرت اسامہ بن زید، حضرت جابر بن عبداللہ خباب، حضرت عائشہ اور حضرت انس ؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورج ڈھلتے ہی ظہر کی نماز ادا فرماتے۔ دوسرا گروہ جس میں حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ بھی شامل ہیں کہ نزدیک

سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھی جائے اور گرمیوں میں تاخیر کی جائے تا کہ وقت
ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سخت گرمی جہنم کے جوش سے ہے۔ جب سخت گر
نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ (بخاری:539)

حضرت ابوذر، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری
اسی طرح مروی ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں گرمیوں میں ظہر تاخیر سے پڑھنے کا حکم
جن احادیث میں نماز ظہر جلدی پڑھنے کا ذکر ہے وہ منسوخ ہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ
فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ ہمیں ظہر کی نماز زوالِ آفتاب کے فوراً بعد پڑھائی پھر
گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے ہے۔ پس نماز ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو۔" فأخبر المغيرة
حديثه هذا أن أمر رسول الله ﷺ بالابراد بالظهر بعد أن كان يصلي
الحر فثبت بذلك ، نسخ تعجيل الظهر وفي شدة الحر، ووجب استعمال
الإبراد في شدة الحر:" حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ
ہمیں ظہر کی نماز گرمیوں میں جلدی پڑھائی پھر فرمایا کہ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو تو اس سے
ہو گیا کہ گرمیوں میں ظہر جلدی پڑھنا منسوخ ہے اور سخت گرمی میں ظہر کو تاخیر سے
واجب ہے اور حضرت انس اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ
سردیوں میں جلدی پڑھتے اور گرمیوں میں تاخیر فرماتے۔ حضرت فاروق اعظم ﷺ
مکرمہ میں حضرت ابو محذورہ ﷺ سے فرمایا: تم گرم ترین زمین میں ہو لہٰذا وقت کے ٹھنڈا ہونے
کا انتظار کرو اور پھر اذان دو۔

تو سنت طریقہ یہی ہے کہ سفر ہو یا حضر سایہ دار جگہ ہو یا نہ ہو، گرمیوں میں نماز ظہر ٹھنڈے
وقت تک مؤخر کی جائے اور سردیوں میں جلدی پڑھی جائے نماز ظہر میں مطلقاً جلدی کر
سے متعلق احادیث منسوخ ہیں۔

(ملخص من الطحاوی باب الوقت الذی یستحب ان یصلی صلاۃ الظهر فیه 1/189-184)

سردیوں میں ظہر کی نماز گرمیوں کی نسبت جلدی ادا کرنا۔

حدیث 149: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ:" كان رَسُولُ الله ﷺ

کَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَاِذَا کَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ بِالصَّلَاةِ: "رسول اللہ ﷺ جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے اور جب سردی ہوتی تو جلدی پڑھتے۔

(نسائی :495 کتاب المواقیت باب تعجیل الظهر فی البرد، مشکوۃ:620)

الغرض تمام احادیث کو پیش نظر رکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں نماز ظہر کو جلدی ادا کرنا اور گرمیوں میں کچھ تاخیر سے پڑھنا سنت ہے لیکن علم حدیث سے سطحی تعلق رکھنے والے بعض لوگ سردی و گرمی میں نماز جلدی ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر مقلدین کے سرخیل وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں: کہ ابتدائی وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے جب کہ عشاء کو موخر کرنا اور گرمیوں میں نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا بہتر ہے۔ (نزل الابرار: 56/1)

موسم سرما ہو تو زوالِ آفتاب کے بعد نماز ظہر کا جلد ادا کرنا مسنون ہے جب کہ گرمی کے موسم میں اتنی تاخیر مسنون کہ تیزی کم ہو جائے۔

نمازِ عصر کا مستحب وقت

عصر کی نماز میں ہمیشہ تاخیر مستحب ہے مگر نہ اتنی تاخیر کہ خود قرص آفتاب میں زردی آجائے کہ اس پر بے تکلف بے غبار و بخار نگاہ قائم ہونے لگے، دھوپ کی زردی کا اعتبار نہیں۔

(بہار شریعت: 17/3)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عصر کا وقت دو مثل سایہ کے بعد شروع ہو جاتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ عصر کی نماز کو اس وقت تک موخر کر کے پڑھا جائے جب تک آفتاب متغیر نہ ہو، تا کہ نماز سے پہلے نمازیوں کو کثرتِ نوافل کا موقع مل جائے کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل پڑھنا ممنوع ہے۔

حدیث 150: حضرت علی بن شیبان ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: "قَدِمْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ فَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَصْرَ مَا دَامَتِ الشَّمْسُ بَيْضَاءَ نَقِيَّةً: جب ہم مدینہ منورہ میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ عصر کی نماز کو موخر فرماتے جب تک کہ سورج سفید اور صاف رہتا۔

(ابو داود کتاب الصلوۃ باب فی وقت صلاۃ العصر حدیث :345)

حدیث 151: حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: "کان رَسُولُ اللّٰہ
اَشَدَّ تَعْجِیْلاً لِلظُّھْرِ مِنْکُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِیْلاً لِلْعَصْرِ مِنْہُ:" رسول اللہ
بمقابلہ تمہارے، ظہر جلدی پڑھتے تھے اور تم عصر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلدی پڑھتے ہو۔
(ترمذی 149 کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی تاخیر صلوٰۃ العصر مشکوٰۃ 619)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز وقت شروع ہوتے ہی نہ پڑھے کچھ دیر پڑھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وقت شروع ہوتے ہی پڑھا کرتے، یہ حضرات اس سے پہلے پڑھ سکتے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاخیر عصر پر قوی دلیل ہے۔ حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرمارہی ہیں کہ اگر تم سنت کی اتباع چاہتے ہو تو عصر دیر سے پڑھا کرو۔
(مراۃ المناجیح 391/1)

نمازِ مغرب کا مستحب وقت

حدیث 152: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ . أو قَالَ. عَلَی الْفِطْرَۃِ مَالَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلَی اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ:" میری اُمت ہمیشہ خیر پر، یا فرمایا: فطرت پر رہے گی۔ جب تک مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ ستارے گتھ جائیں۔
(ابو داود 354 کتاب الصلوٰۃ باب فی وقت المغرب، مشکوٰۃ 609)

حدیث 153: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "کُنَّا نُصَلِّی الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَیَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّہٗ لَیُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِہٖ:" ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھتے تھے اور نماز کے بعد جا کر کوئی شخص بھی اپنے تیر گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔
(مسلم 1007-637 کتاب المساجد باب بیان ان اول وقت المغرب، بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت المغرب 526-559 مشکوٰۃ :596)

مغرب کے وقت میں مذاہب:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابوحنیفہ علیہم الرحمہ کے نزدیک مغرب

نماز کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہونے کے بعد مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد سرخی کا نام ہے یا اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اس کا نام شفق ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک سرخی کا نام شفق ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سفیدی کا نام شفق ہے اور سفیدی غائب ہونے کے بعد جب مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے تو عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ (مغنی ابن قدامہ 231/1)

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شفق سرخی ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَآخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ إِذَا اسْوَدَّ الأُفُقُ:" مغرب کا آخری وقت اس وقت ہوتا ہے جب افق سیاہ ہو جائے۔ (ہدایہ ص ۴۰) اور افق پر سیاہی، سفیدی غائب ہونے کے بعد پھیلتی ہے۔

حدیث 154: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ حِينَ يَسْوَدُّ الأُفُقُ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب افق پر سیاہی پھیل جاتی تھی۔ (ابو داود کتاب الصلاۃ باب فی المواقیت حدیث :333)

اور افق پر سیاہی اس وقت پھیلتی ہے جب سفید شفق بھی غروب ہو جائے۔

حدیث 155: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: " أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلَاةِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الآخِرَةِ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ:" کہ میں تمام لوگوں کی بہ نسبت عشاء کے وقت کو زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب تیسری رات کا چاند ڈوب جاتا تھا۔

(ابو داود کتاب الصلوۃ باب فی وقت العشاء حدیث :355 مشکوۃ 613)

تیسری رات کا چاند افق کی سفیدی غائب ہونے کے بعد غروب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغرب کا وقت سفیدی غائب ہونے تک رہتا ہے نیز کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی سفیدی کے وقت عشاء کی نماز پڑھی ہو البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز پڑھنے میں تعجیل مستحب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت ہمیشہ فطرت پر

رہے گی جب تک مغرب میں اتنی تاخیر نہ کرے کہ ستارے گتھ جائیں۔

(ابو داود 354 کتاب الصلوۃ باب فی وقت المغرب، مشکوۃ 609) (شرح مسلم سعیدی 2/

نمازِ عشاء کا مستحب وقت:

حدیث 156: حضرت ابوہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِي لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوْءِ وَ لَاَ... الْعِشَاءِ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِ اللَّيْلِ:" اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میری امت پر مش... ہو جائے گی تو میں ان کو حکم فرما دیتا کہ ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں اور عشاء کی نماز ... آدھی رات تک مؤخر کر دیتا، جب تہائی یا آدھی رات گزر جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان ... نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: ہے کوئی سوال کرنے والا میں اسے عطا کر دوں، ... بخشش مانگنے والا میں اسے بخش دوں، ہے کوئی توبہ کرنے والا میں اس کی توبہ قبول کرلوں ... کوئی دعا مانگنے والا میں اس کی دعا قبول کرلوں، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

(احمد: 9220)

حدیث 157: حضرت ابوسعید خدری ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " لَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِيْفِ وَسَقَمُ السَّقِيْمِ لَاَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اِلٰى ... اللَّيْلِ:" اگر کمزور کی ناتوانی اور بیمار کی بیماری کا خیال نہ ہوتا تو میں اس (عشاء) نماز کو آ... رات تک مؤخر فرما دیتا۔

(ابو داود حدیث 358 کتاب الصلوۃ باب فی وقت العشاء الآخرۃ) ناصر الدین البانی نے ا... حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (الامن والعلیٰ ص: 156)

"شَطْرِ اللَّيْلِ" سے مراد تقریباً آدھی رات ہے یعنی تہائی "لَاَخَّرْتُ" سے معلوم ہوا ... حضور ﷺ کو نمازیں آگے پیچھے کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ آپ بہ عطاء الٰہی احکام شرع... کے مالک ہیں۔

اوقاتِ مکروہہ

حدیث 158: حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کرتے ہیں کہ: "ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَنْهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ اَنْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا:" رسول اللہ ﷺ ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے اور اموات کو دفن کرنے سے روکتے تھے:

"حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ:"

(۱) طلوعِ آفتاب کے وقت جب تک وہ بلند نہ ہو جائے: "وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ:"

(۲) ٹھیک دوپہر کے وقت تاوقتیکہ زوال نہ ہو جائے: "وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ:"

(۳) غروبِ آفتاب کے وقت تاوقتیکہ وہ مکمل غروب نہ ہو جائے۔

(مسلم:1373-831 کتاب صلوٰۃ المسافرین باب الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیھا۔مشکوٰۃ:1040)

یہاں دفن سے مراد نمازِ جنازہ ہے کیونکہ ان وقتوں میں دفن کرنے کو کوئی منع نہیں کرتا۔ اور ان اوقات میں نمازِ جنازہ بھی جب ہی مکروہ ہوگی جب کہ جنازہ پہلے سے تیار ہو اور نماز میں دیر کی جائے لیکن اگر جنازہ آیا ہی اس وقت ہے تو نماز پڑھ لے۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ 158/2)

زوال سے مراد

مفتی شریف الحق امجدی صاحب فرماتے ہیں: عوام اس وقت کو زوال کہتے ہیں حالانکہ اس کا نام نصف النہار ہے حقیقت میں زوال کے معنیٰ ڈھلنا ہے۔ اسوقت ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور مکروہ وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے مراد ضحوۂ کبریٰ ہے یعنی نصف النہار شرعی اور نصف النہار کے درمیان کا وقت۔ شرعی دن صبح صادق سے لے کر سورج ڈوبنے تک ہے اور

عرفی یا نجومی دن سورج نکلنے سے لے کر سورج ڈوبنے تک ہے۔ صبح صادق سے لے کر
ڈوبنے تک کا جو وقت ہے اس کے نصف سے ضحوۂ کبریٰ شروع ہوتا ہے اور خطِ استو
سورج کے ڈھلنے تک رہتا ہے۔ یہ پورا وقت نصف النہار ہے اس وقت نماز مکروہ ہے
کبریٰ ہمارے بلاد میں کم از کم ۳۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۴۷ منٹ ہوتا ہے۔ نصف
سے ضحوۂ کبریٰ مراد ہے۔ (نزهة القاری شرح بخاری 264/2)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مثلاً آج نصف النہار شرعی گیار
ہوا اور نصف النہار نجومی پونے بارہ بجے تو یہ پینتالیس منٹ بیچ دوپہر ہیں ان میں نماز
ہوتی ہے۔ شرعی دن پو پھٹنے سے شروع ہوتا ہے اور نجومی دن سورج چمکنے سے اور
غروب آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ (مراۃ المناجیح 159/2)

علامہ محمد امجد علی اعظمی فرماتے ہیں: طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب اور نصف النہ
تینوں وقتوں میں کوئی نماز جائز نہیں نہ فرض نہ واجب نہ نفل نہ ادا نہ قضاء۔ یونہی سجدہ تلاوت
سجدہ سہو بھی ناجائز البتہ اگر اس روز عصر کی نماز نہیں پڑھی تو اگرچہ آفتاب ڈوبتا ہو پڑھ لے
اتنی تاخیر کرنا حرام ہے، حدیث میں اس کو منافق کی نماز فرمایا گیا ہے۔
(مسلم: 987-622 کتاب المساجد باب استحباب التبکیر بالعصر، مشکوۃ: 93
طلوع سے مراد آفتاب کا کنارہ ظاہر ہونے سے اس وقت تک ہے کہ اس پر نگاہ خیرہ ہو
لگے جس کی مقدار کنارہ چمکنے سے ۲۰ منٹ تک ہے اور اس وقت سے کہ آفتاب پر نگاہ ٹھہ
لگے، ڈوبنے تک غروب ہے یہ وقت بھی ۲۰ منٹ ہے اور نصف النہار سے مراد نصف ا
، شرعی سے نصف النہار حقیقی یعنی آفتاب ڈھلنے تک ہے جس کو ضحوۂ کبریٰ کہتے ہیں یعنی طلو
سے غروبِ آفتاب تک آج جو وقت ہے اس کے برابر برابر دو حصے کریں پہلے حصے کے ختم
ابتدائے نصف النہار اور اس وقت سے آفتاب ڈھلنے تک وقت استواء ممانعت ہر نماز ہے۔
کی نماز میں ہمیشہ تاخیر مستحب ہے مگر نہ اتنی تاخیر کہ خود قرص آفتاب میں زردی آ جائے کہ اس
بے تکلف بے غبار و بخار نگاہ قائم ہونے لگے دھوپ کی زردی کا اعتبار نہیں۔ (بہار شریعت: 3/
جنازہ اگر اوقاتِ ممنوعہ میں لایا گیا تو اسی وقت پڑھیں کوئی کراہت نہیں کراہت اس صور

میں ہے کہ پیشتر سے تیار موجود ہے اور تاخیر کی یہاں تک کہ وقت کراہت آ گیا۔

(بہار شریعت:18/3)

اوقاتِ مکروہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم

ان اوقات میں آیتِ سجدہ پڑھی تو بہتر یہ ہے کہ سجدہ میں تاخیر کرے یہاں تک کہ وقت کراہت جاتا رہے اور اگر وقت مکروہ ہی میں کرلیا تو بھی جائز ہے اور اگر وقت غیر مکروہ میں پڑھی تھی تو وقت مکروہ میں سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عالمگیری، بہار شریعت:18/3)

ان وقتوں میں تلاوتِ قرآن مجید بہتر نہیں، بہتر یہ ہے کہ ذکر اور درود شریف میں مشغول رہے۔ (بہار شریعت:19/3)

نماز فجر اور عصر پڑھ لینے کے بعد نوافل ممنوع ہیں البتہ سجدہ تلاوت وغیرہ جائز ہے

حدیث 159: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا صَلاَةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ و لا صَلاَةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ:" "صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد (بھی) کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

(بخاری-586:551 کتاب مواقیت الصلاۃ باب باب لا تتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس، مسلم :-1368 -827 مشکوۃ:1041)

ان اوقات میں تحیۃ المسجد بھی پڑھنا جائز نہیں ہے ہر چند کہ تحیۃ المسجد کے امر میں عموم ہے لیکن اس کے مقابلہ میں ان اوقات کے اندر نہی میں بھی عموم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب اباحت اور تحریم میں تعارض ہو تو ترجیح تحریم کو دی جاتی ہے۔

(شرح مسلم سعیدی :424/2)

اور نماز فجر کے بعد سورج طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک نوافل پڑھنا مکروہ ہیں البتہ ان دو اوقات میں فوت شدہ نمازیں پڑھنے اور سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ (قدوری شریف ص 97 باب الاوقات التی تکرہ فیھا الصلوٰۃ)

طلوعِ آفتاب سے پہلے فجر کی سنتیں ادا کرنا۔

روایت ہے محمد بن ابراہیم سے وہ قیس بن عمرو سے راوی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص

کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صبح کی نماز
رکعتیں پڑھتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے پہلی والی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں وہ اب
لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

(ترمذی 422:387) کتاب الصلاۃ باب ما جاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس

اس حدیث سے طلوع آفتاب سے پہلے فجر کی سنتیں ادا کرنے پر استدلال درست
کیونکہ یہ حدیث متصل نہیں منقطع ہے۔ اس لئے کہ محمد بن ابراہیم اور قیس بن عمرو کے در
کوئی راوی چھوٹ گیا ہے اور خبر نہیں کہ وہ راوی فاسق ہے یا عادل، اس لئے یہ حدیث
ہے قابل عمل نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: " و اسناد هذ الحديث ليس بمـ
محمد بن ابراهيم لم يسمع من قيس: " اگر اس حدیث کو قابل استدلال بھی
لیا جائے تو یہ حدیث ان احادیث صحیحہ متواترہ کے معارضہ کے قابل نہیں جن سے ا
استدلال کیا ہے اور جن میں فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے صراحۃً نہی وارد ہے۔ نیز تر
میں اس حدیث کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث بھی درج ہے جس میں صراحۃً
آفتاب کے بعد سنتیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " مَنْ لَمْ
رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ: " جس نے فجر کی دو رکعتیں (سنتیں)
نہ پڑھی ہوں تو ان کو طلوعِ آفتاب کے بعد پڑھے۔

(ترمذی 423:388 کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی اعادتهما بعد طلوع الشمس)

یہ حدیث متصل بھی ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں اور اس پر اہل علم کا عمل بھی
بالخصوص حضرت سفیان ثوری، ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ
کا۔ ضعیف حدیث پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب اس کے مخالف کوئی صحیح حدیث نہ ہو۔
یہاں صحیح حدیث کو چھوڑ کر ضعیف پر عمل کرنا اہل انصاف کا کام نہیں۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ
فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (وضو وغیرہ کی تیاری میں) نماز فجر سے لیٹ ہو گئے اور ج
ہم لوگوں کے پاس آئے تو انہیں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ج

انہوں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، نبی کریم ﷺ نے انہیں نماز مکمل کرنے کا اشارہ کیا، میں نے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے پیچھے ایک رکعت ادا کی: "فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى رَكْعَةَ الَّتِي سُبِقَ بِهَا لَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا:" جب انہوں نے سلام پھیرا تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے، چھوٹی ہوئی ایک رکعت ادا کی اور اس پر کچھ بھی زیادہ نہ کیا۔

(ابو داود حدیث :130 کتاب الطھارہ باب المسح علی الخفین)

یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ نے فجر کی سنتیں پہلے ادا نہیں فرمائی تھیں کیونکہ آپ ﷺ کو تاخیر نماز کی تیاری کی وجہ سے ہوئی تھی اور اس طرح سے سنتیں رہ جانے کا واقعہ آپ ﷺ کی زندگی میں شاذ و نادر ہی پیش آیا ہے۔ اگر طلوع شمس سے پہلے سنتیں پڑھنی جائز ہوتیں تو آپ ﷺ اس موقعہ پر بیانِ جواز کے لئے ضرور پڑھتے۔

مکہ المکرمہ میں بھی فجر اور اور عصر کے بعد نوافل پڑھنا خلافِ سنت ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کے بعد طواف کیا: "فَرَكِبَ حَتَّى صَلَّى رَكْعَتَيْنِ بِذِي طُوًى:" اور سوار ہو گئے یہاں تک کہ ذی طویٰ میں جا کر دو رکعتیں پڑھیں۔

(بخاری :1628 کتاب الحج باب الطواف بعد الصبح والعصر)

اس سے معلوم ہوا کہ فجر کے بعد طواف کیا جائے تو اس وقت طواف کی دو رکعتیں نہ پڑھیں بلکہ طلوعِ شمس کا انتظار کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر امام طحاوی نے موصولاً بھی نقل کیا ہے۔ حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "إِذَا أُقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَطُوفِي عَلَى بَعِيرِكِ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ فَفَعَلَتْ ذَلِكَ فَلَمْ تُصَلِّ حَتَّى خَرَجَتْ:" جب صبح کی اقامت ہو تو تم اپنے اونٹ پر طواف کر لینا جب کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہوں۔ اُنہوں نے ایسا کیا اور طواف کی دو رکعتیں باہر آ کر پڑھیں۔ (بخاری _1520 1626: کتاب الحج باب الطواف بعد الصبح والعصر)

طواف کی دو رکعتوں کے بارے میں افضل یہ ہے کہ وہ مسجد حرام ہی میں مقامِ ابراہیم پر ادا کی جائیں لیکن اُمّ المؤمنین نے افضل طریقہ چھوڑ کر باہر آ کر دو رکعتیں پڑھیں اس کی وجہ یہی ہو

سکتی ہے کہ آپ طلوع شمس سے پہلے یہ رکعتیں نہیں پڑھنا چاہتی تھیں۔ جب سورج طلوع ہو جہاں تھیں وہیں یہ رکعتیں پڑھ لیں۔ حضرت اُمّ سلمہ نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا ہے اور آپ کا انکار بھی اس پر ثابت نہیں۔ ابوزبیر مکی فرماتے ہیں کہ: "لَقَدْ رَاَيْتُ الْبَيْتَ يَخْلُوْا بَعْدَ صَلاَةِ الصُّبْحِ وبعدَ صلاةِ العصرِ ما يَطُوْفُ بِهِ اَحَدٌ:" میں نے بیت کو دیکھا کہ وہ فجر اور عصر کے بعد خالی ہوتا تھا اور کوئی طواف نہیں کرتا تھا۔

(موطا امام مالك كتاب الحج باب الصلوٰة بعد الصبح والعصر في الطواف حديث 23

عبدالرحمن بن عبدالقاری کہ اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ صبح کے بعد طواف کیا فَلَمَّا قَضَى طَوَافَهُ نَظَرَ فَلَمْ يَرَ الشَّمْسَ طَلَعَتْ فَرَكِبَ حَتّٰى اَنَاخَ بِذِيْ طُوًى فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ سُنَّةَ الطَّوَافِ:" جب نے انہوں نے طواف مکمل کیا تو سورج کو دیکھا وہ ابھی طلوع نہیں ہوا تو آپ سوار ہوئے اور ذی طویٰ میں اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور طواف کی رکعتیں ادا کیں۔

(موطا امام مالك كتاب الحج باب الصلاة بعد الصبح والعصر في الطواف حديث 23

سوال: آپ نے کہا ہے کہ فجر اور عصر کے بعد نماز جائز نہیں ہے جب کہ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے عبد مناف کی اولاد! کسی کو منع نہ کرو دن رات میں جس گھڑی چاہے اس گھر کا طواف کرے اور نماز پڑھے۔

(ترمذی كتاب الحج باب ما جاء في الصلاة بعد العصر-795_868 : مشكوٰة 1045

جواب: امام طحاوی فرماتے ہیں:

کہ حدیث میں "طَافَ وصَلّٰی" سے مراد ہے کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے کوئی طواف کرے یا نماز پڑھے تو اس کو مت روکو، لہٰذا اگر کوئی شخص نماز یا طواف میں ناجائز انداز اختیار کرتا ہے تو اس کو روکنے کی نہی نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ طواف اور نماز میں کون کون سے انداز ناجائز ہیں۔ یہ اس حدیث میں بیان کرنا مقصود نہیں، اس کا بیان دوسری احادیث میں تفصیل سے موجود ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ننگا ہو کر طواف کرنے لگے جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم تھی یا بغیر وضو یا جنابت کی حالت میں طواف کرے تو اسے روکنا اس حدیث کے منافی نہیں

ہوگا اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ حضور ﷺ نے طواف سے منع کرنے کی نہی کی ہے۔ اس لئے اسے نہ روکا جائے بلکہ اسے روکا جائے گا کیونکہ اس نے طواف کا غلط انداز اختیار کیا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز میں ناجائز اور مکروہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو اسے بھی روکا جائے گا اور یہ روکنا اس حدیث کے منافی نہ ہوگا۔ اسی طرح آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ''وہ کسی کو نماز پڑھنے سے نہ روکیں'' سے بھی وہی مذکورہ صورت مراد ہے کہ وہ باوضو ہو، قابل ستر اعضا کو ڈھانپے، قبلہ رُخ ہو اور ان اوقات میں نماز پڑھے جن میں نماز پڑھنا جائز ہے، اس کے علاوہ کچھ مراد نہیں اور آپ کی احادیثِ صحیحہ کثیرہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور نصف النہار کے وقت اور فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے۔ (طحاوی 186/2)

مفتی احمد یار خاں نعیمی لکھتے ہیں:

اس وقت بعض اوقات حرم شریف بند کر دیا جاتا تھا جیسے مسجد نبوی شریف بعد نماز عشاء بند کر دی جاتی ہے کہ طوافِ کعبہ تو ہر وقت جائز ہے حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا چنانچہ اس حدیث کی بناء پر حرم شریف کسی وقت بند نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ طوافِ کعبہ تو ہر وقت جائز ہے مگر نوافل مکروہ وقتوں میں وہاں بھی منع ہیں کیونکہ ممانعت کی احادیث تھیں جیسا کہ ان پانچ اوقات میں نماز منع ہے۔ طلوعِ آفتاب، غروبِ آفتاب اور نصف النہار کے وقت اور فجر کا وقت شروع ہونے کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد۔ یہاں مکہ کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ امام شافعی اس حدیث کی بناء پر مکہ معظمہ میں ان اوقات میں نوافل جائز کہتے ہیں مگر یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ حرم شریف بند نہ کرو لوگوں کو ہر وقت طواف کرنے دو اور نماز پڑھنے دو۔ ہاں جن اوقات میں شریعت نے منع کر دیا ہے۔ اس وقت لوگ خود نوافل نہ پڑھیں۔ شریعت کا منع کرنا کچھ اور ہے لوگوں کا بیت اللہ کو بند کر دینا کچھ اور۔ دیکھو حرم شریف میں نماز پنج گانہ کی جماعت اور نماز جمعہ وعیدین کی جماعت کے وقت لوگوں کو طواف سے روکا بھی جاتا ہے اور نوافل سے بھی مگر یہ روکنا بھی شریعت کی طرف سے ہے، جیسے ہم کسی سبیل والے سے کہیں کہ تم لوگوں کو ہر وقت پانی پینے دو، اس کا مطلب یہ نہیں کہ رمضان میں بے روزوں کو بھی علانیہ دن کے وقت پانی پینے دو، غرض کہ ممانعت کی حدیث صریح ہے اور اجازت کی غیر صریح، نیز جب

ممانعت اور جواز میں تعارض ہو تو ممانعت کو ترجیح ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کے بعد طواف کیا اور سوار ہو گئے، ذوطویٰ میں جا کر دو رکعتیں پڑھیں۔

(بخاری :1628 کتاب الحج باب الطواف بعد الصبح والعصر)

یہ حدیث امام صاحب کے مذہب کی مؤید ہے اگر اس وقت نفل جائز ہوتے تو فاروق اعظم بغیر نفل ادا کئے وہاں سے روانہ نہ ہوتے۔ (مراۃ المناجیح:164/2)

غیر مقلدین کا ضعیف حدیث سے استدلال۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فجر کے بعد آفتاب نکلنے تک اور عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز نہیں مگر مکہ میں مگر مکہ میں۔ (احمد 20951 : وراز مشکوۃ:1051) یعنی مکہ میں ہر وقت نفل جائز، امام ابن ہمام اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ حدیث چار وجوہات سے مجروح ہے: ایک یہ کہ اس کی اسناد میں مجاہد اور ابوذر کے درمیان کوئی راوی چھوٹ گیا ہے، لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔ دوسرے ابن مؤمل راوی ضعیف ہیں، تیسرے یہ کہ اس کی اسناد میں اضطراب ہے، حتیٰ کہ ابن حجر شافعی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔ (مراۃ المناجیح:167/2)

اعتراض: ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ نصف النہار کے وقت جائز ہے۔

(ابو داود: کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ یوم الجمعۃ قبل الزوال-915 _ :1083 مشکوۃ:1047)

جواب: یہ حدیث محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے حتیٰ کہ ابن حجر شافعی بھی فرماتے ہیں: وفی سندہ مقال۔ ابو خلیل اور ابو قتادہ کے درمیان کوئی راوی رہ گیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے، اس سے دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ امام ابو داؤد یہ حدیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں" یہ حدیث مرسل ہے:" ابو الخلیل لم یسمع من ابی قتادہ:" ابو خلیل کا ابو قتادہ سے سماع ثابت نہیں"۔ مذہب حنفی بہت قوی ہے کہ جمعہ کے دن بھی نصف النہار کے وقت نماز جائز نہیں ہے اور جمعہ کی نماز زوال سے پہلے نہیں پڑھ سکتے۔ اگر ان دونوں حدیثوں کو قابل استدلال بھی تسلیم کر لیں، تب بھی یہ اس پایہ کی نہیں ہیں جس پایہ کی مطلق ممانعت والی احادیث ہیں نیز وہ احادیث حرمت پہ دلالت کرتی ہیں اور یہ حلت پر اس لئے بھی مطلق ممانعت والی احادیث کو ترجیح ہونی چاہیے۔

بَابُ الْاَذَان

اذان کا بیان وفضیلتِ اذان

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ:“ اور اس سے اچھی کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (سورۃ حم السجدہ آیت: ۳۳)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اَلْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ:“ موذنوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے زیادہ دراز ہوں گی۔ (مسلم حدیث :580-387 کتاب الصلاۃ باب فضل الاذان، مشکوۃ:654)

یعنی موذن رحمتِ الٰہی کے بہت اُمیدوار ہوں گے کہ جس کو جس چیز کی اُمید ہوتی ہے اس کی طرف گردن دراز کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهُ مَدَى صَوْتِهِ وَصَدَّقَهُ مَنْ سَمِعَهُ مِنْ رَطْبٍ وَيَابِسٍ وَلَهُ اَجْرُ مَنْ صَلّٰى مَعَهُ:“ موذن کی جہاں تک آواز پہنچتی ہے وہاں تک اس کی بخشش کردی جاتی ہے اور اس کے لئے ہر سننے والا تر وخشک تصدیق کرے گا اور جتنے لوگ بھی اس کے ساتھ نماز پڑھیں گے اس کو ان تمام کا ثواب بھی ملے گا۔ ایک روایت میں گواہی دینے کے لفظ ہیں، ایک روایت میں استغفار کرنے کے لفظ ہیں۔

(ترغیب حدیث: 361 نسائی 641، ابن ماجہ حدیث:-716- احمد 8960-:9073)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اَلْمُؤَذِّنُ الْمُحْتَسِبُ كَالشَّهِيْدِ الْمُتَشَحِّطِ فِىْ دَمِهِ يَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ ما يَشْتَهِىْ بَيْنَ الاذانِ وَالاقامةِ اِذَا مَاتَ لَمْ يُدَوَّدْ فِىْ قَبْرِهِ:“ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا اس شہید کی طرح ہے کہ خون میں آلودہ ہے وہ اذان اور اقامت کے درمیان اللہ سے جو

چاہے مانگ لے اور جب وہ مرے گا تو قبر میں اس کے بدن میں کیڑے نہ پڑیں گے۔
(ترغیب: حدیث: 377-676)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لو
النَّاسُ مَا فِي التَّأْذِيْنِ لَتَضَارَبُوْا عَلَيْهِ بِالسُّيُوْفِ:" اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ
دینے میں کتنا ثواب ہے تو اس پر باہم تلوار چلتی۔ (احمد حدیث: 10811)

بارہ سال تک اذان دینے کی فضیلت۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ
ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ
وَلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلَاثُوْنَ حَسَنَةً:" جس نے بارہ سال اذان کہی اس کے لئے جنت
ہوگئی اور ہر روز اس کی اذان کے بدلے میں ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت کے بدلے میں تیس
لکھی جائیں گی۔ (ابن ماجہ: 720- 728 کتاب الاذان باب فضل الاذان، مشکوۃ:

سات سال اذان دینے کی فضیلت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فر
مَنْ أَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا وَكُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ:" جس نے سا
برس ثواب کے لئے اذان کہی اس کے لئے جہنم سے آزادی لکھ دی گئی۔
(ترمذی: 190- 206- کتاب الصلاۃ باب ما جاء فی فضل الاذان، مشکوۃ: 664)

ایک سال اذان دینے کی فضیلت۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ حَافَظَ
عَلَى الْأَذَانِ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ:" جس نے ایک سال اذان کہنے پر محافظت کی
کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ (جامع صغیر حدیث: 8624)

رضائے الٰہی کے لئے اذان دینے کی فضیلت۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ أَذَّنَ

لایَطْلُبُ عَلَیْہِ أَجرًا دُعِیَ یَو مَ القیامۃِ وَوَقَفَ عَلَی بَابِ الْجَنَّۃِ فَقِیْلَ لَہُ اِشْفَعْ لِمَنْ شِئْتَ:'' جس نے ایک سال اذان دی اور اس پر اجرت طلب نہ کی تو اسے قیامت کے دن بلایا جائے گا اور اسے جنت کے دروازے پر کھڑا کر کے کہا جائے گا تو جس کے لئے چاہے شفاعت کر لے۔ (جامع صغیر حدیث:8379)

ایک دن اذان دینے سے گناہوں کی بخشش۔

حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ اَذَّنَ خَمْسَ صَلَوَاتٍ إِیْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہِ ، مَنْ اَمَّ خَمْسَ صَلَوَاتٍ إِیْمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہِ:'' جس نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے ثواب طلب کرتے ہوئے پانچ نمازوں کے لئے اذان دی تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے ثواب طلب کرتے ہوئے پانچ نمازوں کی امامت کی تو اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے گئے۔

(جامع صغیر حدیث:8378)

اذان اور اقامت کا جواب دینے پر ہر حرف پر دس لاکھ درجے۔

حدیث 172: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت!'' إِذَا سَمِعْتُمْ أَذَانَ ھَذَا الْحَبْشِیِّ وَإِقَامَتَہُ فَقُلْنَ کَمَا یَقُوْلُ: فَإِنَّ لَکُنَّ بِکُلِّ حَرْفٍ أَلفَ أَلْفِ دَرَجَۃٌ:'' جب تم بلال کو اذان اور اقامت کہتے سنو تو جس طرح وہ کہتا ہے تم بھی کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ہر کلمہ کے بدلے دس لاکھ درجے عطا کرے گا، فاروقِ اعظم ﷛ نے عرض کیا: '' ھَذَا لِلنِّسَاءِ فَمَا لِلرِّجَالِ:'' یہ عورتوں کے لئے ہے یا مردوں کے لئے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' ضِعْفَانِ یا عُمَرُ:'' مردوں کیلئے اس سے دونا اجر ہے یعنی مردوں کے لئے ہر کلمہ کے بدلے بیس لاکھ درجے بلند ہوں گے۔ (طبرانی فی الکبیر ترغیب حدیث 390)

اذان میں کل 209 حروف ہیں اور ہر حرف پر دس لاکھ نیکی ملتی ہے۔ اس طرح اذان کا جواب دینے پر (20,70,00,000) بیس کروڑ ستر لاکھ درجے ملتے ہیں۔ یہ انعام عورتوں

کے لئے ہیں اور مردوں کو عورتوں سے ڈبل اجر ہے، اس لحاظ سے ان کو اذان کا جواب د
(41,40,00,000) اکتالیس کروڑ چالیس لاکھ درجے ملتے ہیں۔ جو لوگ اذان کا جو
نہیں دیتے وہ اتنے بڑے ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں۔ حضرت جابر ﷺ بیان کرتے
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اذان سن کر یہ دعا پڑھے اس کے لئے
شفاعت واجب ہوگئی: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ
مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ

(بخاری حدیث 579 :-614مشکوۃ :659)

اذان کی دعا میں: وَاجْعَلْنَا فِی شَفَاعَتِهِ یومَ القیامة کا ثبوت۔

حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص
اذان سن کر یہ دعا کی: (اشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له وأن مح
عبده ورسوله اللهم صَلِّ عَلَى محمدٍ وَبَلِّغْهُ دَرَجَةَ الْوَسِيْلَةِ عِ
وَاجْعَلْنَا فِي شَفَاعَتِهِ يوم القيامة) تو اس کے لئے شفاعت واجب ہوگئی۔

(المعجم الکبیر ج ،، حدیث :12554 الجامع الکبیر 22118/7)(ترغیب396)

اذان یا اقامت کی دعا میں: "اَلْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ" کے بعد "والد
الرفیعة" کا ثبوت۔

ایوب اور جابر جعفی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اقامت کے وقت کہا:
"اے اللہ! اس دعوتِ تامہ اور اس کے بعد کھڑی ہونے والی نماز کے رب سیدنا محمد ﷺ
جنت میں وہ مقام عطا فرما جو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ ﷺ کے درجات
فرما" تو اس کے حق میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت واجب ہوگئی۔

(مصنف عبد الراق 496/1 مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اذان کی دعا میں: (انك لا تخلف الميعاد) کا ثبوت۔

حضرت جابر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اذان سن کر یہ
پڑھے تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّا

وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ:"

(سنن کبری از امام بیہقی 440/1 مطبوعہ نشر السنہ ملتان)(تفسیر تبیان القرآن از علامہ سعیدی 175/3)

بعض لوگ جن میں مطالعہ کی کمی ہوتی ہے وہ اذان کی دعا میں ان الفاظ کا انکار کرتے ہیں چنانچہ حکیم صادق غیر مقلد نے اپنی کتاب "صلوٰۃ الرسول" کے ص ۱۶۵ میں لکھا ہے کہ یہ کلمات دعائے اذان میں اضافہ ہیں (نعوذ باللہ) یہ اہل حدیثوں کا کتنا بڑا جھوٹ اور فریب ہے، اسی سے ان کی حدیث دانی کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو چیز ان کے مطالعہ میں نہ آئے اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ ہمیں کون پوچھے گا کون تحقیق کرے گا۔ حکیم صاحب نے اپنی پوری کتاب میں اسی طرح کی بددیانتی سے کام چلایا ہے۔

صادق سیالکوٹی کا اپنے اکابر پر فتویٰ۔

کیا حضور ﷺ کی فرمودہ دعا میں یہ خامی رہ گئی تھی جو بعد کے لوگوں نے اضافہ سے پوری کی ہے۔ "صلاۃ الرسول" ص ۱۶۵۔"

وہابیہ کے امام عبد الجبار غزنوی نے درود شریف اور دعاؤں کے ماثور میں اضافہ الفاظ کو بدعت قرار دینے کے رد میں لکھا ہے کہ: میرے فہم میں یہ سب تشددات ہیں الفاظِ ماثور پر اگر کچھ الفاظِ حسنہ زیادہ ہو جاویں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں...... بہت مواقع میں ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور علماء اسلام الفاظِ ماثورہ پر درود شریف اور دعاؤں میں بعض الفاظ زیادہ کرتے تھے اور یہ تعامل بلا نکیر جاری رہا۔ (فتاوی نذیریہ ص ا ج ۲) اس فتویٰ پر نذیر حسین دھلوی وہابی اور وہابی شمس الحق عظیم آبادی کا بھی حوالہ لکھا ہے۔ (عون المعبود ص409ج4)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے مؤذن سے سن کر یہ کہا: "اشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمداً عبده ورسوله رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَبِالْإِسْلَامِ دِيْناً:" اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔ (مسلم حدیث 579_386 :)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) مؤذن لوگ ہم سے بڑھ جائیں گے تو فرمایا: جس طرح وہ کہتے ہیں تم بھی کرو جب تو (جواب سے) فارغ ہو جائے تو مانگ لے تجھے عطا کیا جائے گا۔

(ابو داؤد حدیث 440-524 مشکوٰۃ حدیث :673)

اذان کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اور اذان اور اقامت کے درمیان بھی دعا قبول ہے اس لئے سنتیں ادا کرنے کے بعد بھی دعا مانگی جائے۔ حضرت انسؓ بیان کر[تے ہیں] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا يُرَدُّ الدُّعَاءُ بَيْنَ الاذانِ وَالاقامة'' او[ر] اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی یعنی قبول ہوتی ہے۔

(ابو داود حدیث 437-521مشکوٰۃ حدیث 671)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بلالؓ اذان دینے کے لئے کھڑے ہوئے، جب خاموش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [نے] فرمایا: ''مَنْ قَالَ مِثْلَ هَذَا يَقِينًا دَخَلَ الْجَنَّةَ:'' جو یقین کے ساتھ اس طرح کہا[ے] وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(نسائی حدیث :668 کتاب الاذان باب ثواب ذلك، مشکوٰۃ حدیث 676)

اذان کا جواب دینے والا جنتی ہو گیا۔

جب اذان شروع ہو تو باتیں اور دیگر کام کاج موقوف کر کے اس کا جواب [دینا] چاہئے۔ اور اگر مسجد کی طرف جا رہا ہو یا وضو کر رہا ہو تو بھی چلتے چلتے اور وضو کرتے کر[تے] جواب دے سکتا ہے۔ جب پے در پے اذانوں کی آوازیں آ رہی ہوں تو پہلی اذا[ن کا] جواب دے دینا کافی ہے اور اگر سب اذانوں کا جواب دے تو بہتر ہے۔ اذان کا جوا[ب] دینے والوں کی بھی کیا بہاریں ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک صاح[ب] جن کا بظاہر کوئی بہت بڑا نیک عمل نہ تھا وہ فوت ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں داخل کر دیا ہے۔ اس پر لوگ [متعجب]

ہوئے کیونکہ بظاہر کوئی بہت بڑا نیک عمل نہ تھا۔ چنانچہ ایک صحابی ان کے گھر گئے اور ان کی بیوہ سے پوچھا کہ ان کا کوئی خاص عمل بتائیے، انہوں نے جواب دیا اور تو کوئی بڑا عمل مجھے معلوم نہیں، صرف اتنا جانتی ہوں کہ دن ہو یا رات، جب بھی وہ اذان سنتے تو جواب ضرور دیتے تھے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ج40 ص 412)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مؤذن {اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ} کہے تو سننے والا بھی اس کے جواب میں {اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ} کہے پھر مؤذن {اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ} کہے تو وہ بھی {اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ} کہے پھر مؤذن {اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ} کہے تو وہ {اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ} کہے۔ پھر مؤذن {حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ} کہے تو وہ {لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ} کہے۔ پھر مؤذن {حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ} کہے تو سننے والا {لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ} کہے۔ پھر مؤذن {اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ} کہے تو سننے والا {اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ} کہے۔ پھر مؤذن {لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ} کہے تو وہ بھی {لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ} کہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(مسلم حدیث _385-578 : مشکوۃ 658)

اذان کے بعد درود شریف۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ. . ." جب تم مؤذن سے اذان سنو تو اس کی مثل کلمات کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے پھر میرے لئے جنت میں "وسیلہ" کی دعا کرو کیونکہ وہ جنت میں ایک ایسا مقام ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کو ملے گا اور مجھے اُمید ہے کہ وہ شخص میں ہوں گا اور جو شخص میرے لئے اس مقام کی دعا مانگے گا، اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

(مسلم :577-384 کتاب الصلاۃ باب استحباب القول مثل قول المؤذن مشکوۃ:657)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھنے والے پر دس رحمتوں کی توجیہ

اس حدیث میں ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر دس نازل فرماتا ہے یعنی درود شریف پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک رحمت نازل ہو اور پڑھنے والے پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اس سے یہ وہم نہ ہو کہ پڑھنے والے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ رحمت ملتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایک رحمت نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے لحاظ سے نازل ہوتی ہے اور جو ہم پر دس رحمتیں نازل ہوتی ہماری حیثیت اور ہماری قوتِ برداشت کے لحاظ سے ہوتی ہیں مثلاً ایک شخص کو ایک ہزار نوٹ دیا جائے اور دوسرے شخص کو ایک ایک کے دس نوٹ دیئے جائیں تو جس شخص کو دس ملے ہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ اس ہزار کے ایک نوٹ کے مقابلے میں مجھے زیادہ رقم ملی ہے اور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ہم میں ایک اور ایک ہزار کی نسبت بھی نہیں ہے، سو جو فرق ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام میں ہے وہی فرق ان نازل ہونے والی رحمتوں میں۔

(شرح مسلم سعیدی جلد، ص:۰۰۰)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کلماتِ اذان سارے دہرائے جائیں:
{حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ} بھی {حَیَّ عَلَی الْفَلَاح} بھی اور {اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْم} بھی لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ {حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ} اور {حَیَّ عَلَی الْفَلَاح} کے جواب میں {لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ} کہے ان دونوں حدیثوں میں سے کسی پر عمل کرلے درست ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی کہہ لیا کرے تا کہ دونوں احادیث پر عمل کرنے کا ثواب حاصل ہو جائے اور اس کے علاوہ {اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ} کے وقت درود شریف بھی پڑھے اور انگوٹھے بھی چومے اور {اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْم} کے جواب میں یہ بھی کہہ سکتا ہے: {صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ وَبِالْحَقِّ نَطَقْتَ} تو سچا اور نیکوکار اور تو نے حق کہا ہے۔ (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۸۳) اور اقامت کا جواب بھی اسی طرح ہے جیسا اذان کا دیا ہے یہاں تک کہ:
{قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ} کے جواب میں بھی {قَدْ قَامَتِ الصَّلَاۃُ} کہنا ہے لیکن

دوسری حدیث میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: {اَقَامَهَا اللّٰهُ وَ اَدَامَهَا} اللہ اسے قائم دائم رکھے۔ (ابوداود حدیث 444-528 مشکوۃ 670)

دونوں میں سے کوئی بھی جواب دیا جائے تو سنت پر عمل ہو گیا۔ فجر کی اذان میں {حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ} کے بعد {اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ} کہنا مستحب ہے (درمختار ج ۲ ص ۶۷) اگر نہ کہا جب بھی اذان ہو جائے گی۔ (قانونِ شریعت ۷۷)

حضرت ابومحذورہ بیان کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اذان کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا: اگر صبح کی اذان ہو تو یہ بھی کہہ لو: {اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ}

(ابو داؤد حدیث 422-500، کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان، مشکوۃ حدیث 645)

شیعہ کا اعتراض

سوال: کیا کسی آدمی کو دین میں کمی بیشی کرنے کا اختیار یا حق حاصل ہے، اگر نہیں ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا {اَلصَّلَاۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ} کا اذان میں اضافہ کرنا کیا یہ صراحتاً مداخلت فی الدین نہیں ہے؟

جواب: اللہ جل جلالہ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی انسان کو یہ حق نہیں ہے کہ دین میں کمی بیشی کرے۔ یہ عقیدہ تمام اہل ایمان کا ہے اور خلفاء راشدین کے طریقہ پر عمل پیرا ہونا دین میں کمی بیشی نہیں ہے بلکہ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر ہی چلنا ہے، انہیں یہ مقام و مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود عطا فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ:" میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا۔

(ابو داؤد حدیث 3991-4607 کتاب السنة باب فی لزوم السنة، مشکوۃ حدیث 165)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " اِنِّیْ لَا اَدْرِیْ مَا بَقَائِیْ فِیْکُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبُوْ بَکْرٍ وَ عُمَرَ:" میں از خود نہیں جانتا کہ تم میں میری بقا کتنی ہے تو میرے بعد ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی پیروی کرو۔ (ترمذی حدیث 3595-3662 مشکوۃ حدیث 6061)

اور یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ نے اذان میں "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ" کا اضافہ کیا
کتاب وسنت سے لاعلمی کی زبردست دلیل ہے۔ یہ الفاظ اذان میں حضرت عمرؓ نے
اضافہ نہیں کیا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موذنوں کو یہ کلمات سکھائے ہیں۔
(ابو داؤد حدیث 422-500، کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان، مشکوۃ حدیث 645
المعجم الکبیر ج 1 ص 355 رقم 1081، مسند ابو یعلی موصلی ج 5 ص 68 رقم 79
اس کے علاوہ شیعوں کی کتاب میں بھی ہے کہ امام جعفر صادقؒ نے فرمایا: کہ اگر
اذان میں {اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ} دومرتبہ کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔
(من لا یحضرہ الفقیہ، باب الاذان وقامت)
موطا امالک میں ہے کہ ایک مرتبہ موذن نماز فجر کی اطلاع کے لئے فاروق اعظمؓ کی
خدمت میں حاضر ہوا انہیں سوتے پایا تو اس نے کہا {اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ} تو آپ
نے فرمایا: اسے صرف اذان میں ہی استعمال کیا کرو۔ (مشکوۃ حدیث 652) یعنی یہ کلمہ اذان
کا جزء ہے، اسے صرف اذان میں ہی استعمال کیا کریں اس کے علاوہ نہیں۔ دوسرے الفاظ
میں کسی اور لفظ سے بیدار کریں یا اطلاع دیں۔ اس سے آپ کو پوری حقیقت کا علم
{اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ} کے کلمات حضرت عمرؓ نے نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اذان میں سکھائے تھے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہی اذان میں داخل تھے
اذان میں اضافہ سنیوں نے نہیں بلکہ شیعوں نے کیا ہے، کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ شیعہ کہہ
سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک بھی یہی اذان دی جاتی تھی جو کہ آج شیعہ
امام باڑوں میں دیتے ہیں۔ اگر یہی اذان تھی تو دکھاؤ کہاں لکھی ہوئی ہے اور اگر نہیں تھی
یقیناً نہیں تھی تو شیعوں کو یہ حق کس نے دیا کہ اذان جو شعائر اسلام میں سے ہے اس میں اپنی
مرضی کے مطابق کتاب وسنت کے خلاف الفاظ اور جملے داخل کرتے چلے جائیں؟ مگر یاد رکھیں
کہ تا قیام قیامت شیعہ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے کہ عہد رسالت میں بھی یہی اذان موجود تھی
، ائمہ اہل بیت میں سے کسی امام کے زمانہ میں اور زمانہ تو کیا کسی امام کے قول وفعل سے بھی
ثابت نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس شیعوں کی صحاح اربعہ میں موجود ہے کہ جو شخص اذان میں

"عَلِیٌّ وَلِیُّ اللہ" کہے وہ لعنتی ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ، باب الاذان واقامت)
میں پوچھتا ہوں کہ یہ تمام مذہب شیعہ کا ڈھانچہ یعنی ماتم، تابوت، گھوڑا اور علم وتعزیہ کا خروج ودخول تمام کام دین ہیں یا نہیں؟ اگر دین ہیں تو عہدِ رسالت میں ان کا وجود ثابت کرو اور اگر کہو کہ یہ دین نہیں ہے تو از راہِ کرم اُمت مسلمہ پر رحم کرتے ہوئے اعلان کردو کہ اے گروہ شیعہ کیوں جھگڑتے ہو۔ یہ اُمور تو سراسر حرام ان کو دین متین سے دور کا بھی واسطہ نہیں کیوں آئے دن ان امورِ ممنوعہ کی وجہ سے دنگا فساد پھیلاتے ہو اور ان حرام امور کی حمایت کرکے دین سے بے دین ہو رہے ہو۔ یہ فیصلہ ان کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔

گرچہ امید انصاف نادارم

(الجواب المعقول ص ۱۰)

اذان میں تکبیر دو مرتبہ ہے یا چار مرتبہ۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ کا مسلک یہ ہے کہ اذان کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا چاہئے، اس کے برخلاف امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اذان کے شروع میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہنا چاہئے ان کی دلیل حضرت ابومحذورہ کی حدیث ہے جس میں دو مرتبہ اللہ اکبر کہنے کا ذکر ہے۔ (مسلم حدیث_379.572 کتاب الصلاۃ باب صفۃ الاذان)

جب کہ جمہور ائمہ کا استدلال دوسری حدیث سے ہے جن میں اذان کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کا ذکر ہے مثلاً ابن ماجہ اور ابوداؤد نے ابومحذورہ سے یہی حدیث روایت کی ہے اور اس میں اذان کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کا ذکر ہے۔

(ابو داود: 423-422-500-502 کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان)

(ابن ماجہ: 700-708 ترمذی 177- :192-191 مشکوٰۃ: 645)

اگر یہ بات صحیح ہے کہ صرف بخاری اور مسلم کی احادیث صحیح ہیں تو پھر اذان کے شروع میں صرف دو مرتبہ اللہ اکبر کہنا چاہئے کہ مسلم میں صرف دو مرتبہ اللہ اکبر ہے۔ رہی بخاری تو اس میں اذان کے کلمات کا تذکرہ ہی نہیں ہے اگر اذان کے ساتھ ترجیع ہے تو پھر اس کے ساتھ اذان کے شروع میں صرف دو مرتبہ اللہ اکبر کہنا چاہئے۔ آدھی حدیث پر عمل اور آدھی سے انکار۔ یہ کس قسم کی غیر مقلدیت ہے۔ ان کے

علاوہ امام بیہقی نے ابو محذورہ سے اذان کے جو کلمات روایت کئے ہیں ان میں اذان کے
میں چار مرتبہ اللہ اکبر کا ذکر ہے اور احادیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور ثقہ راوی کی ز
مقبول ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث مسلم شریف کی حدیث پر راجح ہے اور حدیث مسلم
ہے نیز اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے دیگر موذنوں سے بھی ہوئی کیونکہ عبداللہ بن ز
اذان کے باب میں اصل ہیں، ان کی اذان میں بھی اللہ اکبر کا چار مرتبہ ذکر ہے۔
(ابو داؤد: 421-499 ابن ماجہ: 698-706)

بہر حال اس تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ اذان کے شروع میں چار مرتبہ اللہ اکبر کہنا احا
سے ثابت اور راجح ہے اور اس کے برخلاف امام مالک کا مسلک صحیح نہیں ہے۔

مسنون اذان کے کلمات۔

حدیث 180: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ
نے ناقوس بنانے کا حکم دینا چاہا تو مجھے خواب میں ایک شخص دکھائی دیا جو اپنے ہاتھ
ناقوس اُٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے کہا: اے عبداللہ! کیا تو ناقوس بیچتا ہے؟ وہ بولا تم اس
کیا کرو گے؟ میں نے کہا: اس سے نماز کے لئے بلایا کریں گے، وہ بولا کیا تمہیں اس
بہتر چیز نہ بتادوں؟ میں نے کہا ہاں، فرماتے ہیں وہ بولا تو اس طرح کہو:

{ اَللّٰهُ اَكْبَرُاللّٰهُ اَكْبَرُ } { اَللّٰهُ اَكْبَرُاللّٰهُ اَكْبَرُ } { اَشْهَدُ اَنْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ }
{ اَشْهَدُ اَنْ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ } { اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ } { اَشْهَدُ اَنَّ
مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ } { حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ } { حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ } { حَيَّ عَلَى
الْفَلَاحِ } { حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ } { اَللّٰهُ اَكْبَرُاللّٰهُ اَكْبَرُ } { لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ }

جب صبح ہوئی تو میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جو کچھ دیکھا تھا
حضور ﷺ سے عرض کیا آپ ﷺ نے فرمایا:
" إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ

فَإِنَّهُ أَنْدٰى صَوْتًا مِنْكَ: ''بفضلہ تعالیٰ یہ خواب سچی ہے تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ جو کچھ خواب دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سے بلند آواز ہیں، میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، میں انہیں بتانے لگا وہ اذان دینے لگے۔ فرماتے ہیں'' یہ اذان حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں سنی تو چادر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم! اس کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ انہوں نے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے۔

(ابو داود - 421-499: کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان) مشکوٰۃ: 650 ترمذی: 174-189 ابن ماجہ 698-706 دارمی: 1163-1187)

اذان کی مشروعیت کا مدار حضرت عبداللہ بن زید یا حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خواب پر نہیں ہے کیونکہ اصحاب کے خواب وحی نہیں ہیں اور نہ وہ شارع ہیں۔ اذان کی مشروعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم سے ہوئی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو دیا جس میں فرمایا'' تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ جو خواب دیکھا ہے انہیں بتاتے جاؤ وہ اذان دیں'' اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم نہ دیتے تو ہزار صحابہ کرام بھی ان کلمات کو خواب میں سن لیتے، تب بھی اذان ان خوابوں سے مشروع نہ ہوتی نیز یہ وہم نہیں کرنا چاہئے کہ اس خواب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کلمات کا علم نہ تھا کیونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ معراج فرشتے سے اذان کے کلمات سنے تھے اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہے۔

(اشعۃ اللمعات: 306/1 امام بزار نے اس حدیث کو تفصیل سے بیان کیا ھے۔ مسند بزار 147/2 روض الانف: 20/2 شرح مسلم سعیدی: 1075/1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اذان دینے کی تحقیق۔

قرآن مجید میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ یعنی ہر عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نمونہ ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ اذان کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں نمونہ ہو نیز کوئی عبادت اس وقت تک درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتی جب تک اس عبادت کے عابد خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوں، اس لئے اذان کو کمال اور عروج تبھی

حاصل ہوگا جب اذان اعمالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو اور آپ کی سنت

حدیث 182: امام ترمذی نے جامع ترمذی میں اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث

کی ہے کہ صحابہ کرام کے ساتھ ایک سفر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی ہے

"فَأَذَّنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَأَقَامَ:" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر

اذان دی اور اقامت کہی۔

(ترمذی حدیث: 376 کتاب الصلاۃ باب ما جاء فی الصلاۃ علی الدابۃ)

بعض محدثین نے کہا کہ ترمذی کی روایت میں اختصار ہے اور اس میں سبب کی طرف

ہے۔ اس حدیث کے بارے میں ممکن ہے، محدثین کی یہ رائے درست ہو لیکن علامہ رافعی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان دینے کے ثبوت میں ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں کوئی

نہیں ہوسکتی۔ فرماتے ہیں:

حدیث 183: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ

کے ساتھ سفر میں تھا۔ جب ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ظہر کی اذان

اقامت کہی اور علامہ سیوطی نے فرمایا: مجھے اس موضوع پر ایک اور حدیث مرسل مل گئی

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اذان دی

حی علی الفلاح کہا، علامہ رافعی فرماتے ہیں کہ ان حدیثوں میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں

(تقریرات رافعی 47/1 مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ زرقانی المواہب اللدنیہ کی شرح میں لکھتے ہیں: اس کے باوجود آپ نے

ہمیشہ اذان نہیں دی کیونکہ آپ اذان کی بہ نسبت افضل کاموں میں مشغول رہتے تھے مثلاً

مقدمات کے فیصلے، احکام شرعیہ کی تبلیغ وغیرہ، شیخ ابوالحسن شاذلی اور علامہ نیشاپوری نے اس کی

توجیہ یہ کی ہے کہ اگر آپ اذان دیتے تو جہاں تک آواز پہنچتی، ان سب لوگوں پر مسجد میں آنا فرض ہو جاتا

اور اس سے لوگ مشقت میں پڑ جاتے۔ (شرح المواہب اللدنیہ 381/1 مطبوعہ بیروت)

وقت سے پہلے اذان دینے کی تحقیق۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کسی اذان کو بھی اس کے وقت سے پہلے دینا جائز نہیں ہے

اذان کا مقصد مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ نماز کا وقت شروع ہوگیا ہے، اگر نماز کے وقت سے پہلے اذان دے دی جائے تو اوّل تو مقصدِ اذان فوت ہو جائے گا، ثانیاً ہوسکتا ہے کہ وقت سے پہلے اذان کی صورت میں کوئی شخص اذان سن کر نماز پڑھ لے اور وقت سے پہلے بالاتفاق نماز نہیں ہوتی، پس اس صورت میں اس کا ذمہ دار وقت سے پہلے اذان دینے والا ہوگا، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے موذن امین ہوتا ہے۔ (ابوداؤد: 434-517)

کیونکہ مسلمانوں کی نمازیں اس کی امانت ہوتی ہیں۔ اس کے برخلاف امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک فجر کی اذان وقت سے پہلے دینا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں پس تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ ابن اُمّ مکتوم اذان دیں۔ (بخاری-617582 مسلم 1827-1092 مشکوٰۃ 680)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فجر سے پہلے اذان دی گئی لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اذان فجر کی نماز کے لئے تھی، اگر یہ اذان فجر کے لئے ہوتی تو دوبارہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما سے اذان دلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ ثانیاً اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ اذان (رمضان) میں سحری کے لئے ہوتی تھی۔ اس پر مزید قرینہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: " لا یَمْنَعَنَّ أحَدَکُمْ أذانُ بلالٍ مِنْ سُحُوْرِہٖ فَإنَّهُ یُنادِیْ لِیَرْجِعَ قَائِمُکُمْ وَلِیُنَبِّهَ نَائِمَکُمْ:" بلال کی اذان سن کر کوئی شخص کھانا پینا نہ چھوڑے، کیونکہ ان کی اذان اس لئے ہوتی تھی کہ سحری کے لئے تہجد پڑھنے والا تہجد ختم کردے یا سونے والا بیدار ہو جائے۔

(بخاری .586-621 کتاب الاذان باب الاذان قبل الفجر)

حدیث 185: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے طلوع فجر سے پہلے اذان دے دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اذان دہرانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ اعلان کردو کہ: "ألَا إنَّ الْعَبْدَ قَدْ نَامَ:" انھوں نے بھولے سے اذان دیدی تھی۔ (ابو داود .448 کتاب الصلاۃ باب فی الاذان قبل دخول الوقت)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: " لا تُؤَذِّنْ حَتّٰی یَسْتَبِیْنَ لَكَ الْفَجْرُ:" اس وقت تک اذان نہ دو جب تک کہ فجر ظاہر نہ ہو جائے۔

(ابو داود .449 کتاب الصلاۃ باب فی الاذان قبل دخول الوقت)

اذان میں ترجیع کی تحقیق۔

امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اذان میں ترجیع کرنا چاہئے (یعنی اشهد لاإله إلا الله اور اشهد أن محمدً رسول الله کو پہلے دو دو مرتبہ آہستہ کہنا چاہئے بعد میں دو دو مرتبہ بلند آواز سے کہا جائے) اور امام ابوحنیفہ ؒ کا مسلک یہ ہے کہ اذان میں ترجیع نہیں کرنی چاہئے یعنی باقی کلمات اذان کی طرح شہادتین کو بھی صرف دو دو مرتبہ کہنا چاہئے اور امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ موذن کو اختیار ہے خواہ ترجیع کرے یا نہ کرے۔
(الاستیعاب علی هامش الاستیعاب :177/4)

امام شافعی اور امام مالک کی دلیل (مسلم کی حدیث-379572) جس میں ترجیع کا ذکر ہے احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ ابو محذورہ نے کفار کے خوف سے شہادتین کو آہستہ پڑھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان سے بلند آواز سے شہادتین کے کلمات کو پڑھوایا۔ ثانیاً ابو محذورہ چونکہ پہلے کافر تھے اور اسلام کو ناپسند کرتے تھے، اس لئے انہوں نے شہادتین کو آہستہ پڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دل میں شہادتین کو راسخ کرنے کے لئے دوبارہ بلند آواز سے شہادتین کے کلمات کو پڑھوایا، لہٰذا اس حدیث سے ترجیع کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ امام مالک اور امام شافعی کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے جس میں ترجیع کا ذکر ہے-(حدیث 422-:500)

لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، اس کی سند میں ایک راوی حارث بن عبید ہے، ابن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام احمد نے فرمایا: یہ مضطرب الحدیث ہے۔ دوسرا راوی محمد بن عبد الملک ہے۔ اس کے بارے میں ابن یقطان نے کہا ہے کہ یہ مجہول ہے۔ اس کے بعد ابو محذورہ کے بیٹے کا ذکر ہے، ان کے بارے میں علی بن مدینی کہتے ہیں کہ ابو محذورہ کے بیٹوں سے روایت کرنے والے تمام راوی ضعیف ہیں۔ (الجوهر النقي على هامش البيهقي :392/1)

خلاصہ یہ ہوا کہ جس حدیث میں ابو محذورہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان کی تعلیم دینے اور ترجیع کا ذکر ہے، وہ موول ہے اور جس حدیث میں ترجیع کا حکم ہے وہ ضعیف السند ہے۔ نیز علامہ ابن حجر

نے طبرانی کے حوالے سے حضرت ابو محذورہ سے اذان کی روایت بیان کی ہے جس میں تصریح ہے کہ آپ ترجیع نہیں کرتے تھے۔ (فتح القدیر 214/1 شرح معانی الاثار :136/1)

احناف جو کہتے ہیں کہ اذان میں ترجیع نہیں ہے، اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جس میں ترجیع نہیں ہے اور یہ سب کے نزدیک مُسَلّم ہے۔

(ابو داود - 421- :499 کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان، مشکوۃ :650)

اس کے علاوہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے۔

(شرح المواھب اللدنیہ للزرقانی 371/1)

علامہ زیلعی فرماتے ہیں کہ اوّل تو اذان میں ترجیع کی زیادتی ثابت نہیں اور اگر بالفرض ثابت ہو بھی تو یہ زیادتی منسوخ ہو چکی ہے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان آخری اذان ہے اور اس میں ترجیع نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حدیثِ ابی محذورہ حدیثِ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے بعد ہے کیونکہ حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ہے اور حدیث ابی محذورہ فتح مکہ کے بعد ہے تو امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اذان پر مقرر نہیں رکھا۔

(نصب الرایۃ 273 شرح مسلم سعیدی 1086/1)

کلماتِ اقامت کی تعداد میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر دلائل۔

بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ اذان اور اقامت دونوں میں الفاظ اذان کو دو دو بار پڑھا جائے۔ امام صاحب کے نزدیک اقامت کے سترہ کلمات ہیں۔ اور یہ (ترمذی: 192-177- اور ابو داود 423-502، مشکوۃ 644) کی حدیث سے بھی ثابت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ کو اقامت میں سترہ کلمات سکھائے تھے۔

حدیث 186: حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "کان اذان رسول

اللہ ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامۃ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان اور اقامت دونوں میں کلماتِ اذان اور کلماتِ اقامت دو دو بار پڑھے جاتے تھے۔

(ترمذی حدیث نمبر 179، 194)

امام ترمذی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ عبدالرحمن بن لیلیٰ نے عبداللہ بن زید سے حدیث نہیں سنی یعنی یہ حدیث منقطع ہے مگر ثقہ کا **انقطاع** ہمارے اور جمہور کے یہاں مضر نہیں ہے۔

حدیث 187: امام ابوداؤد اپنی سند کے ساتھ ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نماز کے لئے ایک مقررہ وقت پر جمع کرنے کے طریقہ پر غور فرما رہے تھے تو اس وقت وہ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا وقت مقرر کرنے کے بارے میں متفکر دیکھ کر گھر گیا تو اس کے بعد میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے دو سبز کپڑے پہنے ہوئے تھے " فَقَامَ عَلَى الْمَسْجِدِ فَأَذَّنَ ثُمَّ قَعَدَ قَعْدَةً ثُمَّ قَامَ فَقَالَ مِثْلَهَا إِلَّا أَنَّهُ يَقُوْلُ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ:" وہ مسجد میں کھڑا تھا، اس نے اذان دی اور تھوڑی دیر بیٹھا پھر اس نے اذان کی مثل کلمات کہے اور اخیر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اچھا خواب دیکھا، بلال کو یہ کلمات بتلا کر ان سے اذان دلواؤ۔

(ابو داود :426-506 کتاب الصلاۃ باب کیف الاذان، شرح معانی الاثار :133/1)

اس حدیث میں تصریح ہے کہ اذان اور اقامت کے کلمات میں کوئی فرق نہیں سوائے (قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ) کے۔ امام ابوداود کے علاوہ اس حدیث کو حافظ ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ :138/1)

حدیث 188: بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن زید سے روایت کی کہ انہوں نے اذان کے کلمات بھی دوبار کہے اور اقامت کے بھی۔

(عمدۃ القاری شرح بخاری 103/5)

حدیث 189: امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمہ بن

الاکوع ﷺ اذان اور اقامت میں دودوبار کلمات کہتے تھے۔(شرح معانی الاثار :136/1)

حدیث 190: حضرت علی ﷺ کا گزر ایک مؤذن پر ہوا تو اسے حکم دیا کہ اقامت کے کلمات کو بھی دودوبار کہہ تیری ماں نہ رہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری 104/5)

حدیث 191: ''عن اسود عن بلال انه كان يُثنى الاذان و الإقامة''

امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت بلال ﷺ اذان اور اقامت میں دودو بار کلمات کہتے تھے۔(شرح معانی الاثار :134/1)

حدیث 192: سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ'' سَمِعْتُ بلالًا يُؤَذِّنُ مَثْنٰى وَيُقِيْمُ مَثْنٰى ''میں نے حضرت بلال ﷺ کو اذان اور اقامت میں دودوبار کلمات کہتے ہوئے سنا۔

(شرح معانی الاثار :134/1)

سوید بن غفلہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ میں اس وقت پہنچے تھے جب کہ حضور ﷺ کو دفنایا جا چکا تھا ،اس لئے انہیں شرفِ صحابیت حاصل نہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے حضرت بلال ﷺ کی اذان اور اقامت حضور ﷺ کے وصالِ پاک کے بعد ہی سنی ہوگی اور یہ وہی اذان اور اقامت ہوگی جو عہدِ رسالت کے آخر میں کہی جاتی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ حضرت بلال ﷺ کو پہلے اقامت میں ایک ایک کا حکم دیا گیا تھا لیکن آپ ﷺ کے آخری عمل سے ثابت ہوا کہ اذان اور اقامت ایک جیسی ہیں اور پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔

غیر مقلدین کے امام شوکانی کا فیصلہ۔

امام الوہابیہ قاضی شوکانی حضرت ابومحذورہ ﷺ کی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے حضرت بلال ﷺ کے ابتدائی عمل کو منسوخ قرار دیتے ہیں، ملاحظہ ہو:

حضرت ابومحذورہ ﷺ والی روایت حضرت بلال ﷺ کی اس روایت سے مؤخر ہے جس میں حضرت بلال ﷺ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم دیا گیا تھا چونکہ حضرت محذورہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور حضرت بلال ﷺ کو اکہری اقامت کہنے کا شروع شروع میں حکم دیا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت ابومحذورہ ﷺ والی روایت نے سابقہ حکم کو منسوخ کردیا بلکہ ابوالشیخ نے نقل کیا ہے

کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں اذان دی، حضور ﷺ بھی وہاں موجود تھے، وہ
وا قامت ایک جیسی تھی اور اس میں دو دو دفعہ کلمات کو دہرایا گیا ہے۔ جب تمہیں یہ تفصیل
ہوگئی تو واضح ہوگیا کہ جن احادیث میں ڈبل اقامت کا ذکر ہے وہ دلیل بن سکتی ہیں اور
اقامت والی احادیث طرق مختلفہ اور صحیحین میں وارد ہونے کی وجہ سے گو کہ زیادہ صحیح ہیں
ڈبل اقامت والی احادیث میں ایک زائد چیز کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا ان کی طرف رجوع کر
ہے۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ ان میں آخری زمانہ کا تذکرہ ہے جیسے کہ ہم بتا چکے

(شوکانی نیل الاوطار 24/2 باب صفۃ الاذان)

لو اب تو فیصلہ ہی ہوگیا، اب کسی بحث مباحثہ کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ غیر مقلدین کے
اوّل کے عالم نے دوہری اقامت والی روایت کو ترجیح دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ حق قبول کر
کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

اقامت کے دوران امام اور نمازیوں کے حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کی تحقیق

حدیث 194: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ف
"إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي": "جب نماز کی اقامت کہی جائے تو تم
وقت تک کھڑے نہ ہو جب تک تم مجھے نہ دیکھ لو۔

(بخاری 602-:638، مسلم 949-:604_ مشکوۃ:685)

یعنی تکبیر کے وقت صف میں پہلے کھڑے نہ ہوجاؤ بلکہ مجھے حجرے شریف سے نکلتے دیکھ
تب کھڑے ہو، تاکہ نماز کے قیام کے ساتھ قیامِ تعظیمی بھی ہوجائے۔ حضور ﷺ "حی علی
الفلاح:" پر حجرے سے باہر جلوہ گر ہوتے تھے۔ اب بھی سنت یہی ہے کہ مقتدی صف میں
بیٹھ کر تکبیر سنے "حی علی الفلاح:" پر کھڑے ہوں۔ (مراۃ شرح مشکوۃ ج،ص،،)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: "كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا قَالَ
بلال "قد قامت الصَّلَاةِ" نَهَضَ فَكَبَّرَ:" جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت میں "قد
قامت الصَّلَاة" کہنے لگتے تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے پھر اللہ اکبر کہتے۔

(المسند بزار حدیث 3371)

حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "فَلَمَّا قَالَ 'حَيَّ علی الصلاۃ' نَهَضَ رَسُولُ اللّٰہ ﷺ إِلَی الصَّلَاۃِ" جونہی مؤذن نے "حَيَّ علی الصلاۃ" کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے اسی وقت کھڑے ہوئے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاۃ ابواب الاذان حدیث 1851)

بخاری و مسلم کے استاذ الاساتذہ شیخ الشیوخ، محدث عبد الرزاق صنعانی اپنی سند کے ساتھ مشہور تابعی امام عطیہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ہم لوگ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جونہی مؤذن نے اقامت کہنا شروع کی، ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیٹھ جاؤ! جس وقت مؤذن "قد قامتِ الصَّلاۃ" کہنے لگے تب کھڑے ہونا۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الصلاۃ ابواب الاذان باب قیام الناس عند الاقامۃ حدیث 1940)

ملاحظہ فرمایا آپ نے! جو لوگ اقامت شروع ہوتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کس طرح سختی سے انہیں دوبارہ نیچے بٹھا دیا پھر "قد قامتِ الصَّلاۃ" کے نزدیک انہیں کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جو لوگ شروع اقامت میں کھڑے ہو جائیں انہیں مسئلہ سنا کر بیٹھ جانے اور بیٹھ کر اقامت سننے کا مشورہ دینا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ جو شخص دورانِ اقامت مسجد میں آئے، اسے کھڑے کھڑے اقامت سننا مکروہ ہے، اسے صف میں پہنچتے ہی بیٹھ جانا چاہئے پھر "حی علی الفلاح" یا "قد قامتِ الصَّلوٰۃ" پر کھڑا ہونا چاہئے۔ یہی سنت کے مطابق ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے: اگر امام کے علاوہ کوئی اور شخص اذان دے اور نمازی امام کے ساتھ مسجد میں ہوں تو جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تب امام اور نمازی کھڑے ہوں، ہمارے تینوں اماموں کے نزدیک یہی صحیح ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری 57/1)

علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: نماز کے مستحبات میں سے ہے کہ جب اقامت کہنے والا "حی علی الفلاح" کہے تو نمازی اور امام کھڑے ہو جائیں بہ شرطیکہ امام محراب کے قریب حاضر ہو کیونکہ مؤذن نے کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے، اس لئے اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر امام حاضر نہ ہو تو جس صف کے پاس سے امام گزرے وہ لوگ کھڑے ہو جائیں۔ (مراقی الفلاح 106:166)

نماز میں درود ابراہیمی پڑھنا سنت ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلی بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب بن عجرہ ﷜ ملے
''ألا أُهْدِي لَكَ هَدِيَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ: بَلَى، فَأَهْدِهَا لِ
سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ الصَّلاةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْ
فَإِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكُمْ ؟ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُ
وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَ
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ:'' کیا میں تجھے ایسا تحفہ نہ دوں جو میں نے نبی کریم
سے سنا ہے؟ میں نے کہا ضرور مجھے ایسا تحفہ عطا فرمایئے، فرمایا ہم نے رسول اللہ
سے سوال کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم آپ پر اہل بیت سمیت کیسے درود بھیجا
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ پر سلام عرض کرنے کا طریقہ تو بتادیا ہے؟ آپ ﷺ نے
فرمایا: تم یوں کہا کرو:

'' اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى
إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ:'' اے اللہ
(ﷺ) اور آلِ محمد (ﷺ) پر رحمت نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور
ابراہیم (علیہ السلام) پر رحمت نازل فرمائی۔ اے اللہ! محمد (ﷺ) اور آلِ محمد (ﷺ) پر بر
نازل فرما جیسا کہ تو نے ابراہیم (علیہ السلام) اور آلِ ابراہیم (علیہ السلام) پر برکت نازل فرمائی۔
(بخاری حدیث_3119، کتاب الانبیاء، مسلم حدیث_614، کتاب الصلاۃ
التشہد فی الصلاۃ، مشکوۃ حدیث:، کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی ﷺ)

آل اہل سے بنا ہے بمعنی والا جیسے اہل بیت ''گھر والا'' اہل علم ''علم والا'' حضور ﷺ کی
آل یا تو ہر مومن متقی ہے۔ قرآنِ کریم نے متبعین کو آل فرمایا ہے۔ ''وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ
فِرْعَوْنَ:'' (سورہ بقرہ: ۴۹) یا حضور ﷺ کی بیویاں ہیں۔ قرآن کریم نے بیویوں کو اہل بیت
فرمایا ہے۔ فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے کہا

"رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ:" (سورہ ہود: ۷۳) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں بیٹے اور چاروں بیٹیاں اور تا قیامت حضرت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی نسل یا تمام بنی ہاشم جن پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری ازواج اور اولاد آپ کی آل ہے۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص: ۹۸)

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ سوائے اس درود کے اور درود پڑھنا منع ہے مگر یہ محض غلط ہے، ورنہ پھر لازم آئے گا کہ محدثین جب کبھی حضور علیہ السلام کا اسم پاک لیتے ہیں تو صرف صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں، لہٰذا "صلی اللہ علیہ وسلم" یہ نا جائز ہو، اگر منقول کے سوا دوسرے درود پڑھنا منع ہیں تو وہی غذائیں اور دوائیں استعمال کرنا چاہئیں جو منقول ہیں۔ جس طرح کہ ہر غذا جو شریعت میں حرام نہیں، کھانا جائز ہے، اسی طرح ہر درود جو کہ شریعت میں منع نہیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ "كُلُوا وَاشْرَبُوا" میں کھانا پینا مطلق ہے اور "صَلُّوا عَلَيْهِ" میں صلوٰۃ مطلق ہے، کوئی درود شریف پڑھ لیا جائے ثواب پائے گا، ہاں منقول درود دیگر سے زیادہ بہتر ہے۔ درود بلند آواز سے پڑھو آہستہ پڑھو اور کوئی سا درود پڑھو، بغیر شرعی ممانعت کے کسی چیز کو نا جائز تو کیا مکروہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ (شانِ حبیب الرحمان ص: ۱۷۰)

کیا درودِ ابراہیمی کے علاوہ ہر درود ممنوع اور گناہ ہے؟

میرے عزیز دوست استاذ العلماء علامہ خاور نقشبندی صاحب ناظم تعلیمات جامعہ نعمانیہ شہاب پورہ سیالکوٹ نے مجھے وہابیوں کے چند رسائل دکھائے جن میں ایک وہابی مولوی رانا شفیق خاں پسروری نے ایک مضمون تحریر کیا تھا "شرعی اذان اور مروّجہ صلوٰۃ و سلام" جسے پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ صاحبِ مضمون قلیل العلم والادب اور شر پسند بھی ہے بلکہ اُصولِ اسلام واصولِ فقہ سے ہی نا واقف ہے۔ وہ اس محاورہ کا مصداق ہے "نیم حکیم خطرہ جان، نیم ملا خطرہ ایمان"۔ اسے لئے کہ دین کی فقہ و سمجھ صرف ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہے گستاخِ رسول اگر قرآن بھی پڑھے تو وہ حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ:" "اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے

اسے دین میں سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔(بخاری 69-71 مشکوۃ 200 کتاب العلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "خَصْلَتَانِ لا تَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلا فِقْهٌ فِي الدِّينِ:" دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں۔اچھے اخلاق اور دینی فقہ۔

(ترمذی حدیث 2608-2684 مشکوۃ 219 کتاب العلم)

مطلب یہ ہے کہ نفاق کے ساتھ نہ دینی اخلاق جمع ہوں نہ دینی علم۔منافق اسلامی اخلاق سے بھی محروم اور دین سے بھی کیونکہ یہ نور ہیں ظلمت کے ساتھ جمع کیسے ہو جائیں، گندے قرآن کو چھو بھی نہیں سکتے ان کا حال یہ ہے:

؎ : کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی   بخارا گیا پر بخاری نہ آئی

امام شافعی کے استاذ امام وکیع فرماتے ہیں: "إِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِنَ اللهِ وَ نُورُ اللهِ لَا يُعْطَى لِعَاصِي:" علم اللہ کا نور ہے وہ نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔علم واخلاق بقدر تقویٰ ملتے ہیں۔ گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا اور گندے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم نہیں آتا۔(مراۃ 1-197)

مذکورہ وہابی نے اہل سنت پر بہت سے الزامات لگائے ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔میں اس کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ان الزامات کو ہماری کتابوں سے ثابت کرے اور منہ مانگا انعام حاصل کرے ورنہ اس دن ان الزامات کی جواب دہی کے لئے تیار رہے جس دن مال اور بیٹے نفع نہ دیں گے اور جھوٹے الزامات کے بدلے میں نیکیاں دینی پڑیں گی اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔جیسا کہ مسلم کی اس حدیث میں ہے: "أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ...."

(حدیث رقم 4678-2581 مشکوۃ کتاب الاداب باب الظلم حدیث 5127)

بلکہ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ: "مَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَا لَيْسَ فِيهِ أَسْكَنَهُ اللهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتَّى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ" جس نے کسی مسلمان میں ایسی چیز بیان کی جو اس میں نہ ہو تو اسے کچ لہو میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ اپنے کہے سے نکل جائے۔

(ابو داود حدیث 3123-3597 مشکوۃ حدیث 3611 کتاب الحدود باب الشفاعۃ فی الحدود)

رَدْغَةَ الْخَبَالِ یعنی کچا پیپ جسے اردو میں کچ لہو کہتے ہیں،اس سے مراد دوزخ کا دوزخیوں

ہے جہاں دوزخیوں کا پیپ اور خون جمع ہوتا ہے۔ دنیا میں یہ جتنے روز مسلمان بھائی کو عیب لگاتا رہا یعنی مشرک و بدعتی کہتا رہا، اتنے روز اسے جہنم کے اس طبقہ میں رکھا جائے گا، وہاں رہے گا اور یہ کچ لہو پیئے گا۔ اللہ کی پناہ! (مراۃ 5-330)

اب اس کی مرضی ہے چاہے دوزخ کے گٹر کی خوراک پسند کرے یا باطل کو چھوڑ کر حق قبول کر کے جنت میں شرابِ طہور کے جام نوش کرے۔ جیسا کہ مولانا عمر فاروق توحیدی صاحب وغیرہ نے حق قبول کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دے۔

بدبخت رانا پسروری لکھتا ہے کہ "بعض لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کئے ہوئے درود کو چھوڑ کر جاہل ملاؤں کے درود کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ وہ درود کے فضائل اور خوبیوں سے محروم ہو گئے ہیں کہ انہوں نے آپ پر دوسروں کو فوقیت دے دی، درود بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت ہے اور عبادت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہونی چاہئے ورنہ نیکی برباد اور گناہ لازم ہوگا۔ (ہفت روزہ "اہل حدیث" لاہور 13 ذیقعدہ 1431ھ ص ۷)

دوسری جگہ لکھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے اور بتائے ہوئے درود کے علاوہ کچھ نہ پڑھا جائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کئے ہوئے درود کو چھوڑ کر توہین مصطفی اور شرکیہ عبارت پر مشتمل درود پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں بلکہ عداوت ہے کہ درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے الگ ہو، وہ محبت کرنے والا نہیں بلکہ نافرمان اور منکر ہے، اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ غلط درود کو بلند بانگ پکارنا اس کے لئے جنگ وجدل کرنا یہ سب اللہ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، اسلام کی توہین، کفر اور ایک سازش ہے۔

("اہل حدیث" لاہور 26 ذو الحجہ 1431ھ ص ۷)

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل اپنی طرف سے شرکیہ اور غلط الفاظ وکلمات پر مبنی درود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور حکم کے خلاف ادا کرتے ہیں، وہی درود کے منکر اور گستاخ ہیں۔ (ص ۹) اور ایک جگہ لکھا "درود حقیقی درود ابراہیمی ہے"۔ ("اہل حدیث" لاہور ۱۱ اکتوبر 2010ء ص 6)

ان تمام عبارات میں دلائل والی کوئی چیز نہیں، حسب عادت ننگی گالیاں دی گئی ہیں کہ درودِ حقیقی درود ابراہیمی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور درود پڑھنے والا جاہل ملاں ہے، ان کی نیکیاں

برباد اور گناہ لازم ہے، توہین مصطفی اور شرک ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنے والا
فرمان اور منکر ہے۔ اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں، یہ اللہ، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی توہین، کفر اور سازش ہے، یہ درود کے منکر اور گستاخ ہیں۔ وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ)

جواب: ان ساری باتوں کا جواب یہ ہے کہ یہ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلا
گالیاں نکالنے سے کام نہیں چلے گا، اگر ان کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کریں۔ قرآن
آیت پیش کریں یا ذخیرۂ احادیث میں سے صرف ایک ایسی حدیث پیش کی جائے جس
ہو کہ درود صرف ابراہیمی ہے، اس کے علاوہ سب درود شرک و بدعت ہیں ان کو پڑھنا
حرام ہے، ہم چھوڑ دیں گے ہم تو ماننے والے ہیں منکر نہیں ہیں لیکن ایسی دلیل وہ قیا
پیش نہیں کر سکتے۔ ان شاء اللہ عزوجل۔ ہاں نماز میں صرف درود ابراہیمی ہی پڑھا جا
نے کبھی نہیں کہا کہ اس درود کے بدلے کوئی اور درود پڑھو۔ نماز میں سلام بھی وہی ہے
وہی ہے۔ نماز کے علاوہ جو بھی درود پڑھو یا سلام پڑھو وہ چاہے منقول ہوں یا غیر منقول
جائز ہیں یہ نماز کے باہر صرف درود کا نام لیتے ہیں سلام کا ذکر نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ
صلوٰۃ وسلام دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اس بدبخت نے اپنی پوری پانچ چھ اقساط میں سلام کا
نہیں کیا صرف درود پڑھنے سے اللہ کے اس حکم پر عمل کیسے ہوگا؟ "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ
صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا:" معلوم ہوا کہ یہ سلام کا منکر ہے نماز کے باہر درود
پڑھنے سے صَلُّوْا عَلَیْهِ پر عمل ہو گیا، ساتھ السلام علیك ایها النبی بھی پڑھ
وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پر بھی عمل ہو لیکن "یا نبی" (صلی اللہ علیک وسلم) کہتے ہی ان کی موت
ہو جاتی ہے۔ اس لئے سلام کو چھوڑ جاتے ہیں یہ کیسا اسلام ہے کہ آیت کے ایک حکم پر عمل
دوسرے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر نماز کے باہر درود وہی ہے جو نماز والا ہے تو سلام بھی وہی
ہے دونوں پڑھو ہمیں کیا اعتراض ہے جب سلام پڑھنے کی بات آئے تو کہتے ہیں: نہیں
صرف نماز کے اندر پڑھ سکتے ہیں نماز کے باہر نہیں، کہاں لکھا ہے؟ کسی حدیث کا حوالہ تو
کرو کہ اس سلام کو نماز کے باہر پڑھنا ممنوع اور صرف درود ابراہیمی پڑھنا جائز ہے۔ قیا

تک حوالہ نہیں دکھا سکتے۔بس خانہ ساز اپنی جیب سے قیدیں لگاتے ہیں شریعت ان کے اقوال کا نام نہیں شریعت اللہ کے قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا نام ہے۔

صَلُّوا عَلَيْهِ میں صلوۃ مطلق ہے،کوئی درود شریف پڑھ لیا جائے ثواب پائے گا، اللہ تعالیٰ نے اسے کسی ایک صیغہ یا عبارت سے مقید نہیں کیا۔ جب خالق کائنات نے صَلُّوا عَلَيْهِ کو صلوۃ ابراہیمی سے مقید نہیں کیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے تو کسی کو اختیار ہی نہیں کہ وہ قرآن مجید کے مطلق حکم کو مقید کر سکے جو شخص یہ کہے کہ صرف درود ابراہیمی پڑھو یا چند عبارات کے ساتھ اس حکم کو مقید کرنے کی کوشش کرے۔اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا اور اس کی تنقید باطل ہے اور''شرعاً'' اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: '' مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ: '' ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرائط لگاتے ہیں جو کہ کتاب اللہ میں نہیں ہیں جو شرط کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے وہ باطل ہے اگر چہ وہ سو شرائط بھی ہوں۔

(بخاری حدیث 2527 کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء)

کتنے واضح انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدنہاد لوگوں کا رد فرمایا ہے جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے شرائط کا اضافہ کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شرائط کو باطل قرار دیا خواہ کوئی ایک سو شرائط بھی لگائے وہ تمام باطل ہیں۔حکم شرعی پر ان سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔رانا شفیق وہابی نے یہ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے کہ درود شریف صرف درود ابراہیمی ہے،ان کے علاوہ جو درود ہیں وہ درود ہی نہیں اور نہ ان کے پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی ساری کوشش کتاب اللہ کے ایک مطلق کو مقید کرنے کے بارے میں ہے اور کتاب اللہ کے حکم کے ساتھ اپنی طرف سے شرط لگانے پر ہے۔ایسے ہی لوگوں کی مذمت فرماتے ہوئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَا بَالُ رِجَالٍ** ان لوگوں کا کیا حال ہے؟ ان کے پاس کونسی اتھارٹی ہے؟ یہ اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ جب خالق کائنات جل جلالہ ایک جگہ شرط کا ذکر نہیں فرماتا تو یہ کون ہوتے ہیں؟ اس جگہ اپنی طرف سے پیچ لگانے والے۔کیا یہ اللہ تعالیٰ سے اسلامی احکام

کے اسرار کو زیادہ جاننے والے ہیں؟ معاذ اللہ۔ کہ اللہ تعالیٰ سے تو یہ بات رہ گئی ہے ہم
طرف سے اضافہ کر دیں۔ (نعوذ باللہ)

ع: برایں عقل و دانش بباید گریست

اللہ تعالیٰ کی منشا تو یہ ہے کہ صلوٰۃ مطلق رہے، محبوبِ کریم ﷺ کا امتی اپنی محبت وال
کی تازگی اور ایقان و ایمان کی درخشندگی کے لئے مقدس و مطہر الفاظ کے جس اسلوب میں بھی
عظیم محبوب کے لئے دعا کرنا چاہے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ رانا شفیق صاحب بالکل جاہل
اسلئے کہ انہیں اپنے گھر کی بھی خبر نہیں، چلو ہماری نہیں تو اپنے اکابر کی کتابیں پڑھ لیتے تو ان کا قلم
بے لگام نہ ہوتا اب انہوں نے جتنی گالیاں ہمیں نکالیں ہیں وہ سب ان کے اکابر کی طرف لوٹ
ہیں بلکہ سب سے پہلے خود اس کی طرف لوٹی ہیں اب ہم اسے آئینہ دکھا رہے ہیں۔

رانا شفیق اپنی عبارات کے آئینے میں۔

لکھتا ہے: درود حقیقی درود ابراہیمی ہے، اس کے علاوہ کوئی اور درود پڑھنے والا جاہل
ہے، ان کی نیکیاں برباد اور گناہ لازم ہے، توہین مصطفی اور شرک ہے، نبی (ﷺ)
عداوت رکھنے والا ہے بلکہ نافرمان اور منکر ہے، اس کا آپ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں، یہ
رسول اللہ ﷺ، اسلام کی توہین، کفر اور سازش ہے، یہ درود کے منکر اور گستاخ ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آتا ہے، عربی کا محاورہ ہے: "کُلُّ اِنَاءٍ
یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْهِ" ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ اس کے اپنے اندر چونکہ
گند بھرا ہوا ہے اسے ہر طرف گند ہی نظر آ رہا ہے۔ اس نے اپنی پانچ چھ اقساط میں اس بات
پر زور دیا ہے کہ درود ابراہیمی کے علاوہ اور کوئی درود نہیں ہے جو اس کے علاوہ درود پڑھے گا وہ
گستاخ ہے، نافرمان ہے حیرت ہے کہ اس نے اپنے مضمون میں جب بھی نبی کریم ﷺ کا
نام مبارک لکھا ہے، اس کے ساتھ درود ابراہیمی نہیں لکھا بلکہ (ﷺ) لکھا ہے۔ یہ درود بھی
درود ابراہیمی کے علاوہ ہے۔ اس نے یہ درود لکھ کر خود اپنی بات کی نفی کر دی ہے لہذا اس کی تمام
گالیاں خود اس کی طرف ہی لوٹ آئی ہیں وہ خود ہی گستاخ بھی ہے، نافرمان بھی ہے

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھنے والا ہے اور اس کی تمام نیکیاں بھی برباد ہیں۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں، لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اور اس کی جماعت کے علماء نے بھی اپنی کتابوں میں ہر جگہ درود ابراہیمی نہیں لکھا۔ ان کی بھی نیکیاں برباد اور وہ بھی گستاخ رسول اور منکر درود ہیں۔

بچو گے تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبو گے سارے

اگر ہمت ہے تو اس درود ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کو حدیث سے ثابت کرو ورنہ اپنا منہ اور اپنا تھپڑ، اپنا سر اور اپنے جوتے کھانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

وہابی اکابر کے خودساختہ درودوں کی لسٹ۔

امام الوہابیہ ابن تیمیہ کا خودساختہ درود'' صلى الله على محمد وآله وصحبه وسلم تسليما كثيرا:'' (العقیدہ الوسطیہ ص 167 طبع لاہور)

امام الوہابیہ ابن قیم کا خودساختہ درود۔

'' صلى الله على سيدنا محمد خاتم النبيين وآله وصحبه اجمعين وسلم تسليما كثيرا إلى يوم الدين :'' (هداية البارى ص 193 طبع بیروت)

امام الوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی کا خودساختہ درود۔

'' وصلى الله وسلم على سيدنا محمد و على آله وصحبه اجمعين :''

(کتاب التوحید عربی ص 108 طبع الریاض)

اس کے علاوہ پوری کتاب میں کئی بار ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا ہوا ہے، جس کا حدیث میں ثبوت نہیں۔

امام الوہابیہ قاضی شوکانی کا خودساختہ درود۔

'' والصلاة و السلام على المنتقى من عالم الكون والفساد :''

(نیل الاوطار عربی ج 1 ص 11 طبع لاہور)

امام الوہابیہ قاضی سلیمان منصور پوری کا خود ساختہ درود۔

" فصلی اللہ علیہ وبارك و سلم و علی آلہ وازواجہ وخلفائہ وام

صلوۃ دائما سرمدا:" (رسالہ عشرہ ص، طبع سانگلہ ہل)

نوابُ الوہابیہ نواب صدیق حسن بھوپالی کا خود ساختہ درود۔

" والصلاۃ و السلام علی رسولہ وخاتم الانبیاء محمدن الذی ا

علی سائر العرب و العجم وعلی آلہ واصحابہ:"

(الشمامۃ العنبریہ ص، طبع بھوپالی)

سردارِ وہابیہ وحید الزماں حیدر آبادی کا خود ساختہ درود۔

" وا صلی و اسلم علی سید المخلو قات سیدنا محمد ذی ال

والبرکات:" (ھدیہ المھدی ص،)

حکیم صادق سیالکوٹی وہابی کا خود ساختہ درود۔

پس جو شخص چاہے کہ اللہ اس پر درود وسلام بھیجے وہ حضرت محمد ﷺ پر اس طرح

سلام بھیجے: "صلی اللہ علی حبیبہ محمد وآلہ وسلم:"

بتایا جائے کہ اس درود کا ذکر کس حدیث میں ہے؟ (جمال مصطفی ص205)

کتاب "سبیل الرسول" کے ٹائٹل پر "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہوا ہے اور اس کے اندر

"صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہے اور کئی مقامات پر "صلی اللہ علیہ وسلم" بھی بلکہ صرف لکھا ہوا ہے

دیکھو صفحات (234 - 233 - 232 - 231 - 230 - 229 - 236 - 236 - 235

240-241-244-247-250-251-252-261-270)

کتاب "ریاض الاربعین" کے ٹائٹل پر اور اس کے اندر بھی "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہوا ہے

اس کتاب کے صفحہ ۴۰ پر اُنتالیسویں حدیث لکھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات کے

وقت حصول علم میں ایک ساعت مصروف رہنا، تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ (دارمی)

حکیم صاحب کی علم حدیث میں جہالت وخیانت۔
موقوف حدیث کو مرفوع لکھ دیا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا۔ یہ حدیث دارمی میں دو مرتبہ آئی ہے اور مشکوٰۃ شریف کتاب العلم الفصل الثالث میں بھی ہے جس کا دل چاہے حکیم صاحب کی جہالت اور خیانت کا تماشہ دیکھے۔

کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کے ٹائٹل پر دو مرتبہ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا ہوا ہے اور اس کے صفحہ (۴) اور (۵) پر درود ابراہیمی کی بجائے صرف (ص) لکھ کر بدعت کا ارتکاب کیا گیا ہے اور (صفحہ ۳۱) پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ لکھنے کی بجائے صرف (رض) لکھ کر بدعت کا ارتکاب کیا اور (ص ۱۵) پر اپنے نام کے ساتھ بھی دو مرتبہ (ص) لکھا جس سے مراد صلی اللہ علیہ وسلم اور (ص ۱۶) اور (ص ۱۷) پر آٹھ مرتبہ اپنے مولویوں کے ناموں کے ساتھ (ص) لکھ کر بدترین بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ وہابیوں کے نزدیک بدعت حسنہ کا کوئی تصور نہیں۔ رانا پسروری لکھتا ہے: ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ وہی تو بدعت بنتا ہے جو ظاہراً بھلا لگے، اگر بظاہر ہی برا ہو تو دین کے نام پر اسے کون قبول کرے گا؟ باقی رہی بدعت حسنہ کی اصطلاح تو معلوم نہیں بدعت بھی ہو، اور حسنہ بھی، یہ کیا ہے؟ شراب اور مطہر بھی! مشرک بھی اور اچھا بھی! رات بھی اور سفید بھی! دو متضاد باتوں کو ایک کے حکم میں رکھنا:

ع: این چہ بو العجبی است؟

محترم ہر اصطلاحی بدعت گمراہی ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا یا صرف (صاد) لکھنا صحیح حدیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے ورنہ بدعت ہوگا اور بدعت کے متعلق فتویٰ حکیم صادق بدعتی کی کتاب سے پیش کیا جاتا ہے۔ اپنا منہ اور اپنا تھپڑ، اپنا سر اور اپنے جوتے کھانے کے لئے تیار ہو جاؤ تا کہ کسی سے اپنی درد کی شکایت پیش نہ کی جا سکے۔

حکیم صاحب لکھتے ہیں: اور تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہیں جو خدا کے دین میں اپنی طرف سے نکالے جائیں یاد رکھو دین میں جو نیا کام نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۳۰) اب وہابی اپنے فتویٰ سے بدعتی اور دوزخی ہو گئے۔ وہابی بتائیں کس صحابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے

ساتھ (صاد) یا اپنے نام کے ساتھ صاد لکھا ہے کیا وہابی اپنے مولویوں کو نبی سمجھتے ہیں؟

نہ تھی حالات کی جب ہمیں اپنے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی جب اپنی برائیوں پر نظر
تو جہاں میں کوئی بھی برا نہ رہا

صادق سیالکوٹی کی کتاب ''سبیل الرسول'' کے پہلے صفحہ پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اور '' الاربعین'' کے پہلے صفحہ پر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' لکھا ہوا ہے اس کا بھی حدیث سے ثبوت کریں یا لوگوں کو بدعتی کہنا اور دوسرے غیر منقولہ درودوں کو ناجائز اور حرام کہنا چھوڑ دیں۔

عبدالغفور اثری وہابی کا حکیم صادق سیالکوٹی پر فتویٰ

اثری صاحب لکھتے ہیں: آج کل اکثر نبی آخر الزماں ﷺ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ درود وسلام (ﷺ) کی بجائے حرف (ص) صلعم وغیرہ لکھنے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی کے ساتھ (ؑ) وغیرہ لکھتے ہیں جو کہ ناجائز اور بدعت ہے۔ اس بدعت کا شکار نہ صرف عوام الناس ہیں بلکہ کئی اہل علم بھی اس مسئلہ کو جانتے پہچانتے ہوئے بھی اس غلطی عظیم کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے محروم ہی نہیں بلکہ بہت بڑی وعیدوں کے مستحق بنتے ہیں۔ (احسن الکلام عبدالغفور اثری ص 134)

درود سلام کی جگہ مہمل بے معنی لفظ ''صلعم'' وغیرہ لکھنا ایسے بے نصیب سے سرزد ہوتا ہے جسے عظمت مصطفی ﷺ سے واسطہ نہیں ہے کیونکہ درود و سلام (ﷺ) میں اختصار تخفیف تحقیر شان ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی شان کو ہلکا کرنا کفر ہے اور اگر معاذ اللہ قصداً استخفافِ شان ہو تو قطعاً کفر ہے اور اگر بے علمی یا کاہلی و سستی کی وجہ سے ہو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے محرومی اور بہت بڑی بے نصیبی ہے۔ (احسن الکلام عبد الغفور اثری ص 135)

یہود بے بہبود کو مطرود اور مردود قرار دیئے جانے کی جہاں کئی وجوہات ہیں وہاں ایک وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے ''پھر ظالموں نے بات بدل دی جو بتلائی گئی تھی وہ نہ کہی بلکہ

بکنے لگے (یعنی حِطّةٌ بخشش مانگنے کی بجائے حنطةٌ گندم مانگنے لگے) آخر ہم نے ان شریروں پر آسمان سے (طاعون) کا عذاب اُتارا انکی نافرمانی پر) (سورہ بقرہ:59) بس یہی کچھ حال درود وسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے مہمل لفظ ص صلعم لکھنے والوں کا ہے۔ حکم ملا تھا ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے اور لکھنے کا..... نادانوں نے اسے بدل کر ص صلعم وغیرہ بنالیا جس کا نہ کچھ معنی ہے اور نہ ہی ثواب۔ (احسن الکلام عبد الغفور اثری ص136)

حدیث نبوی کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عقیدہ بنالیا یا عمل کیا جس کے کرنے کا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو اور نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہو تو وہ کام مردود ہے اور اسے مسترد کر دیا جائے گا اور اس کا قائل و فاعل بدعتی ٹھہرے گا۔ اس لحاظ سے ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت درود وسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے لفظ صلعم وغیرہ بولنا اور لکھنا بدعت ٹھہرا جس سے اجتناب نہایت ضروری امر ہے۔

سنی خوش نصیب کو باغ و بہار ہے
بدعتی بدبخت کو جہنم کی مار ہے

(احسن الکلام عبد الغفور اثری ص138-137)

ضروری انتباہ!

اُمتی میں سے اگر کسی شخص کا نام محمد یا احمد ہے تو ان ناموں پر درود وسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) وغیرہ نہ پڑھنا اور نہ لکھنا چاہئے کیونکہ ان ناموں سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ نہیں بلکہ دوسرے اشخاص مراد ہیں اور درود وسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے نہ کہ دوسرے اشخاص کا کہ جنہوں نے نبیوں کے نام پر اپنے نام رکھ لئے ہیں۔

(احسن الکلام عبد الغفور اثری ص138-137)

مبارک ہو، تمہارا امام صادق سیالکوٹی تمہارے اپنے مولوی عبد الغفور سیالکوٹی کے فتویٰ سے بدعتی، بے نصیب، عظمتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے لاتعلق ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صادق سیالکوٹی بالکل جاہل تھا جسے اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ کسی عام آدمی کے نام کے ساتھ درود نہیں لکھا جاتا۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا حق ہے۔

عبدالغفور سیالکوٹی اثری وہابی کا خودساختہ درود اور بدعتی ہونے کا ثبوت۔

''وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وأصحابہ و جمیع متبعیہ الی یوم الدین:''(احسن الکلام عبد الغفور اثری ص6)

اس درود کا حدیثِ پاک سے ثبوت پیش کیا جائے ورنہ وہ تمام فتوے جو حکیم صادق نے لگائے گئے ہیں خود ان پر بھی چسپاں ہو جائیں گے۔ اثری صاحب لکھتے ہیں: نبی رحمت امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ درود وسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھنا اور لکھنا ایک مہتم تریں عبادت ہے۔ یعنی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو درود وسلام اور عبادت تسلیم کرلیا ہے۔ اب اس درود کا بھی ثبوت پیش کیا جائے اگر یہ غیر منقول درود جائز اور عبادت ہے تو الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ سے پیٹ میں درد کیوں اُٹھتا ہے اگر یہ خودساختہ درود پڑھ کرتم بدعتی نہیں تو ہم کس اصول سے بدعتی ٹھہرے۔

کلک رضا ہے خنجر خون خوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں
وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے، عدوّ کے سینہ میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے

احسان الٰہی ظہیر وہابی کا خودساختہ درود۔

''الصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ و علی آلہ وصحبہ
(مرزائیت اور اسلام ص ۱۱)

اِسماعیل سلفی وہابی کا خودساختہ درود۔

''الصلوٰۃ والسلام علی سید الخلق محمد خاتم النبیین و علی أصحابہ و آلہ:''(حجیت حدیث ص ۱۱، طبع لاہور)

عبدالسلام بستوی وہابی کا خودساختہ درود۔

''الصلوٰۃ والسلام علی جمیع الانبیاء وسید المرسلین:''(تعلیم ج1ص830)

محمد عطاء اللہ حنیف وہابی کا خود ساختہ درود

''وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم تسلیما کثیرا:''
(پیارے رسول کی پیاری دعائیں ص ۲۰، المکتبہ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور)

سعودی علماء کے خود ساختہ درود۔

پورے سعودی عرب اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے امام ہر جمعہ کے خطبہ میں ایک نیا درود بناتے ہیں۔ جس کا جی چاہے ان کا خطبہ سن کر دیکھ لے۔ ان کے خطبات جمعہ کی کتابیں بھی سعودیہ میں عام ملتی ہیں۔ ہر خطبہ کے شروع میں نیا درود ملے گا جس کا حدیث سے ثبوت نہیں ہے۔ یہ اپنے شیوخ پر فتویٰ کیوں نہیں لگاتے بلکہ ان کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لو خود ساختہ درود ملے گا یہ میرے سامنے ابوبکر جزائری کی کتاب (نداء الرحمن لاہل ایمان) ہے۔ اس کے مقدمہ میں یہ درود لکھا ہوا ہے۔

'' والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الرؤوف بالمؤمنین الرحیم وعلی آلہ الطاہرین وصحابتہ اجمعین والتابعین لھم باحسان إلی یوم الدین:'' کیا کوئی وہابی نجدی اس کا حدیث سے ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ اگر ثبوت پیش نہ کر سکے تو اسے ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' کو بدعت اور خانہ ساز درود یا سپیکری درود کہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

محمد بن عبد الرحمن العریفی نجدی کا خود ساختہ درود۔

''والصلوٰۃ و السلام علی من لا نبی بعدہ:'' (استمتع بحیاتک ص ۹)

عبد الرشید بن عبد الرحمن نجدی کا خود ساختہ درود۔

''وصلی اللہ و سلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ و اتباعہ الی یوم الدین:'' (حرام کیا ھے ص ۱۱، اسلامک سینٹر، شقراء، الریاض، سعودی عرب)

عبد الرزاق بن عبد المحسن البدر نجدی کا خود ساختہ درود۔

''صلی اللہ و سلم علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین:''

(خطب و مواعظ عربی ص ۹)

ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر نجدی کا خودساختہ درود۔

"والصلوٰۃ والسلام علی أشرف المرسلین سیدنا محمد و آله و...

اجمعین:" (تاریخ وہابیت مترجم مطبوعہ دار السلام ص۱۶)

مفتی عام المملکۃ العربیہ السعودیہ عبدالعزیز بن باز نجدی کا خودساختہ...

"والصلاۃ والسلام علی عبدہ ورسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

(التحقیق و الا یضاح من مسائل الحج والعمرۃ عربی ص۲) طبع و نشر وزارۃ الا...

سعودی عرب)

"والصلاۃ و السلام علی من لا نبی بعدہ وعلی آلہ وصحبہ:"

(العقیدۃ الصحیحہ عربی از ابن باز ص۳)

عبدالعزیز بن عبداللہ الجہنی نجدی کا خودساختہ درود۔

"والصلاۃ و السلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین:"

(التوسل عربی ص۸، طبع و نشر وزارۃ الا وقاف سعودی عرب)

دیوبندیوں کے خودساختہ درود۔

اشرفعلی تھانوی کا خودساختہ درود۔

"وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین:"

(التکشف ص۱۱۲)

رشید احمد گنگوہی کا خودساختہ درود۔

"و صلی اللہ تعالی علی سید الانبیاء والمرسلین و علی آلہ وصحبہ

اجمعین:" (تالیفات رشیدیہ ص۱۱۱، طبع لاہور)

قاسم نانوتوی کا خودساختہ درود۔

"وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین:"

(تحذیر الناس ص 102 طبع گوجرانوالہ)

کیا یہ سب درودِ ابراہیمی ہیں؟؟؟ کیا ان کا حکم قرآن مجید سے ثابت ہے؟ کیا یہ خود حضور

سید عالم ﷺ نے سکھائے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تم نے ان کے خلاف مہم کیوں...

ان کا بدعتی ہونا کتب و رسائل میں شائع کیوں نہ کیا؟ کیا کفر و شرک کے فتوے صرف اور چلائی؟
صرف اہل سنت و جماعت پر لگانے کے لئے ہیں؟

امام مسلم رحمہ اللہ علیہ کا درود شریف۔

امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے خطبہ میں یہ درود لکھا ہے: "وصلی اللّٰہ علی مُحمّد خاتم النبیین وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین:"

کیا یہ درودِ ابراہیمی ہے؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا کہ مجھ پر یہ درود شریف پڑھو؟ کیا اہل بیتِ اطہار وازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام، خلفاء راشدین یہی درود شریف پڑھتے تھے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تمہارے فتویٰ کی زد میں امام مسلم بھی آ گئے۔ ظلم کی اِنتہاء ہوگئی کہ تمہاری فکری آوارہ گردی نے امام مسلم کو بھی بدعتی بنادیا۔ کیا صحیح مسلم جو ذخیرہ سنت ہے۔ اس کا آغاز بدعت سے کیا گیا ہے؟ کیا امام مسلم جو درودِ ابراہیمی روایت کرنے والے ہیں اور ذخیرہ احادیث میں موجود درودوں سے واقف ہیں۔ انہوں نے اپنی طرف سے ایک عبارت بنا کر اسے درود شریف قرار دیا ہے یا نہیں؟ اس خود ساختہ درود والی صحیح مسلم پر پابندی لگوانے کا مطالبہ تم نے کیوں نہ کیا؟ آپ کو تو اس بات پر اپنے خود ساختہ افکار کی لو میں جل جانا چاہئے تھا کہ اس خود ساختہ درود شریف کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں طبع کر کے پوری امت پر کیوں مسلط کیا جارہا ہے؟ جو بھی صحیح مسلم شروع کرے گا۔ یہ خود ساختہ درود شریف ضرور پڑھے گا۔ صحاح ستہ میں ہر حدیث کے ساتھ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہوا ہے۔ اگر درودِ ابراہیمی کے علاوہ تمام درود ناجائز و بدعت ہیں تو کیا یہ تمام محدثین بشمول امام مسلم بدعتی تھے۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کو خانہ ساز درود کہنے والے کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس حدیث میں "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھنے یا لکھنے کا حکم دیا ہے؟

صحابہ کرام کے درودِ ابراہیمی کے علاوہ درود شریف

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا درود شریف۔

"اللهم اجعل صلاتك ورحمتك و بركاتك على سيد المرسلين وا
المتقين و خاتم النبيين محمد عبدك و رسولك امام الخير وقائد ال
و رسول الرحمة اللهم ابعثه مقام محمودا يغبطه به الاولون والاخرون
(ابن ماجه حديث 896 كتاب اقامة الصلوٰة)

حضرت علیؓ کا درود شریف۔

"لبيك اللهم ربي و سعديك صلوات الله البر الرحيم و الملا
المقربين والنبيين و الصديقين و الشهداء والصالحين وما سبح لك
ب العالمين على محمد بن عبد الله خاتم النبيين وسيد المرسلين وا
المتقين ورسول رب العالمين الشاهد البشير الداعي اليك باذنك ال
ج المنير عليه السلام:" (كتاب الشفاء ج 257ص مدارج النبوت ج2ص706

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا درود شریف۔

"اللهم يا دائم الفضل على البرية * يا باسط اليدين بالعطية
صاحب المواهب السنية * صل على محمد خير الورىٰ سجية * واغفر لنا
يا ذالعلا فى هذه العتية:" (القول البديع ص ۰۰)

حضرت حسان بن ثابتؓ اد رود شریف۔

"اللهم صل على محمد وعلى آل محمد سيد العرب والعجم المبعوث
على كافة الامم وصل يارب على آل محمد برحمتك يا ارحم
الراحمين:" جواهر الاولياء ص 283 طبع اسلام آباد)

سیدنا حضرت امام عالی مقام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا درود شریف۔

"اللهم صل علی محمد النبی الامی وآله وسلم:"

(جواھر الاولیاء ص 266 طبع اسلام آباد)

تابعین و محدثین کا درودِ ابراہیمی کے علاوہ درود شریف۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا درود:" اللهم صل علی محمد وعلی آله بحر انوارك ومعدن أسرارك:" (الجزء المفقود من مصنف عبدلرزاق حدیث ،،)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا درود شریف۔

آپ فرماتے ہیں: جو اس درود کو کثرت سے پڑھے گا اس کے چہرے کی رونق دوبالا ہو جائے گی:" اللهم صل علی مَنْ تَفَتَّقَتْ مِنْ نُوْرِهِ الازهارُ :" اے اللہ! رحمتیں نازل فرما اپنے انوار کے سمندر اور اسرار کی کان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر۔ (الجزء المفقود من مصنف عبدلرزاق حدیث ،،)

امام عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عینیہ نے خبر دی امام مالک سے کہ وہ ہمیشہ یہ درود پاک پڑھتے تھے:

"اللهم صل علی سیدنا محمدِ السَّابِقِ لِلْخَلْقِ نُوْرُهُ:" اے اللہ! ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما جن کا نور تمام مخلوق سے پہلے تھا

(الجزء المفقود من مصنف عبدلرزاق حدیث ،،)

ابوقلابہ کا درود شریف۔

حضرت سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ مجھے ابوقلابہ نے تعلیم دی کہ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ یہ درود شریف پڑھا کروں:" اللهم صل علی افضل من طاب من النُّجارُ وسما به الفخار واستنارت بنور جبینه الاقمار وتضاءلت عند جُوْدِ یمینه الغمائم والبحار:" اے اللہ! اس افضل ذاتِ اقدس پر رحمتیں نازل فرما جن کی بدولت "اصل" طیب وطاہر ہوا اور فخر سر بلند ہوا اور جن کی پیشانی کے نور سے چاند جگمگا اٹھے اور جن کے دائیں ہاتھ کی

سخاوت کے سامنے بادل اور دریا شرمسار ہو گئے۔

(الجزء المفقود من مصنف عبدلرزاق حدیث،،)

سعید بن ابی سعید کا درود شریف۔

سالم کہتے ہیں کہ مجھے سعید بن ابی سعید نے تعلیم دی کہ میں ہمیشہ یہ درود شریف کروں: "اللھم صل علی کاشف الغمة ومجلی الظلمة ومولی النعمة و الرحمة:" اے اللہ! غم دور کرنے والی، اندھیرے کو منکشف کرنے والی، نعمت کو عطا کرنے والی اور رحمت بانٹنے والی ہستی پر رحمتِ کاملہ نازل فرما، دائیں ہاتھ کی سخاوت کے سامنے اور دریا شرمسار ہو گئے۔ (الجزء المفقود من مصنف عبدلرزاق حدیث،،)

یہ محدثین خود ساختہ درود شریف پڑھ رہے ہیں اور حضور ﷺ کو نور بھی تسلیم کر رہے تو یہ بدعتی تھے، اگر ہاں تو تمہیں ان کی لکھی ہوئی حدیث کی کتابیں چھوڑ دینا چاہیے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا درود شریف۔

"اللھم صل علی محمد فی الاولین وصل علی محمد فی الاخرین و علی محمد فی یوم الدین:" (القول البدیع ص ۵۰)

امام حسن بصری کا درود شریف۔

"اللھم صل علی محمد وعلی آله واصحابه وأولاده وازواجه وذریته و بیته واصھاره وانصاره واشیاعه ومحبیه وامته معھم اجمعین:"

(القول البدیع ص 47) کتاب الشفاء ص 57 ج 2)

امام جلال الدین سیوطی کا درود شریف۔

"صلی الله تعالی علیه وعلی آله واصحابه الذین جعل حبهم الایمان:" (بستان المحدثین ص 207)

اِمام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کا درود شریف۔

"الصلاة والسلام علی سید المرسلین وعلی آله الطاھرین:"

(مکتوبات امام ربانی ص 376 ج 1 طبع لاھور)

محدث طبرانی کا درود شریف اور اس کی مقبولیت۔

''اللهم لك الحمد بعدد من حمد و لك الحمد بعدد من لم يحمدك و لك الحمد بعدد كما تحب ان تحمد اللهم صل على محمد بعدد من صلى عليه و صل على محمد بعدد من لم يصل عليه و صل على محمد كما تحب ان يصلى عليه:''

محدث طبرانی فرماتے ہیں کہ مجھے خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی میں نے عرض کیا: ''السلام عليك ايها النبي ورحمة الله و بركاته:'' اور مذکورہ بالا درود شریف پڑھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے اور دانتوں کے درمیانی خلا سے نور نکلتا نظر آیا۔

(سعادت الدارین ص 663 ج 1، جذب القلوب ص 265)

امام شافعی کا درود شریف اور اس کی مقبولیت۔

وہابیہ کے امام ابن قیم نے لکھا ہے: ترجمانِ وہابیہ قاضی سلیمان منصور پوری کی زبانی سنئے کہ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں امام شافعی کو دیکھا، پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا مجھ پر رحم کیا اور مجھے بخش دیا اور مجھے بہشت کے لئے یوں آراستہ کیا جیسے عروس کو آراستہ کیا کرتے ہیں، میں نے کہا آپ اس درجہ کو کیوں کر پہنچ گئے؟ فرمایا: میں نے کتاب میں ایک درود لکھا تھا اس کے عوض، وہ درود یہ ہے'' و صل الله على محمد عدد ما ذكره الذا كرون وعدد ما غفل عن ذكره الغافلون:'' جب صبح ہوئی تو میں نے کتاب کھول کر دیکھی تو عبارت اس میں درج تھی۔

(جلاء الافهام عربی ص 247، الصلوة و السلام ص 295)

یہ واقعہ امام سخاوی نے القول البدیع اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں نقل کیا ہے۔ (القول البديع ص 252، جذب القلوب ص 350)

امام شافعی کی مذکورہ روایت زکریا دیوبندی نے فضائل درود شریف میں بھی نقل کی ہے۔

(فضائل درود شریف ص 103)

سوال یہ ہے کہ درودِ ابراہیمی کے علاوہ دوسرے غیر منقول درود حرام و بدعت ہیں تو محدثین اور صحابہ کرام پر کیا فتویٰ لگاؤ گے اور اپنے اکابر پر کیا فتویٰ لگاؤ گے جنہوں نے غیر منقولہ درود کو پڑھنے کی اجازت دی۔ کم از کم اپنے اکابر کی عبارات ہی دیکھ لی ہوتیں۔

ذرا اپنا بیگانہ پہچان کر ۔۔۔ دوڑے نہ نظریوں برچھی تان کر

ابوبکر الجزائری کا فتویٰ کہ تمام غیر منقول درود بھی جائز ہیں۔

مدرس مسجد نبوی و مسجد حرام لکھتے ہیں: "لقد ورد فی صیغ الصلاۃ والسلام نیف وثلاثون صیغۃ اکملها الصلاۃ ابراهیمیۃ والکل جائز ومستحب . وأما الصیغة التی فی هذا النداء فهی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی ... وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا، وهذه أصغر الصیغ وأیسرها وأسهلها وبها یُؤدی الواجب"

صلوٰۃ وسلام کے تیس سے اوپر صیغے ہیں اُن میں سے اکمل درودِ ابراہیمی ہے اور تمام جائز اور مستحب ہیں لیکن اس درود شریف میں یہ صیغہ: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ ... تَسْلِیماً:" یہ سب سے چھوٹا، آسان اور سہل ہے اور اس کے ساتھ واجب ادا ہو جاتا ہے۔

من کتب اسم النبی ﷺ فإنه یکتب صلی الله علیه وسلم کما هی ماثورة عن السلف، فأصحاب الصحاح، والسنن، والمسانید کلهم إذا ذکر النبی فی الحدیث یکتبونﷺ . وبعض المتأخرین یکتب (ص) وهذا إهمال ولا ینبغی:" جس نے نبی کریم ﷺ کا نام لکھا، وہ اس کے ساتھ "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھے جیسا کہ سلف سے منقول ہے اور اصحاب الصحاح، سنن والمسانید یعنی محدثین سے جب حدیث میں نبی کریم ﷺ کا نام ذکر کرتے ہیں تو "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھتے ہیں اور بعض متأخرین صرف "ص" لکھ دیتے ہیں یہ ظلم اور نا مناسب ہے۔

(نداء الرحمن لاهل ایمان النداء الرابع والسعون ص:۱۲۲)

ابوبکر جزائری کے کلام سے معلوم ہوا کہ درود "صلی اللہ علیہ وسلم" حدیث سے ثابت نہیں بلکہ محدثین اور سلف صالحین کا خود ساختہ ہے لیکن اس کے باوجود یہ درود جائز اور باعثِ اجر ہے۔ اس سے تمام غیر منقول درود جائز ہو گئے کیونکہ وہ سلف صالحین اور بزرگانِ دین سے منقول ہیں۔

درودِ ابراہیمی نماز کے ساتھ خاص ہے۔

حضرت ابی مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور سامنے آ کر بیٹھ گیا کہنے لگا: "يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَّا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَيْفَ نُصَلِّي عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا فِي صَلَاتِنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى أَحْبَبْنَا أَنَّ الرَّجُلَ لَمْ يَسْأَلْهُ فَقَالَ: إِذَا أَنْتُمْ صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَقُوْلُوْا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ": "یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) سلام پڑھنے کو تو ہم نے سمجھ لیا ہے، اب فرمایئے کہ ہم نماز میں آپ پر صلوٰۃ کیسے پڑھیں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے، یہاں تک کہ ہم نے سوچا کاش وہ سوال ہی نہ کرتا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم نماز میں صلوٰۃ پڑھو تو یوں کہا کرو: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ:" (الحدیث)

(احمد حدیث :....، جلد، ص:..) مستدرک الحاکم وابن حبان ۔ ابن خزیمہ، دار قطنی، بیہقی)

قاضی شوکانی غیر مقلد (م ۱۲۵۰ھ) کا فتویٰ:

درودِ ابراہیمی نماز ہی کے ساتھ خاص ہے، غیر مقلدین کے امام محدث شوکانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: "وفيه تقييد الصلاة عليه ﷺ بالصلاة، فيفيد ذلك أن هذه الألفاظ المروية مختصة بالصلاة، وأما خارج الصلاة فيحصل الامتثال بما يفيده قوله سبحانه تعالى {إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا} فإذا قال القائل [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ] فقد امتثل الأمر القرآني:" اس حدیث میں نبی پاک ﷺ پر درودِ ابراہیمی پڑھنے کو نماز کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت کردہ درودِ ابراہیمی نماز ہی کے ساتھ خاص ہے لیکن نماز سے باہر حکم ربانی کی تعمیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد "إِنَّ اللّٰهَ

وَمَلٰٓئِكَتَهٗ ۔۔۔ ،،(الآیہ) کے مطابق عمل کرنے سے حاصل ہوجائیگی پس کہنے والے
''اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ:''(اے اللہ! درودوسلام بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر
اس نے قرآن مجید کے حکم پر عمل کیا۔(تحفۃ الذاکرین ص:،،،_،،،)باب التشھد)

اکابرین وہابیہ کا متفقہ فتویٰ

وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی نے غیر مروی درود شریف کو جائز قرار دیا
لکھتے ہیں: یہ کوئی شرط نہیں کہ بندۂ مومن جس درود شریف کو پڑھے وہ ایسی صفت پر
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو بلکہ درود شریف ماثور کے اسم کا اس پر صادق آنا ہی معتبر ہے
وہ درود شریف جو تعلیم کے طریقہ سے وارد ہے زیادہ تام زیادہ کامل زیادہ فضیلت والا ہے
اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غیر مروی درود شریف اس درود شریف کے نیچے داخل نہیں جس
ثواب کی نشان دہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درود شریف پڑھنے والے کے لئے فرمائی ہے
صیغوں سے ہو یا غیر مروی صیغوں سے پڑھنے والا یقینا اس ثواب کا مستحق ہوگا جس کا
احادیثِ صحیحہ میں وارد ہوا ہے۔(نزل الابرار ص78-77طبع بیروت)

اب دیکھتے ہیں رانا پسروری اپنے اس نواب پر کیا فتویٰ لگاتا ہے جو تمام غیر مروی درود
شریف پڑھنے کی اجازت دے رہا ہے۔

وہابیہ کے امام عبدالجبار غزنوی نے درود شریف اور دعاؤں کے ماثور میں اضافہ شدہ الفاظ
کو بدعت قرار دینے کے رد میں لکھا ہے کہ میرے فہم میں یہ سب تشددات ہیں الفاظ ماثورہ پر
اگر کچھ الفاظِ حسنہ زیادہ ہوجاویں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں...... بہت مواقع میں ثابت ہے کہ
صحابہ کرام اور علماء اسلام الفاظ ماثورہ پر درود شریف اور دعاؤں میں بعض الفاظ زیادہ کرتے
تھے اور یہ تعامل بلانکیر جاری رہا۔(فتاویٰ نذیریہ ص ا ج ۲)اس فتویٰ پر نذیر حسین دہلوی وہابی
وہابی شمس الحق عظیم آبادی کا بھی حوالہ لکھا ہے۔(عون المعبود ص409 ج 4)

وہابیوں کے اکابر کے ٹھوس حوالہ جات کے باوجود ان لوگوں کا اصرار کہ درودِ ابراہیمی کے
علاوہ کوئی درود نہیں یا اس میں اضافہ بدعت ہے، کیا معنی رکھتا ہے۔ان بدعت کہنے والوں

فتویٰ سب سے پہلے اپنے اکابر پر لگتا ہے کہ وہ خود ہی بدعتی اور بدعت کا سبق پڑھانے والے ہیں۔ یہ بدعتی خود ہیں اور کہہ دوسروں کو رہے ہیں۔ آپ ان کے درود شریف کے الفاظ پڑھ چکے ہیں جو درود ابراہیمی کے علاوہ ہیں بلکہ بدعت کہنے والوں نے بھی وہی درود شریف لکھا ہے جو حدیث سے ثابت نہیں پھر کس منہ سے دوسروں کو بدعتی کہتے ہیں۔ اگر دوسروں کو بدعتی کہنے کا شوق پورا کرنا ہے تو آج سے درود شریف ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی بجائے درود ابراہیمی پڑھا اور لکھا جائے جس پر یہ ہرگز عمل نہیں کر سکتے۔

حدیثِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں اضافہ۔

دوسروں کو بدعتی اور مشرک کہنے والے اس بدعتی رانا شفیق پسروری کی اپنی جہالت کا عالم یہ ہے کہ اس نے حدیث کے الفاظ میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ لکھتا ہے کہ حضرت ابن عمر کی مجلس میں ایک آدمی کو چھینک آ گئی تو اس نے کہا: ''**الحمد للہ و الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ**'' (ھفت روزہ اھل حدیث 18 اکتوبر 2010ء)

اس حدیث میں والصلوٰۃ کے الفاظ نہیں ہیں۔ رانا صاحب اپنی طرف سے اضافہ کر کے بدعت کے مرتکب ہوئے ہیں جس پر انہیں توبہ کرنی چاہئے اور مناظر بننے سے پہلے حدیث کا علم حاصل کرنا چاہیے۔ رانا شفیق پسروری لکھتا ہے، اس حدیث سے دو باتیں واضح ہیں:

(۱) اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود واجب و فرض ہے۔

(۲) درود اذان کے بعد ہے۔ اس صریح حکم کے ہوتے ہوئے کوئی درود کو اذان سے پہلے کرے تو کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صریح مخالفت نہ ہوگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرنے والا، آپ کا انکار کرنے والا ہے جو کہ جہنمی ہے، تیسرا یہ کہ اس نے ایسا درود اختیار کیا جو شرکیہ الفاظ پر مبنی ہے۔ چوتھا غلط کام کی وجہ سے فتنہ فساد پھیلانا شروع کیا۔

(ھفت روزہ اھل حدیث 22 اکتوبر 2010ء)

بہر حال یہ درود خلاف محبت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے۔ مضمرات میں سے پانچواں یہ ہے کہ اس کی وجہ سے امت محمدیہ میں فتنہ وفساد پھیل رہا ہے۔

(نعوذ باللہ) درود پڑھنے سے فساد پھیلتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے فرعون نے کہا تھا: ''اور

فرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالوں اسے چاہیے کہ وہ اپنے
پکارے: " اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ " مجھے
ڈر ہے کہ کہیں یہ تمہارا دین نہ بدل ڈالے یا ملک میں کوئی بہت بڑا فساد برپا نہ کر دے۔
مومن آیت:۲۶) فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فسادی اور دین تبدیل کرنے والا
تھا حالانکہ فسادی خود تھا۔ اسی طرح وہابی سنیوں کو کہہ رہے ہیں کہ یہ درود پڑھتے ہیں یہ
ہیں حالانکہ فسادی خود ہیں۔ ہم "درود" والے ہیں یہ "بارود" والے ہیں خودکش دھماکے کر
مسلمانوں کو ناحق قتل کرنے والے۔ انہیں لوگوں کے متعلق نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا
مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑیں گے"۔

(بخاری 3334 مسلم 1064 مشکوۃ 5894)

کیا وہابی ہر ہر لمحہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں۔

رانا شفیق پسروری لکھتا ہے: جب کہ اہل حدیث کا ہر ہر لمحہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے
ہوئے گزرتا ہے۔ (ہفت روزہ اہل حدیث 3 دسمبر 2010ء)

کیا وہابی ہر ہر لمحہ رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں تو پھر ہمیں زیادہ درود پڑھنے
کیوں روکتے ہیں اگر ہر لمحہ نہیں پڑھتے تو جھوٹے ہیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے اور اگر
ہیں تو پھر اذان کے ساتھ درود پڑھنے پر اعتراض کرنا جہالت ہے کہ خود تو ہر لمحہ درود پڑھتے
ہیں ان کا کوئی لمحہ بھی درود کے بغیر نہیں گزرتا ہم اگر اذان کے ساتھ پڑھ لیں تو انہیں تکلیف
کیوں ہوتی ہے پھر کہتا ہے: اذان سے پہلے درود پڑھنے سے رسول اللہ ﷺ کی
مخالفت نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والا، آپ ﷺ کا انکار کرنے والا
ہے جو کہ جہنمی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر یہ خود رسول اللہ ﷺ کا انکار کرنے والے اور جہنمی
ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نماز کے طریقہ کو بدل دیا ہے۔

وہابیوں نے نماز کا طریقہ بدل دیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو
(بخاری) اور رسول اللہ ﷺ نے جوتی پہن کر نماز پڑھی ہے۔

(بخاری حدیث 373 کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ فی النعال)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود کی مخالفت کرو بیشک وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

(ابو داود حدیث 556 مشکوۃ حدیث 765)

اب کوئی وہابی جوتی میں نماز نہیں پڑھتا، لہذا اپنے فتویٰ سے خود ہی منکر رسول اور جہنمی ہو گئے۔

تہبند باندھ کر نماز پڑھنا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز پڑھو تو تہبند باندھ لو اور چادر اوڑھ لو اور یہود کی مشابہت نہ کرو۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال رقم ترجمہ نصر بن حماد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند باندھ کر نماز پڑھی ہے اور اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ شلوار کبھی نہیں پہنی وہابی شلوار پہن کر نماز پڑھتے ہیں انہوں نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے اور جو تارکِ سنت ہو وہ وہابیوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا، آپ کا انکار کرنے والا ہے اور جہنمی ہوتا ہے۔ لہذا وہابیوں کو تہبند باندھ کر نماز پڑھنی چاہئے ورنہ وہ اپنے فتویٰ سے خود ہی منکر رسول اور جہنمی ہو جائیں گے۔ ننگے سر نماز پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ کسی حدیث میں ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے، سوائے حج کے موقع پر۔ امام شعرانی لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔ (کشف الغمہ ج، ص) وہابی اس سنت سے محروم ہیں اور ننگے سر رہ کر بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں اور جو تارک سنت ہو وہ وہابیوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنے والا، آپ کا انکار کرنے والا ہے اور جہنمی ہوتا ہے۔ لہذا وہابیوں کو سر ڈھانپ کر نماز پڑھنی چاہئے ورنہ وہ اپنے فتویٰ سے خود ہی منکر رسول اور جہنمی ہو جائیں گے۔

گھر کی گواہی

وہابیوں کے نامور محدث محب اللہ راشدی کا بیان ہے کہ میرے علم میں سوائے حج اور عمرہ کے کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سر مبارک بغیر عمامہ وغیرہ تھا (چہ جائیکہ) مسجد میں آکر عمامہ وغیرہ اُتار کر رکھ لیا اور ننگے سر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ کسی دوست کی نظر میں ایسی کوئی حدیث ہو تو ہمیں ضرور

مستفید کیا جائے۔ آج کل نئی نسل نے خصوصاً اہل حدیث جماعت کے افراد نے ننگے سر پڑھنے کا معمول بنالیا ہے، اسے چلتے ہوئے فیشن کا اتباع تو کہا جا سکتا ہے مسنون نہیں یا ک... کے جائز ہونے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہے کہ مندوبات ومستحبات کو بالکل ترک کر جائے۔ صحیح حدیث تو کجا مجھے ایسی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہو کہ نبی کریم گھر سے اس حال میں نکلے کہ سر پر عمامہ وغیرہ تھا لیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اُتار لیا اور نماز پڑھی اور اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے مسنون ہونے کا مدار آپ حضرات ایک کپڑے میں پڑھنے والی حدیث پر ہی رکھتے ہیں تو بسم اللہ آپ گھر سے ہی کریں کہ ایک کپڑے کے سوا کپڑے اُتار کر پھر مسجد میں آیا کریں اور اس طرح نماز بھی پڑھ لیں۔ یہ اچھی ستم ظریفی ہے سے تو شلوار، قمیص کوٹ وغیرہ پہن کر آتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد صرف پگڑی اُتار کر نماز پڑھنا شروع کر دی یہ مطلب سراسر غلط ہے۔

(کتاب: نماز میں سر ڈھانپنے کا مسئلہ محب اللہ راشدی ناشر ادارہ امر بالمعروف
حسین خانوالہ نمبر ۲ پتوکی ضلع قصور)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔

سعودی عرب کے چھپے ہوئے وہابی محمد جونا گڑھی کے اُردو ترجمہ قرآن کے ص:190 صلاح الدین یوسف حاشیہ میں لکھتے ہیں: علاوہ ازیں حدیث میں درود کے اور بھی صیغے آئے ہیں، جو پڑھے جا سکتے ہیں نیز مختصراً ''صلی اللہ علی رسول اللہ وسلم'' بھی پڑھا جا سکتا ہے ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھنا اس لئے صحیح نہیں کہ اس میں نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے اور یہ صیغہ نبی کریم ﷺ سے عام درود کے وقت منقول نہیں ہے اور التحیات میں '' السلام علیك ایها النبی '' چونکہ آپ سے منقول ہے۔ اس وجہ سے اس وقت پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔ مزید برآں اس کا پڑھنے والا اس فاسد عقیدے سے پڑھتا ہے کہ آپ ﷺ اسے براہِ راست سنتے ہیں۔ یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف اور اس عقیدے سے مذکورہ خانہ ساز درود پڑھنا بھی غیر صحیح ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل اسے پڑھنا بھی بدعت ہے جو ثواب نہیں گناہ ہے۔ (نعوذ باللہ)

اگر غیر منقول درود پڑھنا جائز نہیں تو کس قانون سے یہ درود ''صلی اللہ علی رسول اللہ وسلم'' پڑھنا جائز ہوگا جس کی اجازت یوسف صاحب دے رہے ہیں اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کو خانہ ساز درود کہا ہے اور دوسری طرف اسی درود کو درود تسلیم کرکے پڑھنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر کھڑے ہوکر کیا پڑھا جائے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل نقل ہوا ہے کہ وہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے اگر کوئی یہ پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ (ماہنامہ حرمین جہلم جنوری 1992ء)

اس سے ثابت ہوگیا کہ جھوٹے کی بات میں تضاد ضرور ہوتا ہے۔ ایک طرف کہہ رہے ہیں کہ یہ درود خانہ ساز ہے اور دوسری طرف تسلیم کررہے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ درود پڑھا ہے۔ دراصل یہ صحابہ کرام کے گستاخ ہیں ان کے درود وسلام کو خانہ ساز اور شرکیہ درود کہتے ہیں۔

گھر کی گواہی

وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی نے کہا کہ: شب بعثت میں سنگ و درخت نے آپ کو سلام کیا اور کہا: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' (الشمامة العنبریہ ص 71)

وہابیہ کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ: ذکر ولادت سرور کائنات قیام میں سب کے سب درود بصیغہ مخاطب دست بستہ: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ (اہل حدیث کا مذہب ص 34 طبع کراچی)

اگر یہ درود خانہ ساز اور شرکیہ ہے تو کس لئے وہابیوں کے مولوی یہی خانہ ساز درود لکھتے اور پڑھتے رہے۔ ہمیں بدعتی کہنے سے پہلے ان پر بدعتی ہونے کا فتویٰ جاری کرو، اگر غیرت مند ہو۔

نواب صدیق حسن بھوپالی دلائل الخیرات اور درود پڑھتے رہے۔

وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی نے لکھا ہے کہ: حضرت شیخ اکبر (علیہ الرحمہ) نے اس صیغہ ''تُنَجِّیْنَا'' کو ایک کنز کنوز عرش سے بتایا ہے اور کہا کہ جو شخص اس کو جوف لیل میں ہزار بار پڑھے گا اس کی حاجت دنیاوی و دینی بہت جلد درجہ اجابت کو پہنچے گی۔ صاحب دلائل الخیرات نے اس کے اسرار و منافع بہت بیان کئے ہیں۔ مولوی قطب الدین دہلوی کو اجازت

اس صیغہ کی یوں دی تھی کہ ہر روز ستر بار واسطے قضائے حوائج کے پڑھے، اُنہوں نے اس
اجازت دی ہے۔ بعض مشائخ نے کہا کہ جو کوئی اس درود شریف کو شب جمعہ میں ہزار بار پڑ
نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھے گا اور اس کے سارے حوائج پورے ہوں گے۔ بعض
ہے۔ ''من قرء هذه الصلاة الف مرة فَرَّجَ اللهُ هَمَّهُ وَبَلِيَّتَهُ بِبَرَكَةِ النبي
الله عليه وسلم:''

کرامتِ صاحبِ دلائل الخیرات۔

حضرت سید محمد بن سلیمان جزولی رحمہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے کتاب ''دلائل الخیرات شریف''
جمع فرمائی اور اس میں درود ''تُنَجِّيْنَا'' شریف درج فرمایا۔ وہ ایسے عارف باللہ اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے کہ بعد از وفات شریف اس طرح ان کی کرامت کا ظہور رہا کہ آپ
شریف سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی کیونکہ آپ زندگی میں درودِ پاک بہت زیادہ پڑھا
تھے (مطالع المسرات) آپ کے وصال شریف کے ۷۷ سال بعد جب آپ کا جسم مبارک
لا گیا تو دیکھا کہ آپ کا کفن بھی بوسیدہ نہیں ہوا تھا اور آپ بالکل صحیح سلامت ہیں جیسے آ
لیٹے ہیں نہ تو زمین نے آپ کو چھیڑا نہ کوئی حالت بدلی، یہاں تک کسی نے براہ آزمائش
کے رخسار مبارک پر انگلی رکھ کر دبایا اور انگلی اٹھائی تو اس جگہ سے خون ہٹ گیا اور وہ جگہ
آ رہی تھی پھر تھوڑی دیر بعد وہ جگہ سرخ ہو گئی جیسے زندوں کے جسم میں خون رواں ہوتا ہے
ساری بہاریں درودِ پاک کی کثرت کی برکت سے ہیں۔ (مطالع المسرات) مراکش میں
آپ کی قبر پر عظیم جلال اور بہت رعب ہے اور لوگوں کا وہاں اجتماع ہوتا ہے اور آپ کے پاس
''دلائل الخیرات شریف'' کثرت سے پڑھتے ہیں، میں نے بھی ایک مدت دراز تک ''دلائل
الخیرات شریف'' کو قرأت کیا۔

(کتاب الداء والدواء از نواب صدیق حسن وھابی ص119-155)

''دلائل الخیرات شریف'' میں ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ:'' بھی لکھا ہوا ہے
جسے نواب صدیق پڑھتے رہے اور اس کے ساتھ درود تُنَجِّيْنَا بھی پڑھتے رہے ہیں۔ اگر

درود شریف پڑھنا شرک وبدعت ہیں توسب سے پہلے فتویٰ امام الوہابیہ نواب صاحب پر لگے گا کہ وہ خانہ ساز اور غیر منقول درود کیوں پڑھتے رہے اور اگر یہ درود شریف پڑھنا شرک وبدعت ہے تو صاحب دلائل الخیرات کی یہ کرامت کیسے ظاہر ہوئی کہ ان کی قبر سے خوشبو آتی اور ان کا بدن ستتر (۷۷) سال بعد بھی تروتازہ تھا۔

کیا یہ درود شریف ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' غیر منقول اور خانہ ساز ہے۔

شجر وحجر نے خطاب کے صیغہ کے ساتھ آپ پر سلام پڑھا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا۔ ہم اس کے بعض اطراف میں گئے تو کوئی درخت اور پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ آیا مگر وہ کہتا تھا

"السلام علیك یارسول الله"

(ترمذی :3626مشکوۃ :5919 سلسلة احادیث الصحیحه از ناصر الدین البانی غیر مقلد :2670)

اس روایت کو دیوبندی اشرف علی تھانوی نے نشرُ الطیب ص 210- سلیمان ندوی وشبلی نعمانی نے سیرت النبی ص 341 ج 3 وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی نے الشمامة العنبریه ص 71 پر نقل کیا ہے)

مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارا یہ عرض کرنا ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ:'' شرک یا حرام نہیں بالکل جائز ہے۔ اسے تو پتھر درخت بھی حرام نہیں سمجھتے اس کے منکرین پتھروں جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ ہم نماز میں پڑھتے ہیں: ''السلام علیک ایہا النبی:'' (مراۃ المناجیح 237/8)

''السلام علیک ایہا النبی:'' کا ترجمہ ہے: اے نبی! تجھ پر سلام ہو اور الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کا ترجمہ ہے: اے اللہ کے رسول تجھ پر صلوٰۃ اور سلام ہو۔ جب دونوں کا ترجمہ ایک ہے تو ایک جائز اور دوسرا ناجائز کیوں؟

انبیاء کرام کا درود۔

شب معراج جب حضور سید عالم ﷺ بیت المقدس میں جلوہ گر ہوئے انبیاء کرام
السلام نے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور ان الفاظ سے سلام عرض کیا۔ ''السلام عل
یا اول السلام علیك یا آخر السلام علیك یا حاشر:''

(تفسیر ابن کثیر ص5 ج3، تفسیر در منثور 4-192 دلائل النبوۃ للبیہقی 2-2
خصائص کبری 1-258، اس روایت کو دیوبندی اشرف علی تھانوی نے نشر الطیب ص ۶۹ وہابیہ
الحدیث محمد علی انباز سیالکوٹی نے معراج مصطفی ص:: وھابیہ کے الاعتصام :: دسمبر ۹۹
بھی ذکر کیا ہے۔)

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نورِ محمدی میرے شکم اطہر میں جلوہ گر ہوا تو
رات حضرت آدم علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: مرحبا یا محمد ﷺ۔
ایک رات حضرت شیث علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور کہا ''السلام عل
یارسول اللہ:''... ایک رات حضرت ادریس علیہ السلام خواب میں تشریف لائے ا
''السلام علیك یا نبی اللہ:''... ایک رات حضرت نوح علیہ السلام خواب میں تشر
لائے اور کہا ''السلام علیك یا حبیب اللہ:''... ایک رات حضرت ہود علیہ السلام خواب
تشریف لائے اور کہا ''السلام علیك یا صفوۃ اللہ:''... ایک رات حضر
ابراہیم علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور کہا ''السلام علیك یا رحمۃ اللہ:''......
رات حضرت اسماعیل علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور کہا ''السلام علیك یا
اختارہ اللہ:'' اور یوں تمام انبیاء کرام علیہم السلام مجھے مبارک وخوشخبریاں دے رہے تھے
اے آمنہ تجھے مبارک ہو کہ تو سید الانبیاء علیہ السلام کی ماں بننے والی ہے۔

(نعمۃ الکبریٰ از ابن حجر مکی ص ،،۔،،)

ہم اہل سنت و جماعت انبیاء کرام علیہم السلام والا درود شریف پڑھتے ہیں۔ وہابی اسی درود
کو شرک و بدعت اور خانہ ساز درود کہتے ہیں۔ اتنی جہالت کہ ان عقل کے اندھوں کو علم ہی نہ
کہ یہ درود انبیاء کرام اور صحابہ کرام اور درودِ جبریلی اور درودِ صدیقی ہے۔ یہ شرک و بدعت ہر
نہیں ہو سکتا کیونکہ انبیاء کرام بھی معصوم اور فرشتے بھی معصوم ہیں۔ جو ان کے درودوں کو شرک

بدعت کہے وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔

جبریل علیہ السلام کا درود شریف۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر مجھے یوں سلام کیا:

''السلام علیك یا اوّلُ السلام علیك یا آخِرُ السلام علیك یا ظاهر السلام علیك یا باطن:''

(شرح شفا علی حامش نسیم الریاض ص 425 ج 2 طبع ملتان)

صحابہ کرام کا درود۔

''الصلوۃ والسلام علیك یارسول الله:'' امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: ''والمنقول أنهم كانوا يقولون فی تحیة: ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ:'' منقول ہے کہ صحابہ کرام تحیہ پیش کرتے ہوئے بارگاہِ رسالت میں یونہی عرض کرتے تھے۔ (نسیم الریاض ص 454 ج 3 طبع ملتان، طبع بیروت ج 5 ص 18)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''السلام علیک یا نبی اللہ:''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں وہ مرتبہ ملا تھا جو کسی اور کو نہ ملا تھا، پس میں صبح سحری کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوتا اور میں کہتا ''السلام علیک یا نبی اللہ:'' اے نبی آپ پر سلام ہو۔

(نسائی حدیث 1198 مشکوۃ حدیث 6106 کتاب المناقب باب مناقب علی)

افضل عمل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما سے پوچھا ''ما وَجَدْتُما أفضَلَ الاعمالِ:'' کہ تم نے کس عمل کو افضل پایا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ''لا اله الا الله:'' میں نے کہا پھر اس کے بعد کونسا عمل؟ فرمایا: ''الصلوٰۃ علیک یارسول اللہ:'' میں نے کہا: پھر اس کے بعد کونسا عمل؟ انہوں نے فرمایا: ''حُبُّ ابی

بکر وعمر: "ابوبکر اور عمر سے محبت کرنا۔ (رضی اللہ عنہما)

(الفردوس بما ثور الخطاب ص 399 حدیث نمبر 1615، کنز العمال 11-

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تحقیق جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو

مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں سلام عرض کرتا ہوں۔ "السلام علیک یا رسول اللہ"

(القول البدیع الصلوٰۃ علیہ عند دخول المسجد ص 185 طبع سیالکوٹ

حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب مسجد میں داخل ہوتو اس طرح کہو: "

ملائکتہ علی محمد السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔"

(القول البدیع الصلاۃ علیہ عند دخول المسجد ص 185)

امام بخاری کے استاذ ابن سیرین فرماتے ہیں: جب لوگ (صحابہ کرام) مسجد

ہوتے ہیں تو بارگاہِ رسالت میں یوں سلام عرض کرتے ہیں "صلی اللہ وملائکتہ

محمد السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ:"

(القول البدیع الصلوٰۃ علیہ عند دخول المسجد ص 185)

"القول البدیع" علامہ سخاوی کی درود شریف کے متعلق وہ معتبر کتاب ہے جسے غیر

کرتے ہیں۔ تبلیغی جماعت کے مولوی زکریا صاحب اپنی کتاب "فضائل درود شریف

عبد الغفور اثری وہابی نے "احسن الکلام" میں اور رانا شفیق پسروری وہابی نے اپنے

شرعی اذان" میں اسی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ یعنی یہ کتاب سب کے نزدیک مستند

مذکورہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ" السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ"

نماز میں ہی نہیں نماز کے علاوہ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ کوئی ممانعت نہیں بلکہ یہ صحابہ کرام کا

تھا کہ وہ روضہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اور مسجد میں داخل ہوتے وقت بھی یہ سلام پڑھا کرتے

تھے اور اس کے علاوہ "السلام علیک یا رسول اللہ" بھی کہتے تھے اب ہم مسجد میں داخل

ہوتے وقت "السلام علیک یا رسول اللہ:" کہیں تو کسی کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے کیونکہ

صحابہ کرام کے مسلک پر عمل کرنے والے ہیں اور صحابہ کرام کے طریقہ سے روکنے والے بدعتی

وصال باکمال کے بعد صحابہ کا عرض کرنا: السلام علیک یا رسول اللہ"

حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے بوقتِ وصال حاضرین صحابہ کرام کو وصیت فرمائی کہ میرے وصال کے بعد جب نماز جنازہ سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کے سامنے لے جانا اور عرض کرنا: "السلام علیك یا رسول الله: " ابوبکر حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ پس اگر دروازہ کھل جائے تو مجھے اندر دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں لے جانا چنانچہ وصیت کے مطابق عمل کیا گیا۔ قفل گر گیا دروازہ کھل گیا اور آواز آئی پیارے کو پیارے سے ملا دو۔

(سیرت حلبیہ ص 365 ج 3 تفسیر کبیر ص 87 ج 21 جامع کرامات الاولیاء 379
شواھد النبوۃ 263 خصائص کبریٰ ج 2 ص 291)

اس واقعہ کو اشرف علی تھانوی نے "جمال الاولیاء ص 45" پر دیوبندی مولوی زکریا فضائل حج میں ص (791) وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی نے "تکریما لمؤمنین" ص 73) پر لکھا ہے۔

اس سے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ "السلام علیك یا رسول الله: " پڑھنا سنتِ صحابہ ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ اس درود کو خانہ ساز درود یا شرکیہ درود کہنا وہابیوں کی بکواس ہے جس کی کوئی حیثیت نہیں اور یہ درود شریف صحابہ کرام کا معمول تھا۔

وہابیوں کے امام ابن قیم کا حوالہ۔

ابوبکر محمد بن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں ابوبکر بن مجاہد کے پاس تھا کہ حضرت شبلی آئے، امام ابوبکر بن مجاہد نے اُٹھ کر ان کا استقبال کیا، معانقہ کیا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے کہا اے میرے سردار! آپ حضرت شبلی کی ایسی تعظیم کرتے ہیں حالانکہ آپ اور جمیع اہل بغداد انہیں دیوانہ تصور کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: میں نے اُن کا استقبال اسی طرح کیا ہے جیسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کا استقبال کرتے ہوئے دیکھا وہ یوں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور شبلی حاضر خدمت ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھ کر استقبال کیا اور اُن کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول

اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ شبلی کی اتنی عزت افزائی فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ ہر نماز کے بعد " لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ :" (سورۃ توبہ کی آخری آیات
سورت تک پڑھتا ہے اور پھر تین مرتبہ کہتا ہے {صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ} فرمایا
پھر حضرت شبلی میرے پاس آئے تو میں نے اُن سے پوچھا کہ تم نماز کے بعد کیا پڑھتے
اُنہوں بالکل اسی طرح بیان کیا۔

(وہابیوں کی کتاب "جلاء الافهام" لابن القيم ص ... _ الباب الرابع والمواطن العاشر والثلاثون، القول البديع ص ۲۵۱ _ الباب الرابع، دیو بندیوں کی کتاب "تبلیغی نصاب فضائل درود شریف ص ۱۱۱")

شارح بخاری امام ابن حجر کے شاگرد امام سخاوی "القول البدیع" میں نقل کرتے ہیں:

امام ابوبکر بن مجاہد نے فرمایا: ألا أَقُومُ لِمَنْ يُعَظِّمُهُ رسولُ اللهِ ﷺ رأيتُ النبيَّ ﷺ فی النومِ فَقَالَ لی يا أبابكرٍ! إذا كان فی غدٍ فَسَيَدْخِلُ عليك رَجُلٌ مِنْ أهلِ الجنةِ فإذا جاءَ كَ فَأكْرِمْهُ قَالَ ابْنُ مجاهدٍ: فَلَمَّا كانَ بعدَ ذلك بِلَيْلَتَيْنِ أو اكثرَ رأيتُ النبيَّ ﷺ فی المنامِ فقال لی: يا أبا بكر أكْرَمَكَ اللهُ كما أكرمتَ رَجُلاً مِنْ أهلِ الجنةِ فَقُلْتُ: يارسولَ اللهِ بِمَ اسْتَحَقَّ الشبلیُّ هذا منك فَقَالَ: هذا رجُلٌ يُصَلِّي خَمْسَ صَلَوَاتٍ ويَذْكُرُنِي إثرَ كُلِّ صَلاةٍ وَيَقْرَأُ: "لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ:" الآية يقولُ ذلك منذُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً أفلا أكرم مَنْ يَفْعَلُ هَذَا۔

کیا میں اُس آدمی کے لئے کھڑا نہ ہوں جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعظیم کرتے ہیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے ابوبکر! کل صبح تیرے پاس اہل جنت میں سے ایک آدمی آئے گا۔ جب وہ آئے تو اس کا اکرام و تعظیم کرنا، فرماتے ہیں: اس کے بعد دو یا اس سے زیادہ راتیں گزریں، مجھے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تیرا اکرام فرمائے جیسا کہ تونے جنتی آدمی کا اکرام کیا؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) حضرت شبلی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور

قرب کیسے نصیب ہوگیا؟ ارشاد فرمایا: یہ آدمی پانچ نمازیں پڑھتا ہے اور ہر نماز کے بعد مجھے یاد کرتا ہے اور اس آیت کی تلاوت کرتا ہے۔ {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ} (سورۃ توبہ کی آخری آیات) اور اسی (۸۰) سال سے یہ عمل کر رہا ہے۔ میں ایسے آدمی کا اکرام کیوں نہ کروں۔ (القول البدیع ص ۲۵۲ _ الباب الرابع)

؎ : مؤمن ہوں، مومنوں پہ رؤف رّحیم ہوں

سائل ہوں، سائلوں کو خوشی لا تنہر کی ہے۔

ان دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ علامہ سخاوی اور محدثِ ابوبکر بن مجاہد اور ابن قیم وہابی اور مولوی زکریا دیو بندی کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور یہ کہ بعد از وصال بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لفظ "یا" کے ساتھ خطاب کرنا جائز ہے۔ اور "الصلوٰۃ والسلام عَلَيْكَ يَا رسول الله:" پڑھنا جائز ہے۔ یہ بناوٹی درود نہیں جیسا کہ وہابیوں کا خیال ہے اگر یہ درود پڑھنا جائز نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی بھی حضرت شبلی کی تعظیم نہ کرتے اور نہ ان کو جنتی قرار دیتے۔ معلوم ہوا کہ سنی جنتی ہیں اور ان کی عزت و تکریم کرنے سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوتے ہیں الحمد للہ! سنی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہنے والے بدعتی نہیں، مشرک نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بوسے لیتے ہیں سینے سے لگاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی کہتے ہیں کہ یہ جنتی ہیں ان کی تعظیم کرنا۔ ان سے پیار کرنا۔ اب سنیوں کی دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنی اللہ کی دشمنی ہے۔

؎ عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے ۔ یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا

غوثِ وقت حضرت پیر مہر علی شاہ کا درود۔

سپاہ صحابہ کے سرپرست اعلیٰ مولوی ضیاء الرحمن فاروقی نے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ کو غوث وقت لکھا ہے۔ (تاریخی دستاویز ص ۱۱۳)

حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کلمہ { الصلوٰۃ

والسلام عَلَيْكَ يا محمد} اس کثرت سے پڑھا جاتا ہے کہ ہر طرف یہی آواز میں سنائی دیتی ہے۔ ہمارے ملک کے بعض لوگ اسی قسم کی نداء واستغاثہ واستشفاع کو کہتے ہیں۔ وہ اگرچہ نماز بظاہر اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں لیکن حدِ ادب میں بہت رکھنے کے باعث بے برکت رہتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بعض مولوی ایسے ہیں کہ جس نے { الصلوٰۃ و السلام عَلَيْكَ يَا رسول الله} کہا وہ فوراً اسے مشرک قرار دے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نداء بھی ندائے غیب تھی مگر حضرت ساریہ رضی اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نداء سے مطلع ہو جانا ثابت کرتا ہے کہ حق تعالیٰ غیب کو ظاہر کر سکتا اپنے بندوں پر فی الوقع ایسا کرتا ہے۔ (فتاویٰ مہریہ ص ۲۳۔ ملفوظات مہریہ ص 89-79 طبع گولڑہ)

آپ کے فتاویٰ میں بھی درود مستغاث کا جواز موجود ہے۔

آپ کے سوانح نگار نے لکھا ہے کہ: جہاز میں ایک صاحب درودِ مستغاث پڑھ رہے جس میں ایک فقرہ ''المستغاث الی حضرة الله تعالی الصلاة و السلام عليك رسول الله:'' بار بار آتا ہے۔ یہ درود شریف اکثر بزرگانِ دین اور خصوصاً قبلہ عالم پیر مہر علیہ الرحمہ اور ان کے متوسلین کے معمولات میں سے ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ''اس کا ناغہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں عجیب وغریب تاثیرات ہیں۔'' (مہر منیر ص ۱۱۷)

آج بھی روضہ رسول علیہ السلام پر تمام مکاتبِ فکر یہی درود پڑھتے ہیں۔

سعودیہ کے سب سے بڑے مفتی عبدالعزیز بن باز لکھتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور پست آواز کے ساتھ اس طرح سلام کرے:

* السلام عَلَيْكَ يَا رسول الله ورحمة الله وبركاته
* السلامُ عَلَيْكَ يَا رسول الله
* السلام عَلَيْكَ يَا نبي الله السلام عَلَيْكَ يَا خيرة الله من خلقه
* السلام عَلَيْكَ يَا سيد المرسلين وإمام المتقين

کیونکہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب عطا فرماتے ہیں

پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو سلام کرے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخین پر سلام پیش کرتے تو غالباً اس سے زیادہ نہیں کہتے تھے۔

* السلام علیک یا رسول اللہ
* السلام علیک یا ابابکر السلام علیک یا ابتاہ

(التحقیق والایضاح لحج والعمرۃ عربی مطبوعہ سعودیہ عربیہ طبع 1422ھ ص 91-90)

سعودیہ کے سب سے بڑے مفتی بھی یہ درود وسلام پڑھنے کا کہہ رہے ہیں جسے نجدی خانہ ساز اور شرکیہ درود کہتے ہیں۔ اب وہابی اپنے مفتی سے پوچھیں کہ تم ہمیں شرکیہ درود کی تعلیم کیوں دے رہے ہو۔ امام اہل سنت فرماتے ہیں

شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب　　اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

ناصر الدین البانی

وہابیوں کے محدث ناصر الدین البانی لکھتے ہیں: مشروع یہ ہے کہ قبر اطہر پر مختصر سلام کا ہدیہ بھیجا جائے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، وہ اسی طرح سلام کہتے "السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:"

(حج نبوی ص 166 طبع فیصل آباد)

اس کتاب کا ترجمہ وہابی مولوی صادق خلیل نے کیا ہے۔

مولوی محمد صدیق وہابی

مشہور وہابی محقق مولوی محمد صدیق وہابی آف سرگودھا لکھتا ہے: روضہ نبوی پر ان کلمات سے درود پڑھا جائے تو جائز ہے۔ {الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ}

(راہ سنت 116ص طبع سرگودھا)

وہابی حافظ محمد گوندلوی، مولوی ابوالبرکات گوجرانوالہ۔

حافظ محمد گوندلوی، مولوی ابوالبرکات آف گوجرانوالہ لکھتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ پر اس طرح درود پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ:"

(فتاوی برکاتیہ ص 177 فتاوی علمائے اہل حدیث ص 15 ج 9)

اس فتوٰی کی تصدیق وہابیوں کے محدث حافظ محمد گوندھلوی نے کی ہے۔

عبدالسلام بستوی۔

وہابیوں کے جید عالم عبدالسلام بستوی لکھتے ہیں کہ: اگر کسی نے رسول اللہ ﷺ عرض کرنے کی درخواست کی ہے تو اس کی طرف سے سلام کا پیغام پہنچادو۔ اگر تم عربی جا عربی میں ورنہ اردو میں مثلاً راقم الحروف نے تم سے اپنا سلام دربار رسالت میں پہنچا درخواست کی ہے تو یوں کہو: "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ من عبدالسلام بعدد معلو اللہ:" آپ ﷺ سلام سن کر جواب دیتے ہیں۔ (اسلامی تعلیم ص 826 ج 1 طبع لاہور)

کاش چھوٹے وہابیوں کو بھی عبدالسلام بستوی کی بات سمجھ میں آجائے کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ سلام سن کر جواب دیتے ہیں اور وہابی بحث مباحثہ چھوڑ کر {یار اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)} کہنا شروع کردیں۔

رشید احمد گنگوہی

دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی نے روضہ اطہر پر بارگاہِ رسالت میں حاضری کے وقت عرض کرنے کا لکھا ہے: "السلام علیک یارسول اللہ، السلام علیک یاخیر خلق اللہ:"
(رحمت کائنات 387 تسکین الصدور 377 زبدۃ المناسک 135 تالیفات رشیدیہ ص 9

سرفراز گکھڑوی

دیوبندیوں کے محدثِ اعظم سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں کہ: ہم اور تمام اکابر: "الصلا والسلام عَلَیْكَ یَارسول اللہ:" کو بطورِ درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہی
(درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ ص 75 طبع گوجرانوالہ)

چھوٹے دیوبندیوں کو بھی سمجھا دو کہ وہ اپنے اکابر کی کتابیں پڑھا کریں تاکہ جھگڑیں ہوں۔ جب بڑے پڑھ رہے ہیں تو چھوٹوں کو یہ درود پڑھنے سے کیوں تکلیف ہوتی ہے۔ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ صرف روضہ پاک پر ہی نہیں بلکہ ہر جگہ سے: "الصلوٰۃ والسلام علیک رسول اللہ:" پڑھا جاسکتا ہے۔

لاہور کے دیوبندیوں نے ایک رسالہ شائع کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ: وہابیہ نداء رسول اللہ ﷺ کو بھی حرام اور شرک کہتے ہیں۔ "الصلوۃ والسلام عَلَیْكَ یا رسول اللہ:" کو بھی قطعاً ناجائز کہتے ہیں اور حرمین شریفین کے رہنے والے سعید محترم بزرگوں کو جن کا محبوب ترین مشغلہ یہی صلوۃ وسلام ہے یہ لوگ بہت برا بھلا کہتے ہیں۔

(عقائد نجدیہ وھابیہ اور علمائے دیو بند ص ۰)

حسین احمد مدنی

دیوبندی مذہب کے شیخ الاسلام حسین احمد مدنی (ٹانڈوی) لکھتے ہیں کہ: وہابیہ خبیثہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں، چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا: "الصلوۃ والسلام عَلَیْكَ یا رسول اللہ:" کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل حرمین پر سخت نفریں اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور ان کا استہزاء (مذاق) اُڑاتے ہیں اور کلمات ناشائستہ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے مقدس بزرگانِ دین اس صورت اور جملہ صور درود شریف کو اگرچہ بصیغہ ء نداو خطاب کیوں نہ ہو، مستحب و مستحسن جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔ (شہاب ثاقب ص65 طبع دیوبند)

اس عبارت سے مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے:

(۱) اہل مکہ واہل مدینہ {الصلوۃ والسلام عَلَیْكَ یا رسول اللہ} پڑھتے ہیں۔

(۲) دیوبندی اکابر کے نزدیک بھی {الصلوۃ والسلام عَلَیْكَ یا رسول اللہ} جائز ہے اور وہ اپنے متعلقین کو اس کا امر کرتے ہیں۔

(۳) {الصلوۃ والسلام عَلَیْكَ یا رسول اللہ} سے روکنے والے خبیث قسم کے وہابی ہیں۔ اہل سنت کو مشرک بدعتی کہنے والے اپنے اکابر کے عقائد سے بھی ناواقف ہیں۔ یعنی بالکل جاہل ہیں اور یہ سارے جھگڑے جہالت کے ہیں۔

قاسم نانوتوی

بانی مدرسہ دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں کہ "اور الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ:" بہت مختصر ہے...... یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ (فیوضِ قاسمیہ ص49 طبع دیوبند)

اشرف علی تھانوی

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: یوں جی چاہتا ہے کہ آج درود شریف زیادہ پڑھوں اور وہ بھی ان الفاظ سے: "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ:"

(شکر النعمہ بذکر الرحمہ ص ۱۱)

اب دیوبندیوں نے اس کتاب سے یہ حوالہ نکال دیا ہے۔

تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب

تبلیغی جماعت کے شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا صاحب لکھتے ہیں: بندہ کے خیال میں اگر جگہ درود و سلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام عَلَيْكَ يَارسول اللہ وغیرہ کے الصلوٰۃ والسلام عَلَيْكَ يَارسول اللہ۔ اس طرح اخیر تک سلام کے ساتھ الصلوٰۃ کا لفظ بھی بڑھا دے تو زیادہ بہتر ہے۔

(فضائل درود ص 25 فضائل اعمال ص 702)

مزید شفاء شریف کے حوالہ سے لکھتے ہیں: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر انور کے پاس کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھے: "إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا:" اس کے بعد ستر بار " صلی اللہ عَلَيْكَ يا محمد" کہے تو ایک فرشتہ کہتا ہے: اے شخص! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل کرتا ہے اور اس کی ہر حاجت پوری کر دی جاتی ہے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ " صلی اللہ عَلَيْكَ يا محمد" کی جگہ یا رسول اللہ کہے تو زیادہ بہتر ہے۔ (فضائل حج از محمد زکریا ص 745)

اذان سے قبل اور بعد درود شریف

بعض انتہاء پسند اور متشدد لوگ کہتے ہیں کہ اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنا بدعت اور گناہ ہے اور "الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھنا جائز نہیں اور یہ نقلی اور سپیکری درود ہے۔ درود صرف ابراہیمی ہے، ان کے تسلی کے لئے انہی کی جماعت کے علماء کے فتاویٰ جات پیش کئے جاتے ہیں۔

اذان سے قبل درود شریف پڑھنے پر کوئی خاص دلیل نہ بھی ہو پھر بھی درود شریف پڑھنا جائز ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب درود پڑھنا تمام اوقات میں جائز ہے تو اذان سے قبل پڑھنا بدعت اور گناہ کیسے ہوگیا؟ یہ لوگ قرآن کریم کے احکام اور اصول سے بھی ناواقف ہیں جب کہ قرآن کہہ رہا ہے: ''وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ:'' نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ گے۔ (سورۃ الحج آیت: ۷۷)

کیا درود شریف نیکی کا کام نہیں ہے؟ رب فرماتا ہے: نیکی کے کام کرو یہ منکرین کہہ رہے ہیں۔ خبردار! نیکی کا کام نہ کرنا یہ بدعت اور گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان مانیں یا ان وہابیوں کی بکواس سنیں؟ خبردار سنیو! ان کی باتوں میں آکر ذکرِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک نہ کرنا کیونکہ یہ حاسدین ہیں۔

؎ رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے تو ہر وقت درود و سلام پڑھ رہے ہیں اور اُس میں اذان کا قبل بھی آجاتا ہے اور بعد بھی، وہی کام جو خدا کر رہا ہے اور فرشتے کر رہے ہم کریں تو بدعت اور گناہ کیسے ہوگا بلکہ یہ تو سنت ملائکہ ہے کہ ہر وقت درود پڑھا جائے۔ اگر گناہ ہوتا تو اللہ فرشتوں سے فرماتا تم ہر وقت درود پڑھتے رہو مگر جب اذان کا ٹائم ہو جائے تو تھوڑی دیر آرام کرلیا کرو کیونکہ اس وقت درود پڑھنا بدعت اور گناہ ہے لیکن جب رب تعالیٰ نے وقت کے متعلق کوئی پابندی نہیں لگائی بغیر وقت کی قید کے مطلقاً فرمادیا ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا:'' تو کسی دوسرے کو رب کے مطلق (عام) کو مقید کرنے کا حق کس نے دیا ہے کیا ان پر نئی شریعت نازل ہوئی ہے؟ اُصول کا قاعدہ ہے'' المطلق يجرى على إطلاقه:'' مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ:'' پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ (سورۃ الزلزلہ آیت: ۷) کیا درود و سلام نیکی نہیں ہے؟ حالانکہ یہ تو سب سے بڑی نیکی ہے اور سب سے بڑی عبادت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کے

حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ اذان سے قبل درود شریف پڑھنے پر کوئی خاص دلیل نہ بھی ہو تو پھر بھی درود شریف جائز اور باعثِ ثواب ہے۔ اس پر تو اتفاق ہے کہ اذان کے بعد درود و سلام پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔" إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَيَّ۔۔۔:"جب تم مؤذن سے اذان سنو تو اس کی مثل کلمات کہو پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

(مسلم حدیث:_384-577 کتاب الصلاۃ مشکوٰۃ حدیث:،،، کتاب الصلاۃ باب الاذان)

اباحتِ اصلیہ کی تحقیق

ہم نے صلوٰۃ قبل الاذان کے بہت سے دلائل پیش کئے اگر بالفرض کوئی دلیل بھی نہ ہو تو پھر بھی مسئلہ اپنی جگہ ثابت تھا کیونکہ کسی کام کے جائز ہونے کے لئے ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی، ناجائز ہونے کے لئے ثبوت درکار ہوتا ہے جو کسی کام کو ناجائز کہے ثبوت پیش کرنا اس کے ذمہ ہوتا ہے۔ وہابی اُلٹی چال چلتے ہیں کسی کام کو ناجائز کہہ دیتے ہیں مگر عدم جواز (ناجائز ہونے) کی دلیل نہیں دیتے بلکہ جائز کہنے والوں سے جواز کی دلیل مانگتے ہیں۔ یہ لوگ عوام اپنے علماء کے پاس دلیل طلب کرنے جاتے ہیں، خود ان سے نہیں پوچھتے کہ تم کس دلیل کی بنا پر ناجائز کہتے ہو۔ ہر چیز اپنے اصل میں حرام نہیں۔ اصل میں ہر چیز مباح ہے۔ حرمت و کراہت دلیل سے ثابت ہوتی ہے اور اباحت دلیل کی محتاج نہیں ہوتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کیا کرو! ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اُس نے تین بار یہی عرض کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال فرض ہوجاتا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے۔ جن چیزوں کا بیان میں چھوڑ دیا کروں تم اُن کا سوال مت کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ انبیاء علیہم السلام سے بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرتے تھے، لہٰذا جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر بقدر

استطاعت عمل کیا کرو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اُس کو چھوڑ دیا کرو۔

(مسلم حدیث:1337 کتاب الحج، مشکوۃ :2505 کتاب المناسك)

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کرنا فرض ہے اور ممنوعات سے بچنا لازم، یہ دونوں کام بقدرِ طاقت ہیں۔ اگر نماز کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر جان پر بن جائے تو مردار کھالو، اس سے معلوم ہوا کہ جیسے وجوب وفرضیت کے لئے امر ضروری ہے، ایسے ہی حرمت وممانعت کے لئے نہی لازم ہے۔ جس چیز کا حکم بھی نہ ہو اور ممانعت بھی نہ ہو وہ جائز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جو رسول تمہیں عطا کریں لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ" (سورۃ الحشر) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو کام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو وہ حرام ہے۔ یہ بات سراسر غلط ہے، قرآن شریف کے بھی خلاف ہے اور اس قسم کی احادیث کے بھی۔

(مراۃ جلد ۴ ص:۸۷)

اس حدیث کے تحت علامہ نووی لکھتے ہیں: "فيه دليل على أن الأصل عدم الوجوب، وأنه لاحكم قبل ورود الشرع:" احکام میں اصل عدم الوجوب ہے اور شریعت کے وارد ہونے سے پہلے کوئی حکم نہیں ہے۔ (شرح مسلم)

علامہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۳ ص:۴۳۵)

اباحتِ اصلیہ سے مراد یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے جن چیزوں کا حکم دیا، وہ فرض یا واجب یا مستحب ہو گئیں اور جن چیزوں سے منع کیا وہ حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہو گئیں لیکن جن چیزوں سے شارع علیہ السلام نے نہ روکا اور نہ اُن کا حکم دیا، وہ اپنی اصل پر مباح ہیں اور اُن کے کرنے یا نہ کرنے میں بندے کو اختیار اور بندہ آزاد ہے۔ مثلاً دن رات کے بعض اوقات میں شارع علیہ السلام نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور بعض اوقات نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو اوقات بچے ہیں، جن اوقات میں نماز پڑھنے کا نہ حکم ہے اور نہ نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، ان میں بندے کو اختیار ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ جمعہ کی نماز کے بعد بعض مسلمان کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، اس کا نہ حکم ہے اور نہ

ممانعت، اس لئے یہ اصالۃً مباح ہے۔ (شرح مسلم سعیدی ج ۳ ص ۶۴۸)

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔" اور نہ کہو اُسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اُن کا بھلا نہ ہوگا برتنا ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ النحل آیت ۱۱۶-۱۱۷)

یعنی حلال وحرام اپنی طرف سے نہ بناؤ، رب کی ہر چیز حلال ہے، سوا ان چیزوں کے جن کو اللہ ورسول ﷺ نے حرام فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی چیز کو حرام کہنا اللہ پر جھوٹ ہے۔ جو میلاد شریف کی شیرینی اور فاتحہ کے کھانے کو بغیر ثبوت حرام کہتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ یہ تمام چیزیں حلال ہیں کیونکہ انہیں اللہ ورسول ﷺ نے حرام نہیں فرمایا۔

(تفسیر نور العرفان ص: ۴۴۷)

رب تعالٰی فرماتا ہے:" هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا" (اللہ) ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (سورہ بقرہ:۲۹) اس سے معلوم ہوا کہ تمام قابل نفع چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو اللہ ورسول ﷺ حرام نہ فرمائیں وہ حلال ہے کیونکہ ہر چیز ہمارے نفع کے لئے ہے۔ حلال ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں، حرام نہ ہونا ہی اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ (تفسیر نور العرفان ص:۸)

کسی چیز کو مکروہ تنزیہی کہنے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: البحر الرائق، نماز عید کے باب میں کھانے کے مسئلہ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ مستحب کو نہ کرنے سے کسی چیز کا مکروہ تنزیہی ہونا، لازم نہیں آتا کیونکہ مکروہ تنزیہی کے لئے بھی مخصوص دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ کراہت ایک حکم شرعی ہے اور یہ حکم بغیر دلیل کے ثابت نہ ہوگا۔ (رد المحتار ج ۱ ص:۶۱۱) غور فرمائیے! کہ جب مکروہ تنزیہی بھی بغیر دلیل ثابت نہیں ہوتا تو بغیر دلیل کے کسی چیز کو حرام کہہ دینا کتنی بڑی جراءت ہے بلکہ مداخلت فی الدین ہے۔" وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا

عَلَيْكُمْ" اور تمہیں کیا ہوا کہ اُس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا، وہ تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا۔

وہابیوں کے ایک بڑے عالم احمد حسن دھلوی لکھتے ہیں:" وفی الباب عن ابی الدرداء رفع بلفظ: مَا اَحَلَّ اللّٰهُ فِی کِتَابِهٖ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ فَاقْبَلُوْا مِنَ اللّٰهِ عَافِيَتَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُنْ يَنْسٰى شَيْئًا وَتَلا وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا :" (اخرجه البزار وقال سنده صالح والحاكم وصححه)

اسی طرح کی ایک مرفوع حدیث حضرت سیدنا ابو درداء ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کیا وہ حلال ہے اور جس چیز کو حرام فرمادیا، وہ حرام ہے اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے عافیت کو قبول کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولتا نہیں ہے اور پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اور تیرا رب بھولتا نہیں" اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ سند صالح ہے، حاکم نے بھی اس کو روایت کیا اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔

(تنقیح الرواۃ ج ۱ ص:۱۰۱)

یہی وہابی عالم اس آیت کریمہ "قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا :" کی تفسیر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اوپر ذکر تھا کہ حرام وہی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے حرام کیا۔ انسان کو کسی چیز کے حرام ٹھہرانے کا اختیار نہیں ہے۔ (احسن التفاسیر جلد ۲ ص:۱۱۲)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے حلت وحرمت کا ضابطہ بھی بیان فرمادیا کہ جس چیز کو وحی نے حرام کیا ہے وہی حرام ہے اور جس چیز کی حرمت پر وحی کی مہر نہیں وہ حلال ہے۔

وہابیوں کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کے فتاویٰ ثنائیہ میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔

سوال: جس جائے نماز پر امام نماز پڑھاتا ہے، اگر اس جائے نماز کو علیحدہ فرش پر بچھا کر نماز پڑھ لیں تو ہماری نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے منع پر کوئی دلیل نہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے جب تک میں
نہ کروں، منع مت سمجھو۔ (جلد ۲۴ ص:۱۶-۱۷)

شرفیہ مولانا کا اشارہ اس حدیث شریف کی طرف ہے "ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ
هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ:"

(اخرجه مسلم. ابو سعید شرف الدین. فتاوی ثنائیه ج، ص:...)

معلوم ہوا کہ حلت وحرمت کے اس ضابطہ کو وہابیوں کے اکابر نے بھی تسلیم کیا ہے اسی
کی روسے بھی "اذان سے قبل درود شریف" جائز ہے، اس لئے کہ اذان سے قبل
کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے درود پڑھنا منع نہیں فرمایا۔

سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم کا فتویٰ درود شریف تمام اوقات میں پڑھنا جائز

عبد العزیز بن باز لکھتے ہیں: وهي مشروعة في جميع الاوقات ، ومتاكدة
آخر كل صلاة ، بل واجبة عند جمع من اهل العلم في التشهد الاخير
كل صلاة وسنة مؤكدة في مواضع كثيرة، منها ما بعد الاذان، وعند ذكره
وفي يوم الجمعة وليلتها _ كما دلت على ذلك أحاديث كثيرة۔ یہ درود
اوقات میں پڑھنا جائز ہے اور نماز کے آخر میں اس کی تاکید آئی ہے بلکہ اہل علم کا اس پر
ہے کہ ہر نماز کے آخری تشہد میں اس کا پڑھنا واجب ہے یعنی اس کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی
متعدد مقامات پر سنتِ مؤکدہ ہے۔ ان میں سے ایک مقام اذان ہونے کے بعد کا ہے، اسی طرح
جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نامِ نامی اسم گرامی کی آواز کانوں میں سنائی دے تو اس وقت درود
شریف پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے، نیز جمعہ اور جمعہ کی رات کو اس کا پڑھنا سنتِ نبوی ہے کیونکہ
کثرت سے حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ (الاحتفال بالمولد النبوی ص:...)

سعودیہ کے مفتیٔ اعظم کا فتویٰ دینا کہ یہ درود تمام اوقات میں پڑھنا جائز ہے۔ اب کسی کو
اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنے پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ اذان کے بعد درود
شریف پڑھنا سنتِ مؤکدہ کہہ رہے ہیں یعنی جائز تو پہلے بھی ہے لیکن بعد میں سنتِ مؤکدہ ہے
۔ اب میں دنیائے وہابیت کو مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اگر اُن کو اذان سے قبل درود شریف پڑھنے

پر اعتراض ہے تو کوئی بات نہیں وہ اذان کے بعد ہی درود شریف پڑھنا شروع کر دیں کیونکہ اس کے متعلق واضح حدیث ہے اور ابن باز کے فتوی کے مطابق سنتِ مؤکدہ ہے۔ اگر پھر بھی کوئی سنتِ مؤکدہ کو چھوڑ دے تو وہ اہل حدیث کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ وہ منکر حدیث ہے۔ معلوم ہوا کہ اصلی اہل حدیث اور اصلی اہل سنت وہ ہیں جو سنتِ مؤکدہ پر عمل کرتے ہیں۔ بعض اذکار کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ انہیں نماز کے بعد کیا جائے، اگر انہیں نماز کے بعد کرنے کے علاوہ دیگر اوقات میں بھی کر لیا جائے تو کیا وہ اذکار باعثِ اجر ہیں یا باعثِ گناہ ہیں۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرسِي فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ. ‘‘ جو شخص نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے، اُس کو جنت میں داخل ہونے سے سوائے موت کے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی۔

(مشکوۃ حدیث:... کتاب الصلاۃ باب الذکر بعد الصلاۃ)

اگر کوئی شخص آیت الکرسی نماز سے قبل اور بعد دونوں جگہ پڑھ لے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ اجر کا مستحق ہوگا کہ اُس نے کوئی بُرا کام نہیں کیا، اللہ کا قرآن پڑھا ہے اور قرآن کی تلاوت نماز کی طرح وقت کے ساتھ مقید نہیں جیسے تمام اوقات میں تلاوت جائز ہے ایسے ہی تمام اوقات میں درود شریف پڑھنا بھی جائز ہے۔

نماز کے بعد تسبیح پڑھنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’من سبح الله فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. ‘‘ جو ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر کہے، یہ (۹۹) ننانوے بار ہوا اور سو کی گنتی پوری کرنے کو یہ کلمہ پڑھ لے۔ ’’لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ‘‘ تو اُس کے گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کی طرح ہوں۔

(مسلم حدیث:...، (مشکوۃ حدیث:... کتاب الصلاۃ باب الذکر بعد الصلاۃ)

اس حدیث میں نماز کے بعد تسبیح پڑھنے کا حکم ہے لیکن اگر کوئی اس تسبیح کو نماز سے
بعد بھی پڑھ لے تو ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ ہوگا اور ضرور ہوگا کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ
کیا ہے کوئی جرم نہیں کیا، سزا کیسی؟ جیسے اللہ تعالیٰ کا ذکر تمام اوقات میں جائز ہے، اللہ
فرماتا ہے: ''وَاذْكُرُوا اللّٰهَ'' ایسے ہی درود شریف تمام اوقات میں جائز ہے۔ ''صَلُّوْا
وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' یہ ناجائز صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب قرآن و حدیث
اس کی واضح ممانعت دکھادی جائے ورنہ کسی کے قول کی کیا اہمیت ہے۔ منع کرنے
مبلغ بنیں، شارع اسلام بننے کی کوشش نہ کریں۔

قرآن کے بعض احکام کی ترتیب بدلنے سے آدمی گناہگار نہیں ہوتا۔

مثلاً ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا:'' درود پڑھنے کا پہلے حکم ہے اور سلام
لیکن نماز میں سلام پہلے پڑھا جاتا ہے: ''السلام علیك ایها النبی...'' درود
'' اللهم صل علی محمد...:'' اسی طرح قرآن میں آیا ہے، پہلے کھاؤ پھر
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا:'' (سورۃ الاعراف:۳۱ پارہ:۸) اگر کوئی کھانے سے پہلے پانی لے تو کیا وہ
منکر اور دوزخی ہے۔ جو کام بعد میں کرنے کا حکم تھا، اس نے پہلے کرلیا ہے۔ دنیا کے کسی
کھانے سے پہلے پانی پینے والے کے منکر قرآن ہونے اور دوزخی ہونے کا فتویٰ
کیونکہ کھانے پینے کا مطلق حکم ہے، پانی پہلے پیو یا بعد میں ہر طرح جائز ہے۔ ''
اشْرَبُوْا:'' اگر قرآن کے احکام کی ترتیب بدلنے سے آدمی گنہگار نہیں ہوتا تو حدیث کی
بدلنے سے آدمی گنہگار کیوں ہوگا کیونکہ قرآن میں ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''
مطلق حکم ہے کسی قسم کی کوئی قید نہیں، حدیث میں جہاں اذان کے بعد درود پڑھنے کا حکم ہے
اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت درود پڑھنا سنت ہے لیکن ہرگز اس کا مطلب یہ نہیں کہ
خاص مقام کے علاوہ اور کسی مقام پر درود ناجائز ہے جیسا کہ نماز کے بعد آیت الکرسی
پڑھنے کی مثال ہے۔ اسی طرح اذان سے پہلے درود پڑھنا عمومی دلائل کی وجہ سے جائز
مستحب ہے، بلاوجہ اسے منع نہیں کرسکتے ورنہ کھانے سے پہلے پانی پینا بھی منع ہوگا۔

دُعا اذان کے بعد ہے، اگر اذان سے قبل دعا مانگی جائے تو کیا اس سے سنت کی مخالفت ہو گی؟

حضرت عروہ بن زبیر ﷜ بیان کرتے ہیں کہ بنی نجار کی ایک عورت نے کہا: کہ مسجد کے اردگرد گھروں میں سے میرا گھر سب سے طویل تھا اور حضرت بلال ﷜ اُس پر فجر کی اذان دیا کرتے تھے چنانچہ وہ سحری کے وقت آتے اور گھر کے اوپر بیٹھ جاتے، فجر کو دیکھتے رہتے جب صبح صادق کو دیکھتے تو انگڑائی لیتے پھر کہتے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُكَ وَاَسْتَعِیْنُكَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یُّقِیْمُوْا دِیْنَكَ:" اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور قریش پر تیری مدد چاہتا ہوں کہ وہ دین کو قائم کریں۔ کہا پھر وہ اذان کہتے اُس صحابیہ نے کہا، خدا کی قسم میں نہیں جانتی کہ آپ نے کسی رات ان کلمات کو ترک کیا ہو۔

(ابو داود حدیث 435_ "کتاب الصلاۃ باب الاذان فوق المنارۃ"، اس حدیث کو ناصر الدین البانی نے حسن قرار دیا ہے)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت بلال ﷜ اذان سے قبل دعا مانگا کرتے تھے اور دعا کے متعلق آپ حدیث پڑھ چکے ہیں کہ وہ اذان کے بعد ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت بلال ﷜ کو اذان کی تعلیم دی تھی، اذان سے قبل دعا مانگنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ انہوں نے خود ہی یہ دعا ایجاد کی اور اذان سے قبل التزاماً ہمیشہ یہ دعا مانگتے رہے حالانکہ دعا کا محل اذان کے بعد ہے مگر درود شریف پر اعتراض کی صورت میں ان پر بھی یہ اعتراض آتا ہے کہ انہوں نے دعا کا محل بدل ڈالا اور سنت کی مخالفت کی۔ کیا حضرت بلال ﷜ کے عاشق رسول ﷺ ہونے میں کسی کو شک ہے، ہرگز نہیں۔ اگر درود شریف اذان کے بعد ہے تو دعا بھی تو اذان کے بعد ہے، اگر حضرت بلال ﷜ اذان سے قبل دعا مانگ لیں اور اذان کے بعد بھی مانگ لیں تو کوئی حرج نہیں، کسی سنت میں تبدیلی نہیں آئی، کیا کسی میں ہمت ہے کہ ان پر فتویٰ لگائے کہ تم نے بدعت کا ارتکاب کیا ہے (نعوذ باللہ) یہ اذان میں اضافہ ہوگا، ہرگز نہیں کیونکہ دعا تمام اوقات میں جائز ہے۔ اسی طرح درود شریف کا حکم اذان کے بعد ہے، اگر اذان سے پہلے اور بعد میں بھی درود و سلام

پڑھ لیا جائے تو کوئی گناہ نہیں اور کسی سنت میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ اذان سے قبل درود
پڑھنا اذان میں اضافہ نہیں کیونکہ درود شریف تمام اوقات میں جائز و مستحب ہے۔ اگر
سے قبل درود شریف پڑھنے پر کسی کو اعتراض ہے تو نہ پڑھے، اذان کے بعد پڑھ لے
اذان کے بعد درود شریف پڑھنا تو مسلم شریف کی حدیث سے ثابت ہے لیکن مخالفین
بھی نہیں پڑھتے۔ معلوم ہوا کہ سنت پر عمل کرنا مقصد نہیں درود شریف سے روکنا
ہے۔ رانا شفیق پسروری اس حدیث کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اگر
ضعیف بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے احکام نہیں بلکہ فضائل ثابت کئے جا رہے
اگر اس نے اپنے روحانی باپ ناصر الدین البانی کی صحیح ابوداود پڑھی ہوتی تو یہ بات
البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دوسرا اس کا یہ کہنا کہ اس سے مراد سحری کی اذان
جھوٹ اور جہالت ہے، حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو اس بات کی تائید کرے بلکہ
کے واضح لفظ موجود ہیں اور پھر اپنے جھوٹ کو احناف اور ابن حجر عسقلانی کے ذمہ لگا
انہوں نے ایسا کہا ہے، بالکل جھوٹ اور بددیانتی ہے۔ اگر سچا ہوتا تو ان کتابوں کے
پیش کرتا، حوالے اس لئے نہیں دیئے کہ میرا مکر و فریب ظاہر ہو جائے گا۔ میں پوچھتا ہوں
الباری بخاری کی شرح ہے یا ابوداؤد کی؟

کیا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا اذان میں اضافہ ہے۔

درود شریف کا اذان سے پہلے یا بعد میں پڑھا جانا ہرگز اذان میں اضافہ نہیں ہے۔
اذان سے پہلے درود شریف اضافہ ہے تو پھر اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنا اذان میں
اضافہ ہوگا نبی کریم ﷺ نے جو اذان کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم دیا ہے، کیا یہ
میں اضافہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر اذان کے بعد درود شریف پڑھنا اذان میں اضافہ نہیں کہا جا
تو عمومی دلائل کی بنا پر اذان سے قبل درود شریف پڑھنا اذان میں اضافہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔
صرف وہابیوں کا ہم پر الزام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ کسی سنی عالم نے یہ نہیں کہا کہ
اذان سے قبل درود شریف نہ پڑھا جائے تو اذان نامکمل ہے۔ اضافہ یہ ہے کہ اذان کے کلمات
میں اضافہ کیا جائے جیسا کہ شیعہ کرتے ہیں۔ اگر اذان سے درود شریف پڑھنا اذان

اضافہ ہے تو پھر تلاوت سے پہلے بسم اللہ۔۔۔ پڑھنا قرآن میں اضافہ اور تبدیلی ہو گی کیونکہ تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ۔۔۔ پڑھنے کا حکم ہے بسم اللہ۔۔۔ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ تو اب ان لوگوں کی قرآن کی تلاوت اور خطبوں میں بسم اللہ۔۔۔ پڑھنی ترک کر دینی چاہیے اگر تلاوت سے پہلے بسم اللہ۔۔۔ پڑھنی قرآن میں تبدیلی اور اضافہ نہیں ہے تو اذان سے قبل درود شریف اور بسم اللہ۔۔۔ پڑھنا بھی اذان میں اضافہ و تبدیلی ہرگز نہیں ہے۔

وہابیوں کا وہم

وہابی کہتے ہیں کہ کوئی وقت ایسا بھی آ جائے گا کہ درود شریف کو اذان کے الفاظ کا جزء سمجھا جانے لگے گا۔ علامہ عبد الغفور حسین آبادی فرماتے ہیں: یہ نرا وہم ہے، مسلمان درود و سلام اور اذان کے فرق کو بخوبی سمجھتے ہیں، اذان کانوں میں انگلیاں ڈال کر پڑھی جاتی ہے۔ درود شریف میں ایسا نہیں کیا جاتا۔ نیز موذن درود شریف پڑھ کر کچھ وقفہ کرتا ہے پھر اذان شروع کرتا ہے۔ اس طرح کا شبہ اس صورت میں ہو سکتا تھا جب درود شریف بھی کانوں میں انگلیاں ڈال کر پڑھا جاتا یا اذان کے درمیان میں پڑھا جاتا۔ اس قسم کے اوہام کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ دیکھئے بسم اللہ کسی سورۃ کا جزء نہیں، سوائے اس بسم اللہ کے جو سورت نمل کے دوسرے رکوع میں ہے پھر بھی سورۃ برات کے سوا ہر سورت کے شروع میں پڑھی جاتی ہے اور یہ وہم بالکل نہیں کیا جاتا کہ اس طرح لوگ بسم اللہ کو سورۃ کا جز سمجھنے لگیں گے۔ گریز و فرار کی راہ اختیار کرنے والے ہی بہانے بناتے ہیں۔ (انوار العرفان)

وہابی رانا شفیق پسروری کا حدیث میں اضافہ اور خیانت کرنا۔

اذان سے قبل درود شریف پڑھنے سے روکنے کے لئے ایک شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی کو چھینک آئی، اس نے کہا۔ الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا یہ کیا؟ ہمیں تو اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے الحمد للہ کا سبق دیا ہے (تم یہ کیوں کہہ رہے ہو ایسا نہ کرو بلکہ تعلیم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق کرو

اب وہابی کی جہالت کا اندازہ کرو:

(۱) اس نے پوری حدیث نہیں لکھی اگر لکھتا تو اس کا مدعا ثابت نہ ہو سکتا۔

(۲) اس نے ترجمہ غلط کیا لیکن پھر بھی اس کا مدعا ثابت نہ ہو سکا تو بریکٹ میں اپنی طرف سے ایک بات لکھ کر صحابی رسول ﷺ کی طرف منسوب کر دی۔

(۳) یہ حدیث مشکوٰۃ، ترمذی، القول البدیع، اور جلاء الافہام میں بھی ہے لیکن وہاں والصلوٰۃ کے الفاظ نہیں ہیں، درود کے دشمن نے اپنی طرف سے یہ الفاظ زیادہ کر دیے جو اس کی جہالت کا بین ثبوت ہے۔ اکثر خود ساختہ اہل حدیثوں کا یہی وطیرہ ہے کہ اصل عبارت کاٹ کر اپنی مرضی کے الفاظ داخل کر دیتے ہیں۔ حال ہی میں غیر مقلدین نے حضور غوث اعظم کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کو اردو ترجمہ میں ڈھال کر مع متن کے چھاپا اور چالاکی یہ کی کہ کتاب میں بیس تراویح کی جگہ آٹھ تراویح لکھ مارا تا کہ عوام سمجھیں کہ حضور غوث اعظم بھی ان غیر مقلدین کی طرح آٹھ تراویح پڑھتے تھے چنانچہ ملاحظہ ہو: ''وھی احدی عشرۃ رکعۃ مع الوتر:'' اور تراویح وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں۔

(غنیۃ الطالبین مکتبہ سعودیہ کراچی ص ۵۰۰)

حالانکہ ''غنیۃ الطالبین'' دنیا کی کثیر الاشاعت مشہور کتاب ہے اور اس میں صاف لکھا ہے: ''صلوٰۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ و ھی عشرون رکعۃ:'' نماز تراویح سنت ہے اور اس کی بیس رکعت ہیں۔ ''غنیۃ کے عربی متن اور فارسی اور اردو ترجمہ کے ہر نسخہ میں یہ عبارت انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے'' لیکن سنگدل اور بددیانت وہابیہ نے (عشرون) بیس کا اصل لفظ اڑا دیا اور عبارت میں اپنی طرف سے احدی عشرۃ یعنی گیارہ کا لفظ شامل کر کے مع الوتر کا ازخود اضافہ کر دیا۔ اگر وہابی سچے ہیں تو انہوں نے یہ بددیانتی کیوں کی ہے؟ حضور غوث اعظم ﷺ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام قرأت کرے توتم خاموشی سے متوجہ ہو کر سنو۔ (غنیۃ ص ۷۳۹) حضور غوث اعظم ﷺ فرماتے ہیں: نجات پانے والا فرقہ اہل سنت و جماعت ہی ہے۔ (غنیہ ۱۹۲) حکیم صادق نے اپنی کتاب میں یہ روایات کیوں درج نہیں کیں؟ اس سے حکیم کی بددیانتی وخیانت کا پتہ چلتا ہے۔

اب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اصل حدیث ملاحظہ ہو۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے برابر میں چھینک لی، اس نے کہا "الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ:" آپ نے فرمایا: میں بھی اسی طرح کہتا ہوں " الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ:" مگر ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے اس طرح نہ سکھایا، ہمیں یہ سکھایا ہے "الحمد للہ علی کل حال:"

(ترمذی کتاب الادب باب ما یقول العطاس حدیث :2662 مشکوۃ کتاب الادب باب العطاس حدیث :4744)

اگر اس حدیث کو صحیح یا حسن بھی تسلیم کرلیا جائے تو تب بھی اس سے درود شریف کی ممانعت ثابت نہیں ہو رہی کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں خود ایسا کہتا ہوں اگر درود شریف ناجائز ہوتا تو خود ایسا کیوں کہتے یعنی جائز تو ہے لیکن اس کو سنت اعتقاد نہ کرنا بلکہ اس کے برعکس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے چھینک کے ساتھ درود شریف پڑھنا ثابت ہے۔ رانا پسروری نے اپنے اس مضمون میں القول البدیع اور ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے حوالے دیے ہیں، میں بھی انہی کتابوں سے حوالہ پیش کر رہا ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی نے چھینک ماری، آپ نے اس سے فرمایا کہ "لقد بخلت هَلَّا حيث حَمِدْتَ الله تعالى صَلَّيْتَ عَلَى النبی ﷺ:" تو نے بخل سے کام لیا جب تو نے اللہ کی حمد کی تو نبی کریم ﷺ پر درود شریف کیوں نہیں پڑھا۔

(بیہقی القول البدیع الصلاۃ عند العطاس ص 226-225)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ایک آدمی نے چھینک ماری، وہ الحمد للہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا "ألا أتممتها بالتسليم على رسول الله ﷺ:" تو نے رسول اللہ ﷺ پر سلام پڑھنے کے ساتھ اس کو مکمل کیوں نہیں کیا۔ (ابن شکوال) یہ حدیثیں لکھنے کے بعد امام سخاوی لکھتے ہیں: ابو موسیٰ مدینی چھینک کے وقت درود شریف پڑھنے کو مستحب کہتے ہیں لیکن ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے اور ایک حدیث نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تین مقام پر مجھے یاد نہ کرو: چھینک، ذبح اور تعجب کے وقت۔ دیلمی اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے، اس میں ایسے راوی ہیں جن پر حدیثیں گھڑنے کی تہمت ہے اور یہ حدیث صحیح نہیں۔

(القول البدیع الصلوۃ عند العطاس ص 226-225)

ابن قیم نے یہ حدیث لکھنے کے بعد کہا کہ حدیث صحیح نہیں، اس میں تین علتیں ہیں
کی سند منقطع ہے، اس میں عبدالرحیم راوی ضعیف ہے، سلیمان بن عیسیٰ متفرد ہے اور
بیہقی نے کہا کہ اسے حدیث گھڑنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

(جلاء الافهام المواطن السابع و العشرون ص 254-253-252)

یعنی چھینک کے وقت درود شریف سے ممانعت والی حدیث من گھڑت ہے۔
موضوع حدیث کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا نہیں چھوڑا جا سکتا
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث جو رانا پسروری نے لکھی، اس کے متعلق ترمذی نے
"هذا حديث غريب لانعرفه الا من حديث زياد بن الربيع:" اور امام حاکم
طبرانی کے حوالہ سے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث لکھی اور کہا: "وسنده ضعيف"
حدیث ضعیف ہے۔ اب جب کہ چھینک کے وقت درود شریف پڑھنے کا استحباب ثابت ہو
گیا تو اذان کے وقت درود شریف پڑھنے کا بدرجہ اولیٰ استحباب ثابت ہو جائے گا۔

خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا دعائے ماثور کا اضافہ کرنا۔

اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دعا میں اضافہ کے قائل نہ ہوتے تو خود
رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اضافہ نہ کرتے۔ نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول
کی تلبیہ پر ان الفاظ کا اضافہ کرتے تھے: "لبيك وسعديك والخير بيديك لبيك
والرغباء اليك والعمل:" (مسلم حدیث،،، کتاب الحج)

اب لگاؤ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر فتویٰ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی
تلبیہ پر اضافہ کیوں کیا۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جملے بھول گئے تھے یا دعا ناقص چھوڑ دی
دعا میں اضافہ ناجائز ہے جیسا کہ وہابی کہتے ہیں تو کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ناجائز کام
کیا۔ وہابیو! کچھ تو شرم کرو، تمہارے فتویٰ سے تو صحابہ بھی محفوظ نہیں رہتے۔ کیا صحابہ کرام نے
دین کو زیادہ سمجھا تھا یا تم نے؟ اگر تم نے حدیث کا مطالعہ کیا ہوتا تو اتنی جہالت کا مظاہرہ نہ
کرتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تلبیہ میں اضافہ کرتے ہیں کسی صحابی نے ان پر بدعت کا
فتویٰ نہیں لگایا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی ہوئی تلبیہ میں اضافہ کر دیا ہے۔

میں اضافہ کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے یا کوئی وہابی
کیا کہ دعا میں یا درود شریف
ت کرے کہ صحابہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس تلبیہ کا انکار کیا ہو۔

ول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دُعائے ماثور میں اضافہ کیا گیا۔

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے
ے جب آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''سمع اللہ لمن
مدہ:'' تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے کہا'' ربنا و لك الحمد حمدًا كثيرًا طيبًا
ارکا فیہ:'' جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی کس نے یہ کلمات کہے
ں؟ وہ بولا میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے چند اور تیس فرشتوں کو دیکھا کہ ان
ں جلدی کر رہے ہیں کہ پہلے کون لکھے

(بخاری 757-799 مشکوٰۃ کتاب الصلاۃ باب الرکوع حدیث 877)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کے لے جانے میں
دی کر رہے ہیں کہ کون پہلے بارگاہِ الٰہی میں پیش کرے۔

(مسلم 942-600 مشکوٰۃ کتاب الصلاۃ باب مایقرا بعد التکبیر حدیث 814)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قومہ میں صرف ''سمع اللہ لمن
مدہ:'' کہنے کی تعلیم دی تھی لیکن اس صحابی نے اس دعا میں اپنی طرف سے اضافہ کیا تو نبی
ریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ اس کی تحسین فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ
ئے ماثور میں اضافہ ناجائز وحرام نہیں ہے۔ جو اس کو ناجائز یا حرام کہے اس پر لازم ہے کہ وہ
ں پیش کرے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو جائز قرار دے رہے ہیں تو اور کسی کو کیا حق ہے
وہ اپنی طرف سے خود ساختہ شریعت بنا کر لوگوں پر فتوے صادر کر کے دائرہ اسلام کو تنگ
رتا ہے۔

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز
ھی، مجھے چھینک آ گئی، میں نے کہا'' الحمد لله حمدًا كثيرًا طيبًا مُبارَكًا فِيهِ
بارکًا علیہ کما یُحِبُّ رَبُّنَا وَ یَرْضٰی:'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

نماز میں کلام کرنے والا کون تھا؟ کوئی نہ بولا پھر دوبارہ یہی فرمایا کوئی نہ بولا پھر
فرمایا تو رفاعہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں ہوں، تب نبی کریم
نے فرمایا: اس کی قسم! جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے کہ اس پر
چند فرشتوں نے جلدی کی کہ کون اسے لے کر چڑھے۔

(ابو داؤد 656-773 ترمذی 369-404 نسائی 922-1052 مشکوۃ کتاب ال
مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ حدیث 992)

اس حدیث کے تحت ایک وہابی مولوی عبدالجبار غزنوی لکھتا ہے، حدیث میں ت
جواب میں فقط اس قدر وارد ہے "الحمد للہ علی کل حال:" یہ زیادت اس شخص
طرف سے کی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تحسین فرمائی، اس کے نظائر بکثرت
کا استیعاب کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن جائے گی۔ غرضیکہ اس قسم کی زیادت
سے نہیں بلکہ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ، جو اپنی طرف سے نیکی کا کام کرے
کے لئے بہتر ہے۔ میں داخل ہیں۔

(فقط عبد الجبار، سید محمد نذیر حسین، فتاوی نذیریہ ج: ص: کتاب
والدعوات ناشر مکتبۃ المعارف الاسلامیہ گوجرانوالہ) اس فتوی پر وہابی
الحق عظیم آبادی کا بھی حوالہ لکھا ہے۔ (عون المعبود ص409 ج

جب نبی کریم ﷺ جنہوں نے خود چھینک کا جواب تعلیم فرمایا تھا، اس جیسی
زیادتی پر ناراض نہیں ہوتے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ چھینک کے جواب پر سلام پڑھنے پر ناراض
کیسے ہو سکتے تھے۔ جب کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حج کی تلبیہ میں خود اضافہ فرما رہے ہیں
ہوا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث درایتاً صحیح نہیں ہے۔ وہابیوں کو چاہئے اذان
قبل درود و سلام روکنے کے لئے کوئی اور حدیث تلاش کریں اس حدیث سے ان کا مدعا
نہیں ہو رہا۔ وہابیوں نے مسلمانوں پر جتنے فتوے لگائے ہیں وہ تمام ان کے اکابر عبدالجبار
سید محمد نذیر حسین اور شمس الحق عظیم آبادی وغیرہ پر لوٹ گئے ہیں جنہوں نے الفاظ ماثورہ درود
شریف اور دعاؤں میں بعض الفاظ زیادہ کرنے کی اجازت دی اور اسے حدیث سے ثابت کیا
پہلے ان کو بدعتی لکھ کر دو پھر ہماری طرف رجوع کرنا۔

اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا

بوقت اذان انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا یہ ایک مستحب عمل ہے فرض یا واجب نہیں۔ مستحب عمل حدیث ضعیف سے بھی ثابت ہو سکتا ہے اس کے ثبوت کے لئے صحیح یا حدیث حسن ضروری نہیں۔ اس عمل کو حرام اور بدعت کہنا محض جہالت ہے۔ جب تک ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے۔ استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے اس کے جواز پر بے شمار دلائل ہیں اور منع پر ایک بھی دلیل نہیں۔ اس کا حکم نوافل کی طرح ہے۔ اگر کوئی یہ عمل کرے تو ثواب پائے گا اور اگر نہ کرے تو گنہگار نہیں لیکن اس کو ناجائز نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ اور سلف صالحین کی سنت ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں: ذکرہ الدیلمی فی (الفردوس) من حدیث أبی بکر الصدیق : أنه لما سمع قول المؤذن (اشهد أن محمدًا رسولُ الله) قال هذا وقبل باطن الأنملتین السبابتین ومسح عینیه فقال ﷺ : مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِی فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِی. ولا یصح

دیلمی نے ''کتاب الفردوس'' میں حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کی یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے کہ جب انہوں نے مؤذن کو'' اشهد أن محمدًا رسولُ الله کہتے سنا تو یہ دعا پڑھی اور شہادت کی دونوں انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا: جو ایسا کرے جیسا کہ میرے پیارے نے کیا تو اس پر میری شفاعت حلال (واجب) ہو گئی اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت کا نام دیتے ہیں۔ (مقاصد الحسنہ ص :450 حدیث :1021)

اور ملا علی قاری رحمہ الباری نے تحریر کیا ہے: علامہ سخاوی نے کہا: انگوٹھے چومنے کے بارے میں احادیث کی اسانید صحیح نہیں ہیں (یعنی حسن یا ضعیف ہیں) ملا علی قاری اس کے جواب میں فرماتے ہیں'' قُلْتُ وإذا ثَبَتَ رَفْعُهُ عَلَى الصدیق فیکفی للعمل لقوله ﷺ

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" جب صحیح سند سے یہ ثابت ہو گیا
ابوبکر صدیق ﷺ نے اذان میں انگوٹھے چومے ہیں تو یہ ہمارے عمل کے لیے کافی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کر
(موضوعات کبیر ص :210 حدیث :829)

علامہ طحطاوی اور علامہ ابن عابدین شامی نے فقیہ کبیر علامہ ...
حوالہ سے لکھا ہے: ویستحب أن یقال عند سماع الأولی من الشهادة
علیك یارسول الله وعند الثانیة منها قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ یارَسُولَ
یقول اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِی بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ بَعْدَ وَضْعِ ظُفْرَیِ الإِبْهَا...
الْعَیْنَیْنِ فإنه علیه السلام یَكُوْنُ قَائِدًا لَّهٗ إِلَی الْجَنَّةِ۔ ترجمہ: پہلی مرتبہ
أن محمدًا رسولُ الله" سن کر اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھ کر "صلی اللہ علیک ...
کہنا اور دوسری مرتبہ "اشهد أن محمدًا رسولُ الله" سن کر "قُرَّةُ ...
یارَسُولَ اللهِ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِی بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" کہنا مستحب ہے۔ اس کے ...
علامہ شامی نے دیلمی کی کتاب الفردوس کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ...
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اذان میں "اشهد أن محمدًا رسولُ الله ...
کر آنکھوں پر انگوٹھے رکھ کر چومے، میں اس کی قیادت کر کے اس کو جنت کی صفوں میں ...
کر دوں گا۔

(حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار جلد 398/1 دار الفکر بیروت مطلب ...
تکرار الجماعة فی المسجد)

اسی کے متقارب المعنیٰ حدیث علامہ طحطاوی نے بھی مرفوعاً ذکر کی ہے ...
تصریح کی ہے کہ فضائل اعمال میں اس قسم کی احادیث کافی ہیں۔
(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح)

(تفسیر روح البیان پارہ، سورہ مائدہ زیر آیت وإذا نادیتم إلی الصلاة ...
انجیل برناباس میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نورِ مصطفوی) کے ...

تمنا کی، وہ نور آپ کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ آپ نے فرطِ محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ معلوم ہوا کہ انگوٹھے چومنا ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔

اعتراض: حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نورِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھا تو چوما لیکن تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو، چومنے کی جو وجہ وہاں تھی یہاں نہیں ہے۔

جواب: حضرت ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں صفا مروہ پر دوڑیں، آج تم حج میں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں شیطان کو کنکر مارے۔ اب تم حج میں وہاں کیوں کنکر مارتے ہو؟ وہاں اب شیطان آپ کو کونسا دھوکہ دے رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص ضرورت سے طواف میں رمل کیا (پہلوانوں کی طرح چلے) کفارِ مکہ کو اپنی طاقت دکھانے کے لئے۔ بتاؤ اب تم طوافِ قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ انبیاء کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار ہمیشہ باقی رکھی جاتی ہے، اگرچہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ انگوٹھے چومنے والی سنت بھی ہے۔

(جاء الحق ص 402/1)

ائمہ اہل بیت کا فرمان۔

شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب فرماتے ہیں: فقیہ محمد بن سعید خولانی سے مروی ہوا کہ انہوں نے فرمایا مجھے فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے خبر دی کہ مجھے فقیہ زاہد ہلالی نے حضرت امام حسن علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی کہ حضرت امام نے فرمایا: کہ جو شخص مؤذن کو اشهد أن محمدًا رسولُ الله کہتے سن کر یہ دعا پڑھے **مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم** اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے، وہ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

(مقاصد حسنه 451)

مسجد نبوی کے امام کا عمل۔

شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب اپنی تاریخ میں ...
سے کہ سلف صالحین میں سے تھے نقل کیا کہ میں نے انہیں فرماتے سنا جو شخص ...
کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سن کر کلمہ کی انگلی اور اور انگوٹھا ملائے انہیں بوسہ ...
آنکھوں سے لگائے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ یہی امام فرماتے ہیں: اللہ ہی کے ...
وشکر ہے جب سے میں نے یہ عمل سنا اس کو اپنا معمول بنالیا، آج تک میری آنکھیں نہ دکھیں ...
میں امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا۔ (مقاصد حسنہ ...

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے مسجد نبوی کے امام بھی سنی تھے اور وہ انگوٹھے چو...
تھے۔ اب امام تو سنی نہ رہے لیکن مؤذن اب بھی سنی ہیں اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر ...
ہیں بلکہ اپنے گھروں میں محفلیں کرواتے ہیں۔ ایک وقت آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں ...
امام بھی سنی ہوں گے اگر ہم وہ وقت نہ دیکھ سکے تو ہماری نسلیں ضرور دیکھیں گی۔ یہاں ...
محافلِ میلاد ہوں گی اور نعتیں پڑھی جائیں گی۔ ان شاء اللہ عزوجل

ولیوں کے ولی سیدنا امام ربانی مجددِ الف ثانی کا عمل۔

''جواہر مجددیہ'' میں ہے: حضرت مجددِ الف ثانی قدس سرہٗ جس وقت اذان سنتے ...
جواب دیتے اور بوقتِ شہادتِ ثانیہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگاتے اور قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ
یا رَسُولَ اللہ پڑھتے۔ جواہر مجددیہ ص ... مصنفہ خواجہ احمد حسین نقشبندی

دیوبندی عالم کا شانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپانا۔

ابوسعید علامہ مفتی محمد امین صاحب نے اپنی کتاب ''برہان'' کے ص 463 پر لکھا ہے: ...
دنوں میں بحکم سیدی محدثِ اعظم پاکستان رحمہ اللہ فتویٰ نویسی پر مامور تھا ان دنوں ایک صاحب
دار الافتاء جامعہ رضویہ میں آئے اور سوال کیا کہ کیا کسی فتویٰ کی کتاب میں اذان میں سرکار
دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے؟ میں نے کہا: ہاں: وہ بولے
مجھے دکھاؤ۔ میں نے پوچھا اس سوال کی ضرورت کیوں پڑی؟ وہ بولے کہ میں فیصل آباد ...

جامع مسجد کچہری بازار کے خطیب مفتی صاحب کے ہاں گیا اور وہاں سوال کیا کہ کیا کسی فتویٰ کی کتاب میں اذان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنے کا ثبوت ہے؟ مفتی صاحب نے کہا کہ فتاویٰ کی کسی کتاب میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ فقیر نے اسی وقت فتاویٰ شامی اور طحطاوی شریف نکال کر دکھادیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو یہ دونوں کتابیں فتویٰ کی ہیں۔ وہ صاحب دیکھ کر مبہوت رہ گئے (کہ واقعی وہ لوگ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو چھپا جاتے ہیں اور یہودیوں کا کردار ادا کرتے ہیں)

نوٹ: فتاویٰ شامی (رد المحتار) فتویٰ کی ایسی کتاب ہے کہ اس کے بغیر کسی حنفی مفتی کو دارالافتاء چلانا بہت مشکل ہے خواہ وہ مفتی بریلوی ہو یا دیوبندی اور یہ کتاب فتاویٰ شامی عموماً ہر حنفی مفتی کے پاس ہوتی ہے۔ لہٰذا مفتی ہو کر یہ کہنا کہ فتویٰ کی کسی کتاب میں انگوٹھے چومنے کا ذکر نہیں ہے یہ سراسر کتمان شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ اس کے مترادف ہے کہ کوئی دوپہر کے وقت جبکہ آفتاب پوری چمک دمک کے ساتھ فلک پر تابندہ ہو اور کہے کہ سورج ہے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ بغض رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منافقانہ بیماری سے بچائے۔

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر
کرے فیض جود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر
تیرے دل میں کس سے بخار ہے

محمد الیاس حنفی دیوبندی فیصل آبادی کی خیانت اور جھوٹ۔

اسی طرح ایک اور دیوبندی حنفی عالم نے ایک کتاب لکھی ہے "نماز پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" وہ اس میں لکھتے ہیں کہ انگوٹھے چومنے والی احادیث موضوع ہیں اور یہ کام شانِ نبوت میں گستاخی ہے جیسا کہ بعض مبتدعین اذان واقامت میں انگوٹھے چومتے ہیں اس کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں یہ سب من گھڑت قصے ہیں۔ ("نماز پیمبر ﷺ"۔ص 112-110)

میں ان سے پوچھتا ہوں کہ علامہ شامی، علامہ طحطاوی، صاحبِ تفسیر روح البیان علامہ اسماعیل حقی، صاحبِ مرقات ملا علی قاری اور مجددِ الف ثانی یہ سب بدعتی اور گستاخ تھے

اور موضوع احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ اگر یہ سب بدعتی تھے تو پھر ان کی کتابوں سے دینا بند کر دو اور اپنے آپ کو حنفی کہلوانا بند کر دو کیونکہ بدعتی کی روایت کیسی؟ کیا یہ سب روایات بیان کیا کرتے تھے اگر ایسا ہی ہے تو پھر فقہ حنفی ائمہ دین پر اتنا بڑا الزام حنفی والے کو زیب نہیں دیتا۔ الیاس صاحب لکھتے ہیں: جناب احمد رضا خاں صاحب بھی اس کے معترف ہیں کہ انگوٹھے چومنا کسی بھی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں تو آ جا کے ضعیف اور مجروح قصے ہیں جن کا سہارا لیا جاتا ہے۔ الیاس بے چارے کو علم ہی نہیں کہ رضا رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ایک پوری کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''منیر العین'' جو صفحہ پر مشتمل ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ انگوٹھے چومنے والی کوئی روایت موضوع نہیں اور محدثین اور ائمہ دین سے ثابت کیا ہے کہ انگوٹھے چومنا قطعاً جائز ہے۔ جس کے جواز تبرع میں دلائل کثیرہ قائم ہیں اور یہ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابوبکر صدیق کی سنت ہے۔ اگر الیاس صاحب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو انہیں پتہ چلے کہ علم حدیث اور اصولِ حدیث کیا چیز ہے اور پھر امام اہل سنت پر بہتان باندھنے کی جرأت نہ کرتے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام چومنے سے دو سو سالہ گنہگار کی بخشش ہوگئی۔

اخرج ابو نعیم فی (الحلیة) عن وهب قال :کان فی بنی إسرائیل رجل عصی الله مائتی سنة ثم مات ، فأخذوه فألقوه علی مزبلة فأوحی الله الی موسیٰ ان اخرج فصل علیه قال یارب: بنو إسرائیل شهدوا أنه عصاك مائتی سنة فأوحی الله إلیه هكذا كان إلا أنه كلما نشر التوراة ونظر إلى اسم محمد ﷺ قبله ووضعه علی عینیه وصلی علیه فشكرت ذلك له وغفرت ذنوبه وزوجته سبعین حوراء علامہ سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ابونعیم نے ''حلیہ'' میں حضرت وہب سے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی دو سو سال نافرمانی کی پھر وہ فوت ہوگیا، لوگوں نے اسے پکڑ کر گندگی کے ڈھیر (روڑھی) پر ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! نکل کر اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا الٰہی! بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے دو سو سال تیری نافرمانی میں گزارے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بات درست ہے وہ ایسا ہی تھا لیکن جب وہ تورات کھولتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسم کی طرف دیکھتا، اس کو چومتا اور اس کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھتا اور درود پڑھتا تھا۔ میں نے اس کی یہ نیکی قبول کر لی ہے اور اس کے گناہوں کو بخش دیا ہے اور ستر حوریں اس کے نکاح میں دے دی ہیں۔

(خصائص کبری علامہ جلال الدین سیوطی باب ذکرہ فی التوارۃ والانجیل 29/1، القول البدیع :174 حلیۃ الاولیاء 42/4 سیرت حلبیہ 80/1 مقاصد السالکین 50 البرہان ص:452)

؎ تعظیم جس نے کی محمد (ﷺ) کے نام کی ☆ خدا نے اس پر آتش دوزخ حرام کی

اس واقعہ کو خارجی نظریات والے رد کر دیتے ہیں لیکن اس حدیث کے متعلق کیا کہیں گے جس میں ہے کہ ایک سو آدمیوں کا قاتل اللہ والوں کی طرف سفر کرنے سے بخشا گیا۔

(بخاری:3470 مسلم 2766 مشکوٰۃ:2327)

جب اتنا بڑا مجرم صرف نسبت کی وجہ سے بخشا جا سکتا ہے تو کیا ایک مجرم حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کی تعظیم کی وجہ سے نہیں بخشا جا سکتا؟

؎ میں کیا میرے عصیاں کی حقیقت کتنی
مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا
وسعتیں دی ہیں خدا نے
دامنِ محبوب کو جرم کھلتے جائیں یہ چھپاتے جائیں گے

خارجی نظریات والے جو کہ عمل کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمل ہی سب کچھ ہے جس کے عمل خراب ہیں وہ دوزخ جائے گا وہ لوگ ایسے واقعات کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں: لو دیکھو! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص دو سو سال گناہ کرتا رہے اور ایک چھوٹی سی بات پر جنت پہنچ جائے؟ ایسے لوگوں کی نظر عدل پر ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل پر نہیں ہوتی جس کی وجہ سے یہ لوگ منکر حدیث بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس حدیث کے متعلق کیا کہیں گے جس میں ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے پیاسے کتے کو پانی پلایا اور وہ بخشی گئی۔

(بخاری:3467 مسلم :2245 مشکوٰۃ 1902)

یہ ہے اللہ کا فضل مگر خارجی لوگ کہتے ہیں: ہاں اس عورت نے اللہ کی ایک مخلوق پر رحم کیا تھا جس کی وجہ سے بخشی گئی، میں پوچھتا ہوں کیا تمہارے نزدیک ایک خسیس جانور کی اتنی اہمیت ہے کہ اس پر رحم کرنے سے ایک بدکارہ عورت کے زندگی بھر کے گناہ معاف ہو جائیں تو کیا ساری مخلوق سے افضل اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دربارِ الٰہی میں کوئی وقعت نہیں کہ ان کے پاک کی تعظیم سے ایک گناہگار بخشا جائے۔ یہ عداوت وبغض رسول نہیں تو اور کیا ہے۔

وہ حبیب پیارا تو عمر بھر
کرے فیض جود ہی سر بسر
ارے تجھ کو کھائے تپ سقر
تیرے دل میں کس سے بخار ہے

لا یصح کا مطلب

کسی محدث نے انگوٹھے چومنے والی حدیث کو موضوع نہیں کہا صرف **لا یصح** کہا ہے اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں" لا یلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا:" حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں ہوتا۔ (القول المسدد فی الذب عن المسند احمد)

علامہ سمہودی فرماتے ہیں: کبھی حدیث صحیح نہیں ہوتی اور باوجود اس کے وہ قابل حجت ہوتی ہے، اس لئے کہ حسن کا رتبہ صحیح وضعیف کے درمیان ہے۔ **جواھر العقدین** تفصیل کیلئے دیکھیں منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین از امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ ص 21-27

امام ترمذی بعض دفعہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے یا ضعیف ہے لیکن اس پر اہل علم کا عمل ہے۔ اگر ضعیف حدیث، موضوع (من گھڑت) کی طرح ہوتی تو اس پر عمل جائز نہ ہوتا اور نہ امام ترمذی اس کو اپنی کتاب میں درج کرتے۔ اگر کوئی محدث ایک حدیث کو موضوع بھی کہہ دے تو اس کے کہنے سے وہ حدیث موضوع نہیں بن جاتی جب تک اکثر محدثین اس کے موضوع ہونے پر اتفاق نہ کرلیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح کی ابتداء میں حافظ ابن حجر عسقلانی کا ایک فتویٰ درج کیا گیا ہے۔ کہ آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ امام ابو حفص عمر بن

القزوینی نے مشکوٰۃ کی اٹھارہ حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ تو علامہ ابن حجر نے اپنی تحقیق سے ثابت کر دیا کہ ان میں سے ایک بھی حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ ان میں سے بعض ضعیف ہیں، بعض حسن ہیں اور بعض صحیح ہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض محدثین صحیح حدیث کو بھی موضوع کہہ دیتے ہیں تو اگر کوئی انگوٹھے چومنے والی حدیث کو موضوع کہہ دے تو اس کے کہنے سے وہ حدیث موضوع نہ ہو جائے گی۔ سعودی عرب میں فروخت ہونے والی بیروت کی چھپی ہوئی ہر مشکوٰۃ کے شروع میں یہ فتویٰ درج ہے جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے۔

فضائل میں ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہے۔

غیر مقلد عبد الغفور اثری صاحب لکھتے ہیں: بعض محدثین کے نزدیک ضعیف روایت بالخصوص جب کہ وہ متعدد طرق سے نقل کی جائے، فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں قابل عمل ہوتی ہے جیسا کہ علامہ سخاوی فرماتے ہیں: شیخ الاسلام ابوزکریا امام نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا ہے "قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أوالحسن: "محدثین اور فقہاء نے فرمایا ہے۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز اور مستحب ہے جب تک کہ وہ حدیث موضوع نہ ہو لیکن احکام یعنی حلال وحرام، بیع وشراء، نکاح وطلاق وغیرہ میں ضعیف احادیث پر عمل نہیں کیا جائے گا ان میں صرف حسن اور صحیح پر عمل کیا جائے گا۔

(القول البدیع ص363) (احسن الکلام ص ۴۳)

اثری نے آدھی بات نقل کی تھی لیکن میں نے پوری بات نقل کر دی ہے۔ فضائل میں تو ضعیف حدیث قابل عمل ہے لیکن احکام میں معتبر نہیں ہے۔ اب اذان سے پہلے درود شریف کو ناجائز کہنا ایک حکم ہے، جس کے لئے صحیح یا حسن حدیث کی ضرورت ہے۔ تو میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ وہابیوں کے پاس درود شریف سے منع کرنے والی صحیح حدیث تو درکنار ضعیف حدیث بھی نہیں ہے۔ بس وہ قیاس سے کام چلا رہے تھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی چھینک والی

حدیث سے حالانکہ ان کے نزدیک قیاس جائز ہی نہیں ہے اور قیاس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف چھینک کے وقت درود شریف پڑھنا ثابت ہوگیا تو اب ان کے پاس قیاس کی بھی کوئی دلیل نہ رہی۔ اہل سنت کے نزدیک شریعت کے چار ماخذ ہیں: قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔ انہیں ادلہ اربعہ کہا جاتا ہے لیکن وہابیوں کے نزدیک شریعت کے ماخذ صرف دو ہیں قرآن اور حدیث۔ خوارج اور روافض دونوں اجماع کی حجیت کو تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اجماع کی حجیت قرآن سے ثابت ہے۔ اسے "سبیل المومنین:" کہا گیا ہے۔ تیسرے ماخذ "اجماع" کی پانچ اقسام ہیں۔

(۱) صحابہ کرام کا کسی مسئلہ پر زبانی متفق ہو جانا یہ اجماع قرآن کی آیت کے مانند ہے اور اس کا انکار کفر ہے جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کا اجماع۔ چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ قرآن وسنت اور اجماع سے دلیل دستیاب نہ ہو سکے تو قیاس کرنا فرض کفایہ ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ قیاس بھی قرآن سے ثابت ہے "فاعتبروا یا اولی الابصار:" اے آنکھ والو! عبرت حاصل کرو۔ (سورۃ الحشر: ۲) قیاس کے صحیح ہونے کے لئے پانچ شرائط ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ جب وہابی قیاس کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو انہیں قیاس سے دلیل لانے کا کوئی حق نہیں بصورتِ دیگر پہلے انہیں قیاس کو شریعت کا ماخذ ماننا پڑے گا اور پھر اس کی شرائط بھی تسلیم کرنا پڑیں گی کہ وہ قیاس قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔ یہاں جس حدیث سے قیاس کر رہے تھے وہ حدیث ہی صحیح نہیں اگر صحیح بھی ہو تو پھر قابل قبول نہیں کیونکہ نص کے خلاف ہے کیونکہ اذان سے قبل درود شریف قرآن وسنت کے عمومی دلائل سے ثابت ہے اور قیاس کے صحیح ہونے کی پہلی شرط ہی مفقود ہے تو قیاس بھی درست نہیں وہابیوں کو چاہئے کہ وہ قیاس سے کام نہ لیں ورنہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہو جائیں گے۔ صریح اور صحیح حدیث سے اذان سے قبل درود شریف کی ممانعت ثابت کریں تو پتہ چلے زیادہ نہیں صرف ایک حدیث ہی دکھا دیں قیامت تک نہیں دکھا سکتے۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

اس سادگی پہ کون مر نہ جائے
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

کبھی کہتے ہیں کہ قرآن پاک پڑھنا بڑے ثواب کا کام ہے اسی طرح رکوع وسجود قرب الٰہی کا مقام ہے مگر قرآن پاک رکوع اور سجود میں پڑھنا منع ہے، اسی طرح درود پاک بڑے ثواب کا کام ہے لیکن اذان سے پہلے منع ہے کہ یہ اس کا مقام نہیں۔ یہ بھی قیاس ہے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ رکوع وسجود میں قرآن پاک پڑھنے کی ممانعت حدیث میں ہے۔ یہ تو ہمارے موقف کی تائید ہو رہی ہے کہ جہاں منع ہو وہاں واضح دلیل ہوتی ہے اس کے علاوہ ہر مقام پر قرآن پڑھنا جائز ہو جائے گا کسی چیز کے جواز کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ہر چیز اصل میں مباح ہے ہاں اس کے ناجائز ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم تو اذان سے قبل درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں اور تم منکر ہو تو قیاس سے کام نہ چلاؤ کوئی واضح دلیل پیش کرو کہ فلاں وقت میں یا فلاں جگہ میں درود پڑھنے سے نبی کریم ﷺ نے روکا ہے تو ہم چھوڑ دیں گے جیسے نبی کریم ﷺ نے رکوع وسجود میں قرآن کی تلاوت سے منع کیا ہے۔ ہم وہاں قرآن کی تلاوت نہیں کرتے اسی طرح تم ہمت کرو اور اذان سے قبل درود شریف کی ممانعت دکھاؤ ہم نہیں پڑھیں گے۔ ورنہ بغیر دلیل کے نیکی کے کام سے مسلمانوں کو روک کر منافق نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمام منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی کے کاموں سے روکتے ہیں...... اور اللہ تعالیٰ نے منافقین اور منافقات اور کفار سے جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

(سورہ التوبہ آیت:68-67)

حدیث کو ضعیف کہنے والوں کے لئے لمحہ فکریہ۔

حدیث شریف میں بدھ کے دن ناخن تراشنا منع ہے اور برص (کوڑھ سفید داغ) کا مرض لاحق ہو سکتا ہے بعض علماء نے بدھ کے دن ناخن کتروائے۔ کسی نے بر بنائے حدیث منع کیا، انہوں نے کہا کہ حدیث صحیح نہیں، فوراً ایک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنے حال کی شکایت کی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے اس سے نہی فرمائی ہے؟ عرض کی میرے نزدیک یہ حدیث صحت کو نہ پہنچی تھی، ارشاد ہوا تمہیں اتنا کافی نہ تھا کہ یہ حدیث ہمارے نام پاک سے

تمہارے کانوں تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور ﷺ نے اپنا دستِ اقدس کہ پناہ دوجہاں بے کساں ہے، ان کے بدن پر لگا دیا فوراً اچھے ہو گئے، انہوں نے اسی وقت توبہ کی کہ حدیث کی مخالفت نہ کرونگا۔

(نسیم الریاض شرح شفا القسم الاول الباب الثانی الفصل الرابع نظافۃ جسمہ منیر العین ص، از اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

یہ حدیث ان لوگوں کے لمحہء فکر یہ ہے جو فضائلِ اعمال یا عظمتِ مصطفی ﷺ کی احادیث کو ضعیف کہہ کر حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ کہیں وہ کوڑھ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اقامت کے وقت درود شریف۔

اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ نہ صرف اذان بلکہ اقامت کے وقت بھی درود شریف پڑھنا ثابت ہے اور درود پڑھنے والا بدعتی نہیں گستاخ نہیں بلکہ شفاعت کا حقدار ہے۔

وہی امام سخاوی کی القول البدیع جس کا حوالہ رانا صاحب نے اپنے مضمون میں دیا ہوا ہے۔ امام سخاوی نے پانچواں باب باندھا ہے: "الباب الخامس فی الصلاۃ علیہ فی اوقات مخصوصۃ کالفراغ من الوضوء...وفی الصلاۃ وعقبھا وعند اقامتھا... وعند العطاس ...:" مخصوص اوقات میں آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کے بیان میں جیسے کہ وضوء سے فراغت کے بعد اور نماز میں اور نماز کے بعد اور اقامت کے وقت اور چھینک کے وقت۔ (القول البدیع ص ۱۷۰ پھر ص ۱۷۴) پر نماز کے بعد درود پڑھنے کی اور یا محمد ﷺ کی روایت لکھی اور آخر میں امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا: کہ جس نے مؤذن کی طرح کہا اور پھر مؤذن نے: "قد قامت الصلوٰۃ" کہا اس نے یہ دعا مانگی اور درود پڑھا تو وہ نبی پاک ﷺ کی شفاعت میں داخل ہو گیا۔ وہ دعا یہ ہے

"اللھم رب ھذہ الدعوۃ الصادقۃ والصلاۃ القائمۃ صل علی محمد عبدک ورسولک... دخل فی شفاعۃ محمد ﷺ۔"

(رواہ الحسن بن عرفہ النمیری)(القول البدیع ص ۱۷۰)

یوسف بن اسباط کہتے ہیں: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے: جب آدمی اقامت کے وقت کہے: "اللھم رب ھذہ الدعوۃ المستمعۃ المستجاب لھا صل علی

وعلی آل محمد وزوجنا من الحور العین:" اور درود نہ پڑھے اور رب تعالیٰ سے حوروں کا سوال نہ کرے تو حوریں کہتی ہیں کہ "ما کان ازھدك فینا:" یہ آدمی ہم سے کتنا بے رغبت ہے۔ (رواہ الدینوری فی المجالسۃ والنمیری (القول البدیع ص ۱۷۴)

پتہ چلا کہ اقامت کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے اور علماء محدثین پڑھتے رہے اور کتابوں میں لکھتے رہے، درود شریف سے روکنے والی بدعت آج شروع ہوئی ہے۔ محدثین اور فقہاء کے زمانہ میں درود شریف سے روکنے والی بدعت کا وجود نہیں تھا اور درود شریف پڑھنے والا بڑا خوش نصیب ہے کہ وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل کرے گا اور وہ کتنا بدبخت ہے جو درود شریف سے روک کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے محروم کرنا چاہتا ہے، وہ مسلمانوں کا دوست نہیں دشمن ہے۔ اگر اذان واقامت کے وقت درود شریف پڑھنا بدعت ہوتا تو امام سخاوی اپنی کتاب میں یہ روایات کبھی درج نہ کرتے تو معلوم ہوا کہ امام سخاوی اذان واقامت کے وقت درود شریف کے قائل تھے۔ وہ سنیوں کے امام ہیں وہابیوں کے نہیں وہابیوں کے نزدیک تو وہ بدعتی تھے۔

وہابی احادیث کے منکر ہیں اور حدیث پر عمل کرنیوالے کے قاتل ہیں۔

وہابی کہتے ہیں کہ درود شریف اذان کے بعد پڑھنا ثابت ہے۔ یہ بھی محض عوام کو گمراہ کرنے کے لئے ہے، اذان واقامت کے وقت درود وسلام تو صدیوں پہلے مروّج تھا اسے نجدیوں نے بند کیا۔ ان حضرات کے پیشوا ابن عبدالوہاب تو اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنے سے منع کرتا تھا۔ شیخ الاسلام خطیب وامام حرمِ مکہ سید احمد زینی دحلان لکھتے ہیں: وہ مناروں پر بلند آواز سے درود شریف سے منع کرتا تھا جو ایسا کرتا اسے سخت سزا دیتا یہاں تک کہ ایک نابینا شخص جو مؤذن صالح اور خوش آواز تھا، اسے ابن عبدالوہاب نجدی نے بعد اذان منارہ پر درود شریف پڑھنے سے منع کیا جب اس نے نہ مانا اور اذان کے بعد درود شریف پڑھا تو نجدی نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور کہا کہ زانیہ کے گھر میں رباب چنگ (گانا باجا) کا گناہ منارہ میں درود شریف پڑھنے سے بہت کم ہے۔ (الدرر السنیہ ص ۴۰) اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک تو اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا قتل ہے۔ اب بھی ان کی مساجد میں اذان کے بعد بھی درود شریف نہیں پڑھا جاتا۔ وہابیوں

دیوبندیوں کے امام مولوی حسین احمد لکھتے ہیں: وہابیہ نجدیہ الصلوۃ والسلام علیک یا رسول
اللہ کو سختی سے منع کرتے ہیں لیکن ہمارے علماء اس کو جائز کہتے ہیں۔ (الشہاب ثاقب)

وہابیوں نجدیوں کی نشانی حسین احمد نے بتادی کہ وہ "الصلوۃ والسلام علیک
یارسول اللہ کو سختی سے منع کرتے ہیں یعنی جو اس درود شریف سے منع کرے وہ سنی نہیں
ہوسکتا وہ وہابی ہے اگرچہ لاکھ بار اپنے آپ کو اہل حدیث یا اہل سنت کہے۔ یہ بھی معلوم ہوا
کہ یہ درود شریف بالکل جائز ہے شرکیہ اور خودساختہ نہیں ہے۔

اذان سے قبل درود شریف پر دلائل۔

اگرچہ ابن باز کے فتویٰ سے ثابت ہو گیا ہے کہ درود شریف تمام اوقات میں جائز ہے
، اذان سے قبل بھی درود شریف ثابت ہو گیا اس لئے اب کوئی وہابی، دیوبندی اس کو بدعت نہیں
کہہ سکتا، ہم اہل سنت جو اذان سے قبل درود شریف پڑھتے ہیں اس کو ہم اذان کا جز نہیں کہتے
کہ اس کے بغیر اذان نہ ہو، اذان "اللہ اکبر" سے شروع ہوتی ہے اور لا إِلٰهَ إِلَّا الله پر ختم ہو
جاتی ہے۔ ہم اذان سے قبل درود شریف پڑھنے کو عمومی دلائل کے تحت جائز و مستحب کہتے ہیں
جیسا کہ محدثین نے فرمایا ہے، اور یہ اذان میں اضافہ نہیں ہے اضافہ یہ ہے کہ کہا جائے درود
شریف کے بغیر اذان نامکمل ہے لیکن ایسا تو کوئی سنی بھی نہیں کہتا ہم تو درود شریف اذان سے قبل کچھ
وقفہ سے پڑھتے ہیں اور کبھی کبھی اس کو ترک بھی کردیتے ہیں تاکہ کوئی لازم یا اذان کا حصہ نہ سمجھ
لے، اس کی مثال یہ ہے کہ جمعۃ المبارک کے دن خطیب کے سامنے جو اذان دی جاتی ہے
، اُس سے قبل بلند آواز سے درود شریف نہیں پڑھا جاتا اگر ہم درود شریف کو اذان کا جزء سمجھتے تو درود
شریف کبھی ترک نہ کرتے اس لئے یہ ہم پر صرف الزام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اذان سے
قبل درود شریف پڑھنے پر استدلال حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی ہوسکتا ہے کہ وہ
تمام اوقات میں درود شریف پڑھتے تھے اور اس میں اذان سے قبل بھی ہے اور بعد بھی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي
أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ: مَا شِئْتَ قُلْتُ: الرُّبُعَ قَالَ
مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ: النِّصْفَ؟ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ

خیرٌ لَّکَ قُلْتُ :فَالثُّلُثَیْنِ ؟ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ: أَجْعَلُ لَکَ صَلَاتِی کُلَّھَا قَالَ: إِذًا تُکْفٰی ھَمَّکَ وَیُغْفَرُ لَکَ ذَنْبُکَ۔ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں، میں کس قدر درود شریف پڑھا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا چاہو میں نے عرض کیا ایک چوتھائی فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا نصف، فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا میں سارا وقت درود ہی پڑھوں گا فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہو گا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا۔

(ترمذی حدیث :2381-٢٤٥٧، کتاب صفة القیامة34-15 مشکوة حدیث:٩٢٩ کتاب الصلاة باب الصلاة علی النبی ﷺ)

ہر نیک کام سے پہلے درود شریف پڑھنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کُلُّ أَمْرٍ ذِی بَالٍ لَایُبْدَءُ فِیْہِ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃِ عَلَیَّ فَھُوَ اَقْطَعُ، اَبْتَرُ، مَمْحُوْقٌ مِنْ کُلِّ بَرَکَۃٍ۔ ہر ذیشان کام جس کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مجھ پر درود پڑھنے سے نہ کی جائے تو وہ کام مقطوع، دُم بریدہ اور ہر برکت سے خالی ہے۔

(الجامع الصغیر حدیث:٦٢٨٤)(امام الوھابیہ ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم نے اس حدیث کو جلاء الافھام میں درج کیا ھے ص:٤٠٠ الموطن التاسع والثلاثون من مواطن الصلاة) ص ٢٦١)(القول البدیع فی الصلاة علی الحبیب الشفیع الباب الخامس ص:١٩٠)

یہی حدیث عبدالغفور اثری نے بھی لکھی اور کہا: ایک موقع درود شریف پڑھنے کا یہ ہے کہ ہر بھلائی کی بات چیت شروع کرتے وقت خواہ وہ بات چیت تحریری ہو یا تقریری (جیسا کہ جمعہ و عیدین کے خطبات، تبلیغی جلسوں میں تقریریں اور درس و تدریس وغیرہ) اس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی جائے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے پھر جو کچھ بیان کرنا چاہتا ہو کرے جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے۔ پھر مذکورہ بالا حدیث بیان کی (احسن الکلام ١٥٣) اس حدیث کے عموم سے اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا بھی ثابت ہو گیا کہ یہ بھی بھلائی کی بات ہے جس طرح یہ "کُلُّ بدعة ضلالة:" میں یہ عموم کے قائل ہیں تو

"كُلُّ اَمْرٍ ذِی بَالٍ:" میں عموم ماننے سے کونسی چیز مانع ہے یا کونسا شرعی استحالہ ہے؟

محدثِ کبیر علامہ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف ابن سنی (المتوفی ۳۶۴ھ) اسی روایت کو "باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ عند الاذان" میں درج کیا ہے۔ اتنے بڑے محدث کا باب باندھنا اور لفظ "عندالاذان" لانا ثابت کرتا ہے کہ ان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ اذان سے قبل و بعد درود شریف پڑھنا جائز ہے، باعثِ برکت و رحمت ہے، بدعت نہیں۔ یہ حکم استحبابی ہے۔

آپ فرماتے ہیں: وَمِنْ مَوَاطِنِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ عِنْدَ ذِكْرِهٖ وَسَمَاعِ اسْمِهٖ اَوْ كِتَابِهٖ اَوْعِنْدَ الْاَذَانِ۔ اور نبی پاک ﷺ پر درود شریف بھیجنے کے مقامات میں سے (ایک) مقام آپ ﷺ کا ذکر کرنے یا آپ ﷺ کا اسم گرامی سننے یا لکھنے یا اذان دینے کا وقت ہے۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ جلد، باب نمبر، فصل فی المواطن التی یستحب فیھا الصلاۃ والسلام)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ "عندالاذان" فرما کر ثابت کر دیا کہ اُن کے نزدیک اذان سے قبل یا بعد درود شریف پڑھنا جائز و مستحب ہے۔ کیا امام قاضی عیاض بدعت کا حکم دے رہے ہیں؟ عقل مند کے لئے اشارہ کافی ہے۔

وہابیوں کے نزدیک محدثین کی بات قابل تسلیم ہے، وہ محدثین کی تقلید کرتے ہیں اور فقہاء کرام کا درجہ محدثین سے بلند ہے۔ ملا علی قاری شرح شفا شریف میں اس کے تحت لکھتے ہیں: اذان سے مراد اعلام ہے، جو اذانِ شرعی اور اقامت دونوں کو شامل ہے۔ (شرح شفا ج ۲، ۱۱۴)

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی سے جب اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا، آپ نے فرمایا: درود شریف قبل اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزوِ اقامت معلوم نہ ہو۔ (فتاویٰ رضویہ 2-351)

علامہ ابن حجر مکی کا فیصلہ۔

علامہ ابن حجر مکی سے سوال ہوا کہ اذان سے قبل حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسنون و مستحب ہے۔ جیسا کہ بعد میں مسنون و مستحب ہے، کیا اذان سے پہلے ایسا

کرنے والے کو منع کیا جائے یا نہ؟ آپ نے فرمایا: کہ موذن حضرات صبح و جمعہ کی اذان کے علاوہ باقی نمازوں کی اذان میں تو اذان کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں مگر صبح و جمعہ کی اذان سے قبل ہی صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں اور مغرب میں وقت کی تنگی کی وجہ سے زیادہ تر نہیں پڑھتے۔

جواب: اور ہمیں اذان سے قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو منع کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اذان سے قبل درود وسلام پڑھنا منع فرمایا اور ہمارے ائمہ کرام میں بھی اس قسم کے تعرض و منع کی کوئی بات نظر سے نہیں گزری۔ (فتاویٰ کبریٰ ج ا ص ۱۳۱) البتہ آخر میں فرماتے ہیں کہ پڑھنے والے کو اس کے سنتِ مؤکدہ ہونے کا اعتقاد نہیں کرنا چاہئے، نیز امام ابن حجر مکی نے ایک اور مزے کی بات کی ہے، وہ یہ کہ اگر موذن لا الہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہہ دے تو ہمیں اس پر بھی اعتراض نہیں حالانکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کا کہنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرونِ اولیٰ سے ثابت نہیں اس کے باوجود اگر کوئی ایسا کرے تو ہم اسے منع نہ کریں گے، جب کہ وہ اسے سنت اور اذان کی طرح ضروری تصور نہ کرے۔

ایک دیوبندی مولوی کا اعلانِ حق

الصلوٰۃ و السّلامُ عَلَیْكَ یارسُولَ اللہِ کہنا جائز ہے۔

گجرات: دیوبندی مکتب فکر کے نامور عالم ضیاء اللہ شاہ بخاری نے درسِ قرآن میں کہا: الصلوٰۃ و السّلامُ عَلَیْكَ یارسُولَ اللہِ کہنا جائز ہے (اس کا مطلب یہ ہے) کہ اے نبی (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر درود وسلام ہو لیکن اسے اذان کا حصہ نہ بنایا جائے نیز ایک اور موقع پر دورانِ درس ایک نمازی نے سوال کیا کہ کیا "یارسول اللہ" کہنا جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ "جائز ہے، جائز ہے، جائز ہے، جائز ہے، جائز ہے۔" پانچ مرتبہ یہ بات دہرائی اور کہا کہ نماز کے اندر بھی ہم یہ پڑھتے ہیں کہ اے نبی! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر سلامتی ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں، جب ہم نماز میں

یا نبی (صلی اللہ علیک وسلم) کہتے ہیں تو یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کیوں نہیں کہہ سکتا۔ اس ملک میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں جہاں جہاں مسلمان بستے ہیں اذانیں ہو رہی ہیں اور جہاں جہاں اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے وہاں وہاں رسول اللہ ﷺ کا ذکر بھی بلند ہو رہا ہے اور اسلام کی حقانیت اور سچائی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے قرآن میں فرما دیا ہے "اے نبی! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔" (روزنامہ ڈاک گجرات ۲۰ نومبر ۲۰۰۲ء)

الحمدللہ! کسی سنی بریلوی نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو اذان کا حصہ نہیں بنایا۔ صلوٰۃ وسلام چاہے اذان سے پہلے پڑھا جائے یا اذان کے بعد، اذان کا حصہ وجزء نہیں سمجھا جاتا۔ اذان "اللہ اکبر" سے شروع ہوتی ہے اور "لا الہ الا اللہ" پر ختم ہوتی ہے۔

رانا شفیق پسروری کا ہم مسلک وہابی عبدالغفور اثری لکھتا ہے کہ: نبی پاک ﷺ کو ان کا نام لے کر (یا محمد صلی اللہ علیک وسلم کہہ کر) پکارنا نہ آپ ﷺ کی حیات میں جائز تھا اور نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جائز ہے۔ (ندائے یا محمد ﷺ کی تحقیق ص ۲۲) بلکہ نہایت ادب و احترام اور تعظیم وتکریم اور نرمی اور پست آواز کے ساتھ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کہہ کر بلایا کرو وغیرہ وغیرہ، یہی اہل حق کا سچا اور حق مسلک ہے۔ (ندائے یا محمد ﷺ کی تحقیق ص ۵۹ ص ۲۷) معلوم ہوا کہ سچا اور حق مذہب یہی ہے کہ آج بھی رسول اللہ ﷺ کو یا نبی اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کہہ کر پکارنا جائز ہے۔

وہابیوں کے شیخ الکل کا فتویٰ کہ اذان کے ساتھ درود پڑھ کر محبت کا ثبوت دیں

احسان الٰہی ظہیر، محمد علی جانباز اور الیاس اثری کے استاذ اور تمام وہابیوں کے شیخ الکل ابوالبرکات احمد سے سوال کیا گیا: ہر اذان سے پہلے ہمارے معاصر الصلوٰۃ و السلام علیک یا رسول اللہ وغیرہ پڑھتے ہیں مگر لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی صورت میں نہیں پڑھتے۔

جواب: اس کا تعلق دراصل ہمارے معاصر حضرات سے ہے، بہتر تھا کہ ان سے پوچھ لیتے کہ آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں ان کا مقصد

عبادت نہیں ہے بلکہ لوگوں کو ستانا ہے ورنہ سپیکر کے ساتھ کیا واسطہ سپیکر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں درود پڑھیں اور نبی پاک ﷺ کے ساتھ محبت کا ثبوت دیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ۸۸)

اب دیکھنا ہے کہ رانا پسروری صاحب اپنے استادوں کے استاد پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں جنہوں نے فتویٰ دیا کہ "سپیکر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں درود پڑھیں اور نبی پاک ﷺ کے ساتھ محبت کا ثبوت دیں۔" پسروری صاحب کم از کم اپنے اکابر کی کتابیں تو پڑھ لیا کریں تا کہ فتویٰ لگاتے وقت زبان کنٹرول میں رہے۔ کیا ابوالبرکات اذان میں اضافہ کا حکم دے رہے ہیں یا سنت رسول ﷺ کے منکر اور بدعتی ہیں۔ اگر اذان سے پہلے درود پڑھنا ناجائز وحرام ہے تو وہابیوں کے استاد نے کیوں کہا "سپیکر ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں درود پڑھیں اور نبی پاک ﷺ کے ساتھ محبت کا ثبوت دیں۔" پتہ چلا کہ اذان سے قبل درود پڑھنے والے عاشق رسول ﷺ ہیں۔ بدعتی اور مشرک نہیں۔ ہاں روکنے والے بدعتی اور گستاخ ضرور ہیں کہ اچھے فعل سے روک رہے ہیں۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
ذرا اپنا بیگانہ پہچان کر

کسی مستحب کام کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نص کا پایا جانا ضروری نہیں

شیخ الحدیث والتفسیر علامہ غلام رسول قاسمی قادری لکھتے ہیں: قطعیت کے ساتھ ثابت ہونے والا حکم تو فرض ہوتا ہے۔ مستحب کام کے لئے قرآن کا سرسری حکم یا اشارہ کافی ہوتا ہے۔ یا پھر مستحب کام کے لئے حدیث ضعیف بھی کافی ہوتی ہے اور اگر قرآن وسنت میں کوئی ثبوت نہ مل رہا ہو تو اس کے لئے محض علماء و مشائخ کا اس کو اچھا سمجھنا کافی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ما راٰہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن:" "جس کام کو مومن اچھا سمجھیں وہ اللہ کو بھی اچھا لگتا ہے۔ (موطاء امام محمد ص ۱۴۴) بہت سے علماء نے اسے عبداللہ بن مسعود تک موقوف لکھا ہے۔ کچھ بھی ہو، احناف نے اس سے استحباب اخذ فرمایا ہے۔

(جواز الاحتفال ص: د)

جو لوگ میلاد کے ثبوت کے لئے یا اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام کے لئے قرآن کی قطعی

الدلالت آیت کا مطالبہ کرتے ہیں، انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ دلیل ہمیشہ دعوے کی طلب کی جاتی ہے۔ ہمیں ان لوگوں کے نالائق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مستحب کام نہ تو یہ ضروری ہے کہ وہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوا ہو اور نہ اس کی حاجت ہے کہ ا... صحاح ستہ میں موجود ہو۔ بہت سے کام زمانہ نبوی اور عہد صحابہ و تابعین کے بعد شروع ہوئے، علماء نے انہیں حسن، مستحسن اور مستحب کہا۔ زبان سے نماز کی نیت کرنے کا طریقہ صحابہ کے دور میں نہ تھا لیکن فقہاء نے اسے مستحب کہا۔ تنویر الابصار میں ہے "والتلفظ... مستحب:" زبان سے نماز کی نیت کرنا مستحب ہے۔ در مختار میں اس قول کو مختار ... مولوی عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: زبان سے نماز کی نیت کرنا مستحب ہے۔ اس مستحب ... یہ ہے کہ اسے علماء نے کیا اور مستحب قرار دیا، یہ مطلب نہیں کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ... اور اس کی رغبت دی کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (عمدۃ الرعایہ)

بعض اوقات مستحب کی پابندی بھی ضروری ہوتی ہے۔

علامہ عبدالغفور حسین آبادی لکھتے ہیں: اس دور میں اذان سے قبل درود شریف ... کی مساجد کی علامت بن چکا ہے۔ مستحب کام کے چھوڑنے میں گناہ تو نہیں ... مانعین کے روکنے کی وجہ سے کبھی ان کاموں کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ ... دار العلوم دیو بند میں ہے کہ ہندوؤں کی ضد میں گائے کی قربانی ضروری ہے تاکہ شوکت اسلام میں اضافہ ہو۔ (انوار العرفان)

رانا پسروری نے ایڈیٹر انوار الصوفیہ مفتی غلام رسول کا یہ حوالہ دیا کہ دراصل یہ (اذان سے قبل درود شریف) وہابیوں دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خوان قسم کے مؤذنین نے پیدا کئے۔ اس کے جواب میں مفتی غلام سرور قادری مرحوم لکھتے ہیں: محترم ایسا نہیں جیسا کہ تم نے سمجھا یہ محض بدگمانی ہے اور بدگمانی بری بات ہے اور اگر بالفرض مفتی صاحب ایسا ہی سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ وہابیوں کی ضد میں جاری ہوا تو ہم عرض کریں گے کہ اس نیت سے بھی صلوٰۃ وسلام پڑھنا ثواب ہے کہ ایک امر جائز اور حق بات کو

ہے۔ جب صورتِ حال کچھ ایسی ہو کہ ایک جائز چیز کو دلیل شرعی کے بغیر اور خواہ مخواہ ناجائز وحرام بتایا جار ہا ہے اور اس کے خلاف اشتہار بازی کا شغل اختیار کرلیا گیا ہوتو وہاں اہل حق کو اس چیز کے جواز کی شد و مد کے ساتھ اشاعت کرنا چاہئے چنانچہ اس سلسلے میں ایک فقہی مسئلہ بیان کیا جار ہا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں: یوں تو دہ دردہ (10x10) حوض کی نسبت نہر سے وضو کرنا افضل ہے لیکن معتزلہ جو مسلمانوں کا ایک گمراہ فرقہ ہے وہ دَہ دردَہ حوض کے قائل نہیں، اس لئے ان کی تذلیل کے لئے نہر کے ہوتے ہوئے حنفی کو دَہ دَردَہ حوض سے وضو کرنا افضل ہے۔ (در مختار، فتح القدیر ج ا ص ۸۲)

اس سلسلے میں یوں کہنا چاہئے کہ چونکہ قرونِ اولیٰ میں اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول الله نداء کے صیغہ کے ساتھ پڑھنے کا کوئی منکر نہ تھا۔ اس لئے اس قدر شد و مد کے ساتھ پڑھنے کے مظاہرہ کرنے اور غیر معمولی طور پر اس کی اشاعت وترویج کی ضرورت نہ تھی لیکن جب اس کے منکر وہابیوں کے دونوں فرقے بالخصوص ہندو پاک میں اہل سنت و جماعت پر جو یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کی نداء اس خیال سے کرتے ہیں کہ خدا کے اذن وعطاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نداء بذاتِ خود سنتے ہیں۔ وہابی حضرات کی تمام شاخوں کی ستم گری کا سلسلہ اس حد تک بڑھا کہ تمام سنی مسلمانوں کو کفر وشرک کے فتوؤں کا نشانہ بنایا جانے لگا اور وہابی کتابوں میں چھاپ کر ملک بھر میں یہ آواز پہچانے لگے "کہ انبیاء کرام کو علم غیب نہیں لہذا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کہنا بھی جائز نہ ہوگا، اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دور سے سنتے ہیں تو کفر ہے، ان عقائد والوں کو کافر، مرتد، ملعون، جہنمی نہ کہنے والا بھی ویسا ہی کافر ہے پھر اس کو جو ایسا نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی کافر ہے۔"

(بلغة الحیران مصنفہ حسین علی شاگرد رشید احمد گنگوھی)

تو اہل سنت وجماعت نے بھی معتزلہ فرقہ (جن کے عقائد وہابیوں کی دونوں شاخوں سے ملتے ہیں) کی طرح وہابیوں کی تذلیل کے لئے ہر موقع ومحل پر یارسول اللہ (صلی اللہ

علیک وسلم) اور یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم) کی نداء کرنا حتی کہ اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کا پڑھنا اختیار کرلیا۔ (صلوٰۃ وسلام قبل الاذان ص ۱۱)

نعرہ کیجئے یا رسول اللہ کا
مفلسو! سامانِ دولت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑیئے ہر بات میں
چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے
کیجئے چرچا انہی کا صبح و شام
جانِ کافر پر قیامت کیجئے

کیا مستحب کام ہمیشہ کرنا وجوب پر دلالت کرتا ہے؟

مفتی غلام سرور قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اگر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ جو التزام کرلیا گیا ہے کہ اذان سے قبل درود شریف پڑھا جاتا ہے اور اسے کبھی نہیں چھوڑا جاتا یہی اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا کرنے والے اسے واجب یا سنتِ مؤکدہ سمجھتے ہیں ورنہ وہ ایسا نہ کرتے، کبھی ترک کردیتے مگر وہ ایسا نہیں کرتے، اس لئے ہم اذان سے قبل صلوٰۃ وسلام پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مستحب کو مستحب سمجھنے کے لئے کبھی کبھی ترک کردینا ضروری نہیں بلکہ اسے مستحب سمجھنا ہی کافی ہے جس کا تعلق اعتقاد کے ساتھ ہے جیسے فرضوں کے آگے پیچھے ہم غیر مؤکدہ سنتیں اور نوافل پڑھتے ہیں اور ہمیشہ پڑھتے ہیں کسی کو اعتراض نہیں ہوتا کہ یہ غیر مؤکدہ سنتیں اور نوافل ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو بلکہ حدیث پاک میں مستحب عمل کو ہمیشہ کرنے کو بہتر قرار دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَحَبُّ الاعمالِ الی اللہِ اَدْوَمُھا وَاِنْ قَلَّ" اللہ تعالیٰ کو سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ وہ تھوڑا ہو (بخاری ومسلم) اس سے ثابت ہو کہ نفلی کام اور مستحب جو ہمیشہ کیا جائے اللہ کو محبوب ہے اور اگر اس میں ناغہ کیا جائے تو اگرچہ اس پر بھی

ثواب ہوگا لیکن اس کی نسبت دائمی طور پر کرنا زیادہ پسندیدہ ہے، لہٰذا منکرین کا یہ کہنا کہ کسی عمل کو ہمیشہ کرنا وجوب پر دلالت کرتا ہے اس حدیث کی روشنی میں غلط ہو گیا۔

(صلوٰۃ وسلام قبل الاذان ص ۲۱)

رانا پسروری کو انوار الصوفیہ کا فتویٰ نظر آ گیا جس کی تردید مفتی غلام سرور قادری صاحب اپنی کتاب ''صلوٰۃ وسلام قبل الاذان'' میں مکمل طور پر کر چکے ہیں لیکن پسروری کو مفتی غلام رسول دار العلوم نقشبندیہ علی پور شریف ضلع نارووال کا یہ فتویٰ کیوں نظر نہیں آیا جس میں اذان سے قبل درود پڑھنے کو ثواب بتایا گیا ہے۔

فتاویٰ جماعتیہ! درود پڑھنا خواہ قبل اذان ہو یا بعد اذان باعثِ ثواب ہے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے بعد درود پاک: "الصلوٰۃ و السّلامُ عَلَیْكَ یارَسُولَ اللهِ:'' پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بعونہ تعالیٰ جائز ہے۔ قرآن نے مطلقاً درود شریف پڑھنے کا حکم فرمایا ہے کسی وقت یا زمانہ کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور بوقت اذان مؤذن وضو کرتا ہے، کپڑے اس کے پاک ہوتے ہیں جگہ پاک ہوتی ہے۔ اندریں وقت درود پاک پڑھنا خواہ قبل اذان ہو یا بعد اذان باعث ثواب ہے۔ یہ صرف وہابیوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ: '' الصلوٰۃ و السّلامُ عَلَیْكَ یارَسُولَ اللهِ:'' کا ثبوت نہیں ہے حالانکہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کیا کرتے تھے اور یہ ایسا درود ہے جس میں صلوٰۃ وسلام دونوں موجود ہیں۔ وہابیہ کہتے ہیں کہ درود ابراہیمی میں زیادہ ثواب ہے۔ جواباً عرض ہے کہ قرآن میں دو حکم ہیں: صلوا علیہ وسلموا: حضور پر صلوٰۃ وسلام پڑھو۔ درودِ ابراہیمی میں صرف صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ سلام کا نہیں لہٰذا درود ابراہیمی پڑھنے سے قرآن کریم کے اس حکم پر عمل نہیں ہوگا۔ البتہ جب "الصلوٰۃ و السّلامُ عَلَیْكَ یارَسُولَ اللهِ:'' پڑھیں گے تو صلوٰۃ اور سلام دونوں پر عمل ہوگا۔ ہم نے پہلے بھی لکھا کہ گھبراہٹ صرف حرف ندا ''یا رسول اللہ'' (صلی اللہ علیک وسلم) کی ہے حالانکہ حرفِ ندا ایھا النبی میں بھی ہے۔ صاحب تفسیر روح المعانی علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں: ابن ابی

حاتم، ابن مردویہ اور ابو نعیم نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی
روایت کی ہے کہ لوگ حضور ﷺ کو بلانے کے وقت یا محمد (صلی اللہ علیک وسلم
القاسم (صلی اللہ علیک وسلم) کہہ کر پکارا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم
تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا:" (سورہ نور آیت ۶۳)
کو اس طرح پکارنے سے منع کر دیا پھر صحابہ کرام حضور ﷺ کو یا نبی اللہ، یارسول اللہ
اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کہہ کر پکارنے لگے۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ اس
حضور ﷺ کا نام لے کر پکارنا حرام ہو گیا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضور
وفات سے لے کر اب تک عام ہے۔ ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں کہ حضور
نداء کے وقت یا نبی اللہ، یارسول اللہ، یا حبیب اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) کہہ
خطابات میں خواہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہو یا بعد از وفات ہو۔ معلوم
حضور ﷺ کو بعد از وصال مبارک بھی یا نبی اللہ، یارسول اللہ، یا حبیب اللہ (صلی
وسلم) کے الفاظ کے ساتھ پکارا جائے گا۔ لہٰذا" **الصلوٰۃ و السّلامُ علَیکَ یارسول**
پڑھنا خواہ قبل از اذان ہو یا بعد اذان ہر طرح جائز ہے۔

(فتاویٰ جماعتیہ از مفتی غلام رسول دار العلوم نقشبندیہ علی پور شریف
نارووال، کتاب الصلوٰۃ باب الاذان ص ۱۱۰ ـ ۱۱۱)

بدعت کی حقیقت

ہر کار خیر کو بدعت سیئہ کہہ کر نیک کاموں سے روکنا خارجیوں کی خاص نشانی ہے۔ وہابی شفیق
لکھتا ہے: رہی بدعت حسنہ کی اصطلاح تو معلوم نہیں بدعت بھی ہو اور حسنہ بھی ہو؟ شراب
اور مطہر بھی، مشرک بھی اور اچھا بھی! رات بھی اور سفید بھی دو متضاد باتوں کو ایک
رکھنا **ایں چہ بو العجبی است** ہر اصطلاحی بدعت گمراہی ہے۔ اس نامراد نے بخاری
ہوتی تو بک بک نہ کرتا بلکہ اس نے اپنے اکابر کی کتابیں بھی نہیں پڑھیں اور بدعت کی
سے بھی ناواقف ہے اور لغت سے بھی ناواقف۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت

کیا اور کہا "نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ" یہ ایک اچھی بدعت ہے۔ (بخاری حدیث ۲۰۱۰ مشکوۃ ۱۳۰۱)
کس کی ہمت ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فتویٰ لگائے جو بدعت کو اچھا کہہ رہے ہیں
۔حدیث کو یہ زیادہ جانتے ہیں یا حضرت عمرؓ کیا انہوں نے "كُلُّ بدعة ضلالة" نہیں
پڑھی تھی؟ جو لوگ اچھی بری ہر بدعت کو گمراہی کہتے ہیں وہ ذرا اپنے علماء کی کتب کا مطالعہ کر
لیں تو انہیں ٹھنڈ پڑ جائے گی اور سارا جوش اُتر جائے گا۔
غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی لکھتے ہیں: لغت میں بدعت اُس کو کہتے ہیں جس کی
پہلے کوئی مثال نہ ہو اور اِصطلاحِ شرع میں سنت کے مقابلہ میں بدعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس
لئے یہ مذموم ہے اور تحقیق یہ ہے کہ بدعت اگر کسی ایسے اُصول کے تحت داخل ہے جو شریعت
میں مستحسن ہے تو یہ بدعتِ حسنہ ہے اور اگر کسی ایسے اُصول کے تحت داخل ہے جو شریعت میں قبیح
ہے تو یہ بدعتِ سیئہ ہے ورنہ بدعتِ مباحہ ہے اور بلا شبہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔
(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۵۲)

بدعتِ حسنہ کو دانتوں سے پکڑ لینا چاہئے۔

مشہور غیر مقلد عالم صحاحِ ستہ کے مترجم وحید الزمان بدعت کی تعریف میں لکھتے ہیں:
باعتبارِ لغت کے بدعت کی حسبِ ذیل اقسام ہیں: بدعتِ مباحہ، بدعتِ مکروہہ، بدعتِ حسنہ
اور بدعتِ سیئہ ہمارے اصحاب میں سے شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ بدعات میں سے بدعتِ حسنہ کو
دانتوں سے پکڑ لینا چاہئے اور بدعات میں سے ایک بدعت وہ ہے جس سے کوئی سنت متروک
ہو جائے اور حکمِ شرعی میں تبدیلی آئے اور یہی بدعتِ ضلالہ (سیئہ) ہے۔ اب وحید الزماں
اور شاہ ولی اللہ پر کیا فتویٰ لگے گا جو کہہ رہے ہیں کہ بدعتِ حسنہ کو دانتوں سے پکڑ لینا چاہئے۔
وحید الزمان صاحب کہتے ہیں نواب صدیق حسن بھوپالی نے کہا ہے: بدعت وہ ہے جس
سے اُس کے بدلہ میں کوئی سنت متروک ہو جائے اور جس بدعت سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ
بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔ (هدية المهدى ص ۱۱۱)
وحید الزمان لکھتے ہیں: بدعتِ شرعیہ وہ نیا کام جو ان قرونِ ثلاثہ کے بعد دین میں پیدا کیا

گیا ہو جن کے خیر ہونے کی گواہی زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اس نئے کام پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل قائم ہو، نہ وہ کتاب وسنت کے کسی عام حکم کے تحت داخل ہو بلکہ اور اُس کے احکام کے خلاف ہو۔

جو قوم اپنے دین میں کوئی بدعت نکالتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس بدعت کے بدلہ میں اُن سے سنت اُٹھا لیتا ہے پھر قیامت تک اُن میں وہ سنت واپس نہیں لاتا۔

(دارمی حدیث ۹۹) مشکوٰۃ حدیث ۱۸۸) ان تمام احادیث سے یہی بدعت مراد ہے۔ (هدية المهدي

وحید الزماں نے یہ حدیث نقل کی ہے "كُلُّ شَيْءٍ لَكَ مُطْلَقٌ حَتَّى يَرِدَ فِيهِ نَهْيٌ" ہر چیز کا کرنا تجھ کو روا ہے یہاں تک کہ اس کی ممانعت میں کچھ وارد نہ ہو جائے (یعنی حدیث میں اس کی ممانعت نہ آ جائے۔) یہ حدیث دین کی ایک بڑی اصل ہے۔ تمام کھانے پینے، پہننے کی چیزیں، دنیا کے رسم و رسومات مباح ہیں جب تک ان کی ممانعت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو۔ (لغات الحدیث کتاب "ط" ج 3 ص 38)

خلاصہ: وحید الزماں اور نواب صدیق حسن خاں کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ ہر بدعت گمراہی نہیں بلکہ وہ بدعت گمراہی ہے جس سے کوئی سنت اُٹھ جائے اور وہ بدعت کتاب و سنت کے کسی عام حکم کے تحت داخل نہ ہو اور جس بدعت سے کوئی سنت متروک نہ ہو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ اپنی اصل میں مباح ہے۔ اور شوکانی کے کلام سے معلوم ہوا کہ بدعت اگر کسی ایسی اصل کے تحت داخل ہے جو شریعت میں مستحسن ہے تو یہ بدعت حسنہ ہے۔ اب لگاؤ فتویٰ اپنے اکابرین پر جو بدعت کی تقسیم کر رہے ہیں اور بدعت کو حسنہ کہہ رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شفیق پسروری یا تو جاہل ہے جو اپنے مولویوں کی تعلیمات سے بھی لاعلم و بے خبر ہے۔

دیوبندیوں کے ہیڈ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے جیسا کہ روافض و خوارج کی بدعت ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱۔ کتاب البدعات ص ۹۰)

بدعت کی صحیح تعریف جاننے کے لئے عربی لغت کی معتبر اور بین الاقوامی کتب کے حوالے ("النہایہ" علامہ ابن اثیر جذری کی ج ۱ ص ۱۰۶)، "لسان العرب" علامہ ابن منظور افریقی

ص ۲۱۱)، "مجمع بحار الانوار" از علامہ محمد طاہر پٹنی ج ۱) ص ۸۰)، "تہذیب الاسماء واللغات" از علامہ نووی ج ۱) ص ۲۲)، اگر دیوبندی ہو تو فتاوی رشیدیہ ج ۱، کتاب البدعات ص ۹۰)۔ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی "فتح الملهم "شرح مسلم ج ۲) ص ۴۰۶)، اگر اہل حدیث ہو تو وحید الزماں کی "هدية المهدى" عربی ص ۱۱۶-۱۱۷)، قاضی شوکانی کی "نیل الاوطار" ج ۳) ص ۳۵۲) دیکھیے)

ان سب نے مسلم کی حدیث نمبر ۱۰۱۷) (جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتدا کی) کو بنیاد بنا کر بدعت کی دو قسمیں کی ہیں، حسنہ اور قبیحہ (سیئہ) اور بدعت حسنہ پھر تین طرح کی ہے، بدعت جائز، بدعت مستحب اور بدعتِ واجب اور بدعت سیّئہ دو طرح کی ہے بدعتِ مکروہ اور بدعت حرام۔

کیا صحابہ کرام کا کوئی عمل نہ کرنا اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کی دلیل ہے؟

صحابہ کرام کا عمل کرنا کسی کام کے جائز ہونے کی دلیل تو ضرور ہے مگر نہ کرنا اس کے ناجائز ہونے کی دلیل ہرگز نہیں، اسی لئے صحابہ کرام نے جو کام نہیں کئے ایسے بے شمار کام مسلمان کرتے رہتے ہیں بلکہ امام بخاری اور امام مالک نے وہ کام کئے جو صحابہ نے نہیں کئے تھے کیا وہ بدعتی تھے۔

حضرت علامہ قسطلانی شارح بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "اَلْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَايَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ:" کسی کام کا کرنا اُس کے جواز کی دلیل ہے اور کسی کام کا نہ کرنا اُس کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

(مواهب اللدنيه، بحوالة اقامة القيامة ص ۱۰)

ہمیشہ کیلئے ترکِ فعل رسول اللہ ﷺ بھی علی الاطلاق بدعت نہیں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس کام کو صحابہ نے نہیں کیا وہ بدعتِ سیئہ ہے لیکن علماء کرام کی تحقیق یہ ہے کہ جس فعل کو رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ ترک کیا ہو وہ بھی علی الاطلاق بدعت نہیں ہے۔ تو صحابہ کرام کے نہ کرنے سے وہ کام بدعت کیسے ہو جائے گا؟ چنانچہ علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ لکھتے ہیں: نفلی عبادات کے سلسلہ میں بعض لوگ یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ جن عبادات کا داعیہ اور باعث عہد رسالت میں موجود ہو اور اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے

اس کام کو نہ کیا ہو تو آپ ﷺ کا باوجود داعیہ اور باعثہ کے اس کام کو نہ کرنا اس
دلیل ہے کہ وہ بدعتِ سیئہ اور ناجائز ہے پھر اس قاعدہ کے تحت یہ بیان کرتے ہیں
ربیع الاوّل کو محافل میلاد منعقد کرنا اور اس تاریخ کو ایصالِ ثواب کرنا بدعتِ سیئہ ہے
آپ ﷺ کی زندگی میں یہ تاریخ بار بار آئی لیکن آپ ﷺ نے محفل میلاد منعقد کی
جلوس نکالا نہ ایصالِ ثواب کیا لہٰذا یہ اُمور بدعت ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے صاحبزادے
اور صاحبزادیاں فوت ہوئیں اور اُن کے وصال کے تین روز گزرنے کے بعد آپ ﷺ
سوئم کیا نہ چالیس روز گزرنے کے بعد چالیسواں کیا، نہ سال گزرنے کے بعد برسی کی
عرس کیا حالانکہ ان کے دواعی اور بواعث موجود تھے، لہٰذا یہ تمام اُمور ناجائز اور بدعت
ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ اُصول صحیح مان لیا جائے تو آدھی سے زیادہ نفلی عبادات
جائیں گی۔ دیکھیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کی تمام راتوں میں باجماعت تراویح اور
ختم قرآن کو شروع کیا جب کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے صرف
رمضان میں تین راتوں کو قیام کیا اور اس میں بھی جماعت کا خود اہتمام نہیں فرمایا، صحابہ
اپنے شوق سے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگتے تھے اور جب آپ ﷺ
صحابہ کا یہ ذوق وشوق دیکھا تو آپ ﷺ نے چوتھی رات تراویح نہیں پڑھائی اور کسی
سے ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ہر رمضان اور رمضان کی ہر رات میں باجماعت
پڑھائی ہو اور اس میں ختم قرآن بھی کیا ہو حالانکہ تراویح اور ختم قرآن کا داعیہ اور باعث
رمضان شریف ہے جو آپ ﷺ کی زندگی میں بارہا آیا لیکن آپ ﷺ نے کسی رمضان
میں تمام راتوں میں باجماعت تراویح نہیں پڑھی اور نہ ختم قرآن کیا تو پھر کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ
ختم قرآن اور باجماعت تراویح ناجائز اور بدعتِ سیئہ ہے اور معاذ اللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
اور باقی خلفاء راشدین اور تمام صحابہ اور تابعین معاذ اللہ بدعتِ سیئہ کے مرتکب ہوئے۔

اسی طرح قرآن مجید کو ایک لغت کے ساتھ خاص کرنے کا محرک آپ ﷺ کے سامنے
تھا کیونکہ لغات کے اختلاف کی وجہ سے بعض صحابہ بعض دوسرے صحابہ کی تکذیب کرتے تھے
حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کو چادر سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے حضور ﷺ کے
پاس لائے کہ وہ اس طرح قرآن مجید نہیں پڑھ رہے تھے جس طرح حضرت عمر فاروق

پڑھتے تھے اور اُن کے خیال میں انہوں نے قرآن مجید میں تبدیلی کر دی تھی۔
(مسلم ۸۱۸ بخاری ۲۴۱۹ مشکوٰۃ ۲۲۱۱)

اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تو یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ انہوں نے دو صاحبوں کو مختلف طریقہ سے قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا جبکہ وہ کسی اور طریقہ سے قرآن مجید پڑھتے تھے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب کی تصدیق کر دی تو حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کے خلاف شبہ پیدا ہو گیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا تب وہ شبہ زائل ہو گیا۔ (مسلم شریف) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اختلافِ قراءت کی بناء پر صرف ایک لغت قریش پر قرآن مجید باقی رکھا اور باقی نسخوں کو جمع کیا اور دھلوا کر وہ نسخے جلوا ڈالے حالانکہ یہ محرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بھی تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لغت پر قرآن مجید کو جمع نہیں کیا تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ایک لغت قریش پر قرآن مجید کو جمع کیا، یہ ناجائز اور بدعتِ سیئہ تھا۔ اسی طرح قرآن مجید پر اعراب لگانا، قرآن مجید میں سورتوں کے نام لکھنا، قرآن مجید کو پاروں میں تقسیم کرنا، مسجد میں محراب بنانا، ان تمام کاموں کے محرک عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام نہیں کئے تو کیا یہ سارے کام ناجائز اور بدعتِ سیئہ ہیں۔ بہر حال اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ جس فعل کو کسی محرک کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ ترک کیا ہو اس کو کرنا بدعتِ سیئہ اور ناجائز نہیں ہے۔ صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع نہ ہو، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کام قصداً ترک کیا ہو تو وہ کام کرنا یقیناً ناجائز اور بدعت ہے۔ جس طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اُردو میں جمعہ کا خطبہ دینا وغیرہ۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۵۴۳)

قاضی شوکانی کے نزدیک بھی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا وہ بدعت نہیں ہے۔

وہابیوں کے امام قاضی شوکانی نے بزاز سے روایت نقل کی ہے کہ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز عید سے پہلے اور بعد نفل پڑھنے کے متعلق نیز ان لوگوں کے بارے میں

دریافت کیا جو یہ نفل پڑھتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نمازِ عید سے
اور بعد یہ نفل نہ پڑھتے تھے، جو چاہے پڑھے اور جو چاہے ترک کردے۔ کیا تم مجھے
میں نماز پڑھنے والوں کو روک کر اس شخص کی طرح بنوں گا جو بندے کو نماز پڑھنے سے
ہے۔ (نیل الاوطار) کیا حضرت علی ﷺ بدعت کی اجازت دے رہے تھے آپ نے یہ نہیں
کہ یہ لوگ حرام کے مرتکب ہو رہے ہیں اور انہیں عذاب ہوگا بلکہ آپ اجازت دے رہے
کہ جو چاہے پڑھے اور جو چاہے ترک کردے یہ کام بدعت نہیں ہے، اگرچہ نبی کریم
نے نہیں کیا یہ حدیث اس اصول کی تائید کر رہی ہے: "اَلْفِعْلُ يَدُلُّ عَلَى الْجَوَازِ
الْفِعْلِ لَا يَدُلُّ عَلَى الْمَنْعِ:" یہ حدیث تمام نجدیوں خارجیوں اور بالخصوص شفیق پسر
دعوتِ فکر دے رہی ہے۔ جو کہتا ہے کہ اذان سے قبل درود پڑھنے سے بجائے ثواب کے
وعذاب ہوگا کہ یہ خلافِ سنت ہے اس سے فتنہ وفساد پھیل رہا ہے

(هفت روزه اهل حديث 18 اكتوبر 2010ء ص 14). لاحول ولا قوة الا بالله

کیا امام بخاری بدعتی تھے؟

امام بخاری ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ صحابہ کرام
حدیثیں لکھتے رہے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ کسی صحابی نے یہ کام کیا ہو۔ امام بخاری خود یہ
حدیث: "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ:" روایت کرنے والے
ہیں۔ کیا یہ ان سے زیادہ حدیث کو سمجھنے والے ہیں۔ انہوں نے امام بخاری پر بھی بدعت کا فتویٰ
لگا دیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "مَا وَضَعْتُ فِي
كِتَابِ الصَّحِيْحِ حَدِيْثًا اِلَّا اغْتَسَلْتُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ:" بخاری
شریف میں ہر حدیث لکھنے سے پہلے میں نے غسل کیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔

(مقدمة فتح الباري ص ۶)

معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی عظمت و بزرگی ساری دنیا کو مسلم ہے انہوں
نے حدیث شریف کی اس طرح تعظیم کی کہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعتیں نماز
پڑھی، اس لئے کہ حدیث شریف کی تعظیم حقیقت میں حضور ﷺ کی تعظیم ہے لہٰذا امام خود

جو یہ کہا جاتا ہے کہ جو قیام تعظیمی کیا جاتا ہے، قرآن وحدیث میں ''اس قیام تعظیمی'' کا حکم کہاں
ہے۔ امام بخاری کے عمل سے مخالفین کا یہ اعتراض رفع ہوگیا۔ اس لئے کہ اللہ ورسول جل جلالہ
وصلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں حکم نہیں فرمایا کہ حدیث لکھنے سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھا کرو مگر
اس کے باوجود امام بخاری تعظیم رسول ﷺ میں ایسا کیا کرتے تھے جس سے ثابت ہوا کہ ہر
قسم کی تعظیم کے لئے الگ الگ خدا اور رسول ﷺ کا حکم ضروری نہیں بلکہ ہر وہ طریقہ کہ جس
سے حضور ﷺ کی بڑائی ظاہر ہو ان تمام طریقوں سے حضور ﷺ کی تعظیم جائز ومستحسن
ہے۔ اسی طرح اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنا بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کی اصل موجود ہے۔

کیا امام مالک رحمہ اللہ بدعتی تھے؟

اسی طرح صحابہ کرام چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث
ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرح حدیث بیان
کرنے سے پہلے غسل نہیں کرتے تھے۔ حضرت مطرف بیان کرتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ
علیہ کا معمول یہ تھا کہ جب لوگ آپ کے پاس کچھ پوچھنے آتے تو خادمہ نکل کر اُن سے کہتی:
امام فرمارہے ہیں کہ حدیث شریف پوچھنے آئے ہو یا فقہی مسئلہ؟ اگر وہ کہتے کہ مسئلہ دریافت
کرنے کے لئے آئے ہیں تو امام فوراً باہر تشریف لے آتے۔ اگر وہ کہتے کہ حدیث شریف کے
لئے آئے ہیں تو امام غسل فرما کر خوشبو لگاتے پھر نیا لباس پہنتے عمامہ باندھتے اور اُس پر چادر
اُوڑھتے اور آپ کے لئے ایک تخت بچھایا جاتا۔ اس کے بعد مجلس میں آ کر تخت پر بیٹھتے۔ اس
وقت آپ سراپا عجز وانکسار ہوتے اور جتنی دیر آپ حدیث بیان کرتے رہتے، عود (خوشبودار
لکڑی) سلگتا رہتا اور وہ تخت صرف حدیث شریف بیان کرنے کے لئے مخصوص کیا گیا تھا: ''
فَقِیْلَ لِمَالِكٍ فِیْ ذٰلِكَ فَقَالَ أُحِبُّ اَنْ أُعَظِّمَ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ :'' جب امام
موصوف سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس طرح حدیث رسول ﷺ کی
تعظیم کروں۔

(شفا شریف از قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ج، ص، باب فی سیرۃ السلف
فی تعظیم روایۃ حدیث رسول اللہ ﷺ)

تو کیا صحابہ کرام کے اس طرح نہ کرنے سے حضرت امام بخاری اور حضرت امام مالک رحمۃ

اللہ علیہما کا حدیث شریف کی تعظیم کرنا حرام اور ناجائز ہو جائے گا اور یہ لوگ گنہگار
دیئے جائیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ بلاشبہ جائز اور مستحسن ہی رہے گا۔ اس سے ثابت
ہر بدعت گمراہی نہیں اگر گمراہی ہے تو لگاؤ فتویٰ امام بخاری پر اور پھر کوئی دوسرا امام
بخاری شریف تلاش کرو۔

جن عبادات کی دین میں اصل ہے، وہ بدعت نہیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اَحدَثَ فی اَمرِنَا ھٰذا مَا لَیسَ مِنہُ فَھُو
شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی اصل اس دین میں
عبادت مردود ہے۔ (بخاری حدیث 2697، مسلم حدیث ....، مشکوۃ 140)

مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: " مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا ھٰذَا
مِنہُ فَھُوَ رَدٌّ:" جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی عبادت ایجاد کرے جس کی اصل
نہ ہو، وہ مردود ہے۔ "اَمرِنَا" سے مراد دین اسلام ہے اور "مَا" سے مراد عقائد ہیں
شخص اسلام میں خلافِ اسلام عقیدے ایجاد کرے وہ شخص بھی مردود اور وہ عقائد بھی
لہٰذا روافض، قادیانی، وہابی وغیرہ بہتر (۷۲) فرقے جن کے عقائد خلافِ اسلام ہیں باطل ہیں
یا اَمرِنَا سے مراد دین ہے اور "مَا" سے مراد اعمال ہیں اور "لَیسَ مِنہُ" سے قرآن
کے مخالف یعنی جو کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین یعنی کتاب وسنت کے مخالف
جس سے سنت اُٹھ جاتی ہو وہ ایجاد کرنے والا بھی مردود اور ایسے عمل بھی باطل جیسے
خطبہ ونماز پڑھنا، فارسی میں اذان دینا وغیرہ۔ ہماری اس تفسیر کی بنا پر یہ حدیث اپنے
ہے اس میں کوئی قید لگانے کی ضرورت نہیں۔ مرقاۃ نے فرمایا "لَیسَ مِنہُ" سے معلوم ہوا کہ
دین میں ایسے کام کی ایجاد جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو بری نہیں۔ (مرآۃ ج ۱ ص ۱۴۶)

علامہ غلام رسول قاسمی صاحب لکھتے ہیں: "مَا لَیسَ مِنہُ فَھُوَ رَدٌّ" منکرین
کو دعوتِ فکر دے رہا ہے ورنہ اجتہاد اور قیاس کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ اسی اصول کے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت کا اہتمام کیا اور کہا "نِعمَتِ البِدعَۃُ ھٰذِہٖ"

اچھی بدعت ہے۔(بخاری حدیث ۲۰۱۰، مشکوۃ ۱۳۰۱)

بدعت کی تعریف سمجھنے کے لئے: ”کل بدعةٍ ضلالةٌ“ کے ساتھ ”مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“ اور ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ“ یہ ایک اچھی بدعت ہے۔اور ”من سَنَّ فِي الاسلامِ سُنَّةً حَسَنَةً“ کو بیک وقت ملحوظ رکھنا اور اجتہاد اور قیاس کی اہمیت کو یاد رکھنا اور اباحتِ اصلیہ کو دماغ میں رکھنا ضروری ہے۔(جواز الاحتفال)

مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ”کل بدعة ضلالة“ یہاں نئی چیز سے مراد نئے عقیدے ہیں جو اسلام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد کئے جائیں اس لئے اسے یہاں گمراہی کہا، گمراہی عقیدہ میں ہوتی ہے نہ کہ اعمال میں۔لہٰذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے، چنانچہ قادیانی، چکڑالوی، روافض اور خوارج یہ تمام بدعات اور گمراہی ہیں اور اگر اس سے نئے اعمال مراد لے جائیں تو یہ حدیث عام مخصوص منه البعض ہے یعنی ہر بری بدعت گمراہی ہے، بدعتِ حسنہ کبھی مباح، کبھی مستحب اور کبھی واجب ہوتی ہے۔حدیث کی کتب اور قرآن کے پارے اور رکوع بدعت ہیں مگر اچھے ہیں۔(مراۃ ج ۱ ص ۱۶۴)(مشکوۃ حدیث ۱۶۵)

ایک حدیث پاک میں ہے: ”عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ:“ لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔(ابوداود ۴۶۰۷۔مشکوۃ ۱۶۵) اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: صحابہ کرام کے اعمال وافعال بھی لغوی معنی میں سنت ہیں یعنی دین کا اچھا طریقہ، اگرچہ اُن کی ایجادات بدعتِ حسنہ ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کی تھی بدعت فرما کر یہ کہا: ”نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ:“ یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔آپ کا وہ کلام اس حدیث کے خلاف نہیں کیونکہ وہ شرعاً بدعت ہے۔لُغةً سنت اور مسلمانوں کے واسطے لازم العمل۔تمام صحابہ کی پیروی باعثِ نجات ہے۔(مرآۃ ج ۱ ص ۱۶۶)

”نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ:“ یہ ایک اچھی بدعت ہے۔(بخاری ۲۰۱۰۔مشکوۃ حدیث ۱۳۰۱)

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں یعنی تراویح کی بیس رکعت اور باجماعت ہمیشہ اہتمام سے قائم کرنا میری ایجاد ہے اور بدعتِ حسنہ ہے۔اس سے چند مسئلے معلوم

ہوئے: ایک یہ کہ نفس تراویح سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے مگر اس پر ہمیشگی باجماعت ادا
سے ادا کرنا سنتِ فاروقی ہے یعنی بدعتِ حسنہ ہے۔ دوسرے یہ کہ ایجادات صحابہ شرعاً بدعت
اگر چہ لُغَةً انہیں سنت کہا جاتا ہے، اسی لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عَلَيْكُمْ
بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ:" لہٰذا دونوں حدیثیں متعارض نہیں، تیسرے
بدعت بُری نہیں بلکہ بعض اچھی بھی ہوتی ہیں مثلاً قرآن کریم کے اعراب اور پارے،
کو کتابی شکل میں جمع کرنا بدعت ہیں مگر واجب، چوتھے یہ کہ قیامت تک تراویح کی
فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یادگار ہے۔ (مرآۃ ج ۲ ص ۲۹۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ حدیث اسلام کے اصول اور قواعد میں سے شمار
ہے۔ جو شخص دین میں کسی ایسے کام کو گھڑے جس کی اصول دین میں کوئی دلیل نہ ہو وہ
اعتبار نہیں ہے۔ علامہ نووی نے کہا کہ اس میں منکرات کے بطلان پر استدلال کیا جا
طرقی نے کہا کہ یہ حدیث دلائل شرعیہ کا نصف ہے کیونکہ دلیل صغریٰ اور کبریٰ دو مقدموں سے
مرکب ہوتی ہے اور یہ حدیث مقدمہ کبریٰ ہے مثلاً ہم کہتے ہیں: نجس پانی سے وضو کرنے کی
دین میں اصل نہیں ہے اور جس کام کی دین میں اصل نہ ہو وہ باطل ہے، سو نجس پانی سے وضو کرنا
باطل ہے اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کام کی دین میں اصل ہو وہ صحیح ہے اور یہ دلیل
کبریٰ ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ وضو میں نیت کرنے کی دین میں اصل ہے اور جس کام کی دین
میں اصل ہو وہ صحیح ہے سو وضو میں نیت کرنا صحیح ہے۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۳۰۳)

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ
اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے، لہٰذا کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنا صحیح ہے البتہ اس کو
لازم اور واجب سمجھنا بدعت ہے۔ اسی طرح اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے
چومنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت ہے، اسی طرح الصلاۃ
والسلام علیك یارسول الله کہنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ نماز میں السلام
علیك ایها النبی کہا جاتا ہے اور جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو
آپ نے بلند آواز سے کہا "یا محمداہ:" اسی طرح محفل میلاد کرنا صحیح ہے کیونکہ اس کی دین

میں اصل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا ذکر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کا ذکر کیا البتہ اس کو لازم اور واجب سمجھنا بدعت ہے اور اس میں منکرات کو داخل کرنا گناہ ہے۔ اسی طرح اذان سے قبل درود و سلام پڑھنے کی دین میں اصل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا: روزِ قیامت میرے سب سے قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھے گا۔ (ترمذی 484، مشکوٰۃ 923)

موذنِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑے ہو کر عرض کرتے: **السلام علیك یارسول الله الصلوٰۃ یارسول الله**:" (تنویر الحوالك شرح موطا امام مالك ج1 ص 93)

بدعتِ حسنہ کا ثبوت قرآن سے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ رَهْبَانِيَّةَنِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ...** "اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی ہم نے اُن پر مقرر نہ کی تھی ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اُسے نہ نباہا جیسا اُس کے نباہنے کا حق تھا، اُن کے ایمان والوں کو ہم نے اُن کا ثواب دیا اور اُن میں بہتیرے فاسق ہیں۔ (سورۃ الحدید آیت ۲۷)

مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یعنی مؤمن عیسائیوں کو اُن کی ایجاد کردہ بدعات کا ثواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین میں اچھے طریقے ایجاد کرنا جسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں باعثِ ثواب ہے جیسے قرآن کریم کے تیس پارے، رکوع بنانا، علم حدیث وفقہ مرتب کرنا، محفل میلاد اور فاتحہ بزرگانِ دین وغیرہ۔ ہاں بدعت ایجاد کر کے اُسے نہ نبھانا بُرا ہے کہ اس پر عتاب فرمایا گیا۔ (تفسیر نور العرفان ص ۸۶۴)

بدعتِ حسنہ کا ثبوت حدیث سے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**من سَنَّ فِی الاسلامِ سُنَّةً حَسَنَةً**" جس نے اسلام میں کسی نیک کام کی ابتداء کی اُسے اپنا بھی اجر ملے

گا اور بعد میں اُس پر عمل کرنے والوں کا بھی اور اُن عاملین کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی
جس نے اسلام میں کسی بُرے عمل کی ابتداء کی اُسے اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں
کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

(مسلم ۱۰۱۷، مشکوۃ ۲۱۰)

امام نووی فرماتے ہیں "کل بدعة ضلالة" میں عموم مراد نہیں ہے اور تخصیص کی دلیل
حدیث ہے "من سَنَّ فِي الاسلامِ سُنَّةً حسَنَةً" اس سے معلوم ہوا "کل بدعة
ضلالة" میں بدعت سے مراد محدثاتِ باطلہ اور بدعاتِ مذمومہ ہیں۔

علامہ دشتانی مالکی لکھتے ہیں: "من سَنَّ فِي الاسلامِ سُنَّةً حسَنَةً" کے عموم میں
بدعاتِ حسنہ داخل ہیں جیسے کتابوں کی تالیف۔ مولوی عثمانی دیوبندی نے بھی اس جگہ علامہ نووی
اور علامہ دشتانی کی شرح کی تائید کی ہے۔ (فتح الملهم ج، ص،،)

نواب صدیق حسن بھوپالی نے اس جگہ علامہ نووی سے اختلاف کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس
حدیث میں بدعت کی تخصیص کی دلیل نہیں ہے۔ "من سَنَّ فِي الاسلامِ سُنَّةً حسنة
" سے مراد ہے "ماوردت به السنة" جس کام کے ساتھ سنت وارد ہوئی ہو اور "من سنّ
فِي الاسلامِ سُنَّةً سيئةً" سے مراد ہے "مالم يَرِدْ به السنة" جس کا سنت میں ذکر
نہیں ہے۔ (السراج الوهاج)

اس کے جواب میں علامہ سعیدی صاحب لکھتے ہیں: نواب صاحب نے یہ جو کچھ لکھا ہے
اس حدیث کے بنیادی مفہوم کے بالکل خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسی
کام کو پہلی بار کیا یا کوئی نیا کام کیا اس کو اپنے کام کا اجر بھی ملے گا اور بعد والوں کے عمل کا بھی اجر
ملے گا۔ اگر اس کام سے پہلا اور نیا کام مراد نہ ہو بلکہ سنت کے مطابق کوئی کام مراد ہو تو پھر اس
سنت پر عمل کرنے والے کو بعد والوں کے اجر کا عمل کس وجہ سے ملے گا۔ اس سنت کی مشروعیت
میں اُس شخص کا کیا دخل ہے اور کیا حصہ ہے جو بعد والوں کے عمل کا کریڈٹ اُس کو دیا جائے
بلکہ حق تو یہ ہے کہ بعد والوں کے عمل کا اجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملنا چاہیے پھر آپ نے عامل
بالسنہ کو بعد والوں کے اجر کا مستحق کیوں قرار دیا؟ اس حدیث کا صحیح مفہوم وہی ہے جو علامہ نووی نے

نے بیان کیا ہے، "جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتدا کی تو اُس کو اپنے عمل کا بھی اور بعد والوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا اور یہ "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة" کے عموم کی واضح تخصیص ہے۔ اسی طرح "جس شخص نے مسلمانوں میں کسی بُرے طریقہ کی ابتدا کی تو اُس کو اپنے عمل اور بعد والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا۔" نواب صاحب حدیث کے اس جملے کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جس نے ایسا کام کیا مالم یَرِدْ به السنة جس کا سنت میں ذکر نہیں ہے۔

اوّل تو یہ بات ہی باطل ہے کہ جو چیز آپ ﷺ کی سنت نہ ہو اُس کا قابل مذمت اور گناہ ہونا اور گناہ بھی ایسا کہ بعد میں اُس کام کے کرنے والوں کا وبال بھی اُس کے سر پر ہو۔

دیکھئے! نواب صاحب نے "السراج الوہاج" شرح مسلم لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حضور ﷺ کی سنت تو نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی نہ کتاب لکھنے کا حکم دیا ہے تو نواب صاحب کے قاعدہ کے مطابق بہر حال "مالم یَرِدْ به السنة" سنتِ سیئہ ہے اور ایسا گناہ ہے جس کا عذاب قیامت تک بڑھتا رہے گا۔ ثانیاً ہر وہ کام "مالم یَرِدْ به السنة" جس کے ساتھ سنت وارد نہ ہو، اگر وہ مذموم اور گناہ ہے تو بتائیں کہ مباحات کس کھاتے میں جائیں گے اور اس طرح عمل کا دائرہ بہت تنگ ہو جائے گا۔ ثالثاً جس کا سنت میں ذکر نہیں اگر وہ بالفرض گناہ ہو بھی تو کرنے والے کو صرف اپنے کام کا گناہ ہونا چاہئے بعد میں کرنے والوں کا وبال اس کے ذمہ کیوں ہوگا۔ اس سوال کا کوئی معقول جواب اُس وقت تک نہیں دیا جا سکتا جب تک علامہ نووی اور دیگر شارحین کی طرح اس حدیث کا یہ معنی نہ کیا جائے۔ "جس شخص نے اسلام میں بُرے کام کی ابتدا کی" اب اس شخص کو اپنا گناہ بھی ہوگا اور بعد میں کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا کیونکہ اُس نے بُرائی کی طرف اُن کی راہنمائی کی ہے بعد کے لوگوں کو اس بُرائی میں مبتلا اور ملوث ہونے کا سبب، باعث اور داعی وہی شخص ہے۔

(شرح مسلم سعیدی کتاب الزکوٰۃ ج 2 ص 941)

کیا ہر بدعت گمراہی ہے؟

بعض لوگ "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة" ہر بدعت گمراہی ہے کے مطابق بدعتِ حسنہ کا انکار کرتے ہیں لیکن پھر اُس کی تقسیم کرتے ہیں کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں، دینی ایجادات

بدعت ہیں۔ میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو کُلُّ کا معنی بھی نہیں آتا کُلُّ بِدْعَةٍ کہہ کر پھر اُس کی تقسیم کیوں کرتے ہو دینی اور دنیاوی یا پھر انہیں کہنا پڑے گا "بَعْضُ ضَلَالَة" کہ بعض بدعتیں گمراہی ہیں۔ اگر ہم مسلم شریف کی مذکورہ حدیث کے ... اور بُری بدعت کی تقسیم کریں تو نہیں مانیں گے لیکن خود بھی کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة کہہ کر ... کی تقسیم کرنے بیٹھ جاتے ہیں دینی اور دنیاوی۔ یہ تقسیم کہاں سے نکلی یعنی جس سے ... ہیں خود بھی وہی کام کرتے ہیں۔ اس کے لئے تو ایک مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ... یہاں مختصر طور پر سن لیں کہ ہر عام میں کچھ نہ کچھ تخصیص ہوتی ہے۔

علامہ سید یوسف رفاعی صاحب نے اس کی بہت سی مثالیں اپنی کتاب "اسلامی ..." میں دی ہیں ان میں سے ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی اُمتوں کا ذکر فرمایا ہے: کہ جب وہ اُس چیز کو بھول گئے جو انہیں ... گئی تھی تو " فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ " ہم نے اُن پر ہر شے کے دروازے کھول دیئے۔ (سورۃ الانعام آیت ۴۴) یعنی اُن پر صحت وسلامتی اور وسعتِ رزق وعیش وغیرہ کے ... کھول دیئے۔ جب وہ اس عطاء پر خوش ہو گئے اور تکبر کرنے لگے تو اللہ نے انہیں اچانک ... اس آیت میں کُل کا لفظ آیا ہے کہ ہر شے کے دروازے کھول دیئے حالانکہ اُن پر رحمت کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے، یہ عام مخصوص البعض ہے۔ (اسلامی عقائد ص ...)

دوسری مثال: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ " اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (سورہ الاعراف:156 پارہ9) اس میں بھی كُلَّ شَيْءٍ کا لفظ آیا ہے ... عام مخصوص البعض ہے۔ ورنہ کوئی آدمی جہنم میں نہیں جا سکتا اور شیطان بھی کہہ سکتا ہے کہ میں بھی كُلَّ شَيْءٍ میں داخل ہوں۔

حدیث سے مثال: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ ہر تصویر بنانے والا دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم ۲۱۱۰۔ مشکوۃ ۴۴۹۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے ہر قسم کی تصویر بنانا ناجائز ہے تو آج سے ہر قسم کی تصویر ... چاہئے۔ اس دور میں کون ہے جو تصویر نہیں بناتا۔ ان لوگوں کو تصویریں کھنچواتے ...

مُضوَّرٍ فِی النار کیوں نہیں یاد آتا؟ کُلُّ کا لفظ انہیں صرف میلاد اور درود وسلام کے موقع پر نظر آتا ہے۔ یہاں بھی لفظ کُلُّ عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر تصویر بنانے یا بنوانے والا جہنم میں ہے لیکن دوسری احادیث کی وجہ سے اس میں تخصیص کی گئی ہے کہ اس حدیث سے مراد جاندار کی اور بلا ضرورت تصویریں بنانے والا ہے، بے جان چیزوں کی تصاویر بنانا گناہ نہیں اور وقتِ ضرورت سینہ تک کی تصویر بنانا جائز ہے جیسے پاسپورٹ وغیرہ کے لئے۔ اگر اس کو عام رکھا جائے تو پھر کوئی وہابی جہنم میں جانے سے بچ نہیں سکتا کیونکہ یہ سب تصویریں بناتے ہیں۔ سنیوں کے لئے کوئی مشکل نہیں کیونکہ یہ ہر عام میں تخصیص کے قائل ہے۔

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں: رب تعالیٰ فرماتا ہے "بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" وہ اللہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے۔ (سورۃ الانعام: ۱۰۱)

"قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعاً مِّنَ الرُّسُلِ" اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) تم فرمادو کہ میں انوکھا رسول نہیں ہوں (سورۂ احقاف: ۹) ان دونوں آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی انوکھا، نیا۔ اصطلاحِ شریعت میں بدعت کے تین معانی ہیں۔

(۱) نئے عقیدے: اسے بدعتِ اعتقادی کہتے ہیں۔

(۲) وہ نئے اعمال: جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوں۔

(۳) ہر نیا عمل: جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہو۔

پہلے دو معنی کے لحاظ سے ہر بدعت بری ہے کوئی اچھی نہیں، تیسرے معنی کے لحاظ سے بعض بدعتیں بری ہیں بعض اچھی۔ (مرآۃ ج ا ص ۱۴۶،۱۲۶)

بدعتِ اعتقادی

۱: نئے عقیدے

اسے بدعتِ اعتقادی کہتے ہیں اس کے لئے ارشاد ہوا "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" ہر گمراہی ہے۔ یہاں نئی چیز سے مراد نئے عقیدے ہیں جو اسلام میں حضور ﷺ کے بعد کئے جائیں، اس لئے یہاں اسے گمراہی کہا گیا، گمراہی عقیدہ میں ہوتی ہے نہ کہ عمل میں۔ بے نماز گنہگار ہے گمراہ نہیں اور رب کو (نعوذ باللہ) جھوٹا یا حضور ﷺ کو اپنی طرح سمجھنا، یا ختمِ نبوت کا انکار کرنا، حضور ﷺ کے علم کو بچوں اور پاگلوں کے ساتھ تشبیہ دینا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کیا خبر، جس کا نام محمد (ﷺ) یا علی (کرم اللہ وجہہ) ہے اسے کوئی اختیار نہیں، رسول (ﷺ) کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں اور آپ (ﷺ) مر کر مٹی میں مل گئے ہیں اور یہ کہنا کہ شیطان اور ملک الموت کا علم حضور (ﷺ) سے زیادہ ہے اور یہ کہنا کہ جو شخص شیطان اور ملک الموت کے لئے وسیع علم مانے وہ مومن مسلمان ہے اور سرورِ کائنات ﷺ کے علم کو وسیع اور زائد مانے وہ مشرک بے ایمان ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

ہمارے نزدیک کسی بھی نبی ولی ملائکہ صحابہ اور اہل بیت کی گستاخی اور بے ادبی بدعت گمراہی بلکہ کفر ہے لہٰذا یہ حدیث اپنے عموم پر ہے، چنانچہ قادیانیت، رفض وخروج یہ تمام بدعات اور گمراہی ہیں۔ یہ تمام عقائد بدترین بدعت ہیں کیونکہ یہ عقائد نہ کسی حدیث سے ثابت ہیں اور نہ یہ کسی صحابی کا عقیدہ تھا۔

باقی جتنے بھی فرقے ہیں معتوب ہیں
حکم سے ربِّ اکبر کے مغضوب ہیں
ادب کی اے خضر ہم کو دولت ملی
مذہب حق اہل سنت کی کیا بات ہے

۲ بدعت وہ نئے اعمال جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوں۔

وہ نئے اعمال جو قرآن وحدیث کے خلاف ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوں جس سے کوئی سنت اُٹھ جاتی ہو وہ ایجاد کرنے والا بھی مردود اور ایسے عمل بھی باطل۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا۔ حضرت غضیف بن حارث ثمالی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ما اَحدَثَ قَومٌ بِدعَةً اِلَّا رُفِعَ مِثلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيرٌ مِن اِحدَاثِ بِدعَةٍ" کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اسی قدر سنت اٹھالی جاتی ہے۔ لہٰذا سنت کو پکڑنا بدعت کی ایجاد سے بہتر ہے۔ (احمد 16522 مشکوۃ 187)

مفتی احمد یار خاں صاحب فرماتے ہیں: "فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيرٌ مِن اِحدَاثِ بِدعَةٍ" یہاں خیر شر کے مقابلے میں ہے یعنی بری بدعتیں ایجاد کرنا برا اور اس کے مقابلے میں سنت پر عمل کرنا اچھا کہ سنت پر نور ہے اور بدعت میں تاریکی، یہ مطلب نہیں کہ بری بدعتیں بھی ٹھیک ہیں مگر سنتیں اچھی۔ (مراۃ ج ۱ ص ۱۷۴)

یہ حدیث ان تمام حدیثوں کی تفسیر ہے جن میں بدعت کی برائیاں آئی ہیں یعنی بری بدعت وہی عمل ہے جو سنت کے خلاف ایجاد کیا جائے جیسے اُردو میں خطبہ ونماز پڑھنا فارسی یا انگریزی یا پنجابی میں اذان دینا۔ بدعتِ مکروہہ وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جائے۔ اگر سنتِ غیر مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعتِ مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر سنتِ مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعتِ مکروہ تحریمی ہے۔ داہنے ہاتھ سے کھانا سنت ہے۔

(مسلم کتاب الاشربہ باب آداب الطعام حدیث 2019، 2020) مشکوۃ کتاب الاطعمہ حدیث 4162، 4163)

اور اگر بائیں ہاتھ سے کھایا تو سنت چھوٹ گئی، ٹوپی اور عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا سنت ہے (مشکوۃ حدیث 4371. کتاب اللباس الفصل الثالث) سوائے مجبوری کے ننگے سر نماز پڑھنا بدعت ہے۔ داڑھی منڈانا، اور مونچھیں بڑھانا بدعت ہے، سنت داڑھی بڑھانا اور مونچھیں پست کرنا ہے۔

(بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الاظفار حدیث 5892، 5893. مشکوۃ کتاب اللباس باب الترجل حدیث 4420، 4421. مسلم کتاب الطہارۃ باب الفطرۃ حدیث 259)

برتن میں کھانا یا مشروب باقی چھوڑ دینا بدعت ہے سنت برتن کو صاف کرنا ہے۔

(مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ حدیث.....، .....مسلم کتاب الاشربہ حدیث.....)

شادی بیاہ میں کھڑے ہو کر کھانا پینا بدعت ہے کیونکہ اس سے بیٹھ کر کھانے کی سنت چھوٹ گئی
وغیرہ وغیرہ بدعت حسنہ سنت کو مٹاتی نہیں ہے بلکہ کبھی سنت کو رائج کرتی ہے دیکھو علم دین سیکھنا سنت
ہے اب اس کے لئے کتابیں چھاپنا، مدرسہ بنانا، وہاں تعلیم کے نصاب بنانا اگرچہ بدعت ہیں مگر سنت
کے معاون نہ کہ مخالف۔ اسی جگہ مرقات نے فرمایا: بدعتِ حسنہ سنت سے ملحق ہے۔

۳: بدعت ہر نیا عمل جو حضور ﷺ کے بعد ایجاد ہو۔

ہر نیا عمل جو حضور اکرم ﷺ کے بعد ایجاد ہو اُس میں بعض بدعتیں بُری ہیں بعض اچھی
اس کی دلیل یہ حدیث ہے: من سَنَّ فِي الإسلامِ سُنَّةً حَسَنَةً جس نے اسلام میں کسی
نیک کام کی ابتداء کی اُسے اپنا بھی اجر ملے گا اور بعد میں اُس پر عمل کرنے والوں کا بھی اور ان
عاملین کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے اسلام میں کسی بُرے عمل کی ابتداء کی اُسے
اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد میں عمل کرنے والوں کے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور ان عاملین کے
گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ (مسلم ۱۰۱۷ مشکوٰۃ ۲۱۰)

اس کے علاوہ ایک یہ حدیث بھی ہے فرمایا: وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلالَةً لا يَرْضَاهَا
اللهُ وَرَسُوْلُهُ...:" جو گمراہی کی بدعت ایجاد کرے جس سے اللہ ورسول جل جلالہ، ﷺ
راضی نہیں اُس پر اُن سب کے برابر گناہ ہوگا جو اس پر عامل ہوں اور یہ اُن کے گناہوں سے
کچھ کم نہ کرے گا۔

(ترمذی حدیث (.....) کتاب العلم مشکوٰۃ حدیث ..... کتاب الایمان باب السنہ)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: یہاں بدعت موصوف ہے اور ضلالت صفت اور جب نکرہ نکرہ کی
صفت ہو تو تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہاں ضلالت کی قید بدعتِ حسنہ کو نکالنے کے لئے
ہے۔ (مرقاۃ) كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلالَة ہر بدعت گمراہی ہے اور اگر اس سے نئے اعمال مراد لے
جائیں تو یہ حدیث عام مخصوص البعض ہے یعنی ہر بُری بدعت گمراہی ہے۔ علامہ نووی
شرح مسلم میں فرماتے ہیں: اس سے مراد بدعتِ باطلہ اور مذمومہ ہیں: بدعت کی

قسمیں ہیں۔

۱: واجبہ

۲: مندوبہ

۳: محرمہ

۴: مکروہ

۵: مباحہ (شرح مسلم حدیث (۰۰۰) کتاب الجمعہ)

بدعت کی پانچ اقسام مع الامثلہ

شیخ علی قاری لکھتے ہیں:

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اُصولِ فقہ کا جمع کرنا۔

یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب۔

یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا۔

یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا۔

یا جائز جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ کھانوں اور مشروبات میں وسعت کرنا۔

(مرقات باب الاعتصام)

شیخ عبدالحق محدث دھلوی "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة" کے تحت لکھتے ہیں: آنچہ موافق اُصول قواعد سنت اوست وقیاس کردہ شدہ برآں آنرا بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند۔ ترجمہ: جو کچھ سنت کے اصول اور قواعد کے مطابق ہو اور اسی سے قیاس کی گئی ہو اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور جو کچھ اس کے مخالف ہو اس کو بدعتِ ضلالت کہتے ہیں۔

(اشعة اللمعات ج ۱ ص ۱۳۵)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ " المحدثات من الا مور ضربان احداهما ما احدث مما يخالف كتابا او سنة او اثرا او اجماعا فهذه البدعة الضلالة والثانية ما احدث من الخير لاخلاف فيه لواحد من العلماء وهذه محدثة

غیر مذمومة" نئے کاموں کی دو قسمیں ہیں، ان میں ایک وہ جو چیز کتاب یا سنت
صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو، وہ بدعتِ سیئہ ہے اور جو نیک کام ان کے مخالف نہ ہو
ہے اور اس میں کسی بھی عالم کا اختلاف نہیں ہے۔ یعنی اس میں اختلاف کرنے والا جاہل ہے
(تھذیب الاسماء واللغات ج ،ص ،،۔ مرقات شرح مشکوۃ ج ،ص ،،،)

امام نووی کے نزدیک بدعت کی پانچ قسمیں ہیں لکھتے ہیں:

شیخ امام ابو محمد عبد العزیز بن عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ جو تمام علوم میں ماہر اور فائق ہیں
کی جلالت اور امامت پر تمام کا اتفاق ہے۔ انہوں نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا
کی حسب ذیل اقسام ہیں: واجب، حرام، مستحب، مکروہ اور مباح، انہوں نے فرمایا
جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعدِ شرعیہ سے موازنہ کیا جائے اگر وہ بدعت قواعد
تحت داخل ہے تو واجب ہے اگر قواعدِ تحریم کے تحت داخل ہے تو حرام ہے اگر قواعد استحباب کے
تحت داخل ہے تو مستحب ہے۔ اگر قواعدِ کراہیت کے تحت داخل ہے تو مکروہ ہے اگر قواعد اباحت
کے تحت داخل ہے تو مباح ہے۔

بدعاتِ واجبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں:

۱: علم نحو کا پڑھنا جس پر قرآن وحدیث کا سمجھنا موقوف ہے، یہ اس لئے واجب ہے کہ علم
شریعت کا حصول واجب ہے اور قرآن وحدیث کے بغیر علم شریعت حاصل نہیں ہو سکتا اور جس
چیز پر کوئی واجب موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے۔

۲: دوسری مثال قرآن وحدیث کے معانی جاننے کیلئے علم لغت کا حاصل کرنا۔

۳: تیسری مثال ہے دین کے قواعد اور اصولِ فقہ کو مرتب کرنا

۴: چوتھی مثال ہے سندِ حدیث میں جرح اور تعدیل کا علم حاصل کرنا تا کہ صحیح حدیث اور ضعیف
حدیث میں امتیاز ہو سکے اور قواعد شرعیہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اپنی ضروریات سے
زیادہ علم شریعت حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے اور یہ علم مذکور الصدر علوم کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا

بدعاتِ محرمہ کی بعض مثالیں یہ ہیں:

قدریہ، جبریہ، مرجئہ اور مجسمہ کے نظریات (آج کل پرویزی، چکڑالوی، بہائی

رافضی، اسماعیلی، وہابی وغیرہ کے نظریات) اور ان لوگوں پر ردّ کرنا بدعاتِ واجبہ کی قسم میں داخل ہے

بدعاتِ مستحبہ کی بعض مثالیں یہ ہیں:

سرائے اور مدارس بنانا اور ہر ایسا اصلاحی اور فلاحی کام جو عہدِ رسالت ﷺ میں نہیں تھا (تمام رمضان میں) جماعت تراویح، تصوف کی دقیق ابحاث، بدعقیدہ فرقوں سے مناظرہ اور اس مقصد کیلئے جلسے منعقد کرنا بشرطیکہ اس سے مقصودِ رضائے الٰہی ہو۔

بدعاتِ مکروہہ کی بعض مثالیں یہ ہیں:

مساجد کی زیب وزینت مصحف قرآن کو مزین کرنا (متاخرین فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے)

بدعاتِ مباحہ کی بعض مثالیں یہ ہیں:

صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، کھانے پینے، پہننے اور رہائش کے معاملات میں وسعت کو اختیار کرنا۔

تھذیب الاسماء واللغات ج [illegible] ص [illegible]۔ شیخ عبد الحق محدث دھلوی اشعۃ اللمعات [illegible] میں. علامہ شامی نے رد المحتار [illegible] میں. علامہ آلوسی نے روح المعانی [illegible] میں. علامہ ابن حجر مکی نے. فتاویٰ حدیثیہ ص [illegible] میں. علامہ دشتانی نے اکمال المعلم [illegible] میں، علامہ سنوسی مالکی نے مکمل اکمال المعلم [illegible] میں، علامہ جلال الدین سیوطی نے الحاوی للفتاویٰ [illegible] میں. علامہ علی قاری نے مرقات باب الاعتصام میں، شبیر احمد عثمانی نے فتح الملھم [illegible] میں بدعت کی ان پانچ اقسام کو ذکر کیا ہے۔

شیخ عبد العزیز بن عبد السلام اور ان کی اتباع میں علامہ نووی اور دیگر اکابر علماء نے جن اُمور کو بدعتِ حسنہ قرار دیا ہے، علامہ شاطبی اُنہی اُمور کو مصالح مرسلہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دونوں کا انجام ایک ہے کیونکہ بدعاتِ حسنہ اور مصالح مرسلہ دونوں کی علت ایک ہے اور وہ دین اور شریعت کی ایسی مصلحت ہے جس کی وجہ سے شریعت کا تحفظ ہو سکے یا اس پر عمل آسان ہو تاکہ عام مسلمانوں کے لئے شریعت پر عمل کرنا دشوار نہ ہو، فرماتے ہیں: مصالحہ مرسلہ اور بدعاتِ حسنہ دونوں برحق ہیں، اگر بدعاتِ حسنہ کا اعتبار صحیح نہ ہو تو مصالح مرسلہ کا اعتبار بھی صحیح نہ ہوگا۔ (الاعتصام ج [illegible] ص [illegible])

بدعتِ سیئہ کی تعریف۔

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں: بدعتِ سیئہ محرمہ کی تعریف یہ ہے کہ جو کام مزاجِ اسلام کے خلاف ہو اور دین کے کسی حکم کو تبدیل کر کے رکھ دے اُس کو عقیدے کے ساتھ دین میں داخل کرلیا جائے کہ اس کام کا کرنا باعثِ ثواب ہو اور موجبِ عذاب ہو۔ (شرح مسلم ج [illegible] ص [illegible])

سنت یا بدعت ہونے کا مدار قرونِ ثلاثہ پر نہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں: جو کام قرونِ ثلاثہ (رسول اللہ ﷺ صحابہ اور تابعین کا زمانہ) میں نہ ہوا ہو، وہ بدعتِ ضلالہ ہے اور جو کام قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے، یہ قاعدہ غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زمانہ کی قید نہیں لگائی اگر کوئی ایسی حدیث ہو تو پیش کی جائے۔ حضور اکرم ﷺ نے بُری بدعت کا ذکر فرمایا ہے کہ اُس کو اپنانا بھی گناہ اور بدعت ضلالہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہوگا۔ اگر قرونِ ثلاثہ میں کوئی بدعقیدہ یا بدعمل ہو جائے تو یہ چیزیں اس لئے سنت بن جائیں گی کہ یہ قرونِ ثلاثہ میں ہیں تو پھر اس قاعدہ سے منافقین کو سنت اور مسلمان تسلیم کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ حضور ﷺ کے زمانہ میں تھے لیکن اس پر قرآن گواہ ہے کہ اللہ نے اُن کو کافروں سے بدتر قرار دیا ہے۔ اسی طرح خارجی بھی صحابہ کے زمانہ اقدس میں ظاہر ہو چکے تھے، کیا اُن کے عقائد کو سنت قرار دو گے حالانکہ وہ بدترین بدعتی تھے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے گلے سے نیچے نہیں اُترے گا، وہ ساری مخلوق میں بدترین ہیں، وہ نکلتے ہی رہیں گے حتیٰ کہ اُن کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ انہیں لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا۔

(مشکوٰۃ حدیث [illegible] کتاب القصاص)

اور فرقہ رافضی بھی قرونِ ثلاثہ میں پیدا ہوا۔ اس کا بانی عبداللہ بن سبا ایک یہودی عالم تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یمن سے مدینہ منورہ آیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ حقیقت میں وہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور یہودیوں کی ذلت کا بدلہ لینے آیا تھا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہتا تھا اور اُسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے فرض ہونے کا عقیدہ مشہور کیا

اسی نے سازش کر کے حضرت عثمان ﷛ کو شہید کروایا اور حضرت علی ﷛ نے اس کو بُرے عقائد سے توبہ نہ کرنے پر زندہ جلا دیا تھا۔ (تحفہ جعفریہ ج ۱ ص ۵۵)

قرونِ ثلاثہ میں پیدا ہونے والے شیعہ عقائد کو سنت قرار دو گے یا بدعت؟

فرقہ قدریہ بھی قرونِ ثلاثہ میں ظاہر ہوا۔ حضرت نافع ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور بولا: فلاں شخص آپ کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا میں نے سنا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر وہ واقعی بدعتی ہو گیا ہے تو اُسے میرا سلام نہ کہنا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے میری اُمت میں زمیں میں دھنسنا، صورت بدلنا، پتھر برستا ہو گا اور یہ فرقہ قدریہ میں ہو گا۔ (ترمذی حدیث ۲۱۵۲، مشکوٰۃ حدیث ۱۱۶ کتاب الایمان باب القدر)

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں: اُس نے دین میں نیا عقیدہ ایجاد یا اختیار کیا ہے کہ تقدیر کا منکر ہو گیا ہے اور قدریہ بن گیا ہے میری طرف سے جواب سلام نہ پہچانا۔ معلوم ہوا کہ قدریہ مذہب بڑا پرانا ہے، زمانہ صحابہ میں پیدا ہو چکا تھا۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے:

۱: ایک یہ کہ بدعتِ سیئہ اُن بُرے عقائد کا نام ہے جو اسلام میں ایجاد کئے جائیں۔ جس بدعت یا بدعتی کی سخت بُرائیاں آئی ہیں اس سے یہی مراد ہے دیکھو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکارِ تقدیر کے عقیدے کو بدعت فرمایا۔

۲: دوسرے یہ کہ عہدِ صحابہ میں جو بدعقیدگیاں ایجاد ہوئیں وہ بھی بدعت ہیں کہ قدریہ مذہب اگرچہ اس خیر القرون میں نمودار ہوا مگر بدعت ہوا بدعت کیلئے خیر القرون کے بعد ہونا شرط نہیں۔

۳: تیسرے یہ کہ بدعتی بے دین کو نہ سلام کیا جائے نہ جوابِ سلام۔ (مرآۃ ج ۱ ص ۱۶۶)

حضرت ابو مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا ابا جان: آپ نے تو رسول اللہ ﷺ، حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے اور یہاں کوفہ میں حضرت علی ﷛ کے پیچھے قریباً پانچ سال نمازیں پڑھی ہیں کیا یہ لوگ قنوت پڑھتے تھے؟ فرمایا: بیٹے یہ بدعت ہے۔ (ترمذی ۴۰۲، مشکوٰۃ 1292 کتاب الصلوٰۃ باب القنوت)

یعنی نماز فجر میں قنوتِ نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: بیٹے یہ بدعت ہے
قنوتِ نازلہ کسی نماز میں پڑھنا بدعتِ سیئہ ہے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل نہ کسی صحابی کا
دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعتِ سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت
ہوتیں تو تراویح بدعتِ حسنہ اور قنوتِ نازلہ بدعتِ سیئہ کیوں ہوئی وہ زمانہ تو بدعت کا ہے
(مرآۃ وجاء الحق)

قرونِ ثلاثہ پر سنت و بدعت کا مدار۔

امام اہل سنت امام احمد رضا محدثِ بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اولاً تو کسی چیز کے
بدعت ہونے کا مدار قرونِ ثلاثہ پر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر ہے۔ جس کی
اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ سنت کے مطابق ہے خواہ وہ کسی دور میں ہو اور جس
کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو خواہ وہ کسی دور میں ہو سنت نہیں ہوگا۔ ثانیاً یہ قول
غلط ہے کہ جو کام سنت نہ ہو وہ بدعتِ ضلالہ ہے کیونکہ جو کام سنت نہ ہو وہ مستحب، مباح اور مکروہ
تنزیہی بھی ہو سکتا ہے، بدعتِ ضلالہ کا مرتبہ مکروہ تنزیہی کے بعد ہے۔ اس لئے احکام کو سنت
اور بدعتِ ضلالہ میں حصر کرنا باطل ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج: ص ۶۰)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من طلق
للبِدْعَةِ اَلْزَمْنَاهُ بِدْعَتَهُ: جس نے بدعت طلاق دی تو ہم اس کو لازم کردیں گے (دار
قطنی ج 7ص 327 حدیث 14709) دیکھو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اگر سنت کے خلاف
کام کیا جائے تو وہ بھی بدعت ہے۔ صحابہ کے دور میں کوئی کام سنت کے خلاف کیا جائے وہ بھی
بدعت ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں: جو کام صحابہ کے دور میں ہو وہ بدعت نہیں، چاہے سنت کے
خلاف ہو اور جو بعد میں کیا جائے وہ اگرچہ سنت کے موافق ہو بدعتِ ضلالہ ہے۔ بدعت کی یہ
تعریف خود ساختہ ہے۔ یہ حدیث اس کی تردید کر رہی ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم
دیا تو انہوں نے عرض کیا: " كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئاً لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ هُوَ
وَاللهِ خَيْرٌ" آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت

صدیق اکبر ؓ نے فرمایا یہ کام اچھا ہے۔ (بخاری (۴۹۸۶. مشکوٰۃ حدیث [illegible])

حضرت زید بن ثابت ؓ نے بارگاہ صدیقی میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کررہے ہیں؟ حضرت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا: بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ چلا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے۔ (جاء الحق ص ۲۲۷)

شارح مشکوٰۃ ملا علی قاری فرماتے ہیں: اگر ہر بدعت حرام ہو تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ کا قرآن جمع کرنا اور حضرت عمر ؓ کا تراویح کی جماعت کا اہتمام کرنا اور تمام علوم نافعہ کی تصنیف حرام ہو جائے گی اور ہم پر واجب ہوگا کہ ہم تیر کمان کے ساتھ جنگ کریں اور بندوقوں اور توپوں سے جنگ حرام ہو اور میناروں پر اذان دینا، سرائے اور مدارس بنانا، ہسپتال اور یتیم خانے بنانا سب حرام ہو جائیں گے۔ صرف وہ نیا کام حرام ہوگا جس میں برائی ہو کیونکہ ایسے بہت سے کام ہیں جن کو نبی کریم ﷺ اور سلف صالحین نے نہیں کیا مثلاً تراویح میں ختم قرآن ختم قرآن کی دعا، ستائیسویں شب کو امام الحرمین کا خطبہ دینا وغیرہا۔

ہر وہ چیز جو عہد رسالت ﷺ میں نہ ہو مطلقاً مذموم اور حرام نہیں ہے بلکہ اس کو دلائل شرعیہ سے دیکھا جائے گا اگر اس میں کوئی مصلحت واجبہ ہوگی تو وہ واجب ہوگی اسی طرح مستحب، مباح، مکروہ اور حرام یہ سب بدعت کی اقسام ہیں۔

(مورد الروی فی مولد النبی ﷺ، مطبوعہ مدینہ منورہ، حول الاحتفال بذکری المولد النبوی الشریف) ص [illegible]) از الشیخ السید علامہ محمد بن علوی مالکی خادم العلم الشریف ببلد اللہ الحرم)

میں چاہتا ہوں کہ دنیائے عرب بلکہ عالم اسلام کے ایک عظیم محدث، محقق اور عالم کی بدعت کی تحقیق پیش کر دی جائے جن کی کتاب ''مفاہیم'' کا ترجمہ ایک دیوبندی عالم شیخ انیس احمد نے کیا ہے اور اُس کے آخری صفحہ پر لکھا ہے ''دنیا بھر کے جید علمائے کرام اور پاکستان کے بڑے بڑے علماء دیوبند کی مصدقہ کتاب'' اور یہ حقیقت ہے کہ آپ اُس کتاب کا مطالعہ کریں آپ کو پتہ چلے گا کہ علمائے عرب وعجم نے اُس کتاب کی تصدیق کی ہے اور تقاریظ لکھی ہیں یعنی یہ کتاب متفق علیہ ہے اس کے مطالعہ سے اختلافات کافی حد تک ختم ہو سکتے ہیں۔

عصر حاضر کے محدث الشیخ السید علامہ محمد بن علوی مالکی صاحب لکھتے ہیں: سلف صالحین کی

طرف اپنی نسبت کے دعویداروں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو محض جہالت وعصبیت
اندھے عقولِ عقیمہ وافہامِ سقیمہ اور صدورِ ضیقہ لیکر کھڑے ہوئے اور ہر نئی چیز کی
ومحاربہ اور ہر نئی مخترع مفید چیز کا انکار کرنے لگے اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ بدعت ہے وکل بدعۃ
ضلالۃٌ بدعت کی انواع واقسام میں فرق کے بغیر ہی حالانکہ شریعتِ اسلامیہ کی تعلیم
ہم پر لازم کیا ہے کہ انواعِ بدعت میں تمیز وفرق سے کام لیں اور یہ کہ بعض بدعت حسنہ
بعض بدعتِ سیئہ ہیں اور روشن عقل اور نظر ثاقب بھی اسی کو چاہتی ہے، اس امت کے علماء
سلف میں سے علماء اصول ؒ نے اسی کو ثابت کیا ہے جیسا کہ امام عز الدین بن عبد السلام
وعلامہ نووی وسیوطی ومحلی وابن حجر رحمہم اللہ نے۔ بعض احادیث نبویہ بھی دیگر بعض احادیث
کی تفسیر کرتی ہیں اور بعض سے بعض کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان کی طرف ایک کامل نظر کرنا
ضروری ہے اور شریعتِ اسلامیہ کی روح اور ایسے مفہوم کے ساتھ اس کی تفسیر کرنا ضروری ہے
جس پر اہل نظر کا اتفاق ہو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی احادیث کی تفسیر کرنے کے لئے عقل
سلیم وفکر ثاقب وفہم لائق وقلب ذائق کی ضرورت ہوتی ہے جو شریعت غراء کے آفتاب سے
روشنائی حاصل کرکے امت کے احوال وضروریات کی رعایت کرے اور ان کو قواعد شرعیہ
ونصوصِ قرآنیہ کی ان حدود ہی میں رکھے جن سے خروج ناجائز ہے۔

اس کی ایک مثال یہ حدیث پاک ہی ہے: **وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**: تو کہنا پڑے گا کہ اس
سے مراد وہ بدعتِ سیئہ ہے جو اصل شرعی کے تحت داخل نہ ہو اور یہ قید اور اس طرح کی دیگر
قیودات دیگر احادیث میں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

پہلی روایت: "**لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد**" مسجد کے پڑوسی کی نماز
صرف مسجد ہی میں ہوتی ہے۔ اس حدیث پاک میں حصر کے ساتھ مسجد کے پڑوسی کی نماز کی نفی
وارد ہوئی ہے مگر احادیثِ کثیرہ کے عموم سے ایک قید اس کے ساتھ مستفاد ہوتی ہے کہ
لاصلوٰۃ کاملۃ نفی کمال کی ہے نہ کہ اصل نماز کی۔

دوسری حدیث پاک میں ہے: "**لاصلوٰۃ بحضرۃ طعام**:" کھانے کے وقت نماز
نہیں۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس میں بھی نفی کمال کی ہے نہ کہ اصل نماز کی۔

تیسری حدیث پاک میں ہے کہ ''تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے''۔ (بخاری ۱۳ مسلم ۴۵) علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس میں بھی نفی کمال ایمان کی ہے نہ کہ اصل ایمان کی یعنی ''لایومن ایماناً کاملاً'' چوتھی روایت یہ ہے ''خدا کی قسم! وہ مومن نہیں، خدا کی قسم! وہ مومن نہیں، خدا کی قسم! وہ مومن نہیں، عرض کیا گیا: کون؟ فرمایا: جس کا پڑوسی اُس کے ظلم سے مامون نہ ہو، اس میں بھی نفی کمال ایمان کی ہے نہ کہ اصل ایمان کی یعنی لایومن ایماناً کاملاً: پانچویں روایت: ''لایدخل الجنة قتات ولایدخل الجنة قاطع رحم وعاق لوالدیه:'' چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری ۶۰۵۶۔ مشکوٰۃ ۴۸۲۳) قطع رحمی کرنے والا اور ماں باپ کا نافرمان جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (مشکوٰۃ ۳۶۵۳، ۴۹۲۲) علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے، لایدخل الجنة دخولاً اوّلاً یعنی دخولِ اوّل کی نفی ہے یا پھر یہ ہے کہ بالکل جنت میں داخل نہ ہوگا اگر ان افعال کو حلال سمجھ کر کریگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ علماء کرام نے ان احادیث کو ظاہر پر محمول نہیں کیا ''وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ'' والی حدیث اسی قبیل سے ہے۔ احادیث شریفہ کے عموم اور احوالِ صحابہ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اس بدعت سے مراد بدعت سیئہ ہے جو کسی اصل کلی کے تحت درج نہ ہو۔ اور ایک حدیث میں تو یہ فرمایا ''جس شخص نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتدا کی تو اُس کو اپنے عمل کا بھی اور بعد والوں کے عمل بھی اجر ملے گا۔ (مسلم ۱۰۱۷) ایک حدیث پاک میں ہے ''عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ'' لازم پکڑو میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔ (ابو داود ۴۶۰۷۔ مشکوٰۃ (۱۶۵) صلوٰۃ التراویح کے بارے میں حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں ''نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ:'' یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے۔ (بخاری ۲۰۱۰۔ مشکوٰۃ حدیث ۱۳۰۱۔ المفاھیم عربی ص ۱۰۶_۱۰۲۔ اُردو _۹۵ ۱۱۶)

نماز کی مختلف حالتوں کا بیان

نماز میں دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا

حضرت سہل بن سعد ﷺ فرماتے ہیں: کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوٰۃ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ مرد نماز میں دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ذراع پر رکھیں۔

(بخاری کتاب الاذان حدیث 698 __ ۷۴۰، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ حدیث _ ۷۹۸)

اس حدیث میں انسانی اعضاء میں سے دو کا ذکر ہے (۱) ہاتھ (۲) ذراع
ہاتھ کہاں سے کہاں تک ہے۔ ہاتھ انگلیوں کے کنارے سے لیکر ہتھیلی تک ہے اور ہتھیلی کی ابتداء گٹ سے ہوتی ہے۔ (لسان العرب ج ۱۵ ص ۴۱۹، لاورس ص 1304)

ذراع: کہنی کے سرے سے لیکر درمیانی انگلی کے سرے تک ہے۔
(لسان العرب ج ۸ ص ۹۳)

ایک حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ذراع پر رکھیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہاتھ تو مکمل ذراع پر نہیں آ سکتا کیونکہ ذراع ہاتھ سے بڑی ہے آخر ہاتھ کو ذراع کے کون سے حصہ پر رکھنا ہے۔ اس روایت میں وہ محل نہیں بتایا گیا۔ اگر گٹ پر گٹ رکھ کر دیکھا جائے تو بھی ہاتھ مکمل ذراع پر نہیں آ سکتا۔ اگر گٹ سے کچھ آگے یعنی کہنی کی طرف ہاتھ رکھا جائے تو اس صورت میں ہاتھ ذراع پر نہیں بلکہ ذراع پر ذراع آئے گی جیسا کہ عام غیر مقلدین کا طریقہ ہے تو یہ خلافِ سنت ہوگا کیونکہ ذراع پر ذراع رکھنے کا حکم نہیں بلکہ ذراع پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔ تو لازم ہے کہ ہتھیلی کا وہ حصہ جو انگوٹھے سے متصل ہے، اس کو گٹ پر رکھا جائے جب

ی ذراع پر ہاتھ کا اطلاق ہوگا۔ اگر احادیث مبارکہ سے اس محل کا علم ہو جائے تو پھر اس محل پر ہاتھ رکھا جائے گا۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ'' ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ '' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو اس طرح رکھا کہ وہ بائیں ہاتھ کی پشت گٹ اور کلائی پر تھا۔ (ابو داود کتاب الصلوٰۃ حدیث 624 _ [illegible])

اس حدیث میں بائیں بازو کے تین محل بیان کئے گئے ہیں

1: ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت۔ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر جب ہاتھ رکھیں تو انگلیاں کلائی پر ہوں گی۔

2: وَالرُّسْغِ رسغ کا معنی کلائی نہیں بلکہ ہتھیلی اور کلائی کا درمیانی جوڑ یعنی گٹ۔

(لسان العرب ج [illegible] ص [illegible])

3: وَالسَّاعِدِ اور کلائی۔

جب بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہاتھ کا کچھ حصہ رکھیں گے تو کچھ حصہ ہتھیلی اور کلائی کے درمیانی جوڑ پر بھی آ جائے گا اور کچھ حصہ کلائی پر بھی آ جائے گا یعنی انگلیاں کلائی پر بھی آ جائیں گی۔ پس ثابت ہوا کہ صحیح طریقہ سے جب ہاتھ کو اس طرح رکھیں گے کہ ہتھیلی کی پشت پر بھی آئے اور جوڑ پر بھی اور کلائی پر بھی تو اس طرح ہاتھ رکھنے کے بعد ہاتھ آسانی سے زیر ناف ہی آتے ہیں نہ کہ سینہ پر۔

حضرت قبیصہ بن ھلب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهُ بِيَمِيْنِهِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تھے تو اپنا بایاں ہاتھ دائیں سے پکڑتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: ھلب کی حدیث حسن ہے۔ بعض صحابہ کرام، تابعین اور دیگر فقہاء کا یہی مسلک ہے کہ آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ بعض کہتے ہیں ناف کے اُوپر رکھے اور بعض کہتے ہیں ناف کے نیچے رکھے ان کے نزدیک دونوں میں گنجائش ہے۔

(ترمذی کتاب الصلوٰۃ حدیث 234 _ [illegible] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ حدیث _ [illegible])

وضاحت: اس طرح کہ دائیں ہاتھ کی چھنگلی اور انگوٹھے سے بائیں ہاتھ کی کلائی اور دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں اس کی کلائی پر رکھے (ناف کے نیچے) جیسا کہ آج مسلمان کرتے ہیں۔ (مرآۃ شرح مشکوۃ)

نماز کے شروع میں ہاتھ کہاں تک اُٹھائے جائیں۔

تکبیر کہتے ہوئے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا چاہئے اس طور پر کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے بالمقابل ہوں۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: نماز کے آغاز میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں تین مذاہب یہ کہ ہاتھ بلند کئے جائیں لیکن اس میں کوئی مقدار مقرر نہیں ان کا استدلال حضرت کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے، ہاتھوں کو ہوئے بلند کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کاندھوں تک ہاتھ بلند کئے جائیں۔ اس گروہ کا استدلال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور ہاتھوں کو کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔

تیسرا گروہ جس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ بھی ہیں ان کے نزدیک کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں۔ وہ حضرت براء بن عازب ﷺ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں: "كان النبي ﷺ إذا كبر لافتتاح الصلاة رفع يديه حتى يكون إبهاماه قريبا من شحمة أذنيه" رسول اللہ ﷺ نماز کے شروع میں تکبیر کہتے، ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے کانوں کی نرم جگہ (لو) کے قریب ہو جاتے۔ (شرح معانی الآثار 1/197-195)

(عن مالك بن الحويرث انه رأى النبي ﷺ يحاذي بهما فروع اذنيه) حضرت مالک بن حویرث ﷺ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کانوں کی لو تک ہاتھ بلند کرتے ہوئے دیکھا۔ (مسلم 589:391 مشکوۃ:795)

ان مختلف قسم کی احادیث پر عمل صرف تیسرے گروہ یعنی احناف کے مسلک کے مطابق کیا جاسکتا ہے اور اس سلسلے میں وائل بن حجر کی حدیث فیصلہ کن ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ تکبیر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر آئندہ سال آیا تو ان (صحابہ کرام) پر چادریں اور لمبی ٹوپیاں تھیں انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ حضرت شریک (راوی) فرماتے ہیں: سینے تک اٹھائے۔ معلوم ہوا کہ جب نمازی پر کوئی چادر وغیرہ ہو تو ہاتھ کندھوں تک اٹھائے جاسکتے ہیں لیکن چادر وغیرہ نہ ہو تو کانوں تک اٹھائے جائیں اس طرح تمام احادیث پر عمل ہوگا۔

(شرح معانی الآثار 1/197-195)

بعض روایات میں کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور بعض میں کانوں تک۔ فقہاء احناف کی نظر چونکہ صرف ایک حدیث پر نہیں بلکہ تمام احادیث پر ہوتی ہے، اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ "تکبیر کہتے وقت اس طرح ہاتھ اٹھاؤ کہ تمام احادیث پر عمل ہوسکے کہ ہاتھ کی انگلیاں کانوں کے برابر انگوٹھے کانوں کی لو تک اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔

امام مالک کے نزدیک ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا چاہئے، ان کے نزدیک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا فرض میں مکروہ ہے، نفل میں جائز ہے۔ (بدایۃ المجتھد 1/99)

امام احمد کے نزدیک مرد اور عورت دونوں کے لئے سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ پر رکھے اور ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے اور بائیں ہاتھ کے پہنچے پر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلی سے حلقہ بنائے۔ مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور عورت سینہ کے اوپر۔

امام شافعی کے نزدیک مرد و عورت دونوں کے لئے سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ پر رکھیں اور سینہ پر ہاتھ باندھیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مؤید حسب ذیل احادیث ہیں: حضرت علی المرتضیٰ ؓ فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ سنت یہ ہے کہ نماز میں ہاتھ کو دوسرے پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھا جائے۔

(ابو داؤد حدیث 645 : ... کتاب الصلاۃ، احمد :833 المصنف ابن ابی شیبہ 391/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مِنْ سُنَّةِ الصَّلَاةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشمال تَحْتَ السُّرَّةِ نماز میں سنت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا جائے۔

(دار قطنی 286/1)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: أخذ الأكف على الأكف في الصلاة تحت السُّرَّة نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جائے۔

(ابو داؤد حدیث 647: 758 کتاب الصلوٰۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ثلاث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع اليد اليمنى على اليسرى في الصلوٰة تحت السُّرَّة تین چیزیں نبوت کے اخلاق میں سے ہیں: روزہ جلدی افطار کرنا، دیر سے سحری کھانا اور نماز میں ناف کے نیچے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا۔

(الجوهر النقی علی البیهقی - شرح مسلم سعیدی ج، ص...)

وضاحت:- جن روایات میں فوق السرہ (ناف کے اوپر) یا فوق الصدر (سینے کے اوپر) ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے وہ حنفیہ کے نزدیک بیانِ جواز پر محمول ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال رأيت النبي ﷺ وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السُّرَّة علقمہ بن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے رکھا۔

(المصنف ابن ابی شیبہ 390/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

سینہ پر ہاتھ باندھنے والی احادیث پر بحث ونظر۔

عن وائل انه رأى النبي ﷺ وضع يمينه على شماله ثم وضعها على

صدرہ۔ حضرت وائل بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔ (سنن کبریٰ بیہقی)

اس حدیث کے متعلق علامہ ابن ترکمانی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند میں محمد بن حجر ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ وہ اپنے چچا سعید سے منکر روایات بیان کرتا ہے اور ایک راوی اُمّ جبار ہے یہ غیر معروف ہے۔ نیز امام بیہقی نے کہا: اس حدیث کو مؤمل نے بھی روایت کیا ہے کہ صاحب کمال نے ذکر کیا ہے اس مؤمل کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اس نے اپنی حدیث کی کتابیں دفن کر دیں تھیں اور وہ محض اپنے حافظہ سے احادیث نقل کرتا تھا اور یہ شخص **کثیر الخطاء** تھا اور میزان میں ہے: امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث تھا۔ امام ابو حاتم نے کہا: یہ **کثیر الخطاء** ہے، امام بیہقی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند اور متن میں اِضطراب ہے، پھر امام بیہقی نے روح بن مسیب کی سند سے نقل کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سینہ پر ہاتھ باندھے، اس روح بن مسیب کے متعلق ابن عدی نے کہا کہ یہ ثابت اور یزید رقاشی سے غیر محفوظ احادیث روایت کرتا ہے، ابن حبان نے کہا یہ موضوع احادیث روایت کرتا ہے، اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے، ابن عدی عمرو فکری نے کہا یہ ثقات سے منکر احادیث روایت کرتا ہے اور یہ سارق الحدیث ہے، ابو یعلیٰ موصلی نے اس کو ضعیف کہا ہے پھر امام بیہقی نے **ابو مجلز** سے ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کو نقل کیا ہے یہ **صراحۃ غلط** ہے۔ **ابو مجلز** کا مذہب ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے جیسا کہ ابو عمرو نے سند جید کے ساتھ تمہید میں اور امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں بیان کیا ہے، ابن معین نے بیہقی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے بغیر سند کے **ابو مجلز** کی طرف یہ کیسے منسوب کر دیا۔ ابو حزم نے کہا ہے کہ ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جائے۔

(الجوهر النقي على البيهقي ص 2/32-30 _ شرح مسلم سعیدی ج، ص 1121-1162/1)

خلاصہ یہ کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے والی تمام احادیث سنداً ضعیف ہیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی احادیث میں سے صرف ایک حدیث کی سند کو امام بیہقی نے ضعیف کہا ہے حالانکہ یہ حدیث متعدد اسانید سے ثابت ہے، اس لئے یہ حدیث راجح ہے نیز فقہاء احناف نے دونوں

حدیثوں پر عمل کیا ہے، مردوں کے حق میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والی احادیث پر عمل کیا ہے کیونکہ اس میں زیادہ ادب اور زیادہ تواضع ہے اور عورتوں کے حق میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی احادیث پر عمل کیا ہے کیونکہ عورتوں کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 1122/1)

سینہ پر ہاتھ باندھنے والوں کے پاس چار دلائل ہیں۔

ان کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

جائزہ دلیل نمبر ۱: ابن خزیمہ کے الفاظ یہ ہیں۔ عن وائل بن حجر قال صلیت مع النبی ﷺ فوضع یدہ الیمنیٰ علی یدہ الیسریٰ علی صدرہ:

ابن خزیمہ ج، ص ،،، حدیث ،،،، بلوغ المرام حدیث ،،،

یہ روایت تین طرح سے منقول ہے:

۱: المصنف ابن ابی شیبہ 390/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی میں علی صدرہ کی بجائے تحت السرۃ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے الفاظ ہیں۔

۲: ابن خزیمہ میں علی صدرہ کے الفاظ ہیں۔ ابن قیم اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں: اس حدیث کے نقل کرنے والوں میں مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی علی صدرہ کے الفاظ نقل نہیں کئے جس کے متعلق امام بخاری نے کہا: یہ منکر الحدیث تھا۔

(معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم ص ،،،)

امام ابو حاتم نے کہا: یہ کثیر الخطا ہے اور امام ابو زرعہ فرماتے ہیں: وہ آخر عمر میں بہت غلطیاں کیا کرتا تھا۔

(میزان الاعتدال ج، ص ،،،، الکاشف ج، ص ،،،، تھذیب التھذیب ج،، ص ،،،)

نیز اس روایت کی سند میں سفیان ثوری بھی ہیں جن کا اپنا مسلک یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔ اگر یہ روایت قابل عمل ہوتی تو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اس پر ضرور عمل کرتے۔

۳: وائل بن حجر کی روایت کو بزاز نے بھی نقل کیا ہے اس میں علی صدرہ کی بجائے عند

صدرہ کے الفاظ ہیں۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی محمد بن حجر ہے۔ لہ مناکیر جو بہت سی منکر روایات کا راوی ہے۔ الغرض یہ روایت تین طرح سے منقول ہے: ایک میں تو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ دوسری میں مؤمل بن اسماعیل اور تیسری میں محمد بن حجر جیسے راوی ہیں، پھر اس سے کیونکر استدلال ممکن ہے۔

اس کی سند میں تحریف کردی گئی ہے۔

قاری محمد مسعود اشرف چشتی لکھتے ہیں: غیر مقلدین کے محدث مبارکپوری نے "ابکار المنن" میں اس حدیث کی سند کے ایک راوی پر جرح کی وجہ سے اس کی سند کو ہی بدل دیا۔ ایک غیر مقلد اس کی سند یوں بیان کرتا ہے: قال ابن خزیمہ حدثنا ابو موسی حدثنا مؤمل قال ثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر: (فتح الغفور مترجم ص ۰۰)

جب کہ صحیح ابن خزیمہ میں علی الصدر والی روایت کی سند یوں ہے: اخبرنا ابو طاہر نا ابو بکر نا ابو موسی نا مؤمل بن اسماعیل نا سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر: (نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں ص ۰۰)

حدیث وائل بن حجر اور اس کی تصحیح کے بارے میں غیر مقلدین کے جھوٹ۔

۱: غیر مقلدین کے محدث اور امام قاضی شوکانی نے "نیل الاوطار جلد ۲ ص ۱۹۵" پر اس کی تصحیح کو امام ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

۲: زبیر علی زئی نے بھی اس کی تصحیح کو امام ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا کہ اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔ (نماز نبوی ص ۰۰۰)

۳: غلام مصطفی امن پوری نے بھی "تسہیل الوصول" میں اس کی تصحیح کو امام ابن خزیمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا کہ اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

(تسہیل الوصول ص ۰۰۰)

۴: ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے: سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحیح ہے۔ (بلوغ المرام) اس کی تصحیح کو ابن حجر عسقلانی کی طرف منسوب کیا۔ غیر مقلدین کا اس روایت کی تصحیح کو امام ابن

خزیمہ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے نہ تو اس روایت کو
ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے اور نہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے۔

حدیث وائل بن حجر کی سند کے راویوں کے بارے میں غیر مقلدین کی قلابازیاں
اور دوغلا پن۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی **عاصم بن کلیب** ہے جو اپنے باپ سے
روایت کرتا ہے۔ یہی **عاصم بن کلیب** ترکِ رفع یدین کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی
اللہ عنہما سے مروی حدیث کا راوی ہے۔ جب غیر مقلدین اس روایت کو دیکھتے ہیں تو
اس راوی پر جرح ثابت کرنے لگتے ہیں لیکن جب سینہ پر ہاتھ باندھنے کی دلیل دیتے
ہیں تو سب سے پہلے اسی کی روایت کو پیش کرتے ہیں، اس وقت ان کو یہ عاصم بن
کلیب شاید نظر نہیں آتا، اگر آتا ہے تو مسلک کی وفاداری ان کو اس پر جرح کرنے
وہ اس کے لئے مسئلہ رفع یدین میں پیش کرتے ہیں، نظر نہیں آنے دیتی۔ کیا اسی کا نام
عدل وانصاف ہے۔ **فیا للعجب**

غلام مصطفی امن پوری غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ''اس میں امام سفیان ثوری کی تدلیس
ہے۔ باقی سند حسن ہے''۔ (تسہیل الوصول ص ۰۰۱)

جبکہ عبد الرؤوف سندھو غیر مقلد نے لکھا کہ ''یہ سند ضعیف ہے کیونکہ **مؤمل بن
اسماعیل سیء الحفظ**'' ہے۔ (صلوۃ الرسول مع تخریج ص ۲۲۲)

ایک غیر مقلد اس کی سند کو سفیان ثوری کی تدلیس کے علاوہ حسن کہہ رہا ہے جبکہ دوسرا
غیر مقلد اس کی سند کو **مؤمل بن اسماعیل سیء الحفظ** کی وجہ سے ضعیف کہہ رہا ہے
غیر مقلدین بتائیں ان دونوں میں سچا کون ہے؟ غلام مصطفی امن پوری غیر مقلد جرح
کرتے وقت ہوش میں نہیں رہتے ہیں کیونکہ وہ کسی جگہ تدلیس کے باوجود حسن کہتے ہیں
کسی جگہ انہی کی روایت کو تدلیس کی وجہ سے ضعیف لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: یہ حدیث

ضعیف ہے، اس میں امام سفیان ثوری مدلس ہیں ''جو ہر سند میں ''عن'' سے روایت کرتے ہیں...... واضح رہے کہ ثقہ مدلس کی روایت بخاری و مسلم کے علاوہ ''عن'' کے ساتھ ضعیف ہوتی ہے۔ (تسہیل الوصول ص ۲۱۱)

ایک جگہ جہاں اپنے مطلب کی بات تھی وہاں پر تو تدلیس کے باوجود سند حسن بنادی اور جہاں خلاف جاتی تھی بغیر کسی علت کے صرف تدلیس کی وجہ سے ضعیف لکھ دیا۔ اس پر ہم کہتے ہیں: کیا سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایت بخاری یا مسلم کی ہے؟ ہر گز نہیں لہٰذا ان کے اپنے ہی اصول کے مطابق سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف ثابت ہوگئی۔

(نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں ص ۳۶)

غیر مقلدین کے گھر کی گواہی۔

غیر مقلدین کے محدث عبد الرحمن مبارکپوری نے لکھا ہے ۔ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مؤمل بن اسماعیل ضعیف ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۰۹)

جائزہ دلیل نمبر ۲: حدثنا عبد الله حدثنا ابی ثنا یحیٰ بن سعید عن سفیان حدثنی سماك عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رأیت النبی ﷺ یضع هذه علی صدره (مسند احمد) تفرد به سماك بن حرب ولینه غیر واحد وقال النسائی: إذا تفرد به بأصل لم یکن حجة اس روایت میں سماک بن حرب نے تفرد اختیار کیا ہے اور اس کو بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ یہ سماک جب تفرد اختیار کرے تو اس کی روایت دلیل نہیں بن سکتی۔

(کامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۲۹۹)

امام جریر الضبی نے کہا کہ میں سماک کے پاس آیا، میں نے دیکھا کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہا تھا تو میں واپس چلا آیا اور اس سے سوال نہ کیا اور میں نے کہا کہ یہ بے عقل ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۳۳ تهذیب التهذیب ج ۴ ص ۲۰۴)

یہ راوی عادل نہ تھا لہٰذا اس کی روایت بھی صحیح نہیں نیز اس روایت کی سند میں سفیان ثوری بھی ہیں جن کا اپنا مسلک یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔ اگر یہ روایت قابل عمل

ہوتی تو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ اس پر ضرور عمل کرتے اگر اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ فعل نماز کا فعل نہیں بلکہ نماز کے بعد کا واقعہ ہے۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں پھرتے تھے؟ پس ثابت ہوا کہ یہ روایت غیر متعلق ہے کیونکہ اس میں نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں۔

جائزہ دلیل نمبر ۳: عن طاؤس قال کان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرىٰ ثم يشد بينهما على صدره وهو فى الصلوٰة۔ (مراسیل ابی داؤد ص [illegible] 759:) اس کی سند حدثنا ابو توبة حدثنا الهيثم يعني ابن الحميد عن ثور عن سليمان بن موسى عن طاؤس۔ اس میں ایک راوی مدلس ہے اور ایک راوی [illegible] ہے اور یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث وہابیوں کے نزدیک حجت نہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی ثور بن یزید ہے جو کہ مدلس ہے اور یہ روایت وہ عن کے ساتھ بیان کر رہا ہے اور مدلس کا عن سے روایت کرنا مردود ہوتا ہے جب تک سماع کی تصریح نہ کرے جیسا کہ محدثین نے بیان کیا ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: اس بات پر اتفاق ہے کہ مدلس کی روایت جب وہ عن کے ساتھ روایت کرے تو قابل قبول نہ ہوگی۔ (المجموع شرح المهذب ج، ص [illegible])

امام ابن عدی فرماتے ہیں: شعبہ نے کہا: ہر وہ حدیث جس میں حدثنا واخبرنا نہ ہو سرکہ اور ساگ ہے۔ (کامل ابن عدی ص،، ج،)

سلیمان بن موسیٰ پر کلام۔

امام ابن عساکر فرماتے ہیں: امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں عجائب ہیں، اس کی حدیث میں مناکیر ہیں، نسائی نے اس کی تضعیف کی اور کہا: یہ قوی نہیں۔

(تهذيب تاريخ دمشق ج، ص،،،)

اور یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حدیث وہابیوں کے نزدیک حجت نہیں۔ نواب صدیق الحسن بھوپالی لکھتے ہیں: جب حدیث متصل نہیں ہوگی تو صحیح نہیں ہوگی اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوگی۔ ایسے ہی مرسل ہے۔ مرسل وہ ہے کہ تابعی اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ چھوڑ دے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ ضعیف ہے اور اس کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوتی۔ (حصول المامول من علم الاصول ص،،)

جائزہ دلیل نمبر ۴: صادق سیالکوٹی غیر مقلد نے لکھا: طبرانی کی حدیث میں ہے حضرت وائل ﷺ سے یہ الفاظ مروی ہیں: ثم وضع یمینه علی یساره علی صدره رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا۔ (صلوٰۃ الرسول ص [illegible])

اس روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ ومسح رقبته اپنی گردن کا مسح کیا جب کہ غیر مقلدین کے ابو الوفاء صاحب لکھتے ہیں کہ گردن کا مسح کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں (فتاویٰ ثنائیہ ص [illegible]) جب کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں تو یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔

محمد بن حجر الحضرمی پر کلام۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن حجر حضرمی ہے جس کے بارے میں ائمہ فن کے اقوال ملاحظہ ہوں: امام بخاری فرماتے ہیں فیه نظر (التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۶۹) امام ابن حجر فرماتے ہیں له مناکیر وقال الحاکم لیس بالقوی (لسان المیزان ج [illegible] ص [illegible])

حافظ ابن جوزی لکھتے ہیں لا یجوز الاحتجاج به (الضعفاء والمتروکین ج [illegible] ص [illegible])

سعید بن عبد الجبار پر کلام۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی سعید بن عبد الجبار ہے جس کے بارے میں ائمہ فن کے اقوال ملاحظہ ہوں: امام بخاری فرماتے ہیں فیه نظر (التاریخ الکبیر ج ۳ ص ۴۹۵) امام نسائی فرماتے ہیں لیس بالقوی (الضعفاء والمتروکین ص [illegible]) امام ابن حجر فرماتے ہیں ضعیف (تقریب التهذیب ص [illegible]) امام هیثمی اس کو مختصراً نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: وفیه سعید بن عبد الجبار قال النسائی لیس بالقوی وفی سند البزار والطبرانی محمد بن حجر وهو ضعیف (مجمع الزوائد ج [illegible] ص [illegible]) ان اقوال محدثین کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے اور زئی کا اس کو صحیح کہنا جھوٹ ہے۔

صادق سیالکوٹی غیر مقلد نے ایک روایت بیہقی کے حوالہ سے عند النحر کی نقل کی ہے لیکن اس پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی تخریج کرنے والوں نے ہی اس کو ضعیف تسلیم کیا ہے۔

روئیدادمناظرہ مری۔

علامہ قاری محمد مسعود اشرف چشتی فرماتے ہیں: ۱۱جون ۲۰۰۴ء کی بات ہے کہ
نہایت ہی شفیق ومہربان دوست جناب محمد ارشد بٹ صاحب جب کویت سے وطن واپس
تو استاذ العلماء علامہ غلام مصطفی حنیف صاحب کے ساتھ فقیر کے پاس تشریف لائے
گفتگو کے بعد اُنہوں نے مجھے فرمایا: آپ کچھ وقت نکال کر مری چلیں۔ میرے کچھ
میں رہتے ہیں جو آج کل غیر مقلدین کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ان کے ہمنوا ہو
اور اہل سنت کے ہر مسئلہ کو خلافِ سنت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت کے اکثر مسائل
سے ثابت نہیں بلکہ یہ صرف فقہ پر عمل کرتے ہیں جو خلافِ قرآن وحدیث ہے۔ لہٰذا میں
رضائے الٰہی کی خاطر ان کے ساتھ جانے کی حامی بھر لی۔ وہاں پہنچنے کے بعد ان کے
اقارب میں سے سجاد صاحب سے ملاقات ہوئی جو کہ اس وقت تک غیر مقلدین کے دام
میں پھنس چکے تھے۔ رات کو جب ان کے ساتھ بیٹھے، تو وہ کہنے لگے کہ ہماری مسجد کے خطیب
دعویٰ ہے کہ میں ہر بات قرآن مجید اور صحیح حدیث سے ثابت کرتا ہوں، لہٰذا آپ صبح میرے
ساتھ ان کے پاس چلیں اور کسی ایک مسئلہ پر گفتگو کریں، سب واضح ہو جائے گا۔ ہم نے کہا
آپ کس مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے کہا کہ میری ارشد صاحب سے بات ہوئی
کہ نماز کا جو طریقہ احناف کا ہے، وہ حدیث سے ثابت نہیں۔ ارشد صاحب نے کہا کہ آج سے
تقریباً ۲۵ دن پہلے جب میں یہاں آیا تھا، ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سینے پر ہاتھ
باندھے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا تھا کہ یہ کیا ہے؟ سجاد صاحب پہلے دیوبندی تھے
میرے سوال کے جواب میں اُنہوں نے مجھے کہا کہ صحیح سنت طریقہ یہی ہے، باقی سب غلط ہے
میں نے دیوبندی مفتی سے بھی یہ مسئلہ پوچھا، وہ مجھے کسی حدیث سے نہ دکھا سکے بلکہ فقہ کی
کتابوں سے دکھایا لیکن جب میں نے اپنے مولوی سے سوال کیا تو اس نے مجھے سینے پر ہاتھ
باندھنے کی صحیح حدیث دکھائی اس لئے میں سینے پر ہاتھ باندھتا ہوں۔

میں نے کہا: سجاد صاحب! ہمیں تو آج تک کوئی بھی صحیح صریح مرفوع حدیث نہیں ملی جس

ہے یہ ثابت ہو کہ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ وہ کہنے لگے چلو اسی مسئلہ پر بات ہوگی ہم آپ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی صحیح صریح اور مرفوع حدیث دکھائیں گے۔ ۲۸ جون ۲۰۰۴ء بروز پیر ۲ بجے کا وقت طے ہوا۔ مختصراً تعارف کے بعد گفتگو کا آغاز ہوا۔ میں نے کہا، سجاد صاحب کہتے ہیں کہ ہمارے خطیب نے ہمیں نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث دکھائی ہے۔ کیا واقعتاً آپ کے پاس اس مسئلہ کے بارے میں کوئی صحیح صریح مرفوع حدیث موجود ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں موجود ہے۔ میں نے کہا دکھاؤ تا کہ ہمارے علم میں بھی اضافہ ہو۔ خطیب نے جس کا نام عبدالرحمن عزیز تھا، اپنی لائبریری سے ایک کتاب پکڑی جو ''بلوغ المرام'' تھی اس میں سے ابن خزیمہ کی روایت کو پڑھ دیا۔ میں نے کہا: حضرت اس کی سند پڑھیں۔ کہنے لگے ''اس میں سند نہیں لکھی ہوئی'' میں نے کہا: جب آپ کے پاس اس کی سند ہی نہیں ہے تو پھر آپ اس کو صحیح کیسے کہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ میں نے کہا: کس جگہ انہوں نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ کہنے لگے اپنی صحیح میں۔ میں نے کہا: کیا آپ نے صحیح ابن خزیمہ دیکھی ہوئی ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا: مولوی جی! جب آپ نے دیکھی ہی نہیں تو پھر آپ کیسے کہتے ہیں: امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔ کہنے لگے: ہمارے مولانا زبیر علی زئی نے لکھا ہے اور ایک کتاب ''نماز نبوی صحیح احادیث کی روشنی میں'' جس کو ڈاکٹر شفیق الرحمن نے مرتب کیا ہے اور اس پر تخریج و تحقیق زبیر علی نے کی ہے، اس میں لکھا ہے۔ میں نے کہا: مولوی جی! ہمیں تقلید کے طعنے دینے والے اپنے مولویوں کی تقلید کرنے لگے ہیں جب آپ کے نزدیک تقلید حرام ہے تو جناب نے یہ حرام کام کیوں کیا؟

باقی آپ کا یہ کہنا کہ امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے جھوٹ ہے۔ کہنے لگے کہ بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح نہیں کہا، بتائیں کہ اس کو ضعیف کس نے کہا ہے؟ اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو بیان کریں۔ میں نے کہا: مولوی جی! اس روایت کے بارے میں صحیح ابن خزیمہ کے محقق نے ہی لکھا ہے۔ ''**اسنادہ ضعیف**'' امام ابن خزیمہ نے اس کو صحیح نہیں کہا کیونکہ اس کی سند میں **مؤمل بن اسماعیل سیء الحفظ** اور منکر الحدیث ہے۔ اگر آپ کہیں تو آپ کو اس کی سند لکھ کر دیتا ہوں۔ آپ ابھی اپنے کسی بڑے کو ٹیلی فون

کریں جس کے پاس صحیح ابن خزیمہ ہے اور اس کے ضعف کے بارے میں پوچھ لیں۔ میں نے سند پڑھ کر سنائی تو کہنے لگے۔ آپ کو اس سند کے کس راوی پر اعتراض ہے؟ میں نے کہا: میں کون ہوں، اعتراض کرنے والا، اس میں ایک راوی ہے جس کو امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے اور اس بات کو حافظ ذہبی نے "معرفة الرواة ص ۵۵" پر اور "میزان الاعتدال" میں اس کے ترجمہ میں اور ابن حجر عسقلانی نے "تهذيب التهذيب" میں امام بخاری سے نقل کیا ہے۔ کہنے لگے کہ ہمارے پاس اور بھی صحیح حدیث موجود ہے جس کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے اور اسی کتاب "نماز نبوی" سے ترجمہ پڑھ کر سنا دیا اور کہا کہ اس کو حافظ ابن عبد البر اور علامہ عظیم آبادی نے صحیح کہا ہے۔

میں نے کہا: مولوی جی! اس کی سند بھی جناب نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس کا عربی متن بھی آپ کے پاس نہیں ہے، ورنہ آپ عربی متن پڑھ کر ترجمہ کرتے اور پھر ایسی کتاب سے پڑھ رہے ہو جس نے کوئی حوالہ بھی نہیں بیان کیا۔ حافظ ابن عبد البر نے کہاں صحیح کہا ہے۔ ابن عبد البر نے "التمهيد" میں اس روایت کو ذکر کیا ہے لیکن اس طریق سے جس میں على صدره کی زیادت نہیں لیکن وہاں بھی اس کو صحیح نہیں کہا۔ باقی رہا عظیم آبادی، تو وہ ہے کون؟ وہ جناب کا بڑا ہے۔ اگر اس نے اس کو "عون المعبود ج ۲ ص ۴۲۵" پر صحیح کہا ہے تو اس کا صحیح کہنا معتبر نہیں کیونکہ وہ تو خود غیر مقلد ہے۔ اپنی دلیل سمجھتے ہوئے اور اُصولِ حدیث سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر وہ اس کو صحیح کہہ رہا ہے تو وہ کیسے معتبر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی سند میں ایک راوی سماک بن حرب مضطرب ہے۔ جس کو جناب کے ابن حزم نے "المحلى بالآثار" میں ضعیف کہا ہے اور ایک راوی قبیصہ بن هلب مجہول ہے۔ پھر اُٹھے اور سنن ابوداؤد پکڑی اس کو کھول کر حضرت طاؤس والی روایت پڑھنے لگے اور ساتھ ترجمہ کیا۔

اس وقت مجھے تعجب ہوا کہ یہ روایت تو مراسیلِ ابوداؤد کی ہے اور یہ سنن ابوداؤد سے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے کتاب طلب کی اور دیکھا کہ وہ غیر مقلدین کے ادارہ "دارالسلام" کی شائع کردہ تھی، میں نے کہا، یہ روایت سنن ابوداؤد کی نہیں ہے بلکہ غیر مقلدین نے اپنی طرف سے سنن ابوداؤد میں داخل کی ہے، صرف اس لئے کہ لوگ جب تم سے سوال کرتے ہیں کہ صحاح

دکھاؤ تو تم مجبور ہو جاتے ہو کیونکہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی کوئی روایت صحاح ستہ میں سے حدیث ستہ میں نہیں ۔لہٰذا اپنی اس مجبوری کو دور کرنے کے لئے غیر مقلدین نے بد دیانتی کرتے ہوئے مراسیل کی روایت کو سنن ابوداؤد میں شامل کر دیا ہے تا کہ ان کے مولوی کم علم لوگوں کو بہکانے میں کامیاب ہو سکیں پھر یہ روایت مرسل ہے۔اس میں صحابی چھوٹ گیا ہے۔طاؤس تابعی ہے اور تمہارے مولوی لکھتے ہیں کہ مرسل حجت نہیں، مزید براں یہ کہ مرسل صحیح بھی نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی مجروح ہے، امام بخاری نے اس پر جرح کی ہے اور ایک راوی مدلس ہے اور وہ ''عن'' کے ساتھ روایت کرتا ہے اور مدلس کا ''**عنعنه**'' باتفاق محدثین مردود ہوتا ہے۔اس پر مولوی عبدالرحمن کی حالت قابل دید تھی۔ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا تھا۔سجاد صاحب کہنے لگے آپ تو بڑے دعوے کرتے تھے کہ ہمارے پاس ہر مسئلہ میں صحیح احادیث موجود ہیں اب وہ صحیح احادیث کہاں ہیں پیش کیوں نہیں کرتے؟ میں نے کہا: مولوی جی! اگر کوئی اور دلیل آپ کے پاس ہے تو پیش کرو لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ نے اپنے ترکش کے سارے تیر پھینک دیئے ہیں، اب آپ کے پاس کچھ نہیں ہے۔

کہنے لگے اور کوئی دلیل نہیں لیکن آپ میرے ساتھ فاتحہ خلف الامام یا رفع الیدین کے مسائل میں سے کسی مسئلہ پر گفتگو کریں پھر وہ مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے اور کہا کہ ہمارے مناظر پروفیسر طالب الرحمن کے ساتھ مناظرہ کریں چنانچہ ان کے ساتھ مناظرہ کیا گیا وہ بھی کوئی صحیح دلیل پیش نہ کر سکے۔سجاد صاحب جو اس وقت غیر مقلد ہی تھے۔اپنے مناظر سے کہنے لگے شاہ جی آپ جھوٹ بولتے ہیں آپ کے پاس علامہ ارشد صاحب کے اعتراضات کا کوئی جواب نہیں۔

اس مناظرہ کی تفصیل ملاحظہ ہو ''نماز میں ہاتھ کہاں باندھیں''

علامہ محمد ارشد مسعود چشتی

آمین بالسر پر دلائل۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آمین آہستہ کہیں گے اور یہی امام مالک کا بھی ایک قول ہے اور امام شافعی کا قول جدید بھی یہی ہے۔غالباً احناف کے دلائل پر مطلع ہو کر

رجوع فرمالیا۔ ورنہ قولِ قدیم ان کا یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہیے۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہیے۔ یہ اختلاف صرف افضلیت میں ہے ورنہ بالاتفاق دونوں جائز ہیں مگر احناف کے ہاں آہستہ افضل ہے اور امام شافعی کے قولِ قدیم میں بلند افضل ہے۔ ہمارے دلائل حسب ذیل ہیں:

آمین ذکر ہے یا دُعا؟

امام بخاری نے حدیث نمبر 738 کے شروع میں عطا کا قول نقل کیا ہے کہ آمین دعا ہے۔ آمین کا دعا ہونا قرآن کریم سے بھی ثابت ہے۔ سورہ یونس میں موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں منقول ہیں۔ ان دعاؤں کے ختم ہونے کے بعد قرآن کریم میں ہے: قَالَ قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی۔ (سورہ یونس آیت ۸۹)

اس سے پہلے صرف موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں مذکور ہیں ساتھ کسی اور کی دعا کا ذکر نہیں۔ اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ یوں کہا جاتا ''قَدْ أُجِيبَتْ دَّعْوَتُكَ'' لیکن یوں نہیں فرمایا گیا بلکہ دَعْوَتُكُمَا فرمایا ہے۔ اس کی توجیہ یہی ہوسکتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے رہے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے۔ قرآن کریم میں آمین کو بھی دعا قرار دے کر دَعْوَتُكُمَا کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے اور دعا کا ادب قرآن کریم نے بتایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دعا وہ ہے جس میں عاجزی اور اخفاء ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں کرتے۔

(سورہ الاعراف آیت ۵۵)

اس آیت کے ذیل میں ابن کثیر لکھتے ہیں: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازوں کو بلند کرنا شروع کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میانہ روی سے کام لو، تم کسی بہرے یا غائب شخص کو نہیں پکار رہے جس کو تم پکارتے ہو وہ بات کو سننے والا ہے نزدیک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، بخاری حدیث 2992)

دوسری جگہ ارشاد ہوا: إِذْ نَادٰى رَبَّهُ نِدَآءً خَفِيًّا۔ جب اس نے اپنے پروردگار کو آہستہ

پکارا۔ (سورہ مریم آیت: ۳)
اس سے بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو آہستہ دعا اچھی لگتی ہے۔ نماز کی دوسری دعائیں مثلاً دو سجدوں کے درمیان والی دعا اور التحیات والی دعائیں بھی اخفاء ہی پڑھی جاتی ہیں۔ ان اُمور سے معلوم ہوا کہ آمین میں بھی اخفاء ہی افضل ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ آمین ذکر ہے۔ اس صورت میں بھی اس کا اخفا اولیٰ ہے۔ چونکہ ارشاد ربانی ہے: "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ" اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو، خوف اور عاجزی کے ساتھ اور زبان سے آواز بلند کئے بغیر صبح وشام۔ (سورہ الاعراف:205)

اس لئے امام ابوحنیفہ ؒ نے ایک مختصر سے جملہ میں سارے مسئلہ کو حل کر دیا کہ اگر آمین دعا ہوتو (سورہ الاعراف آیت ۵۵) کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہئے اور اگر آمین ذکر ہوتو (سورہ الاعراف:205) کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہئے۔

حضرت سمرہ بن جندب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز میں دو سکتے ہوتے تھے: ایک سکتہ جب نماز میں داخل ہوتے، دوسرا سکتہ جب وَلا الضالین کی قرأت سے فارغ ہوتے۔ (ابو داؤد 779:661 ترمذی 233 :251 مشکوٰۃ حدیث 818)

پہلے سکتے میں ثناء پڑھتے تھے۔ سکتہ سے مراد یہ کہ جہری آواز سنائی نہیں دیتی تھی بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ خاموش ہیں، واقعہ میں اس سکتہ میں ثناء آہستہ پڑھتے تھے۔ دوسرا سکتہ آمین کا ہے۔ معلوم ہوا کہ آمین آہستہ پڑھتے تھے۔ ثناء کی طرح ورنہ سکتہ کا کوئی معنیٰ ہی نہیں۔

یادرہے کہ دوسرا سکتہ بالکل مختصر ہوتا تھا جبکہ پہلا اس کی نسبت لمبا ہوتا تھا، اس لئے عمران بن حصین پہلے سکتے کو مانتے تھے اور دوسرے کا انکار کرتے تھے کیونکہ وہ اتنا مختصر تھا کہ عمران بن حصین اس کو نا قابل شمار سمجھتے تھے۔ عن وائل بن حجر أنه قال: صليت خلف النبي ﷺ فلما قرأ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّينَ قَالَ آمِين وأَخْفَى بِهَا صَوْتَه۔ وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ نے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلا الضَّالِّينَ پڑھا تو آمین کہا اور اپنی آواز کو پست رکھا۔

ابو داود الطیالسی، ابو یعلیٰ موصلی ، دار قطنی ، حاکم فی مستدرک کہ من حدیث عن سلمۃ بن کھیل عن حجر ابی العنبس عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ (نصب الرایۃ 369/1 حاشیہ طحاوی 204/1) امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے ... نے اسے روایت نہیں کیا۔ اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ آمین آہستہ فرماتے تھے

تکبیر اور تحمید کی طرح آمین بھی آہستہ کہنی چاہیے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان رسولُ اللہ ﷺ یُعَلِّمُنَا یقول لا تُبَادِرُوا الامام إذا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وإذا قال وَلا الضَّالِّیْنَ فَقُولوا آمِیْن وإذا رَکَعَ فارْکَعُوا وإذا قال سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہُ فَقُولُوا اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم دیتے تھے کہ امام سے سبقت نہ کرو، جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ وَلا الضَّالِّیْن کہے تو آمین کہو جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہ، کہے تو تم اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو۔ (مسلم حدیث 626: 415 بخاری 680 :722 مشکوٰۃ :1138)

اس روایت میں ارشاد ہوا کہ جب امام وَلا الضَّالِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو اور اسی روایت میں ہے اور جب وہ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہے اور تم اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہو۔ اور ظاہر ہے کہ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ آہستہ آواز میں کہا جاتا ہے اور جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور تکبیر بھی آہستہ آواز میں کہی جاتی ہے اور بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ آمین کہنے کے استعمال ہوئے ہیں لہٰذا اشارۃ النص سے معلوم ہوا کہ آمین بھی آہستہ آواز ہی سے کہنی چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إذا أمَّن الإمامُ فَأَمِّنُوا فَإِنَّہُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِیْنُہُ تَأْمِیْنَ الْمَلائِکَۃِ غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِہِ۔ جب امام آمین کہے تو آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی، اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (بخاری حدیث 738 -:780 مسلم :-410 618 مشکوٰۃ:825)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں فرشتوں کی آمین سے موافقت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں اس لئے ان سے موافقت اس وقت ہوگی جب آہستہ آمین کہی جائے۔

شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، بخاری شریف کی حدیث نمبر 780 کے تحت لکھتے ہیں: امام بخاری نے آمین بالجہر پر دو باب باندھے ہیں۔

ایک جہر الإمام بالتأمین امام کا بلند آواز سے آمین کہنا دوسرا، جہر المأموم بالتأمین مقتدی کا بلند آواز سے آمین کہنا۔ حیرت اس پر ہے کہ امام بخاری جیسے امیر المؤمنین فی الحدیث اور امام من ائمۃ المحدثین کو ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملی جس سے امام اور مقتدی یا ان میں سے کسی ایک کے لئے بلند آواز سے آمین کہنے کا اثبات ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ امام بخاری کی شرط پر کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جس سے بلند آواز سے آمین کہنے کا ثبوت مل سکے۔ اس مسئلہ پر دو باب باندھ کر کوئی حدیث نہ لانا کیا معنی رکھتا ہے۔ اور جو حدیث لائے ہیں، ان سے کسی طرح بلند آواز سے آمین کا ثبوت نہیں ہوتا جیسا کہ ہر ذی عقل پر ظاہر ہے۔

آج کل غیر مقلدین مسلمانوں میں فساد اور شور مچانے کے لئے بلند آواز سے آمین کہنے پر چھیڑ خانیاں کرتے رہتے ہیں آمین بالجہر زبردستی کہلاتے ہیں۔ اس میں اتنا تشدد کرتے ہیں کہ جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں احناف اگر رفع یدین نہیں کرتے یا آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تو انہیں مسجدوں میں نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ ایک غیر مقلد مجتہد نے اس حدیث سے آمین بالجہر یوں ثابت کیا ہے کہ حدیث میں ہے: جب امام آمین کہے تو آمین کہو، اگر امام بلند آواز سے آمین نہیں کہے گا تو مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ امام نے آمین کہا۔

اقول: اولاً اس شانِ اجتہاد کی داد نہیں دی جا سکتی۔ جب ایک ہی حدیث کے بعد یہ حدیث موجود ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ امام کب آمین کہے گا۔ اب پہلی حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ امام ولا الضالین کے بعد آمین کہتا ہے اسی وقت تم بھی آمین کہو۔ بقول آپ کے یہ تو ثابت ہو گیا کہ امام بلند آواز سے آمین کہے مگر مقتدی

کے لئے بلند آواز سے آمین کہنا اب بھی ثابت نہ ہوا۔

یہی حال ان تمام احادیث کا ہے جن سے بقول غیر مقلدین آمین بالجہر ثابت ہوتا ہے۔ اس حدیث سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف امام کے لئے۔ مقتدیوں کو بھی بلند آواز سے کہنا چاہئے اس کا ثبوت کسی حدیث سے کسی طرح نہیں بلکہ ان احادیث میں غور ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی دونوں آہستہ آمین کہیں گے۔ اس لئے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں اگر بلند آواز سے آمین کہتے تو ضرور سنائی دیتا اور موافقت میں اصل موافقت ہے یعنی جہاں تک ہو سکے ہر طرح موافقت ہو یعنی وقت میں بھی موافقت ہو اور وصف میں بھی ہو۔ وصف میں موافقت یہ ہے کہ جیسے فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں ویسے ہی نمازی بھی آہستہ آمین کہیں بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آمین آہستہ کہنا مسنون ہے۔

اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ بخاری کی دوسری حدیث میں ہے: ”جب تم میں کوئی آمین کہے اور آسمان میں فرشتے بھی آمین کہیں“ اور ظاہر ہے کہ آسمان کی آواز ہم کیسے سنیں گے۔

اقول و باللہ التوفیق۔ یہ صحیح ہے کہ بعض روایتوں میں فی السّماء ہے اور بخاری کی حدیث نمبر 782-780 میں فی السماء نہیں۔ اس لئے ملائکہ سے صرف آسمان کے فرشتے مراد نہیں بلکہ وہ فرشتے ہیں جو اس نماز میں شریک ہیں خواہ وہ آسمان کے ہوں یا زمین کے اب اگر آسمان کے فرشتوں کی آواز نہیں سن سکتے، مگر اگر زمین والے فرشتے بلند آواز سے آمین کہتے تو یہ ضرور سنائی دینا چاہئے تھا۔

فائدہ: بخاری کی حدیث نمبر 782 میں ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔ اس سے بظاہر امام کے آمین کہنے کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ تقسیم سے مفاد ہوتا ہے کہ امام آمین نہیں کہے گا لیکن جب دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ امام بھی آمین کہے گا تو وہ احادیث اس کی مبین ہوئیں۔ اس حدیث سے آمین بالجہر پر استدلال کرتے ہوئے ابن منیر نے کہا کہ جب قول کا حکم ہوتا ہے تو اصل یہ ہے کہ وہ جہری ہو اور اگر اس سے مراد سرّی ہوتا ہے تو سرّی کی قید ضرور ہوتی ہے۔ اس لئے اصل کے لحاظ سے جہری قول مراد ہوگا۔

اقول و باللہ التوفیق:۔ یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے۔ بہت سی جگہ قولِ مطلق ہے اور مراد سرّی ہے

نفسی ہے مثلاً بخاری کی حدیث نمبر 734 میں ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لك الحمد کہو اور ربنا لك الحمد بالاتفاق آہستہ کہا جاتا ہے۔ نماز کے اندر جس طرح باقی تمام اذکار و دعائیں آہستہ کی جاتی ہیں، آمین بھی دعا ہے لہٰذا یہ آہستہ کی جائے گی۔

خلفاء راشدین اور ائمہ اربعہ کا مسلک۔

امام ابن کثیر نے ائمہ اربعہ سے آمین آہستہ کہنا ہی نقل کیا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج، ص ۱۱)

امام مالک فرماتے ہیں: مقتدی آمین آہستہ ہی کہے۔ (مدونۃ الکبری ج، ص ۱۱)

امام شافعی فرماتے ہیں: مقتدی آمین آہستہ ہی کہے۔ (کتاب الام ج، ص ۱۱۱)

امام شافعی فرماتے ہیں: بہر حال قرآن پاک اور مختلف اسناد کی کثیر احادیث جن میں سے بعض بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہیں اور اکثر وہ احادیث ہیں جن کو محدثین کرام نے صحیح کہا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ آمین آہستہ ہی کہنی چاہیے اور اگر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آمین ذرا بلند آواز سے فرمادی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد تعلیم اُمت تھا۔ (کتاب الام ج، ص ۱۱۱)

امام الوہابیہ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: آمین آہستہ کہنا بھی جائز ہے۔

(نزل الابرار ص ۱۱)

محدث نیموی فرماتے ہیں: بلند آواز سے آمین کہنا نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (صحیح طور پر) ثابت ہے اور نہ خلفاء راشدین سے اس کا صحیح ثبوت ملتا ہے اور جو روائتیں اس کے متعلق ملتی ہیں وہ سب کی سب مجروح ہیں۔ (آثار السنن ص ۱۱۱)

شبہات

امام ابوداؤد 798-933-932 نے حضرت سفیان کے طریقے سے اپنی سند کے ساتھ باسقاط علقمہ اس حدیث کو روایت کیا اس میں ہے فجهر بآمين "آمین بلند آواز سے کہا" ورفع بها صَوْتَه اور ترمذی 231-248: میں ہے ومَدَّ بِهَا صَوْتَه۔ نیز نسائی 923-869 اور ابن ماجہ 855845 نے اپنی سند کے ساتھ عبدالجبار بن وائل عن ابیہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے قال آمين فسمعته وأنا خلفه۔

جواب: شارح بخاری علامہ بدرالدین عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ
اور ترمذی نے جو روایت کیا ہے، اس کے معارض خود امام ترمذی کی وہ حدیث ہے جو
سے اسی سند کے ساتھ تھوڑے تغیر کے ساتھ مروی ہے جس میں حجر بن عنبس کے
العنبس ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں: **عن سلمة بن كُهَيلٍ عن**
العَنْبَسِ عن علقمة بن وائل عن ابيه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَرَأَ غَيْرِ الْـ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فَقَالَ آمِيْن وَخَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ۔ علقمہ بن وائل اپنے
روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ**
آہستہ آمین کہی۔ (ترمذی231-:248)

اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے امام ترمذی نے کہا: میں نے محمد بن اسماعیل
بخاری سے سنا وہ کہتے تھے: سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ شعبہ
جگہ خطا کی اُنہوں نے حجر ابی العنبس کہا حالانکہ وہ حجر بن عنبس ہے ان کی کنیت
ہے اور اس میں علقمہ کو بڑھا دیا حالانکہ علقمہ کے واسطے کے بغیر حجر ابو وائل راوی ہیں
بِهَا صَوْتَهُ کہا حالانکہ **مَدَّ بِهَا صَوْتَه** ہے۔

اس کا جواب علامہ عینی نے یہ دیا ہے: امام شعبہ جیسے جلیل القدر مسلم الثبوت محدث کے
لئے یہ کہنا کہ ''اُنہوں نے خطا کی'' خود خطا ہے۔ کیسے ان کی طرف خطا کی نسبت درست
ہے جبکہ وہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں اور یہ کہنا کہ حجر ابی العنبس نہیں، غلط ہے
ابو العنبس بھی ہیں اور حجر بن عنبس بھی ہیں۔ اس پر ابن حبان نے الثقات میں
اور کہا: ان کی کنیت ان کے باپ کے نام پر ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی کنیت ابو السکن بھی ہو
ابو العنبس بھی ہو۔ ایک شخص کی دو کنیت ہو سکتی ہیں نیز ابوداؤد میں حجر ابی العنبس ہے
علقمہ کا زائد ہونا مضر نہیں، ثقہ کی زیادتی مقبول ہے خصوصاً شعبہ جیسے امام کی رہ گیا خفض بہا
صَوْتَهُ اور مَدَّ بِهَا صَوْتَه کا معاملہ تو خَفَضَ بِهَا صَوْتَهُ کی مؤید دار قطنی کی روایت
ہے جو انہیں حضرت وائل بن حجر سے مروی ہے۔ اس میں ہے وَأَخْفَى بِهَا صَوْتَهُ
پر دار قطنی نے یہ طعن کیا کہ اس میں شعبہ سے وہم ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ سفیان

اور محمد بن سلمہ بن کہیل وغیرہ نے انہیں سلمہ بن کہیل وغیرہ سے جو روایت کی ہے اس میں وَرَفَعَ بِهَا صَوْتَه ہے۔ اسی طرح صاحب تنقیح نے اس پر یہ طعن کیا کہ بیہقی نے بطریق ابوالولید طیالسی خود شعبہ سے جو روایت کیا ہے۔ اس میں وَرَافِعاً صَوْتَه ہے۔ یہ خود شعبہ کی روایت سفیان کی روایت کے موافق ہے۔ بیہقی نے ''معرفہ'' میں کہا: اس روایت کی سند صحیح ہے، شعبہ نے خود کہا کہ سفیان مجھ سے احفظ ہیں۔ یحیٰ قطان اور یحیٰ بن معین نے کہا: جب شعبہ اور سفیان میں مخالفت ہو تو سفیان کی بات قبول کی جائے گی۔ یہ بھی کہا کہ امام بخاری وغیرہ نے اجماع کیا کہ اس روایت میں شعبہ سے خطا ہوئی ان سب کے جواب میں علامہ عینی فرماتے ہیں:

شعبہ اور سفیان دونوں امام عظیم ہیں اور دونوں ایک پائے کے ہیں پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ شعبہ ہی سے وہم ہوا ہو۔ اگر شعبہ معصوم نہیں تو سفیان بھی معصوم نہیں پھر اس پر اصرار کہ شعبہ ہی سے وہم ہوا ہو، مکابرہ ہے نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں اسناد صحیح ہوں۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا کہ جہر سے آمین کہنا بھی ثابت ہے اور پست آواز سے کہنا بھی ثابت ہے اور ہر ایک پر ایک ایک جماعت نے عمل کیا۔

اقول: امام شعبہ نے جو یہ کہا کہ سفیان مجھ سے احفظ ہیں مگر خود سفیان ثوری نے کہا کہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ ابوطالب نے امام احمد سے روایت کرتے ہوئے کہا شعبہ حدیث میں سفیان سے احسن ہیں شعبہ کے زمانے میں شعبہ کے مثل یا ان سے اچھا حدیث میں کوئی نہیں تھا ان کو اس کا پورا پورا حصہ ملا تھا۔ امام نسائی نے کہا میں نے امام بخاری سے پوچھا: شعبہ اثبت ہیں یا سفیان، تو انہوں نے فرمایا: سفیان حافظ اور صالح شخص تھے۔ شعبہ ان سے زیادہ اثبت اور اتقی تھے۔ یہ سب تہذیب التہذیب میں ہے۔

ایسی صورت میں جبکہ حدیث میں تعارض ہے تو ان میں کسی ایک کو کسی اور دلیل سے ترجیح دیں گے۔ حدیث کے بعد دلیل شرعی صرف قیاس ہے۔ اس لئے اس سے ترجیح دی جائے گی اور قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ ترجیح آہستہ آمین کہنے کو ہے۔ اس لئے کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ

آمین دعا ہے اور دعا میں اصل آہستگی (اخفاء) ہے۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۔ اپنے رب سے دعا کرو، گڑگڑاتے اور آہستہ، بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں۔ (سورہ الاعراف آیت ۵۵)

ابن قطان نے مذکورہ بالا جرحوں کے علاوہ ایک اور جرح کی تھی کہ حجر کا حال معلوم نہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا: حجر کا حال اگر آپ کو نہیں معلوم تو نہ معلوم ہو مگر صرف آپ کے نہ جاننے سے وہ مجہول نہ ہو جائیں گے۔ ان کا حال کیسے نہیں معلوم حالانکہ وہ صحابی ہیں۔ ابن ابی الفرج، ابن اثیر وغیرہ نے انہیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اگر کوئی صحابی نہ مانے تو تابعی ہیں۔ ایک جماعت نے ان کی تعریف کی انہیں ثقہ کہا۔ انہیں میں خطیب بغدادی بھی ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ نہروان میں حضرت علی ؓ کے ساتھ گئے اور مدائن میں ان کے ساتھ تھے۔ یہ ثقہ ہیں، ان کی حدیث سے متعدد ائمہ دلیل لائے ہیں۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ ابن معین نے کہا کوفے کے رہنے والے ثقہ مشہور ہیں۔ رہ گیا حجر اور حضرت وائل کے درمیان میں علقمہ کا توسط تو ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث علقمہ سے بھی سنی ہو اور وائل سے بھی۔ کبھی علو سند کے لئے علقمہ کو ساقط کرکے براہِ راست حضرت وائل سے روایت کیا کبھی علقمہ کے واسطے سے۔ تو کیا یہ اعتراض کی بات ہے۔

(نزهة القاری شرح بخاری از مفتی محمد شریف الحق امجدی 439/2)

خلفاء راشدین حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا عمل۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی روایت کرتے ہیں: حدثنا سليمان ابن شعيب الكيساني، قال حدثنا علي بن معبد، قال حدثنا أبو بكر بن عياش عن ابی سعيد عن ابی وائل قال: كان عمر وعلى رضى الله عنهما لا يجهران (بسم الله الرحمن الرحيم) ولا بالتعوذ ولا بالتامين ابووائل فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ، اعوذ باللہ اور آمین میں جہر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان تینوں کو آہستہ پڑھتے تھے۔

(طبرانی تهذيب الاثار، شرح معانی الآثار باب القراءة بسم الله الرحمن الرحيم فی الصلوٰۃ 204/1 الجوهر النقی 48/2)

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کا فرمان۔
عن ابی معمر عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنه قال:یخفی الإمام أربعا التعوذ و بسم الله الرحمن الرحیم وآمین وربنا لك الحمد۔
ابو معمر حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے: یعنی اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور ربنا لك الحمد۔ (عینی شرح هدایه 620/1)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فرمانِ عالی شان۔
عن ابی وائل عن عبد الله رضی الله عنه قال:یخفی الإمام أربعا بسم الله الرحمن الرحیم وآمین،واللهم ربنا ولك الحمد، والتعوذ ابی وائل حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے: یعنی بسم اللہ، آمین، اللهم ربنا ولك الحمد، اور اعوذ باللہ۔

(المحلی 184/3 البیهقی حاشیه طحاوی 204/1)

امام محمد روایت کرتے ہیں :عن ابراهیم قال: اربع یخافت بهن الإمام، سبحانك اللهم وبحمدك والتعوذ من الشیطن وبسم الله الرحمن الرحیم وآمین قال محمد وبه نا خذ وهو قول ابی حنیفه۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے سبحانك اللهم، اعوذ بالله، بسم الله اور آمین ۔امام محمد نے کہا ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔

(کتاب الاثار ص :16 مطبوعه ادارة القرآن کراچی)

اس اثر کو امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں تھوڑے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں سبحانك اللهم کی بجائے اللهم ربنا ولك الحمد ہے پھر دوسری سند کے ساتھ اس کی تخریج کی،اس میں ہے کہ پانچ چیزوں کو امام آہستہ ادا کرے،ان میں آمین بھی ہے۔

اس تحقیق کے بعد یہ نتائج کھل کر سامنے آجاتے ہیں:

☆ قرآنی تعلیمات کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہئے۔
☆ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے بھی معلوم ہوا کہ ربنا لك الحمد کی طرح

آمین بھی آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔

☆ آہستہ آمین کی ترجیح کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آیاتِ قرآنیہ اور مسلم کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

☆ قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے بھی اونچی آمین کا ثبوت نہیں ملتا۔

☆ کسی حدیث میں بھی اونچی آمین کہنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

☆ اونچی آمین کی بابت جو روایات بیان کی جاتی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔

☆ آج کل کچھ لوگ مصر ہیں کہ آمین ہمیشہ اونچی آواز سے کہنی چاہئے لیکن وہ جتنی روایات کا سہارا لیتے ہیں (قطع نظر اس کے کہ وہ ضعیف ہیں) ان میں ایک آدھ دفعہ اونچی آمین کہنے کا ذکر ہے، لہٰذا ان سے ہمیشہ والا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

☆ حدیث کا علم رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ جس روایت میں اونچی آمین کا ذکر ہے وہ حاضرین کی تعلیم کے لئے ہے۔ چونکہ بہت سی روایات میں ہے کہ آپ سورہ فاتحہ کے بعد چند لمحے خاموش رہتے تھے۔ لہٰذا ایک آدھ دفعہ اونچی آمین کہہ کر حاضرین کو بتا دیا کہ سورہ فاتحہ کے بعد خاموشی والے لمحات میں یہ کلمہ کہا جاتا ہے جیسا کہ دیگر روایات میں ہے کہ کبھی آپ ظہر وعصر میں ایک آدھ آیت اونچی آواز میں پڑھ لیتے تھے تاکہ نئے آنے والے حضرات کو معلوم ہو جائے کہ قراءت ہو رہی ہے۔ نیز مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سبحانك اللهم بلند آواز سے پڑھا تعلیم کے لئے اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ ظہر وعصر میں ایک آیت اونچی یا نماز کے شروع میں سبحانك اللهم بلند آواز سے کہنا چاہئے۔

آنحضرت ﷺ سے آمین بالجهر کے جو واقعات منقول ہیں اوّل تو ان کی اسانید میں اہل علم کو کلام ہے پھر احیاناً جہر تعلیم پر بھی محمول ہو سکتا ہے۔

ابن تیمیہ کے شاگرد ابن قیم لکھتے ہیں: فإذا جهر به الإمام احيانا ليعلم المامومين فلا بأس بذالك فقد جهر عمر بالإفتتاح ليعلم المامومين وجهر ابن عباس بقراءة الفاتحة فى صلاة الجنازة ليعلم أنها سنة و

هذا أيضا جهر الإمام بالتأمين پس امام جب اس (قنوت) کو کبھی جہر کے ساتھ پڑھے تاکہ مقتدی جان لیں تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ مقتدیوں کی تعلیم کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سبحانك اللهم بلند آواز سے پڑھی تھی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں فاتحہ بلند آواز سے پڑھی تھی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے اور امام کا بلند آواز سے آمین کہنا اسی قبیل سے ہے۔ (زاد المعاد 70/1) چنانچہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث جو جہر کی روایت میں سب سے قوی ہے، اس میں اس مضمون کی تصریح موجود ہے۔ وقرأ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ فقال آمين يمد بها صوته ما أراه إلا يُعَلِّمُنَا۔ (اخرجه ابو بشر الدولابي في الاسماء والكنى)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھا تو آمین کہی آپ اس کے ساتھ اپنی آواز کو کھینچ رہے تھے۔ راوی فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دینا چاہتے تھے۔ (اعلاء السنن: 186/2)

علامہ الترکمانی نے الجوہر النقی میں دعویٰ کیا ہے کہ اکثر صحابہ وتابعین اخفاء آمین پر عامل تھے۔ جو حضرات جہری نمازوں میں امام اور مقتدی کے جہراً آمین کہنے کو مستحب فرماتے ہیں، ان کا مدعا اس وقت ثابت ہو سکتا ہے کہ جب وہ ثابت کردیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی یا اکثری معمول آمین بالجہر کہنے کا تھا یا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جہراً آمین کہنے کا حکم فرمایا تھا مگر کسی صحیح صریح حدیث میں یہ دونوں باتیں ثابت نہیں۔

آمین بالجہر پر دلالت کرنے والی احادیث کا جائزہ۔

دلیل نمبر ۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ پڑھا تو آمین کہی حتیٰ کہ صف اوّل میں جو آپ سے قریب تھا اس نے سن لی۔ (ابو داود حدیث 799: 934)

یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی اسی سند سے ہے اور اس میں ہے کہ مسجد گونج جاتی تھی۔
(ابن ماجہ 843-853)

اس حدیث کو غیر مقلدین کے سب سے بڑے محدث ناصر الدین البانی نے سلسلہ

احادیث الضعیفه میں ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے حدیث نمبر:951)

اس حدیث کی سند اس طرح ہے: حدثنا نصر بن علی اخبرنا صفوان بن عیسی عن بشر بن رافع عن ابی عبد الله ابن عم ابی هریرة عن ابی هریرة رضی الله عنه: اس حدیث میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کو امام بخاری، امام ترمذی، امام احمد، امام نسائی اور ابن حصین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (نصب الرایة 371/1)

علامہ بیہقی فرماتے ہیں: ابو الاسباط بشر بن رافع وقد اجمعوا علی ضعفه. تم علماء کا اجماع ہے کہ ابو الاسباط بشر بن رافع ضعیف ہے۔ (مجمع 192/1)

اس کی سند میں دوسرا راوی ابی عبد الله ابن عم ابی هریرة ہے۔ یہ راوی مجہول ہے اور بشر بن رافع کے علاوہ کسی اور نے اس سے نقل نہیں کیا۔ (نصب الرایة 371/1)

ابن حبان نے کہا یہ موضوع حدیث روایت کیا کرتا تھا۔ اس حدیث کو حکیم صادق غیر مقلد سیالکوٹی نے اپنی کتاب "صلوۃ الرسول" ص ۱۹۵ میں آمین بالجہر پر استدلال کرتے ہوئے درج کیا ہے لیکن آپ اس کی سند کا حال دیکھ چکے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم سے بخاری اور مسلم کی احادیث کا مطالبہ کرنے والے خود اس قسم کی ضعیف الاسناد احادیث لکھ کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ کم از کم اپنے نام ہی کی لاج رکھتے۔

دلیل نمبر ۲: حکیم صادق صاحب "صلوۃ الرسول" میں لکھتے ہیں آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھی، حضرت ابن الزبیر ؓ اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھی۔ بخاری کی حدیث نمبر ۷۳۷ کے بعد باب جہر الامام بالتامین میں ہے: یعنی

جواب: حضرت ابن زبیر ؓ کا ایک فعل ہے جو امام بخاری نے بلا سند نقل کر دیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ویسے بھی اس میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر ہے کہ خارج نماز ہوگی تا کہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کی ہیں اگر آپ کے پاس کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے تو پیش کرو۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابن زبیر ؓ کا یہ فعل عقل اور مشاہدہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی۔ حضور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ میں معمولی

چھپر والی تھی وہاں گونج کیسے پیدا ہوسکتی تھی۔ آج کوئی اہل حدیث کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھا دیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ چیختے چیختے مرجائیں گے مگر گونج پیدا نہ ہوگی۔

تیسرے اگر حکیم صاحب آمین بالجہر پر بخاری ومسلم کی کوئی حدیث پیش کرتے تو اس پر بات ہوتی بلا سند ایک قول پیش کیا ہے، ایسے بے سند قول کی کیا حیثیت ہے جس کی تائید میں قرآن کی کوئی آیت یا حدیث پیش نہ کی جاسکے۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں جو بے سند اقوال پیش کئے ہیں وہ اگر قابل حجت ہیں تو پھر کچھوے اور مینڈک کھانے بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ امام بخاری نے **کتاب الذبائح باب قول اللہ تعالیٰ: (احل لکم صید البحر)** میں امام شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ: **لو اَنَّ اھلی اکلوا الضِفَادِعَ لَاَطْعَمْتُھُمْ:** اگر میرے گھر والے مینڈک کھانا چاہیں تو میں ان کو کھلاؤں اور: **ولم یری الحسن بِالسُّلَحْفَاۃِ بَاسًا:** امام حسن بصری کچھوا کھانے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ اگر امام بخاری کے اقوال بھی حدیث کی طرح قابل حجت ہیں تو ان اقوال پر عمل کرتے ہوئے تمام غیر مقلدین کو چاہئے کہ اس مہنگائی کے دور میں بخاری کے اجتہادات پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھر والوں کو مینڈک اور کچھوا بروسٹ کر کے کھلائیں اور حکیم صادق صاحب کی روح کو ثواب پہنچائیں۔

چوتھے یہ قولِ قرآن کے بھی خلاف ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے: اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اگر صحابہ نے اتنی اونچی آواز سے آمین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور ﷺ کی آواز سے اونچی ہوگئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی۔ جو حدیث یا قول وفعل قرآن کے مخالف ہو یہ قابل عمل نہیں۔

دلیل نمبر ۳: حکیم صادق صاحب سیالکوٹی ''صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۷'' میں لکھتے ہیں: عطا بن ابی رباح کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کرام کو پایا وہ سب اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔ (بیہقی، ابن حبان، صلوٰۃ الرسول ص ۱۹۷)

جواب: یہ کوئی صحاح ستہ کی مرفوع حدیث نہیں بلکہ عطاء کا اثر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دو سو صحابہ کرام کو پایا کہ جب امام ولا الضالین کہتا تو وہ اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔ اس اثر کو امام شافعی نے اپنی ''مسند'' میں ابن حبان اور بیہقی کے حوالہ سے درج کیا ہے۔

گھر کی گواہی۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اس اثر کے متعلق حکیم صادق صاحب کے بزرگ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں: میں اس اثر کی صحت کے متعلق مطمئن نہیں ہوں بلکہ امام شافعی خود بھی اس کی صحت سے مطمئن نہیں اس لیے انہوں نے اپنی کتاب "الام" میں اس کے برعکس موقف اختیار کیا ہے۔ امام شافعی لکھتے ہیں: جب امام سورہ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتو وہ بلند آواز سے آمین کہے تاکہ مقتدی اس کی اقتداء کریں، جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی کہیں لیکن وہ آمین کی آواز اپنے آپ کو سنائیں مجھے یہ پسند نہیں کہ وہ بلند آواز سے آمین کہیں۔ (کتاب الام ص 95/1)

ناصر الدین البانی لکھتے ہیں: اگر امام شافعی کے نزدیک یہ اثر ان صحابہ سے ثابت ہوتا تو کس لئے انہوں نے ان صحابہ کے فعل کے خلاف عمل کو پسند کیا اس لئے میرے نزدیک اس مسئلہ میں یہی بات درست ہے کہ صرف امام بلند آواز سے آمین کہے گا مقتدی نہیں کہیں گے۔

(سلسلہ احادیث الضعیفہ 368/2)

غیر مقلدین کے محدث ناصر الدین البانی سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ اس اثر کی نسبت امام عطاء کی طرف صحیح نہیں اور یہ غیر ثابت ہے۔ اس سے مقتدیوں کے آمین بالجہر سے استدلال کرنا باطل ہے۔ حکیم صادق صاحب نے اپنی ساری کتاب میں بے سند اور ضعیف اور موضوع روایتوں سے کام چلایا ہے۔

دلیل نمبر ۴: حکیم صادق صاحب "صلوٰۃ الرسول" میں لکھتے ہیں: حضرت ام حصین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، جب آپ نے وَلا الضَّالِّين کہا تو آمین کہا حتیٰ کہ انہوں نے عورتوں کی صف میں سن لیا۔

(صلوٰۃ الرسول ص [illegible])

جواب: اس میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی ہے جس کو علامہ ہیثمی نے (مجمع الزوائد 264/1) میں اور شوکانی نے نیل الاوطار میں ضعیف قرار دیا ہے۔ مبارکپوری کہتے ہیں کہ ابن مبارک نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔

(الاحوذی 98/2) حکیم صادق صاحب کو چاہئے کہ اپنے اکابر کی کتابیں دیکھ کر بات کیا کریں تاکہ انہیں اوران کے مریدین کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔

دلیل نمبر ۵: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا جب آپ سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی اور اپنی آواز اس کے ساتھ درازکی۔ (صلوٰۃ الرسول ص ۱۰۶)

جائزہ دلیل نمبر ۶: بعض روایات میں حضرت وائل بن حجر سے اونچی آواز کے ساتھ مختلف الفاظ منقول ہیں جوصرف تعلیم کے لئے ہیں اور حضرت وائل بن حجر کی ان روایات میں تعلیم کی خصوصیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ چند دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے آتے تھے تاکہ وہ براہ راست کچھ باتیں سیکھ لیں۔ اس مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لئے بتادیا کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہی جاتی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب سابق سورہ فاتحہ کے بعد ایک لمحہ خاموش رہتے اور آہستہ آمین ہی کہتے تو حضرت وائل کو یہ پتہ نہ چلتا کہ اس موقع پر یہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ الغرض حضرت وائل سے منقول روایت میں مسئلہ آمین کے اونچا کہنے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆

رفع یدین کے متعلق فقہاء کے نظریات

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنے کے استحباب پر تمام امت کا اجماع ہے اور پہلی تکبیر کے ماسوا میں اختلاف ہے، امام شافعی، امام احمد اور جمہور فقہا صحابہ نے کہا کہ رکوع کے وقت اور رکوع کے بعد رفع یدین کرنا بھی مستحب ہے۔ اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور فقہائے کوفہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے ماسوا نماز میں رفع یدین کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ نماز کے کسی رکن میں بھی رفع یدین واجب نہیں ہے البتہ داؤد ظاہری (غیر مقلدین کے امام) سے یہ حکایت ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین واجب ہے۔ (شرح مسلم نووی ج ۱،ص ۱۶۸)

کتب حدیث کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نماز میں چھ مقامات پر بلکہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانے) کا ثبوت ہے لیکن اب سوائے پہلی مرتبہ کے تمام رفع یدین منسوخ ہیں اور منسوخ حدیث سے استدلال کرنا باطل ہے جیسا کہ وہابی حضرات بخاری و مسلم کی منسوخ احادیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیا ہے۔ (بخاری حدیث_693، کتاب الأذان)

لیکن حنفیو! تم صرف ایک مرتبہ رفع یدین کرتے ہو اور دو جگہ (رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت) رفع یدین نہیں کرتے لہٰذا تمہاری نماز سنت کے خلاف ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک منسوخ حدیث سے استدلال کرنا صحیح ہے تو پھر نماز میں باتیں کرنا اور سلام کا جواب دینا بھی جائز ہوگا کیونکہ بخاری اور مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ ابتداء اسلام میں دورانِ نماز گفتگو کرنا جائز تھا۔ خود حضور اکرم ﷺ دورانِ نماز آنے والے شخص کے سلام کا جواب دیتے تھے لیکن بعد میں حکم باقی نہ رہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ وہ نماز میں ہوتے تھے، سلام کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جواب دیتے تھے۔ جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جواب نہ دیا اور فرمایا نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔ (بخاری_1124 :1199 مسلم 837-:538مشکوۃ :979)

مسلم شریف میں ہے: ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں یہ صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن ہے۔ (مسلم_836- :537 مشکوۃ :948)

اگر منسوخ حدیث پر عمل جائز ہے تو اب بھی نماز میں سلام کا جواب دیا جائے اور اگر منسوخ حدیث پر عمل جائز نہیں تو پھر رفع یدین بھی جائز نہیں۔

جواب: ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نماز میں ایک سے زیادہ مرتبہ رفع یدین کرنا سنت تھا لیکن اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے سوائے پہلی مرتبہ کے اور منسوخ حدیث پر عمل اور اس سے استدلال کرنا باطل ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم کی احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سونے کی انگوٹھیاں پہنی تھیں لیکن اب مرد کے لئے دنیا میں سونا پہننا ناجائز ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

منسوخ اعمال کی مثالیں

پہلی مثال: مرد کیلئے سونا پہننا جائز تھا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن رسولَ اللہ ﷺ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ مِثْلَهُ فَلَمَّا رَآهُمْ قَدِ اتَّخَذُوهَا رَمَى بِهِ وَقَالَ: لا أَلْبَسُهُ أَبَدًا ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيمَ الْفِضَّةِ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی، صحابہ کرام نے بھی اس کی مثل بنوالیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ملاحظہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی کو پھینک دیا اور فرمایا میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور لوگوں نے بھی چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں۔

(بخاری حدیث_5417 ،،،، کتاب اللباس باب خاتم الفضۃ)

اب سونا پہننے کے شائقین اس منسوخ حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے اگرچہ یہ حدیث بخاری میں ہے کیونکہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

عن عبدِ اللهِ بْنِ عباس رضی الله عنهما :أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ رَأَى خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِي يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ وَقَالَ : يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهِ قَالَ لَا وَاللهِ لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اتار کر پھینک دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص سے کہا گیا: جاؤ اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اس سے نفع حاصل کرو، اس نے کہا: خدا کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہو، اس کو میں کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔

(مسلم حدیث _3897:،،،، کتاب اللباس، مشکوۃ حدیث : ،،، کتاب اللباس باب الخاتم)

اس طرح کی بے شمار مثالیں احادیث میں موجود ہیں:

دوسری مثال: پالتو گدھا اور متعہ حلال تھا۔

شروع اسلام میں پالتو گدھا کھانا اور نکاحِ متعہ جائز تھا پھر خیبر کے دن اس کا حکم منسوخ ہوگیا۔ عن جابر رضی الله عنه : خَرَجَ عَلَيْنَا مُنَادِي رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَدْ أَذِنَ لَكُمْ أَنْ تَسْتَمْتِعُوْا يعنى مُتْعَةَ النِّسَاءِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منادی ہمارے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں عورتوں کے ساتھ نکاح متعہ کی اجازت دی ہے۔

(مسلم حدیث _2494،،،، کتاب النکاح)

خیبر کے روز دونوں چیزیں منسوخ ہوگئیں۔

فَأُكْفِئَتِ الْقُدُوْرُ وَإِنَّهَا لَتَفُوْرُ بِاللَّحْمِ: ہانڈیوں میں گدھے کا گوشت ابل رہا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے منع فرما دیا اور ہانڈیاں اُلٹ دی گئیں۔
(بخاری حدیث 3878- ،،،، کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر)

عن علی رضی اللہ عنہ قال: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الإِنْسِيَّةِ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے اور پالتوں گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمادیا۔

(بخاری حدیث _3894،،،، کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر مسلم حدیث _2510،،،، کتاب النکاح باب نکاح المتعۃ)

اب اگر کوئی کہے کہ بخاری و مسلم میں لکھا ہوا ہے کہ صحابہ نے گدھے کا گوشت کھایا اور نکاحِ متعہ کیا، لہٰذا اب بھی جائز ہے تو اس کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

تیسری مثال: بغیر انزال کے غسل فرض نہیں تھا۔

شروعِ اسلام میں جب آدمی بیوی سے ہم بستری کرتا اور انزال کے بغیر علیحدہ ہو جاتا تو اس پر غسل فرض نہیں تھا صرف وضو کرنا ضروری تھا۔

عن أبی بن کعب رضی اللہ عنہ أنہ قال یارسولَ اللہ إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ المرأۃَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ: يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جب آدمی بیوی سے مجامعت کرتا ہے اور اسے انزال نہیں ہوتا، فرمایا: جتنا حصہ عورت سے لگا ہے اسے دھولے پھر وضو کرے اور نماز پڑھے۔

(بخاری حدیث ،،، کتاب الغسل کی آخری حدیث)

اب اگر کوئی بخاری کی اسی حدیث کو بنیاد بنا کر ہم بستری کے بعد غسل نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے بلکہ اسے مسجد میں داخل ہونے اور قرآن پاک کو چھونے کی بھی اجازت نہیں کیونکہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ حدیث ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ إِذَا جَلَسَ

بَيْنَ شُعَبِهَا الأربع ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ وَإِنْ لَمْ يُنْزِلْ۔ جب کوئی مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے، اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے اس کو انزال ہو یا نہ ہو۔

(مسلم حدیث 525- ،،، کتاب الحیض باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام لایوجب الغسل بخاری حدیث _ 282،،، کتاب الغسل.)

عورت کی چار شاخوں سے مراد اس کے ہاتھ اور ٹانگیں ہیں، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مرد کے عضو تناسل کا سر عورت کی اندامِ نہانی میں غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ ہو اور یہ حدیث ان تمام احادیث کے لئے ناسخ ہے جن میں ہے کہ انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی مثال: نماز میں باتیں کرنے کی اِجازت تھی۔

ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کا جواب دینا اور باتیں کرنا بھی جائز تھا لیکن بعد میں یہ چیزیں منسوخ ہو گئیں اب کسی کو نماز میں سلام کا جواب دیئے یا باتیں کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ حضرت زید بن ارقم ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلاةِ يُكَلِّمُ الرجلُ صَاحِبَهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلاةِ حَتَّى نَزَلَت (وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ) فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ وَنُهِينَا عَنِ الْكَلامِ۔ ہم نماز میں باتیں کیا کرتے تھے ہر شخص نماز میں اپنے ساتھی سے باتیں کرتا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ اس کے بعد ہمیں (نماز میں) خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتوں سے روک دیا گیا۔

(مسلم حدیث 838- ،،، کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ)

اگر کوئی شخص ناسخ احادیث کو نہیں مانتا اور رفع یدین والی منسوخ احادیث پر عمل کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز میں اپنے ساتھی سے باتیں بھی کیا کرے۔ لیکن اب کوئی بھی نماز میں باتیں نہیں کرتا اور کوئی شخص اسے تارکِ حدیث نہیں کہتا کیونکہ یہ حکم منسوخ ہے۔ بالکل اسی طرح جو شخص نماز میں رفع یدین نہ کرے یا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ تارکِ حدیث نہیں ہے کیونکہ اب یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

پانچویں مثال: اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کے لئے بیٹھنا ضروری تھا۔

حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ۔ امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے جب وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو۔ قال ابو عبد الله: قال الحميدي: قوله: (إِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ) هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالآخِرِ فَالآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ ﷺ۔

امام بخاری کہتے ہیں امام حمیدی (امام بخاری کے اُستاذ) نے کہا: نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان "جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو" یہ پہلے مرض کے دوران کی بات ہے پھر اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔ (بخاری حدیث _648... کتاب الاذان باب إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ)

الحمد للہ! احناف بخاری شریف کی اس حدیث اور امام بخاری کے استاذ کے قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے آخری عمل کو اپناتے ہیں کیونکہ وہ عمل منسوخ نہیں بلکہ ناسخ ہوتا ہے برعکس پہلے عمل کے کہ وہ منسوخ ہو سکتا ہے۔

اب اسی اصول کے تحت رفع یدین کی تمام احادیث منسوخ ہیں اور انکی ناسخ حدیث وہ ہے جس میں صرف تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے۔ یہ احادیث آگے چل کر میں تفصیل سے بیان کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

چھٹی مثال: ہر پکی ہوئی چیز سے وضو کرنا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تَوَضَّأُوا مِمَّا

مَسَّتِ النَّارُ۔ جسے آگ پکائے اس سے وضو کرو۔ (مسلم 530 :353 مشکوٰۃ :303)

لیکن یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے منسوخ ہے جو فرماتے ہیں کہ

إِنَّ رسولُ الله أكلَ كتف شاةٍ ثم صلى ولم يتوضأ۔ رسول اللہ ﷺ نے بکری کا شانہ کھایا اور پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھی ۔(مسلم 531 :354 بخاری 200 :207 مشکوٰۃ 304)

اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ منسوخ احادیث پر عمل کرنا جائز ہے یا نا جائز؟ اگر آپ کہتے ہیں کہ منسوخ حدیث پر عمل جائز ہے تو پھر مرد کو سونا پہننا بھی جائز ہوگا، گدھا کھانا اور عورتوں سے متعہ بھی جائز ہوگا اور عورتوں سے ہم بستری کرنے سے غسل بھی فرض نہیں ہوگا اور نماز میں باتیں کرنا اور سلام کا جواب دینا بھی جائز ہوگا اور ہر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے دوبارہ وضو بھی کرنا پڑے گا اور اگر آپ کہتے ہیں کہ منسوخ حدیث پر عمل نا جائز ہے تو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور ایک سے زیادہ مرتبہ رفع یدین بھی جائز نہ ہوگا۔

حدیث میں چھ مرتبہ بلکہ اس سے زیادہ مرتبہ بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اگر آپ کا عمل حدیث کے مطابق ہے تو چھ مرتبہ رفع یدین کیا کریں ورنہ آپ آدھے اہل حدیث ہوں گے۔ صحیح احادیث دکھانا میرا کام اور عمل کرنا آپ کا کام ہے۔ ورنہ خود کو اہل حدیث لکھنا ترک کردیں، نماز میں تین مرتبہ رفع یدین والی حدیث تو وہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جس کے آپ قائل ہیں۔

نماز میں چار مرتبہ رفع یدین کا ثبوت۔

۴: چوتھی جگہ سجدہ کو جاتے وقت رفع یدین کرنا:

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ: رأيتُ رسولَ اللهِ ﷺ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصلاةِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ حِيْنَ يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ وَحِيْنَ يَرْكَعُ وَحِيْنَ يَسْجُدُ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز کے شروع میں اور رکوع میں جاتے وقت اور سجدے کرتے وقت کندھوں تک رفع یدین کیا۔

(ابن ماجہ حدیث 850 ۔۔۔ کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب باب رفع الیدین اذا رکع)

نماز میں پانچ مرتبہ رفع یدین کا ثبوت۔

پانچویں جگہ سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین کرنا۔

۵: حضرت ابو وائل بن حجر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَكَانَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَهُمَا وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ سَجَدَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ أَيْضًا رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا۔

(ابو داود حدیث _ 723631- 619-721 کتاب الصلوٰۃ. باب رفع الیدین فی الصلوٰۃ۔ اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو صحیح ابی داود_ نسائی حدیث _ ۱۰۰۱ کتاب التطبیق باب رفع الیدین للسجود)

نماز میں چھ مرتبہ رفع یدین کا ثبوت۔

۶: چھٹی جگہ دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہونے کے لیے رفع یدین کیا۔ عن نافع أن ابن عمر رضي الله عنهما كان إذا دخل في الصلاة كبر ورفع يديه وإذا ركع رفع يديه وإذا قال سمع الله لمن حمده رفع يديه وإذا قام من الركعتين رفع يديه ورفع ذلك ابن عمر إلى نبي الله ﷺ۔ حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہہ کر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب سمع الله لمن حمده کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس ان مقامات پر رفع یدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کیا۔

(بخاری حدیث _ 697،،، کتاب الاذان باب رفع الیدین إذا قام من الرکعتین، ابن ماجه عن علی رضی اللہ عنہ حدیث _ 854،،، کتاب اقامة الصلاة باب رفع الیدین اذا رکع)

ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کا ثبوت۔

حضرت ابن عباس اور حضرت عمیر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: کان رسولُ اللہ ﷺ یرفع یَدَیْہِ مَعَ کُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ فِی الصَّلَاۃِ الْمَکْتُوْبَۃِ۔ رسول اللہ ﷺ فرض نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا کرتے تھے۔

(ابن ماجہ حدیث_851_855 کتاب اقامۃ الصلوٰۃ باب رفع الیدین اذا رکع دونوں حدیثوں کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے صحیح قرار دیا ہے دیکھو صحیح ابن ماجہ)

الحمدللہ! صحیح احادیث سے نماز میں چھ مقامات پر رفع یدین ثابت ہو گیا۔ اب غیر مقلدین کے لئے ضروری ہے کہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے ان چھ مقامات پر رفع یدین کیا کریں ورنہ یہ اہل حدیث کہلوانے کے مستحق نہیں بلکہ ان کا یہ عمل خلافِ سنت ہوگا کیونکہ حدیث میں چھ مرتبہ رفع یدین مذکور ہے اور یہ تین مرتبہ کر رہے ہیں یعنی یہ آدھے اہل حدیث ہیں کہ آدھی حدیثوں پر عمل کر رہے ہیں اور آدھی کو چھوڑ رہے ہیں۔ وہابی اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان چھ مقامات پر رفع یدین منسوخ ہو گیا ہے، اب صرف تین مقام پر رفع یدین سنت ہے لیکن یہ جواب تو ہمارے جواب کے موافق ہے ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ رفع یدین والی احادیث منسوخ ہیں اب ہم اور وہابی اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ رفع یدین کی احادیث منسوخ ہیں اب صرف تعداد میں اختلاف باقی رہ گیا۔

اب اُن سے ایک اور سوال ہے مجھے بتاؤ کہ نسخ قلت سے کثرت کی طرف ہوا ہے یا کثرت سے قلت کی طرف یا اس طرح کہہ لو ایک سے کثرت کی طرف یا کثرت سے ایک کی طرف۔ احتمال دونوں ترتیبوں کا ہے۔ اگر نسخ ہوا ہے ایک سے کثرت کی طرف تو سب جگہ یعنی ہر تکبیر کے ساتھ ہونا چاہیے لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں، اب دوسرا احتمال متعین ہو گیا کہ پہلے زیادہ جگہ ہوتا تھا پھر کم ہوتا ہوتا ایک جگہ رہ گیا درمیان میں تین پر ٹھہر جانا یہ کسی بھی ترتیب کے مطابق نہیں اس لیے متعین ہو گیا پہلے زیادہ جگہ ہوتا رہا پھر ایک جگہ رہ گیا۔ الحمدللہ یہی احناف کا مذہب ہے۔

☆ معلوم ہوا کہ رفع یدین مواضع ثلاثہ کے علاوہ بھی متعدد مواضع میں ہوتا تھا مگر صحیح روایات

کے مطابق باقی مواضع میں رفع یدین سب کے نزدیک متروک ہے اور تحریمہ کے وقت رفع یدین سب کے نزدیک سنت ہے دو جگہوں میں اختلاف ہے۔ پس حنفیہ و مالکیہ نے متفق علیہ کو اختیار کرلیا اور جس چیز میں اختلاف اور تردد تھا اسے ترک کردیا۔

☆ نماز میں حرکت سے سکون کی طرف تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اس کے برعکس یہ نہیں ہوا کہ پہلے نماز میں سکون ہوتا پھر حرکات شروع ہوگئی ہوں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کی احادیث بھی مروی ہیں اور ترکِ رفع یدین کی بھی۔ اس اصول کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ترکِ رفع یدین تھا۔

رفع یدین کے دوام پر وہابیوں کے پاس ایک بھی دلیل نہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے وہابی حضرات کے پاس ایک بھی دلیل نہیں ہے لیکن ہمارے پاس الحمد اللہ! متعدد قوی دلائل ہیں۔ رکوع میں جانے اور اٹھنے کے وقت رفع یدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اس ثبوت میں کوئی نزاع اور اختلاف نہیں اس کو ہم اور وہ سب ہی مانتے ہیں اختلاف ان دو جگہ دوامِ رفع یدین کا ہے کہ آیا ان دو جگہ پر رفع یدین کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال شریف تک دوام واستمرار کیا ہے یا نہیں؟ وہابی دوام واستمرار کے مدعی ہیں اور احناف دوام ثابت نہیں مانتے۔ دوامِ رفع یدین ان دو جگہ میں یہ متنازع فیہ ہے۔ اختلاف اور نزاع کے موقع پر اگر وہ ایسی روایتیں پیش کریں جن سے دو جگہ ثبوت رفع یدین ہوتا ہے تو یہ ان کے لئے درست نہ ہوگا اس لئے کہ ثبوتِ رفع یدین ان دو جگہوں میں ہم خود مانتے ہیں بلکہ ان دو جگہ سے زائد کے قائل ہیں۔ ہمیں سمجھانے کے لئے کچھ ایسی روایتیں پیش کریں جو نکتہ نزاعیہ کو ثابت کریں یعنی جن سے تا وصال بالکمال دوام ثابت ہو اور ہمارے خلاف ان کی دلیلیں صرف وہی حدیثیں بن سکتی ہیں جو دوام رفع یدین کو ان جگہوں میں ثابت کریں اور ایسی ان کے پاس ایک بھی صریح صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے جتنی وہ پڑھ کر سناتے ہیں وہ صرف ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اس میں تو اختلاف ہی کوئی نہیں۔

اعتراض: حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں: کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ إذا افتتح الصلاۃ وإذا کبر للرکوع وإذا رفع راسہ من الرکوع رفعھما کذلک أیضاً: اس میں مضارع پر کان داخل ہے جو مفید استمرار ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ان مواقع میں رفع یدین کرنے پر دوام اور استمرار ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ مضارع پر کانَ کا داخل ہونا دوام اور استمرار کو مستلزم نہیں۔ مضارع با کان کی دلالت استمرار پر صریح نہیں ہے۔

عن أنس ﷺ قال: کان النبیﷺ یَطُوفُ علی نِسَائِہِ بِغُسْلٍ واحدٍ۔ (مسلم:۳۰۹) یطوف ۔مضارع ہے اور اس پر کانَ داخل ہے۔ حالانکہ یہاں استمرار کا تحقق نہیں ہے۔ ایک رات میں تمام ازواج کی طرف تشریف لے جانا، یہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی معمول تھا نہ اکثری، عمر میں ایک دو مرتبہ کا واقعہ ہے اور اس کو مضارع اور کانَ سے راوی نے تعبیر کیا ہے۔ اس لئے استمرار کی یہ دلیل غلط ہے۔ دوام کی کوئی صریح دلیل پیش کیجئے۔ اس کی قدر کی جائے گی لیکن یہ آپ سے نہ ہو سکے گا۔ اس تقریر سے یہ مغالطہ دور ہو گیا کہ رفع یدین کرنے والوں کی دلیلیں زیادہ ہیں یہ بات واقعہ کے خلاف ہے اور مغالطہ ہے۔ ثبوت رفع یدین کی حدیثوں کو اپنی دلیلیں سمجھ لیا حالانکہ اس کا اختلافی مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں آپ ان حدیثوں کی گنتی کیجئے جو صحیح ہوں اور صراحۃً تا وصال دوام پر دال ہوں۔

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

بعض اوقات دوام ثابت کرنے کے لئے ابن عمر ﷺ کی وہ روایت پیش کر دی جاتی ہے جس میں تین مقامات پر رفع یدین کا ذکر ہے اور اس کے بعد یہ زیادتی مذکور ہے: فما زالت تلک صلاتُہُ حتی لَقِیَ اللہَ: (نصب الرایہ ج، ص ۴۱۰) (صلوٰۃ الرسول از حکیم صادق ص ۲۱۰)
لیکن یہ زیادتی انتہائی درجہ کی ضعیف بلکہ موضوع ہے، اس کی سند میں عصمہ بن محمد ایک راوی ہے، اس پر محدثین نے شدید جرح کی ہے یحیٰی بن معین فرماتے ہیں یہ جھوٹا تھا حدیثیں

كَذَّابٌ يضع الحديث عقیلی فرماتے ہیں: یحدث بالبواطیل عن
گھڑا کرتا تھا۔
الثقات ابن عدی فرماتے ہیں: کل حدیثه غیر محفوظ۔

(میزان الاعتدال ص [illegible] جلد [illegible]، لسان المیزان ص [illegible] ج [illegible])

(تفصیل دیکھیے حاشیہ نصب الرایہ ص ۴۱۰_۴۰۹)

اس کی سند میں ایک اور راوی عبدالرحمن بن قریش ہے۔ اس پر بھی ائمہ رجال نے جرح کی ہے بعض نے اسے متہم بالوضع قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال ص [illegible] جلد [illegible]، لسان المیزان ص [illegible] ج [illegible])

وہابیوں کو موضوع احادیث پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے، ہم سے بخاری و مسلم کا مطالبہ کرنے والے من گھڑت حدیثوں سے کام چلا رہے ہیں۔

رفع یدین کے منسوخ ہونے کے دلائل

احناف کے پاس اس مسئلہ میں قرآن سے دلیل بھی ہے مخالفین کے پاس اس مسئلہ میں قرآن سے کوئی دلیل نہیں۔

ارشاد خداوندی ہے: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ: (سورت مومنون: ۲_۱) متواضعون مخبتون لا یلتفتون یمینا ولا شمالا ولا یرفعون ایدیهم فی الصلوٰة: کامیاب ہو گئے ایمان والے جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جن کو صحابہ کرام نے ترجمانِ قرآن کا لقب دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: انہوں نے قرآن دانی اور اس کی تفسیر ڈائریکٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہے۔ فرماتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا: میں نے بتایا تھا کہ خشوع کا تعلق دل کے ساتھ بھی ہے اور ظاہری اعضا کے ساتھ بھی تو انہوں نے دونوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا: ''خَاشِعُوْنَ'' مُتَوَاضِعُوْنَ مُخْبِتُوْنَ لا یَلْتَفِتُوْنَ یمینا ولا شمالا ولا یَرْفَعُوْنَ اَیْدِیَهُمْ فی الصلوٰة: ان کے دل خوفِ الٰہی سے لبریز ہو کر عاجز ہو گئے، دلوں کے اندر انکسار آ گیا عاجزی آ گئی اور اعضائے بدن کا خشوع کیا ہے کہ وہ منہ پھیر کر

دائیں بائیں نہیں دیکھتے بلکہ اپنی نگاہ سجدہ گاہ میں رکھتے ہیں اور وہ نماز کے اندر رفع یدین نہیں کرتے۔ (تفسیر ابن عباس)

قرآن کے بعد حدیث کا معاملہ ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دو طرح کی ہوتی ہیں قولی اور فعلی، احناف کی انفرادیت دو طرح سے ہے، ہمارے پاس قرآن ہے ان کے پاس قرآن کی دلیل نہیں۔ دوسری انفرادیت یہ ہے کہ ہمارے پاس قولی اور فعلی دونوں طرح کی احادیث ہیں جبکہ مخالفین کے پاس ایک بھی قولی حدیث نہیں ہے سب فعلی ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کرنے کا کبھی حکم نہیں دیا صرف ابتدا میں رفع یدین کر کے دکھایا بعد میں اس سے منع بھی کر دیا۔

حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت براء بن عازب، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ترکِ رفع یدین کی احادیث مروی ہیں۔

نماز میں رفع یدین کرنے سے روک دیا گیا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ: مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ ؟ اسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں تم کو سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں! نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو۔ (مسلم حدیث 651_، کتاب الصلوٰۃ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ)

نسائی اور ابوداؤد کی روایت۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ رَافِعُوْ أَيْدِيْنَا فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ: مَا بَالُهُمْ رَافِعِيْنَ أَيْدِيَهُمْ فِي الصَّلَاةِ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ الْخَيْلِ الشُّمُسِ ؟ اسْكُنُوْا فِي الصَّلَاةِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم نماز میں رفع یدین کر رہے

تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح نماز میں رفع یدین کر رہے ہیں! نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو۔

(نسائی حدیث_1171 کتاب السھو باب السلام بالأیدی فی الصلوٰۃ ابو داود حدیث_848 کتاب الصلوٰۃ باب فی السلام)

اعتراض: بعض حضرات نے اس استدلال پر یہ اشکال پیش کیا ہے کہ اس حدیث میں رفع یدین سے روکنا مقصود نہیں جو رکوع کو جاتے اور رکوع سے اُٹھتے وقت ہوتا ہے بلکہ اس رفع یدین سے روکنا مقصود ہے جو شروع شروع میں سلام پھیرتے وقت رفع یدین ہوتا تھا اُس سے روکنا مقصود ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی سلام کے وقت اشارہ ہوتا تھا اور اُس سے روک بھی دیا گیا لیکن اُس کے روکنے کے لیے اور حدیثیں ہیں یہ حدیث اس کے متعلق نہیں ہے۔ اب وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں سلام کے وقت اشارہ سے روکا گیا ہے پھر ان دونوں میں فرق بیان کیا جائے گا۔

سلام پھیرتے وقت اشارہ کرنے سے روکنے پر احادیث۔

حضرت جابر بن سمرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ قُلْنَا: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْجَانِبَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: عَلَامَ تُومِئُونَ بِأَيْدِيكُمْ وفی روایة۔ مَاشَأْنُكُمْ تُشِيرُونَ بِأَيْدِيكُمْ۔ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ إِنَّمَا يَكْفِي أَحَدُكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيهِ مَنْ عَلَى يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ ولا يُومِئُ بِيَدِهِ جس وقت ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے (تو سلام پھیرتے وقت) السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے اور دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فعل سے منع فرمایا اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح اشارہ کرتے ہو؟ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تمہارے ہاتھ زانوؤں پر ہوں اور تم اپنے بھائی کی طرف دائیں بائیں سلام پھیرو اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرو۔

(مسلم حدیث_652 کتاب الصلوٰۃ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ)

حضرت جابر بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ: كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَنُسَلِّمُ بِأَيْدِينَا فَقَالَ: مَا بَالُ هٰؤُلَاءِ يُسَلِّمُونَ بِأَيْدِيهِمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيْلٍ شُمُسٍ أَمَا يَكْفِي أَحَدُهُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ ثُمَّ يَقُولَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ حضرت جابر بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ پس ہم اپنے ہاتھوں کے ساتھ سلام کرتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ یہ ہاتھوں سے سلام کر رہے ہیں گویا کہ گھوڑوں کی دُموں کی طرح، کیا انہیں یہ کافی نہیں کہ وہ اپنا ہاتھ زانوؤں پر رکھیں اور کہیں "السلام علیکم، السلام علیکم" (نسائی حدیث_1172 کتاب السہو باب السلام بالأیدی فی الصلاۃ)

دونوں قسم کی حدیثوں کا باہمی فرق ملاحظہ ہو۔

فرق نمبر ۱: جس حدیث میں رکوع کے وقت رفع یدین سے منع کیا ہے صحابہ کرام علیحدہ علیحدہ پڑھ رہے تھے بعد میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا تو منع فرمادیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ۔

(مسلم حدیث_651 ،،، کتاب الصلاۃ باب الامر بالسکون فی الصلاۃ نسائی حدیث _1171 کتاب السہو باب السلام بالأیدی فی الصلاۃ ابو داود حدیث 848 ،،،، کتاب الصلاۃ باب فی السلام)

جس حدیث میں سلام کے وقت اشارہ کرنے سے منع فرمایا گیا، صحابہ کرام وہ نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یا پیچھے پڑھ رہے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ (مسلم حدیث 652_ ،،، کتاب الصلوۃ باب الامر بالسکون فی الصلوۃ) كُنَّا نُصَلِّي خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَنُسَلِّمُ بِأَيْدِينَا۔

(نسائی حدیث_1172 کتاب السہو باب السلام بالأیدی فی الصلوۃ)

حدیث کے یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہیں، ان دونوں کو ایک قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ایک میں ہے علیحدہ نماز پڑھنا اور رسول اللہ ﷺ کا بعد میں تشریف لانا۔ دوسری میں ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یا پیچھے نماز پڑھنا۔

فرق نمبر ۲: پہلی حدیث میں ہے: وَنَحْنُ رَافِعُوْ أَيْدِيْنَا فِى الصَّلاة کہ ہم نماز میں رفع یدین کررہے تھے۔

(نسائی حدیث_1171 کتاب السهو باب السلام بالأيدى فى الصلاة)

جبکہ دوسری حدیث میں ہے: فَنُسَلِّمُ بِأَيْدِيْنَا ''ہم اپنے ہاتھوں سے سلام کررہے تھے''۔

(نسائی حدیث_1172 کتاب السهو باب السلام بالأيدى فى الصلاة)

دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فرق نمبر ۳: پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مَالِي أَرَاكُمْ رَافِعِيْ أَيْدِيْكُمْ کیا وجہ ہے کہ میں تم کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں!

(مسلم حدیث_651 ،،، کتاب الصلاة باب الامر بالسكون فى الصلاة)

جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عَلَامَ تُومِئُونَ بِأَيْدِيْكُمْ وفى رواية_ مَاشَأْنُكُمْ تُشِيْرُوْنَ بِأَيْدِيْكُم۔

(مسلم حدیث 652_ ،،، کتاب الصلاة باب الامر بالسكون فى الصلاة)

مَابَالُ هٰؤُلَاءِ يُسَلِّمُوْنَ بِأَيْدِيْهِمْ کیا وجہ ہے کہ تم ہاتھوں سے اشارہ کررہے ہو یا فرمایا ان لوگوں کو کیا ہے کہ یہ ہاتھوں سے سلام کررہے ہیں۔

(نسائی حدیث_1172 کتاب السهو باب السلام بالأيدى فى الصلاة)

فرق نمبر ۴: پہلی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: (أُسْكُنُوْا فِى الصَّلَاةِ) ''نماز سکون کے ساتھ پڑھا کرو''

(مسلم حدیث651_ ،،، کتاب الصلاة باب الامر بالسكون فى الصلاة)

جبکہ دوسری حدیث میں أُسْكُنُوْا فِى الصَّلَاةِ کا لفظ سرے سے موجود ہی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا يَكْفِيْ أَحَدُكُمْ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ عَلَى فَخِذِهِ ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلَى أَخِيْهِ مَنْ عَلَى يَمِيْنِهِ وَشِمَالِهِ ولا يُوْمِئُ بِيَدِهِ۔ تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تمہارے ہاتھ زانو پر ہوں اور تم اپنے بھائی کی طرف دائیں بائیں سلام پھیرو اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرو۔

(مسلم حدیث 652_ ،،، کتاب الصلاة باب الامر بالسكون فى الصلاة)

قارئین کرام! انصاف سے کہنا: کہ اتنا واضح فرق ہونے کے باوجود دونوں حدیثوں کو

ایک قرار دینا سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟

الحاصل معلوم ہوا کہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور دونوں کو ایک واقعہ کے متعلق کرنا صحیح نہیں۔ اگر ہم فالفرض تسلیم کر بھی لیں کہ یہاں اسی رفع یدین سے روکنا مقصود ہے جو سلام کے وقت ہوتا تھا تو ہم کہیں گے کہ جب سلام کے وقت رفع یدین کو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی سمجھا گیا تو رکوع کو جاتے اور اُٹھتے وقت کا رفع یدین بدرجہ اولی سکون فی الصلوٰۃ کے خلاف ہوگا۔ اس کی ممانعت دلالۃ النص سے ثابت ہوئی۔ یہ قولی حدیث ہے جو صحت میں فعلی سے بڑھ کر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کا عمل۔

حدیث: حدثنا هناد حدثنا وكيع عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الا سود عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود ﷛: أَلَا أُصَلِّي بِكُمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَصَلَّى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ

حضرت علقمہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا: کیا میں تمہارے سامنے رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھوں، انہوں نماز پڑھی اور پہلی مرتبہ کے علاوہ ہاتھ نہ اُٹھائے۔ قال ابو عيسى: حديث ابن مسعود حديثٌ حسنٌ، وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين وهو قول سفيان الثوري وأهل الكوفة۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود ﷛ کی حدیث حسن ہے اور کئی صحابہ کرام اور تابعین اسی بات کے قائل ہیں، سفیان ثوری اور اہل کوفہ (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ) کا بھی یہی مسلک ہے۔

(ترمذی حدیث 238: 257 ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی مرۃ واحدۃ مشکوٰۃ حدیث: ۸۰۹ کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ ابو داود کتاب الصلوٰۃ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع حدیث 639: ۷۴۸، نسائی حدیث :1016 کتاب الافتتاح باب ترک ذلک شرح معانی الاثار جلد ۱ ص: ۱۱۰)

نوٹ: ہوسکتا ہے کہ جب کوئی غیر مقلد اس حدیث کا جواب نہ دے سکے تو کہہ دے کہ یہ تو حدیث ہی ضعیف ہے چنانچہ حفظ ماتقدم کے تحت اس کا بھی بندوبست پہلے ہی

کئے دیتا ہوں تا کہ طلباء کو کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔

غیر مقلد علماء سے حدیث کی تصحیح۔

ترمذی شریف کے غیر مقلد محقق احمد محمد شاکر نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ ابن حزم وغیرہ جیسے حفاظ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مشکوۃ شریف کے غیر مقلد محقق ناصر الدین البانی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: والحق أنه حديث صحيح واسناده صحيح على شرط مسلم اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی اسناد مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔

اس حدیث کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب۔

مشکوۃ کے غیر مقلد محقق ناصر الدین البانی اور ترمذی کے محقق احمد شاکر جب ترکِ رفع یدین کی حدیثوں کی صحت میں کلام نہ کر سکے تو پھر اپنی بے بسی کا اظہار اس طرح کیا "یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والی صحیح ہے۔ ابن حزم وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے لیکن یہ ترکِ رفع یدین پر دلالت نہیں کرتی اس لیے کہ یہ نفی ہے اور رفع یدین والی حدیث مثبت ہے اور مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے بس زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یا کئی مرتبہ رفع یدین ترک کر دیا لیکن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ رفع یدین کرتے رہے"۔

(ترمذی-۲/۴۱ اور یہی بات البانی نے مشکوٰۃ کی تحقیق میں حدیث-۸۰۹ کہی ہے کہ اصول یہ ہے کہ مثبت منفی پر مقدم ہوتا ہے-)

جواب: ان کے اس جواب سے ان کی بے بسی کا اظہار ہو رہا ہے اور ان کے عمل بالحدیث کا پول بھی کھل گیا۔ اب احادیث کو چھوڑ کر اصولِ فقہ کی بات آ گئی۔ اگر کوئی ان کے پاس حدیث ہوتی تو ضرور ذکر کرتے اور ہمارے فقہا کے بنائے ہوئے اصول کا سہارا لینے پر مجبور نہ ہوتے۔ وہابیوں کو کوئی حق نہیں کہ غیر مقلد رہتے ہوئے اصول اور قیاس کی بات کریں۔ اصول فقہ کا یا اصول حدیث کا سہارا لینا ہے تو آج کے بعد ائمہ کی تقلید کو ناجائز اور شرک کہنا چھوڑ دو۔ اگر یہ تقلید شرک ہے تو اس شرک سے تم بھی نہیں بچ سکتے۔ بہر حال یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ غیر مقلدین حضرات کے ذمہ دار علماء بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ رفع یدین نہ کرنا بھی

سنت ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔

رہا ثبوت ونفی کا اصول تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ احادیث صحیحہ میں سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اور دو سجدوں کے درمیان بلکہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ میں پہلے باحوالہ بیان کر چکا ہوں لیکن حضرت ابن عمر ؓ کی بخاری کی حدیث نمبر-۵ ۳ ۷/693 میں سوائے تین مقام کے باقی مقامات پر رفع یدین کی نفی ہے اور اُصول یہ ہے کہ: أَنَّ الْمُثْبِتَ مُقَدَّمٌ عَلَى النَّافِي مثبت منفی پر مقدم ہے بلا مندرجہ بالا اُصول کے مطابق وقتِ سجدہ رفع یدین کے ثبوت والی روایات کو ترجیح دے کر غیر مقلدین کو ان تمام مقامات پر بھی رفع یدین کرنا چاہیے حالانکہ وہ خود بھی ان مقامات پر رفع یدین نہیں کرتے، آخر یہ اصول یہاں بے اثر کیوں ہو جاتا ہے؟ الغرض جو اُصول سجدہ وغیرہ کے وقت رفع یدین کی ترجیح میں اثر انداز نہیں ہوتا وہ صرف رکوع کے وقت رفع یدین کی ترجیح کا باعث کیونکر بن سکتا ہے؟

اعتراض: عبداللہ بن مسعود ؓ کی جو حدیث بیان کی گئی ہے، اس کے متعلق تو ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ نے کہا: کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

جواب: اگر حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی حدیث ثابت نہ ہوتی تو آپ کے جزء محقق اور محدث اس کی تصحیح ہرگز نہ کرتے وہ تو اس حدیث کو صحیح قرار دے رہے ہیں ان کی بات مانیں یا تمہاری، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور ناصر الدین البانی نے اس کو کہا ہے۔ **والحق أنه حديث صحيح واسناده صحيح على شرط مسلم۔**

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے دو قسم کی حدیثیں مروی ہیں قولی اور فعلی۔

بات دراصل یہ ہے کہ رفع یدین کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے دو قسم کی حدیثیں مروی ہیں: ایک وہ ہے جس میں آپ نے خود فعل کر کے دکھایا یعنی نماز پڑھ کے دکھائی اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی نماز بھی ایسی ہی ہوتی تھی اور یہ حدیث ثابت ہے جس کی تصحیح

اپنوں کے علاوہ مخالفین کے چوٹی کے عالموں نے بھی کی ہے اور دوسری حدیث وہ ہے جس میں آپ نے نماز پڑھ کر نہیں دکھائی بلکہ زبان سے بتادیا جس کے الفاظ یہ ہیں: اَنَّ النبیَّ ﷺ لَمْ یَرْفَعْ یَدَیْہِ اِلاَّ فِی اَوَّلِ مَرَّۃٍ: نبی کریم ﷺ نے رفع یدین نہیں کیا مگر پہلی دفعہ:'' اس حدیث کے ثبوت پر محدثین کو اعتراض ہے۔ عبداللہ بن مبارک ؓ بھی صرف اسی حدیث کے بارے میں کہہ رہے ہیں لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی عملی حدیث کا انکار وہ بھی نہیں کرتے وہ انکار کر بھی کیسے سکتے ہیں جب کہ عملی حدیث کے راوی تو وہ خود ہیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ خود ہی روایت کریں اور خود ہی انکار کردیں؟ معلوم ہوا کہ عملی حدیث ثابت اور صحیح ہے ہمارا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی عملی حدیث سے ہے۔

اب سنو وہ حدیث جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مبارک خود ہیں اور امام نسائی نے اس کی تخریج کی ہے۔ خدا قبولِ حق کی توفیق عطائے فرمائے آمین

حدیث : أخبرنا سويد بن نصر قال أنبأنا عبد الله بن المبارك عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة عن عبد الله ؓ قال: ألا أخبركم بصلاة رسول الله ﷺ قال فقام فرفع يديه أول مرة ثم لم يعد: حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ بتاؤں؟ آپ کھڑے ہوئے (نماز پڑھی) اور پہلی مرتبہ کے علاوہ رفع یدین نہ کیا۔ (نسائی حدیث 1016 كتاب الافتتاح باب ترك ذلك)

خیال رہے کہ یہ حدیث نہایت قوی ہے چند وجہ سے، ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ ہیں جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی اگر رفع یدین منسوخ نہ ہوتا تو صحابہ ضرور اس پر اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھی تھی۔

غیر مقلد حکیم صادق سیالکوٹی کی فن کاری۔

حکیم صاحب کتاب ''صلوٰۃ الرسول ص ۲۴۲ ''میں یہ سرخی دے کر'' امام محمد کا نعرہ

حق'' نیچے ''موطا امام محمد'' سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی وہ روایت درج کر دی جس میں نماز میں تین دفعہ رفع یدین کا ثبوت ہے تاکہ ان پڑھ غیر مقلدین کو دھوکہ دے سکیں کہ دیکھو ہمارا عمل علماء احناف کی کتابوں سے بھی ثابت ہے۔

کوئی حکیم صاحب سے پوچھے کہ اس حدیث سے اختلافی رفع یدین کیسے ثابت ہو گیا؟ اس میں تو اختلاف ہی نہیں کہ ان تین جگہ رفع یدین ہوتا تھا یا نہیں۔ اختلاف تو اس میں ہے کہ ان تین مقام پر رفع یدین دوامی عمل نہیں تھا، وہابی دوام کے قائل ہیں جب کہ ہم احناف اس دوام کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ رکوع سے قبل اور رکوع سے بعد والا رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔ اگر حکیم صاحب رفع یدین کے دوام پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث پیش کرتے تو اس کی قدر کی جاتی لیکن چونکہ ان کے پاس ایسی ایک بھی مرفوع حدیث نہیں تھی اس لیے انہوں نے عیاری سے کام لیا۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ انہیں ''موطا امام محمد'' سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی وہ روایت نظر آ گئی جس میں تین مرتبہ رفع یدین کا ذکر ہے لیکن اسی کتاب اور اسی باب میں حضرت ابن عمر والی وہ روایت نظر نہ آئی جس میں صرف ایک مرتبہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کا ذکر ہے اور جس سے رفع یدین کا منسوخ ہونا ثابت ہوتا ہے وہ روایت یہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے رفع یدین منسوخ ہے۔

حدیث: قال محمد: أخبرنا محمد بن أبان بن صالح عن عبد العزيز بن حكيم قال: رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ رضي الله عنهما يَرْفَعُ يَدَيْهِ بِحِذَاءِ أُذُنَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيْرَةِ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَلَمْ يَرْفَعْهُمَا فِيْمَا سِوَى ذَلِكَ۔ حضرت عبدالعزیز بن حکیم نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کے آغاز میں تکبیر اولیٰ کے وقت اپنے ہاتھ اپنے کانوں کی لو تک اُٹھاتے ہوئے دیکھا ہے پھر اُس کے سوا وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(موطا امام مالک بروایت امام محمد حدیث ۱۰۰، باب افتتاح الصلاۃ، المعروف موطا امام محمد)

دیکھیے! اس روایت سے حکیم صادق کی عیاری اور چالاکی ظاہر ہو گئی صرف یہی نہیں بلکہ اسی باب میں پانچ حدیثیں اور ہیں جو رفع یدین کے منسوخ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ جنہیں

حکیم صاحب شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں اور امام محمد علیہ الرحمہ کا یہ نعرہ بھی یاد نہ رہا جو اسی باب میں موجود تھا جس میں آپ نے فرمایا تھا۔ قال محمد: السنة أن يكبر الرجل في صلاته كلما خفض وكلما رفع وإذا انحط للسجود كبر وإذا انحط للسجود الثاني كبر، فأما رفع اليدين في الصلاة، فإنه يرفع اليدين حذو الاذنين، في ابتداء الصلاة مرة واحدة ثم لا يرفع في شيء من الصلاة بعد ذلك وهذا قول أبي حنيفة وفي ذلك آثار: ''سنت یہی ہے کہ آدمی اپنی نماز میں تکبیر کہے جب رکوع کے لئے جھکے اور رکوع سے اٹھے اور جب پہلے سجدہ میں جھکے اور جب دوسرے سجدہ کے لئے جھکے تو تکبیر کہے باقی رہا رفع یدین تو وہ صرف ایک ہی مرتبہ کرے جب نماز شروع کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جائے پھر اس کے بعد نماز میں کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔ یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے اور اس بارے میں بہت سے آثار وارد ہیں''۔

(موطا امام محمد عربی ص ۹۰ مطبوعہ بیروت لبنان اور موطا محمد مترجم ص ۹۰ ناشر اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور پاکستان)

اسی ایک مثال سے باقی ساری کتاب کے استدلال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غیر مقلدین کو کس طرح بیوقوف بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی باب میں حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث درج کی گئی ہیں۔ جن میں صرف پہلی مرتبہ رفع یدین کا ذکر ہے۔ جس کا دل چاہے ''موطا امام محمد'' اٹھائے اس کا باب ''اِفتتاح الصلوٰۃ'' ملاحظہ کرے اور حکیم صاحب کی عیاری اور علمی خیانت کی داد دے۔ اور غور کریں کہ حکیم صاحب کو امام محمد کا یہ نعرہ حق نظر نہیں آیا یہ بھی ممکن ہے کہ حکیم صاحب کی نظر کمزور ہو تو کیا باقی تمام غیر مقلدین بھی اندھے ہو گئے ہیں۔ ان کو یہ عبارت اور حدیث آج تک نظر نہیں آئی۔ وہابیو! توبہ کرو اور اللہ سے ڈرو آخر ایک دن مرنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ ساری عمر حدیث کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتے رہے اور صادق نام رکھ کر جھوٹ بولتے رہے اور حکیم کہلا کر جاہل رہے کیا حدیث میں جھوٹ بولنا یا حق بات کو چھپانا جائز ہے یا نام بدلو یا کام بدلو۔

حدیث: حدثنا ابن أبي داود قال: ثنا أحمد بن يونس قال: ثنا أبو بكر بن

عياش عن حصين عن مجاهد قال: صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنهما فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الأولى مِنَ الصلاة۔ حضرت مجاہد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ ا... صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ..., کتاب الصلاۃ _باب التکبیر للرکوع، مصنف ابن ابی شیبہ (237/1

راوی حدیث کا عمل جب اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ عمل منسوخ ہو چکا ہے چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں۔ فهذا ابن عمر قد رأى النبی ﷺ يرفع ثم قد ترك هو الرفع بعد النبی ﷺ فلا يكون ذلك ألا وقد ثبت عنده النسخ ما قد رأى النبی فعله وقامت الحجة عليه ذلك۔

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو (ایک سے زیادہ جگہ) رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا پھر رفع یدین ترک کر دیا یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب آپ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کا وہ عمل منسوخ ہو چکا ہو، جو آپ نے دیکھا تھا اور اس کے خلاف دلیل ثابت ہو گئی ہو۔ (شرح معانی الآثار ..., کتاب الصلوۃ باب التکبیر للرکوع)

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اذا افتتح الصلاة رَفَعَ يَدَيْهِ حذو منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد ما يَرْفَعُ راسه من الركوع فلا يَرْفَعُ ولا بين السجدتين: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ دو سجدوں کے درمیان کرتے۔

(مسند حمیدی ج ۲ ص 277 رقم الحدیث 614)

الحمد للہ! یہ روایت بھی ڈنکے کی چوٹ پر صحیح ہے آج تک کسی وہابی نے بھی اسے ضعیف نہیں کہا۔ سوائے نسخ اور باب کے چکر کے ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ واضح ہو گیا کہ رکوع و سجود کے وقت رفع یدین منع ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عمل سے رفع یدین منسوخ ہے

حدیث: عن زید بن علی عن أبیه عن جده عن علی بن أبی طالب رضی الله عنه أَنَّهُ کانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فی التَّکْبِیْرَةِ الاولی إلی فُرُوْعِ أُذُنَیْهِ ثُمَّ لایَرْفَعُهُمَا فِی شَیءٍ مِنْ صَلوٰتِهٖ۔ حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ اپنے باپ (امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے) اور وہ اپنے باپ (حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ) سے اور وہ اپنے باپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے کہ آپ تکبیر اُولی (پہلی تکبیر) میں کانوں کی لوتک رفع یدین (ہاتھوں کو بلند) کرتے تھے پھر نماز ختم ہونے تک آپ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(مسند زید بن علی، باب التکبیر فی الصلوٰۃ)

یہ حدیث صحیح ہے کہ اس حدیث میں کوئی راوی ضعیف نہیں ہے اس کے تمام راوی اہل بیت کرام ہیں۔ لہٰذا باب مدینۃ العلم کے عمل سے ثابت ہوگیا کہ رفع یدین منسوخ ہو چکا ہے۔

حدیث: حدثنا أبو احمد قال: حدثنا أبوبکر النهشلی قال: حدثنا عاصم بن کلیب عن أبیه. أن عَلِیًّا رضی الله عنه کانَ یَرْفَعُ یَدَیْهِ فی أوَّلِ تکبیرۃٍ مِنَ الصلوٰۃِ ثُمَّ لایَرْفَعُ بَعْدُ۔ حضرت عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے پھر اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ۱/۱۱۰، کتاب الصلاۃ باب التکبیر للرکوع مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۶۷، بیهقی سنن کبریٰ، باب من لم یذکر الرفع الا عند الافتتاح)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے درایہ میں کہا: رواته ثقات اس کے تمام راوی قوی ہیں۔ (درایہ ۱/۱۵۲) امام عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں کہا: إسناد عاصم صحیح علی شرط مسلم اس کی سند شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عمل سے رفع یدین منسوخ ہے۔

حدثنا ابن ابی داود' قال حدثنا الحمانی قال حدثنا یحیٰ بن آدم عن الحسن بن عیاش عن عبد الملك بن أبحر عن الزبیر بن عدی عن

إبراهيم عن الأسود قال: رأيتُ عُمَرَ بنَ الخطاب رضي الله عنه يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لا يَعُوْدُ قَالَ: وَرَأيتُ إبراهيمَ والشعبيَّ يَفْعَلان ذَلِكَ۔ حضرت ابراہیم حضرت اسود سے روایت کرتے ہیں اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا کہ آپ پہلی مرتبہ ہاتھ اُٹھاتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور میں نے حضرت ابراہیم اور شعبی کو بھی اسی طرح کرتے دیکھا۔

(شرح معانی الآثار ۱/۰۰۰، کتاب الصلوۃ. باب التکبیر للرکوع)

امام طحاوی فرماتے ہیں: وفعل عمر هذا وترك اصحاب رسول الله ﷺ إياه على ذلك دليل صحيح على أن ذلك هو الحق الذى لا ينبغي لاحد خلافه. حضرت عمر ﷺ کا رفع یدین نہ کرنا اور حضرات صحابہ کا انہیں اسی عمل پر رہنے دینا ایک واضح دلیل ہے کہ یہی وہ صحیح بات ہے جس کی مخالفت کسی اور کو بھی نہیں کرنی چاہیے۔

(شرح معانی الآثار ۱/۰۰۰)

شارح بخاری ابن حجر عسقلانی نے اس کے تمام راویوں کو ثقہ کہا ہے: وهذا رجاله ثقات (درایہ ۱/۱۵۲) علامہ ترکمانی فرماتے ہیں کہ: وهذا سند صحيح على شرط مسلم یہ سند صحیح مسلم کے معیار پر صحیح ہے۔ (الجوهر النقی ۱/۰۰)

نماز جنازہ میں بھی رفع یدین کرنا منسوخ ہے۔

روى أن ابن عباس رضى الله عنهما كان يرفع يديه فى تكبيرة الاولى ثم لايرفع بعد وروى ذلك عن ابن مسعود ﷺ: حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ سے منقول ہے کہ وہ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق باب رفع اليدين فى التكبير)

نماز جنازہ میں رفع یدین کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہی نہیں صرف حضرت ابن عمر ﷺ کا فعل ہے اور وہ بھی صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مذکور نہیں صرف بیہقی شریف میں ہے اور وہ بھی اس وقت کا عمل ہے جب رفع یدین منسوخ نہیں ہوا تھا۔ جب رفع یدین منسوخ ہو گیا تو آپ نے تمام نمازوں میں رفع یدین کرنا چھوڑ دیا جیسا کہ میں اوپر باحوالہ بیان کر چکا ہوں۔

تک کہ خود وہابیوں کے ہیڈ وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں:

ولا یرفع یدیه إلا فی التکبیرة الأولی۔ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں بعد میں نہیں۔ (نزل الابرار ۱/۱۷۴)

جنازہ میں رفع یدین والی احادیث ضعیف ہیں۔

کان یرفع یدیه عند التکبیر فی کل صلاۃ وعلی الجنائز۔

رواہ الطبرانی "ضعیف جدا" سلسلہ احادیث الضعیفہ ناصر الدین البانی حدیث نمبر :1044

کان إذا صلی علی الجنازۃ رفع یدیه فی کل تکبیرۃ وإذا انصرف سلم:

(نصب الرایہ 285/2 "شاذ" سلسلہ احادیث الضعیفہ ناصر الدین البانی حدیث نمبر :1044)

وہابیوں کی گپ: رفع یدین والی حدیث پچاس سے زیادہ صحابہ کرام ﷺ سے مروی ہے۔

یہ محض دھوکہ ہے اور مبالغہ ہے پچاس صحابہ کی روایت کا حوالہ محدثین نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کے لئے دیا ہے اس کا اختلافی رفع یدین سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ وہابیوں کے امام قاضی شوکانی لکھتے ہیں: علامہ عراقی نے ان حضرات کا شمار کیا ہے جن سے ابتدائے نماز میں رفع یدین کی احادیث مروی ہیں۔ چنانچہ ان کی تعداد پچاس صحابہ تک پہنچی ہے، جن میں حضرات عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔ (نیل الاوطار 184/2)

اس سے معلوم ہوا کہ پچاس صحابہ کرام سے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کی احادیث مروی ہیں جو بلا جماع اُمت مستحب ہے اور جس سے حنفیہ کو بھی اختلاف نہیں۔ جس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ وہ رکوع سے پہلے اور رکوع سے بعد والی رفع یدین ہے۔ اس میں پچاس صحابہ کرام کی روایت تو کجا ایک صحابی کی بھی روایت نہیں جو صحیح بھی ہو اور اختلاف معارضہ سے خالی بھی ہو۔ اسلئے اس متنازعہ فیہ مسئلہ میں پچاس صحابہ کرام کی روایت کا حوالہ دینا محض مغالطہ ہے۔ دراصل اس مسئلہ میں اصل حقائق کی بجائے مبالغہ آرائی سے زیادہ کام لیا گیا ہے۔

اس مبالغہ کی ایک دلچسپ مثال۔

امام بخاری نے رسالہ جزء رفع الیدین میں حضرت حسن بصری ﷺ کا قول نقل کیا ہے۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ امام بصری کے اس قول کو نقل کر کے امام بخاری لکھتے ہیں: ''امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا اور نہ کسی صحابی سے یہ ثابت ہے کہ اس نے رفع یدین نہ کیا ہو۔

(بحوالہ نصب الرایہ 417/1، تلخیص الحبیر 398/1)

لیجئے! حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس قول سے امام بخاری نے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام سے رفع یدین ثابت کر دیا اور اس کے مقابلہ میں وہ تمام روایات صحیحہ غلط قرار پا گئیں جن میں صحابہ کرام کا رفع یدین نہ کرنا ثابت ہے۔

اس سے قطع نظر کہ حسن بصری کا یہ قول کیسی سند سے امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ اول تو اس میں صرف رفع یدین کا ذکر ہے۔ متنازعہ فیہ رفع یدین کا ذکر نہیں۔ اگر امام حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ تمام صحابہ قبل الرکوع اور بعد الرکوع رفع یدین کیا کرتے تھے۔ تب کچھ بات بن سکتی تھی لیکن امام بخاری نے امام حسن بصری کے قول سے جو مفہوم بیان کیا ہے اس سے مبالغہ آرائی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی اور مزے کی بات یہ ہے کہ حسن بصری جن کا سماع حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی، محدثین تسلیم نہیں کرتے، ان کا قول یہاں تمام صحابہ کرام کے حق میں حجت مان لیا گیا اور ان کے مقابلہ میں اکابر صحابہ و تابعین کی تصریحات مسترد کر دی گئیں۔ رفع الیدین کے متنازعہ فیہ مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے جن حضرات نے کاوشیں فرمائی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر نے اسی قسم کے مبالغوں سے کام چلایا ہے۔

غیر مقلد حکیم صادق سیالکوٹی کی گپ۔

رفع یدین کے متعلق چار سو روایتیں۔ حکیم صادق صاحب اپنی کتاب ''صلوٰۃ الرسول ص ۲۳۵'' میں لکھتے ہیں کہ علامہ مجد الدین فیروز آبادی ''سفر السعادہ'' میں لکھتے ہیں: کہ ان تین مواضع میں رفع یدین ثابت ہے اور روایوں کی کثرت کی وجہ سے متواتر کے مشابہ ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ میں چار سو صحیح حدیثیں مرفوع و موقوف ثابت ہیں۔ اس کو عشرہ مبشرہ نے روایت کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اسی کیفیت پر رہے یہاں تک کہ اس عالم سے رحلت فرما گئے اور رفع الیدین کے خلاف کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔ (سفر السعادہ ص ۱۴'')

میں حکیم صاحب سے پوچھتا ہوں کیا ''سفر السعادہ'' صحاح ستہ کی کتاب ہے اور مجد الدین فیروز آبادی کسی محدث کا نام ہے۔ آپ کو رفع یدین ثابت کرنے کے لئے کوئی محدث یا صحاح ستہ کی کوئی کتاب نہیں ملی؟ کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم اہل حدیث ہیں ہم قرآن وحدیث کے علاوہ کسی کو نہیں مانتے اور پھر فن مبالغہ آرائی کا کمال دیکھئے۔ فیروز آبادی نے ایک ہی سانس میں کتنی باتیں کہہ ڈالیں۔

☆ ''ان تین مواضع میں رفع یدین ثابت ہے'' حالانکہ پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں جو صحیح بھی ہو اور سالم عن المعارضہ بھی ہو۔

☆ ''رفع یدین پر چار سو صحیح احادیث ہیں'' حالانکہ امام بخاری اور امام مسلم کو ان کی شرط کے مطابق صرف دو حدیثیں مل سکی ہیں، وہ بھی شدید الاضطراب ہیں اور محدثین کی اصطلاح میں ایسی مضطرب روایات کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔

☆ چار سو حدیثوں کے باوجود پھر بھی یہ احادیث متواتر نہیں بلکہ ''متواتر کے مشابہ ہیں'' خدا جانے فیروز آبادی کے نزدیک کسی مسئلہ کے متواتر ہونے کے لئے کتنے ''چار سو'' کی ضرورت ہوگی۔

☆ رفع یدین عشرہ مبشرہ کی روایت سے ثابت ہے حالانکہ اختلافی رفع یدین عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک سے بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔ اس کے مقابلہ میں خلفاء راشدین جو عشرہ مبشرہ کے سرخیل ہیں۔ ان سے ترک رفع یدین صحیح اسانید سے ثابت ہے۔ افسوس ہے کہ فیروز آبادی کی عشرہ مبشرہ سے مروی روایات کا سراغ امام بخاری اور مسلم کو نہ ملا ورنہ یہ روایتیں صحیحین کی زینت ضرور بنتیں۔

فیروز آبادی فرماتے ہیں: رفع الیدین کے خلاف کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔ حالانکہ اکابر محدثین سے صحیح روایات اوپر نقل ہو چکی ہیں۔ رفع الیدین کے مسئلہ میں بے جا غلو اور مبالغوں سے کام نہ لیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ روایات وآثار دونوں جانب مروی ہیں۔ امام شافعی، امام احمد اور ان کے متبعین تین مواضع میں رفع الیدین کو راجح سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک جن کا زمانہ اوّل الذکر حضرات سے قدیم ہے، ترکِ رفع یدین کو راجح سمجھتے ہیں

اور امت کا تعامل بھی بیشتر اسی پر رہا ہے۔

حکیم صادق غیر مقلد کا خود ساختہ موضوع روایت سے رفع یدین پر استدلال

حکیم صادق صاحب اپنی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' ص ۲۳۲ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی روایت نقل کی جس میں قبل الرکوع اور بعد الرکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور اس میں زیادتی ہے: فما زالت تلك صلاته حتى لقي الله تعالى پس ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز رہی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ مگر یہ روایت موضوع ہے، اس کے دو راوی کذاب ہیں۔ اس کی سند میں عصمہ بن محمد ایک راوی ہے، اس پر محدثین نے شدید جرح کی ہے، یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کذاب یضع الحدیث عقیلی فرماتے ہیں یحدث بالبواطیل ابن عدی فرماتے ہیں کل حدیثه غیر محفوظ۔

(میزان الاعتدال 68/3 لسان المیزان 170/4)

اس کی سند میں ایک اور راوی عبد الرحمن بن قریش ہے، اس پر بھی ائمہ رجال نے جرح کی ہے بعض نے اسے متہم بالوضع قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال 582/2 لسان المیزان 425/3)

نماز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گیارہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی شہادت والی حدیث کا ضعف۔

حکیم صادق صاحب نے یہ عنوان قائم کیا ہے ''نمازِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر گیارہ صحابہ کرام کی شہادت'' اور ابو حمید ساعدی کی روایت ابو داؤد کے حوالہ سے درج کی ہے جس میں انہوں نے دس صحابہ کے سامنے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو تم سے زیادہ جانتا ہوں ...... وہ بولے پیش کرو تو انہوں نے تین مقام پر رفع یدین کیا۔ الیٰ آخرہ۔۔۔۔۔۔

(ابو داؤد 627-730 کتاب الصلوٰۃ _ باب افتتاح الصلوٰۃ، مشکوٰۃ: 801)

اس حدیث کی سند یہ ہے: حدثنا احمد بن حنبل، حدثنا ابو عاصم الضحاك بن مخلد ح وحدثنا مسدد، حدثنا يحيٰ _ وهذا حديث احمد _ قال أخبرنا عبد الحميد _ يعني ابن جعفر _ اخبرني محمد بن عمرو بن

عطاء بن عطاء قال سمعت أبا حميد الساعدي فى عشرة من أصحاب رسول الله ﷺ منهم ابو قتادة۔

شارح بخاری علامہ عینی فرماتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کو کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس میں رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے اور جس سند کے ساتھ امام احمد نے اس میں رفع یدین کا ذکر ہے، وہ عبدالحمید بن جعفر سے روایت ہے اور وہ ضعیف ہے اور اگر یہ اعتراض ہو کہ وہ مسلم کے رجال میں سے ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلم کے رجال سے ہونا اس کے ضعف کے منافی نہیں ہے اور اگر ہم یہ مان لیں تو یہ حدیث اور وجہ سے معلول ہے اور وہ یہ ہے کہ محمد بن عمرو اور ابن عطاء نے اس حدیث کو حضرت ابوحمید سے نہیں سنا، اور نہ ابوقتادہ وغیرہ نے جن کا ان کے ساتھ ذکر ہے کیونکہ حضرت ابوحمید، ولید بن یزید بن عبدالملک کی خلافت میں فوت ہو گئے تھے اور اس کی خلافت ایک سو پچیس ہجری میں تھی، اسی وجہ سے ابن حزم نے کہا ہے کہ عبدالحمید بن جعفر کو محمد بن عمرو اور ابن عطاء سے روایت کرنے میں وہم ہے اور اگر یہ اعتراض ہو کہ امام بیہقی نے کتاب المعرفہ میں لکھا ہے کہ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے کہ عبدالحمید نے حضرت ابوحمید سے سماع کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام شعبی نے تصریح کی ہے کہ اس نے حضرت ابوحمید ؓ سے سماع نہیں کیا اور اس باب میں انہیں کی بات حجت ہے۔ (عمدۃ القاری 272/5)

شارح مشکوٰۃ شیخ القرآن والحدیث مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ اس حدیث کے تحت مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث رفع یدین کرنے والوں کی انتہائی دلیل ہے جو ان کے بچے بچے کو یاد ہوتی ہے اس کے متعلق چند معروضات ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے ضعیف، مدلس بلکہ قریباً موضوع ہے۔ اس لئے کہ اس میں ایک راوی عبدالحمید بن جعفر ہے جو سخت مجروح اور ضعیف ہے۔ (طحاوی 227/1)

دوسرے یہ کہ اس کا ایک راوی محمد بن عمرو ابن عطا ہے جس کی ملاقات ابوحمید ساعدی سے نہیں مگر وہ کبھی کہتا ہے کہ میں نے ابوحمید سے سنا اور کبھی کہتا ہے کہ ابوحمید سے روایت ہے لہٰذا

یہ جھوٹا ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوڑ گیا ہے، وہ مجہول ہے۔

تیسرے یہ کہ انہی ابوحمید کی روایت بخاری حدیث نمبر 828 اور مشکوۃ 792 میں ہے مگر وہاں رفع یدین کا بالکل ذکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین والی عبارت الحاقی ہے، ورنہ امام بخاری ضرور لیتے۔

چوتھے یہ کہ حضرت ابوحمید نے یہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ کا یہ عمل آخر تک رہا بلکہ اس عمل منسوخ کا ذکر کیا ہے جسے حضور ﷺ پہلے کیا کرتے تھے بعد میں چھوڑ دیا۔

پانچویں یہ حدیث قیاس کے بھی خلاف ہے کیونکہ رکوع کی تکبیر سجدے کی تکبیر کے مشابہ ہے نہ کہ تکبیر تحریمہ کے کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے اور یہ سنت۔ وہ نماز میں ایک بار یہ بار بار تو چاہئے کہ جیسے سجدے کی تکبیر میں رفع یدین نہیں ہوتا ایسے ہی اس میں بھی نہ ہو۔

چھٹے یہ کہ فقہاء صحابہ جیسے حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت براء بن عازب وغیرہم ؓ اس کے خلاف روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صرف تکبیر تحریمہ پر ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے وہ حضرات نماز میں بالکل حضور ﷺ کے پیچھے رہتے تھے اس لئے ان کی روایت اس روایت سے قوی تر ہے۔

(مرآۃ المناجیح :22/2 جاء الحق 63/2)

محدثِ جلیل امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی ترکِ رفع یدین پر احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس مسئلے کا غور وفکر کے طریقے پر حل یہ ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے جائیں لیکن دو سجدوں کے درمیان ہاتھ نہ اٹھائیں جائیں۔ اختلاف رکوع سے اٹھتے وقت اور نیچے جاتے وقت کی تکبیر میں ہے۔ ایک قوم کہتی ہے اس کا حکم وہی ہے جو پہلی تکبیر کا ہے اور ان دونوں میں بھی اسی طرح ہاتھ اٹھائے جائیں۔ دوسرے حضرات کہتے ہیں اس کا حکم دو سجدوں کے درمیان تکبیر کے حکم جیسا ہے۔ وہاں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں جیسے یہاں نہیں اٹھائے جاتے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تکبیر اولیٰ، نماز کے ارکان میں سے ہے۔ اس کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی لیکن دو سجدوں کے درمیان والی تکبیر ایسی نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی، یہ نماز کی سنتوں سے ہے۔ جب یہ

سجدوں کی تکبیر کی طرح نماز کی سنتوں سے ہے تو ہاتھ نہ اٹھانے میں بھی یہ اسی کی طرح ہوگی۔
اس باب میں قیاس یہی ہے، امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف کا یہی قول ہے۔
(طحاوی: 228/1)

ترکِ رفع یدین کی احادیث کو ترجیح دینے کی وجوہات

یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین سے ترک رفع یدین کا عمل متواتر ہے۔ اب یہ بھی معلوم کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل کوفہ و اہل مدینہ اور مالکیہ نے ترکِ رفع یدین کو کن وجوہ سے راجح قرار دیا۔

1: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو عمل اوفق بالقرآن ہو وہ راجح ہے۔ قرآن کریم میں ان مومنین کی مدح فرمائی گئی ہے جو نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ **قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم خاشعون**: وہ مؤمن کامیاب ہیں جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

(سورہ المومنون آیت ۲-۱)

اور خشوع کے معنی سکون کے ہیں۔ گویا نماز میں جس قدر ظاہری باطنی قلباً و قالباً سکون ہوگا۔ اسی قدر خشوع ہوگا اور اوپر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ والی حدیث سے معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین سے منع کرتے ہوئے نماز میں سکون اختیار کرنے کا حکم دیا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ترکِ رفع یدین اوفق بالقرآن ہے۔

2: معلوم ہوا کہ رفع یدین مواضع ثلاثہ کے علاوہ بھی متعدد مواضع میں ہوتا مگر صحیح روایات کے مطابق باقی مواضع میں رفع یدین سب کے نزدیک متروک ہے اور تحریمہ کے وقت رفع یدین سب کے نزدیک سنت ہے۔ دو جگہوں میں اختلاف ہے۔ پس حنفیہ و مالکیہ نے متفق علیہ کو اختیار کر لیا اور جس چیز میں اختلاف اور تردد تھا اسے ترک کر دیا۔

3: جن احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے، ان میں سے کسی صحیح حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مدۃ العمر رہا اور نہ کسی صحیح حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نماز رفع یدین کے ساتھ ہوئی تھی۔ جب تک ان

باتوں میں سے ایک بات ثابت نہ ہو، رفع یدین کا سنتِ دائمہ **مستمرہ** ہونا ثابت نہیں بلکہ رفع یدین کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے ترکِ رفع الیدین احادیث صحیحہ سے ثابت ہے بلکہ رفع یدین کی ممانعت بھی موجود ہے اور حضرات خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ کا عمل بھی ترکِ رفع یدین پر ثابت ہے۔ ان تمام اُمور سے ثابت ہوتا ہے کہ رفع الیدین آپ ﷺ کی سنتِ دائمہ نہیں بلکہ سنتِ متروکہ ہے۔ جیسے کہ جوتی پہن کر نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کرام سے ثابت ہے، جیسا کہ سعید بن یزید ازدی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ جوتی میں نماز ادا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں۔

(بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعال حدیث نمبر 386:373)

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ: **خالفوا الیهود فانهم لا یصلون فی نعالهم ولا خفافهم** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہود کی مخالفت کرو کہ وہ جوتوں میں نماز پڑھتے ہیں نہ موزوں میں۔ **(ابو داؤد 556 :652 کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعل ،مشکوٰۃ:765)**

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آیا کرے تو دیکھ لیا کرے اگر جوتوں میں گندگی دیکھے تو انہیں پونچھ دے اور ان میں نماز پڑھ لے۔ **(ابو داؤد 555:650 کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعل ،مشکوٰۃ:766)**

ان تین احادیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام اور حضور ﷺ جوتی سمیت نماز ادا کیا کرتے تھے لیکن اب یہ سنت متروک ہو چکی ہے۔ وہابی اگر سنتِ متروکہ یا منسوخہ پر عمل کرنے پر بضد ہیں تو انہیں چاہئے کہ وہ رفع الیدین کی طرح جوتی پہن کر بھی نماز پڑھا کریں۔ اگر وہ خود جوتی کے بغیر نماز پڑھنے کے باوجود اہل حدیث ہیں تو ہم حنفی رفع الیدین نہ کرنے کی وجہ سے تارکِ سنت کیسے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ ہمارے پاس رفع الیدین کے منسوخ ہونے پر مضبوط دلائل موجود ہیں۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

پیشاب بیٹھ کر کرنا چاہئے یا کھڑے ہو کر؟ بیٹھ کر کرنا چاہئے لیکن بخاری شریف میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر بھی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر حدیث قابل عمل نہیں، احناف کی

حدیث پر عمل کرتے ہیں جو دائمی اور آخری عمل ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی روڑی کے پاس آئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ (بخاری کتاب الوضو 4 باب البول قائماً و قاعدا 59 حدیث 217)

اگر رفع یدین کا ذکر بخاری میں ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ذکر بھی بخاری میں ہے۔ اب وہابیوں کو بخاری کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے پیشاب بھی کھڑے ہو کر کرنا چاہئے۔

اُونٹوں کا پیشاب پینا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ آئے۔ ان کو مدینہ کی فضا موافق نہ آئی۔ وہ بیمار ے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔ (بخاری حدیث 226 کتاب الوضوء 4باب ابواب الابل 65)

اب بھی مدینہ پاک میں بدو لوگ پیشاب بیچتے ہیں اور سعودی پیتے ہیں جس کو اعتبار نہ آئے میرے ساتھ چلے میں دکھا سکتا ہوں۔ وہابی کہتے ہیں کہ سعودیہ میں رفع یدین ہوتا ہے آمین اونچی کہی جاتی ہے، اسلام وہی ہے جو سعودیہ میں ہے تو سعودیہ میں لوگ پیشاب پیتے ہیں وہابیوں کو ان کی پیروی میں اور بخاری کی ہر حدیث پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کے شوق میں اونٹوں کا پیشاب بھی پینا چاہئے۔ سعودیہ میں لوگ داڑھیاں بھی منڈواتے ہیں، وہابیوں کو داڑھیاں صاف کر دینا چاہئے کیونکہ وہ سعودیہ کے اندھے مقلد ہیں۔ سعودی امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اور تراویح بھی بیس پڑھتے ہیں اور تین طلاق کو تین قرار دیتے ہیں۔ ہمارے پاس ان کا فتویٰ موجود ہے جبکہ وہابی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور آٹھ تراویح پڑھتے ہیں اور تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دے کر بدکاری کروا رہے ہیں اور اونٹوں کا پیشاب پینے سے انکار کرتے تھا۔ اگر وہ پیشاب پی کر دکھائیں تو پتہ چلے کہ بخاری کی ہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور نجدیوں کے صحیح پیروکار ہیں ورنہ انہیں رفع یدین اور آمین اونچی کہنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگر رفع یدین کرنی ہے تو تقلید بھی کریں، تراویح بھی بیس پڑھیں، تین طلاق کو تین قرار دیں تو رفع یدین بھی کرلیں ہمیں کیا اعتراض ہے۔ اگر اسلام صرف سعودیہ کا معتبر ہے تو کم از کم صرف نجدیوں کی یہ تین باتیں تقلید، تراویح، اور تین طلاق کا مسئلہ اسلام کے خلاف کیوں نظر آتا ہے۔

اور وہاں کے بعض غیر شرعی مسائل ان کو عین اسلام نظر آتے ہیں۔ مثلاً داڑھیاں مونڈھنا، وہ شہدائے بدر کی زیارت سے لوگوں کو روکنا، سعودی لڑکیوں کا پینٹ شرٹ پہننا اور سعودیہ کے ہر ہسپتال اور ائر پورٹ پر ان کے بادشاہوں کی تصاویر کا آویزاں ہونا اور ویڈیو سنٹروں سے ہر قسم کے گانے اور فلموں کا دستیاب ہونا بالخصوص مکہ اور مدینہ میں ڈش میں ننگی اور گندی فلموں کا استعمال ہونا، کیا یہ سب باتیں اس لئے جائز ہو جائیں گی کہ وہ سعودیہ میں ہو رہی ہیں کیا سعودی سارے معصوم ہیں کہ ان کا ہر عمل چاہے وہ شریعت کے خلاف ہو، قابل حجت ہے اور ائمہ اربعہ کا ہر قول وفعل نا قابل اعتبار ہے۔ اگر چہ وہ قرآن وحدیث کے عین مطابق ہو۔ معلوم ہوا کہ سعودیوں کا عمل حق کا معیار نہیں قرآن وحدیث حق وباطل کا معیار ہے۔

ننگے سر نماز۔

وہابیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا مذہب قرآن وحدیث ہے۔ وہابی ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو قرآن وحدیث میں ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم دکھائیں۔ بخاری کیا پورے ذخیرہ حدیث میں ننگے سر نماز پڑھنے کی وہابیوں کے پاس ایک بھی دلیل نہیں بلکہ یہ عمل خلاف سنت اور مکروہ ہے۔

غیر مقلد نذیر حسین دھلوی لکھتے ہیں۔ (بخاری): نماز میں سر ڈھانپنا ایک مسنون عمل ہے...... برہنہ نماز پڑھے تو مکروہ ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج، ص [illegible])

غیر مقلد ثناءُ اللہ امرتسری لکھتے ہیں: سر ڈھانپنا اچھا عمل ہے، آنحضرت ﷺ نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج، ص [illegible])

غیر مقلد شرفُ الدین دھلوی لکھتے ہیں: یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً سر سے اُتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور اس کو سنت کہتے ہیں، یہ بالکل غلط بات ہے...... خلافِ سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔ (شرفیہ بر فتاویٰ ثنائیہ ج، ص [illegible])

غیر مقلد ابوالبرکات: ننگے سر پھرنا...... آج کل بے دین لوگوں نے اپنا خاص حلیہ اور

خاص لباس بنایا ہوا ہے۔ (فتاویٰ برکاتیہ ص ...)
غیر مقلد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں: ننگے سر نماز ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔
(فتاویٰ علمائے حدیث ج، ص ...)

جن لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ صرف بخاری اور مسلم کی احادیث قابل عمل ہیں وہ میری ان باتوں کا جواب دیں۔

1: نماز کے شروع میں سُبحانکَ اللّٰھمَّ پڑھنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ بخاری میں نہیں ہے۔
یہ ابوداؤد 776۔ ترمذی 243 اور مسلم میں ہے۔

2: سینہ پر ہاتھ باندھنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ بخاری اور مسلم میں نہیں ہے۔

3: بلند آواز سے آمین کہنا بند کردیں کیونکہ اس کا ثبوت بخاری اور مسلم میں نہیں ہے۔

4: وتروں میں ہاتھ بلند کر کے دعا کرنا چھوڑ دیں کیونکہ اس کا ثبوت بخاری اور مسلم میں نہیں ہے بلکہ وتروں میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھنے کا بھی ثبوت نہیں۔ وہ صرف قنوتِ نازلہ پر قیاس کرتے ہیں اور قیاس ان کے نزدیک جائز نہیں۔

5: سورہ فاتحہ کے بعد طویل سکتہ بند کردیں کیونکہ اس کا ثبوت بخاری اور مسلم میں نہیں ہے بلکہ کسی بھی صحیح حدیث میں اس کا ثبوت نہیں اس کے برعکس ابن تیمیہ نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

6: رفع یدین کے بارے میں جو روایات مروی ہیں، ان میں اختلاف واضطراب ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اضطراب سے پاک ہے چنانچہ ان سے رفع یدین کی ایک بھی روایت نہیں ہے، پس جو حدیث کہ اختلاف واضطراب سے پاک ہو وہ مقدم ہوگی۔

امام بخاری اور مسلم نے صحیحین میں رفع الیدین کے استدلال میں صرف دو حدیثوں پر اکتفا کیا ہے۔ ان میں سے ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو اس باب کی سب سے صحیح حدیث سمجھی جاتی ہے اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی جو اس سے دوسرے درجہ پر ہے اور مسلم میں وائل بن حجر سے بھی رفع الیدین والی حدیث مروی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ والی روایت کا اضطراب۔

۱: وہ روایت جس میں صرف ایک مرتبہ یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے

(طحاوی :225/1 موطا امام محمد حدیث :108 صحیح ابو عوانہ :90/2)

۲: وہ روایت جس میں صرف دو مرتبہ رفع الیدین کا ذکر ہے یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ رکوع سے اٹھتے وقت۔

(موطا امام امالك كتاب الصلوٰة باب افتتاح الصلوٰة ص نمبر 75/1

دار احیاء التراث العربی بیروت _ لبنان)

۳: بخاری کی ایک روایت میں تین دفعہ رفع الیدین کا ذکر ہے یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

(بخاری 693-:735مسلم_ :390-587 مشکوٰۃ:793)

۴: بخاری کی ایک روایت میں چار دفعہ رفع الیدین کا ذکر ہے، اس میں دوسری رکعت سے اُٹھتے وقت بھی رفع الیدین مذکور ہے۔ (بخاری 697-:739مشکوٰۃ:794)

۵: امام بخاری کے رسالہ ("جزء الرفع الیدین" اور مجمع الزوائد :102/2) میں ان چار جگہوں کے علاوہ پانچویں جگہ بھی رفع الیدین کا ذکر ہے۔ یعنی بین السجدتین۔

۶: امام طحاوی کی مشکل الآثار میں ہر اونچ، نیچ، رکوع وسجود، قیام وقعود اور سجدوں کے درمیان رفع الیدین کا ذکر ہے۔

كان يَرْفَعُ يَدَيْهِ فی كُلِّ خفض ورفع وركوع وسجود وبين السجدتين

ويذكر أن النبی ﷺ كان يفعل ذلك۔

(فتح الباری :223/2 فإنه بين أن رجاله ثقات وما ادعاه الحافظ من كون

هذه الرواية شاذة غيرُ صحيحا علاء السنن:66/3)

۷: نماز کے شروع میں رفع یدین نہیں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ جب کسی کو دیکھتے کہ وہ رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتا تو اس کو کنکری مارتے۔

(جزء رفع اليدين للبخاری)

اس روایت میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کا ذکر نہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی

روایات اس سلسلہ میں چھ قسم کی ہو گئیں۔ اتنا شدید اضطراب کیا استدلال پیدا کرنے میں تامل پیدا نہیں کرتا۔ وہابی حضرات کو چاہیے کہ ان تین مقامات کی بجائے چھ جگہ رفع یدین کیا کریں۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صرف ایک روایت کو لے لیا باقی پانچ روایات کو چھوڑ دیا اگر عمل کرنا ہے تو سب پر کرو ورنہ آپ بھی تارک حدیث کہلائیں گے۔ باقی روایات کو چھوڑ کر صرف ایک روایت کو ترجیح کس دلیل شرعی کی بناء پر ہے؟ سجدوں کے وقت دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع یدین ترک کرنے کی کون سی صحیح، صریح اور مرفوع روایت ہے؟ جبکہ آپ کے نزدیک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت متواتر ہے جس میں اس قدر اضطراب ہے۔ یاد رہے جواب میں اپنے اصول کے مطابق صرف قرآن وحدیث کو پیش کیا جائے، کسی امتی کے قول سے استناد سے گریزاں رہیں کیونکہ وہابی اُصولوں کے مطابق یوں تقلید ہو جاتی ہے جو کہ ان کے نزدیک شرک ہے۔

حدیث مالک بن حویرث کے طرق۔

1: بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں تین دفعہ رفع الیدین کا ذکر ہے یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ اور رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اُٹھتے وقت۔

(بخاری _:737-695مسلم 588-:391 مشکوۃ:795)

2: چار جگہ رفع الیدین ان تین مقام کے علاوہ سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت۔

(نسائی حدیث 1075 کتاب التطبیق باب رفع الیدین للسجود)

3: پانچ جگہ رفع الیدین یعنی رکوع اور سجدہ میں رفع الیدین کرتے تھے۔

(مسند ابو عوانہ :95/2)

یہ ان دو حدیثوں میں اختلاف و اضطراب کا نقشہ ہے جو محدثین کے نزدیک رفع الیدین کے باب میں سب سے قوی اور سب سے صحیح ہیں اور جن پر امام بخاری اور مسلم نے اکتفا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اختلاف کی موجودگی میں کسی ایک روایت کو لے کر باقی روایات کو ترک کرنا ہوگا۔ اس لئے وہابی حضرات کو چاہئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صرف ایک روایت کو معمول نہ بنائیں۔ ان کی دیگر روایات پر عمل کیا کریں اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کیا کریں

یعنی تین مرتبہ نہیں ایک رکعت میں کم از کم چھ مرتبہ رفع یدین کریں تا کہ ان پر ترک ...
الزام نہ آئے یا حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی اور حضرت عمر بن خطاب، حضرت ...
عازب رضی اللہ عنہم اجمعین کی حدیث پر عمل کریں جو حدیث اضطراب اور اختلاف سے محفوظ ...
ہے صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرنا اور جس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ...
آخری عمل سے بھی ہوتی ہے۔ غیر مقلدین حدیث پر عمل کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے
ہیں لیکن ان چھ مقامات میں سے صرف تین یا چار مقام پر رفع یدین کرتے ہیں لیکن ...
تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے آخر کیوں؟

اب واضح ہو گیا کہ رفع یدین کی تمام احادیث پر غیر مقلدین کا اپنا عمل کہاں تک ہے؟
لیکن تعجب ہے کہ جو حضرات دلائل کی بناء پر رکوع کے وقت بھی رفع یدین نہیں کرتے ...
انہیں اعتراض ہے لیکن اپنی حقیقت کی خبر نہیں۔ الغرض ان مؤخر الذکر مقامات میں غیر مقلدین
جس بنیاد پر رفع یدین نہیں کرتے، اسی بنیاد پر ہم رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے ...
مقامات میں رفع یدین نہ کرنے کی بابت ان کا جو موقف ہے وہی موقف ہم رکوع کے وقت
رفع یدین کے متعلق بھی اختیار کرتے ہیں۔

اعتراض: وہابی حضرات کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل رفع یدین ہے، ترک رفع
یدین نہیں جس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

حضرت ابو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز
پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی تو ہاتھوں کو اٹھایا...... پھر رکوع کے وقت رفع یدین کیا پھر
رکوع سے سر اٹھاتے وقت پھر سجدہ کیا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو رفع یدین کیا۔

(ابو داود حدیث 621-:723 البانی نے اس کو صحیح لکھا ہے)

یہ روایت نسائی میں بھی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے، نمبر :879 اور یہ روایت
نسائی میں مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس میں سجدہ میں جاتے وقت اور سجدہ سے
سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے۔

(نسائی حدیث 1075 کتاب التطبیق باب رفع الیدین للسجود)

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے وقت اور سجدہ کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

جزء رفع الیدین للبخاری۔

اور احمد شاکر غیر مقلد نے ترمذی کی تحقیق میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے: وفی روایة لاحمد من حدیث وائل بن حجر: (کلما کبر ورفع ووضع وبین السجدتین)

(ترمذی حدیث نمبر:257 کا حاشیہ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے استدلال۔

وہابی کہتے ہیں کہ مالک بن حویرث اور وائل بن حجر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں مسلمان ہوئے ہیں ۔ اس لئے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل تھا تو سنئے! اس کے جواب میں ابوالحقائق علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی لکھتے ہیں۔

اولا: کسی راوی کے متاخر الاسلام ہونے پر یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا بیان کیا ہوا عمل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں ہی کیا تھا۔ اگر یہی قانون ہے تو اس پر صحیح، صریح، مرفوع، حدیث درکار ہے۔ جبکہ غیر مقلدین کے محدث عبد الرحمان مبارکپوری لکھتے ہیں: متاخر الاسلام ہونے سے یہ دلیل لانا اسی کا کام ہے جو اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ سے ناواقف ہے۔ (تحقیق الکلام ص ،،)

یعنی جو آدمی کسی صحابی کے آخری ایام میں مسلمان ہونے کو دلیل بناتا ہے، وہ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ دونوں سے ناواقف اور جاہل ہے۔

مزید لکھتے ہیں: راوی کا آخری ایام میں مسلمان ہونے سے روایت کے آخری ہونے پر دلیل نہیں ہے۔ (تحقیق الکلام ص ،،)

ثانیا: اگر پھر بھی آپ اسی بات کی رٹ لگائیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل ہے تو یاد فرمائیں!...... اس میں تیسری رکعت کے رفع یدین کا ذکر نہیں اور سجدوں میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ لہٰذا آپ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل اپناتے ہوئے سجدوں میں بھی رفع یدین کیا

کریں اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت رفع یدین ترک کردیں کیونکہ ان کی
کے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل تھا۔

اِن روایات پر وہابیوں نے عمل نہیں کیا۔

حضرت ابن عمر اور مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہما کی اکثر روایات میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اور حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ فکبر ورفع یدیه حتی حاذتا بأذنیه: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر ہوگئے۔ (نسائی:879)

اب اگر ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل بیان کیا گیا ہے تو بتایئے آپ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری عمل کو اپناتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کانوں تک کیوں نہیں اٹھاتے؟

دوسروں کو دعوت دینے سے قبل ان روایات پر خود عمل کر کے دکھائیں۔...... جب آپ نے ان روایات پر عمل نہیں کیا بلکہ آپ کا عمل ان روایات کے خلاف ہے تو سچ بتایئے!..... آپ نے خود ہی اس بات کی وضاحت نہیں کر دی کہ ان روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل ذکر نہیں کیا گیا۔ ایسے ہی نسائی کی روایت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

ثم وضع یدہ الیمنی علی کفه الیسری والرُّسْغِ والساعدِ۔

(نسائی حدیث:879 کتاب الافتتاح باب موضع الیمین من الشمال فی الصلوٰۃ)

دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی، گٹ اور کلائی پر ہونا چاہئے۔ یہ طریقہ تو اہل سنت کا ہے جبکہ وہابی حضرات کلائی پر کلائی رکھتے ہیں بعض تو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کہنی تک لے جاتے ہیں، لہٰذا اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری عمل کے مطابق ہے جبکہ وہابی حضرات اس مسئلہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری عمل کی مخالفت کرتے ہیں۔

(مسئلہ رفع یدین ص 64-63۔ ماھنامہ الحقیقہ بابت دسمبر:2004ص:44)

اگر حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل ہے تو سنئے۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے حدیث مرفوع قولی موجود ہے جس میں صرف ابتدائی رفع یدین کا ذکر ہے: ...

رسول اللهﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك . . . .
(المعجم الکبیر 11/22 مجمع الزوائد 377/9 کنز العمال 431/7)

اے وائل بن حجر...... جب تو نماز پڑھنے لگے تو اپنے ہاتھ کانوں کے برابر اٹھاؤ۔ اس حدیث میں ابتدائی رفع یدین کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر رفع یدین کا ذکر نہیں ہے اور یہ قانون ہے کہ قولی اور فعلی احادیث میں تضاد کے وقت قولی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلی رفع یدین کے علاوہ کسی اور جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔

وہابی اکابر کے موقف میں اختلاف کیوں؟

ابو الحقائق علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب فرماتے ہیں: غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ ہمارا مسلک صرف قرآن وحدیث ہے اگر یہ بات درست ہے تو بتائیے!...... کہ آپ کے بزرگوں کا رفع یدین کی حیثیت کو متعین کرنے میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟...... قرآن وحدیث کی تصریح کے مقابلہ میں اس قدر تضاد کیوں؟...... آیئے! ہم ان کو ان کے اکابر کے بیانات بھی سنائے دیتے ہیں...... ملاحظہ فرمائیں!

1: غیر مقلد نور حسین گرجاکھی نے اپنی کتاب **قرۃ العینین** ص ۵۵ پر رفع یدین کو سنت مؤکدہ لکھا اور صفحہ ۶۰ پر لکھا کہ، رفع یدین سنتِ مؤکدہ بلکہ واجب ہے اور اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

2: غیر مقلد خالد گرجاکھی نے لکھا: سنتِ مؤکدہ ہے، اگر غلطی سے رہ جائے تو نماز ہو جاتی ہے اور اگر دیدہ دانستہ چھوڑ دے تو سنتِ مؤکدہ کا تارک گنہگار ضرور ہوتا ہے۔

باپ کہتا ہے کہ باطل ہے بیٹا کہتا ہے کہ ہوگئی صرف گنہگار ہوگا بتائیے سچا کون ہے؟ اور یہ کہ نماز باطل ہونے پر دلیل کیا ہے؟

3: غیر مقلد ثناء اللہ امرتسری نے لکھا ہے: ہمارا مذہب ہے، رفع یدین ایک مستحب امر ہے جس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے اور نہ کرنے سے نماز کی صحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ (فتاویٰ ثنائیہ 579/1) انہوں نے کھلی چھٹی دی ہے کہ رفع یدین نہ کریں تو نماز بالکل درست ہے۔

۴: **غیر مقلد حکیم صادق سیالکوٹی** نے ایک جگہ رفع یدین کو مسواک کے برابر قرار دیا ہے: صلوٰۃ الرسول ص:236: دوسری جگہ پر سنتِ مؤکدہ کہا اور تیسرے مقام پر کہتے ہیں ہر مسلمان رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھے کہ اس کے بغیر نماز کا یقینا نقصان ہے۔

(صلوٰۃ الرسول ص:243)

بتائیے کہ اگر رفع یدین کی حیثیت واضح طور پر حدیث میں موجود ہے تو ایک ہی زبان سے یہ بھانت بھانت کی بولیاں کیوں ہیں؟

۵: **غیر مقلد اسماعیل دھلوی:** حق یہ ہے کہ نماز کے شروع میں رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے قیام کے وقت رفع یدین کرنا سنتِ غیر مؤکدہ ہے۔

(تنویر العینین ص ،)

مزید لکھتے ہیں: "**ولا یلام تارکه وإن ترك مدة عمره**۔ اگر کوئی ساری عمر بھی رفع یدین نہ کرے تو پھر بھی اسے برا بھلا نہیں کہا جائے گا۔" ان کے نزدیک پوری عمر رفع یدین چھوڑنے پر کوئی ملامت نہیں۔ جبکہ دھلوی صاحب کے برعکس وہابی رفع یدین نہ کرنے والوں کو جلی کٹی سناتے رہتے ہیں...... کیا ان کا یہ عمل حدیث کے مطابق ہے؟

۶: **غیر مقلد ابن حزم:** اگر ہم رفع یدین کے بغیر نماز پڑھیں تو (یہ بھی) رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرح ہی ہے۔ (المحلی بالاثار ج ،ص ،)

۷: **غیر مقلد عطاء اللہ حنیف:** صحابہ کرام اور تابعین کے فعل میں اختلاف ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین رفع یدین نہیں بھی کرتے تھے...... یہ درست ہے کہ دونوں ہی سنت ہیں (یعنی کرنا اور نہ کرنا) رفع یدین کرنا لازم نہیں بلکہ ترکِ رفع یدین بھی سنت ہے۔

(تعلیقات السلفیه علی سنن النسائی ج ،ص ،)

جب ترکِ رفع یدین بھی سنت ہے تو اہل سنت پر ناراضگی کس بات کی، ان سے مناظروں اور جھگڑوں کا کیا مقصد ہے۔ سنت پر عمل کرنے سے بحث ومباحثہ کرنا جاہلوں کا کام ہے۔

۸: **وہابیوں کے اِمام نواب صدیق حسن خاں** نے حجۃ اللہ البالغہ کے حوالے سے لکھا

۸: رفع یدین ایسے امور میں سے ہے جنہیں نبی کریم ﷺ نے ایک بار کیا اور دوسری بار چھوڑ دیا اور دونوں باتیں یعنی کرنا نہ کرنا بھی سنت ہے۔ (الروضۃ الندیہ ص [illegible])

اور "التکمیل" کے حوالے سے لکھا ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آخری عمل رفع یدین نہ کرنا مراد لیا ہے جیسا کہ آپ سے منقول روایات سے محسوس ہوتا ہے کہ بے شک آخری عمل رفع یدین نہ کرنا ہے۔ (الروضۃ الندیہ ص [illegible])

جب آخری عمل رفع یدین چھوڑنا ہے تو یہاں امام بخاری کا فیصلہ بھی سن لیں: انما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ: نبی کریم ﷺ کے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔

(بخاری حدیث 648 کتاب الاذان باب انما جعل الامام، مشکوٰۃ 1139 کتاب الصلوٰۃ باب ما علی الماموم)

۹: غیر مقلد قاضی شوکانی نے ابن حزم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر ابن مسعود کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع یدین چھوڑ کر بتا دیا کہ رفع یدین نہ کرنا بھی جائز ہے۔ (نیل الاوطار ج، ص [illegible]) اور ابن حزم نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے جیسا کہ شوکانی نے خود لکھا ہے۔ وصححہ ابن حزم: (نیل الاوطار ج، ص [illegible])

۱۰: غیر مقلد شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین دھلوی کا فیصلہ کن حوالہ۔

نوٹ: وہابی حضرات کا کیا ہوا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

علمائے حقانی پر پوشیدہ نہ رہے کہ رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔ (فتاوی نذیریہ [illegible])

اب فرمایئے..... آپ حضرات کے شیخ الکل کے اس بیانِ ذیشان کی روشنی میں موجودہ دور میں وہابی حضرات میں سے تقریباً کوئی بھی صاحب علم، تعصب اور جہالت سے خالی نہیں اور نہ ہی علمائے حقانی میں ان کا شمار ہوتا ہے..... کیونکہ علمائے حقانی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے رفع یدین کرنا اور بعد میں چھوڑ دینا دونوں ثابت ہیں۔

(مسئلہ رفع یدین ص [illegible]، "الحقیقہ" دسمبر 2004ء ص:45)

مغالطہ نمبر ا: غیر مقلدین حضرات کے فرقہ پرست حضرات واعظ اور مصنف سادہ لوح عوام کو یہ مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ رفع یدین کی روایات تو بخاری و مسلم میں ہیں جب کہ ترک رفع یدین کی روایات دوسری کتب حدیث میں ہیں۔ لہٰذا بخاری و مسلم کی روایات راجح ہوں گی۔

جواب: یہ دعویٰ غلط ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی روایات بخاری مسلم میں نہیں ہیں رفع یدین کی ممانعت مسلم شریف کی حدیث میں ہے۔ غیر مقلدین کا یہ اُصول کہ بخاری کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے ایک عوامی نعرہ تو ہو سکتا ہے لیکن علم حدیث سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چونکہ بخاری اور مسلم کو یہ دعویٰ نہیں کہ انہوں نے تمام صحیح احادیث کا احاطہ کرلیا ہے بلکہ صحیح احادیث کا ذخیرہ ان کے علاوہ بھی موجود ہے۔ لہٰذا جب صحیح ہونے کی صفت میں اور احادیث بھی شریک ہیں تو پھر یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہے کہ بخاری کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے۔ **ما أدخلت فی کتاب الجامع إلا ما صح وترکت من الصحاح مخافۃ الطول** امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے جامع الصحیح میں صرف صحیح احادیث کو جمع کیا ہے اور میں نے بہت سی صحیح احادیث کو طوالت کے ڈر سے چھوڑ دیا ہے۔ **لیس کل شیء عندی صحیح وضعتہ ھٰھُنا إنما وضعت ھٰھُنا ما أجمعوا علیہ۔**

امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا البتہ جن کو ذکر کیا ہے ان کے صحیح ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ (مسلم حدیث نمبر 612:404)

جب بخاری اور مسلم نے یہ دعویٰ ہی نہیں کیا کہ صحیح احادیث صرف ہماری کتب میں ہیں تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہو سکتا کہ جو حدیث بخاری و مسلم میں نہیں وہ حدیث ہی قابل اعتبار نہیں۔ یہ دعویٰ تو انکارِ احادیث پر منتج ہوتا ہے بلکہ احادیثِ صحیحہ صرف صحاح ستہ میں منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں احادیث کی کتابیں ہیں اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میری احادیث صرف صحاح ستہ میں ہیں۔ دوسری کسی کتاب میں میری احادیث نہیں۔ ان کتب میں ساری احادیث صحیح نہیں ہیں ان میں موضوع بھی ہیں ضعیف بھی ہیں اور حسن بھی ہیں جیسا کہ ناصر الدین البانی غیر مقلد نے صحاح ستہ کی تقسیم کی ہے۔

(۱) صحیح اور حسن (۲) ضعیف اور موضوع۔

جو شخص احادیث کو صحاح ستہ میں یا صحیح احادیث کو صرف بخاری اور مسلم میں منحصر سمجھتا ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو محدود کرتا ہے اور لاکھوں احادیث کا انکار کرتا ہے۔

جیسا کہ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

(نزہۃ القاری شرح بخاری ص:157)

بخاری میں احادیث کی تعداد حافظ ابن صلاح کے مطابق 7275 ہے اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار اور ابن حجر عسقلانی کے مطابق اگر مکررات کو نکال دیں تو مرفوع احادیث کی تعداد :2623 ہے باقی چھیانوے ہزار احادیث کدھر گئیں جبکہ صحاح ستہ کی احادیث کی تعداد 29653 ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔(بخاری کل احادیث :7275، مسلم کل احادیث :3033، ابوداؤد کل احادیث :5274، ترمذی کل احادیث :3956، نسائی کل احادیث :5774، ابن ماجہ کل احادیث :4341، کل صحاح ستہ :29653، اور امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث یاد تھیں۔منفی 29653 باقی صحیح احادیث :70347)

صحاح ستہ کی کل احادیث ملا کر بھی ایک لاکھ کی گنتی پوری نہیں ہوتی ستر ہزار احادیث باقی رہتی ہیں وہ باقی ستر ہزار صحیح احادیث دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔مثلاً طحاوی شریف، مسند امام احمد، دارمی شریف، طبرانی شریف وغیرہا۔اب جو صرف بخاری و مسلم یا صحاح ستہ کو مانتا ہے وہ کم از کم ستر ہزار حدیث کا انکار کرتا ہے جو ایک صحیح حدیث کا انکار کرے وہ منکر حدیث ہے۔جو ستر ہزار حدیث کا انکار کرے اس کا دعویٰ ''اہل حدیث'' ہونا کیسے صحیح ہوسکتا ہے، اب یہ کہنے کا جواز نہ رہا کہ جو حدیث بخاری و مسلم یا صحاح ستہ میں نہیں وہ احادیث صحیح نہیں ہیں۔نیز غیر مقلدین رفع یدین کے مسئلہ میں تو اس نعرہ کا سہارا لیتے ہیں کہ رفع یدین کی احادیث بخاری میں ہیں اور ترکِ رفع یدین بخاری میں نہیں لیکن سورہ فاتحہ سے پہلے اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھ کر آمین اونچی آواز سے کہہ کر اور سینے پر ہاتھ باندھ کر اس نعرہ کو نظر انداز کر کے خود ہی اس کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں کیونکہ بلند آواز سے آمین کہنا اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر بخاری و مسلم کی کسی صحیح مرفوع حدیث میں نہیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء

راشدین ﷺ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھتے تھے اور کسی ایک صحیح حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اونچی تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں ہے لیکن غیر مقلدین پھر بھی تسمیہ اونچی آواز میں پڑھتے ہیں۔ الغرض یہاں بخاری و مسلم کی روایات کو ترجیح دینے والا اصول کیوں بے اثر ہو جاتا ہے؟

نیز غیر مقلدین سورہ فاتحہ کے بعد طویل سکتہ کرتے ہیں تا کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔ یہ سکتہ بخاری مسلم میں نہیں ہے بلکہ کسی بھی صحیح حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ ناصر الدین البانی نے اور ابن تیمیہ نے اس کو بدعت قرار دیا ہے پھر بھی غیر مقلدین سکتہ کر کے اپنے بدعتی ہونے کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ غیر مقلدین وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اس کا بھی ثبوت نہیں بلکہ صحاح ستہ کی کسی بھی صحیح مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت نہیں۔ یہاں بخاری و مسلم یا صحاح ستہ والا اصول کیوں بے اثر ہو جاتا ہے؟

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب سخت گرمی ہو تو ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو لیکن غیر مقلدین ہمیشہ ظہر اوّل وقت میں پڑھتے ہیں۔ یہاں بخاری و مسلم یا صحاح ستہ والا اصول کیوں بے اثر ہو جاتا ہے؟

مغالطہ نمبر ۲: امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری میں جو معیار اپنایا وہ ان کی دوسری تالیفات "رسالہ رفع یدین" اور رسالہ "قراءت خلف الامام" میں نہیں ہے، اس لئے کتب حدیث میں جو حیثیت صحیح بخاری کو حاصل ہے وہ ان کی دوسری کتب کو حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ ان کو صحاح ستہ کے درجہ میں بھی نہیں رکھا گیا چونکہ ان میں بہت سی روایات ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں لیکن غیر مقلدین کے متعصب واعظ ان دونوں رسالوں کی روایات بیان کر کے بار بار امام بخاری کا نام لے کر سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان روایات کا مقام بھی وہی ہے جو صحیح بخاری شریف کا ہے اور وہ اس حقیقت کو چھپاتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر روایات صحیح بخاری کی نہیں بلکہ امام بخاری کے رسالوں کی ہیں، حضرات قارئین متنبہ رہیں۔

مفتی شریف الحق امجدی امام بخاری کے رسالہ "جزء القراءت" کے بارے میں لکھتے ہیں: اس رسالہ میں امام بخاری کا سارا حزم (احتیاط) رخصت ہو گیا ہے۔ ایک فرعی مسئلہ پر اتنی انتہا پسندی کر دی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ احناف پر ایسے غیظ و غضب کا اظہار

فرمایا ہے کہ افسوس ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف انتساب ہے۔ جس کو سوائے افتراء کے اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ مزید براں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کی احادیث لائے ہیں۔ صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہوگئیں۔ اس کی لم آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔

جزء رفع الیدین۔

رفع الیدین کے اختلاف کا حاصل یہ نہ تھا کہ رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی یا رفع یدین نہ کریں تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلہ میں بھی شباب پر ہے۔ کہیں احناف کو بے علم کہا کہیں غبی و گمراہی کی منزل تک پہنچایا۔

(نزھۃ القاری شرح بخاری ص:162)

مغالطہ نمبر ۳: غیر مقلدین کے علماء سادہ لوح عوام کو یہ کہہ کر مرعوب کرتے ہیں کہ رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنا چار سو احادیث میں وارد ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ رفع یدین کی روایات پچاس صحابہ سے منقول ہے۔ نیز حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ سے بھی منقول ہے۔

جواب: ان مقامات پر رفع الیدین کی بابت چار سو احادیث کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ویسے بھی اس بحث کو فکری میدان میں رکھنے کی بجائے غیر مقلدین سے گذارش ہے کہ عملی میدان میں اس دعویٰ کو ثابت کریں کہ چودہ سو سال میں کسی ایک شخص نے بھی ان چار سو روایات کو جمع کیا ہو تو وہ مجموعہ منظر عام پر لائیں یا وہ خود ان چار سو روایات کو جمع کر کے پیش کریں۔ واضح رہے کہ وہ قیامت تک ایسا نہیں کرسکتے۔ جہاں تک رفع یدین کی پچاس صحابہ کی روایات کا تعلق ہے تو وہ نماز شروع کرتے وقت کے بارے میں ہے۔ رکوع کو جاتے وقت اور اٹھتے وقت کے بارے میں نہیں۔ ملاحظہ ہو:

قاضی شوکانی غیر مقلد ہونے کے باوجود اس حقیقت کے معترف ہیں کہ پچاس صحابہ کرام سے جو رفع یدین منقول ہے وہ ابتدائے نماز کے متعلق ہے۔ وجمع العراقی عدد من روی رفع الیدین فی ابتداء الصلاۃ فبلغوا خمسین صحابیا منھم العشرۃ

المشھود لھم بالجنة۔ علامہ عراقی نے نماز کے شروع میں رفع الیدین کی روایات کرنے والے صحابہ کو شمار کیا تو ان کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔ انہیں میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔
(نیل الاوطار 191/2، سبل الاسلام از صنعانی غیر مقلد 274/1)

الغرض معلوم ہوا کہ پچاس صحابہ کرام سے جو رفع یدین منقول ہے وہ ابتدائے نماز سے متعلق ہے اور انہیں میں خلفاء راشدین اور عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور اب پچاس صحابہ کرام سے رفع یدین ذکر کرنا اور اس کے مقام ومحل کو چھپا کر یہ تاثر دینا کہ یہ رفع یدین رکوع کرتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں تھا، ایک واضح علمی خیانت اور امانت ودیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ جو حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کو زیب نہیں دیتا۔

غیر مقلدین علماء کے اس حوالہ پر اگر غور کیا جائے تو پچاس صحابہ کرام کی رفع یدین کی روایات نماز کے ترک رفع یدین پر دلیل بن جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ان پچاس صحابہ کرام کی روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے نماز کے شروع میں رفع یدین کیا۔ احناف بھی تو یہی کہتے ہیں کہ صرف نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کیا جائے۔ اس کے علاوہ باقی جگہ رفع یدین منسوخ ہے۔ ہمارا ترک رفع یدین کا عمل پچاس صحابہ جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں ثابت ہوگیا جب کہ رفع یدین کی روایات صرف چار یا پانچ صحابہ سے منقول ہیں۔ والحمد للہ

رفع یدین پر کامیاب مناظرہ کی روئیداد

مسئلہ رفع یدین نماز کا ایک فروعی اور ائمہ اربعہ کا بھی اختلافی مسئلہ ہے۔ مقلدین مذاہب اربعہ میں سے ہر کوئی اپنی تحقیق پر عمل پیرا ہے اور دوسرے پر کوئی نفرت وتنقید روا نہیں رکھی جاتی لیکن بدقسمتی سے غیر مقلد وہابی نے اسے اس طرح اُچھال رکھا ہے جیسے یہ کوئی کفر واسلام کا مابہ الامتیاز امر ہو۔ سادہ لوح عوام کو اسی مسئلہ پر اکساتے، ورغلاتے اور آہستہ آہستہ انہیں اپنا ہم نوا بنا کر پوری طرح گمراہ وبے ادب بنانے کی سرتوڑ سعی میں بے کار مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر ان کے اکابر بھی آج تک کسی ایک موقف پر جمع نہیں ہو سکے۔ اگر بعض وہابیہ اس کے متعلق فرض، واجب، سنت مؤکدہ غیر منسوخہ اور نہ کرنے سے نماز میں خلل، نقص، ہو

ان کے مقابلہ میں ایسے اکابر وہابیہ بھی موجود ہیں جو اختلافی رفع یدین کو مستحب، غیر ضروری، فروعی، نہ کرنا باعثِ ملامت نہیں، آخری عمل نہ کرنا رفع یدین نہ کرنا ہے کا بھی قول کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہابیوں کے سید نذیر حسین دھلوی کہتے ہیں:

علمائے حقانی پر پوشیدہ نہ رہے کہ رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں۔ (فتاوی نذیریہ 441/1)

لیکن چونکہ وہابیت نام ہی ''تعصب اور جہالت'' کا ہے۔ اس لئے وہابی حضرات مسئلہ رفع یدین پر آئے دن لڑتے اور جھگڑتے رہتے ہیں۔ اسی ''تعصب اور جہالت'' کا اظہار جب ان لوگوں نے ''رنگ محل لاہور'' میں کیا، تو زندہ دلانِ لاہور اہل سنت نے ان کا محاسبہ کیا، اور بات مناظرہ تک پہنچ گئی۔ اہل سنت نے چیلنج قبول کیا اور شرائط طے ہو گئیں۔ دعویٰ اور جوابِ دعویٰ اور دیگر اصول طے کرنے کے بعد ۱۶ مئی ۲۰۱۰ء مناظرہ کے لئے تاریخ مقرر ہو گئی، بالآخر وہ دن بھی آ گیا جس دن حق و باطل کا فرق واضح ہونا تھا۔ وہابیوں نے مناظرے کے لئے ''عمر صدیق'' کا نام پیش کیا (یہ شخص خود کو ناقابل تسخیر اور وہابیوں کا سلطان المناظرین سمجھا جاتا ہے) اور صدر مناظر بابر سلفی کو مقرر کیا گیا جبکہ اہل سنت کی طرف سے صدر مناظر ترجمانِ اہل سنت، فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ ابو الحقائق غلام مرتضیٰ ساقی مجددی دامت برکاتہم، جبکہ مناظرہ کے لئے فاضل نوجوان مولانا راشد محمود رضوی متعلم جامعہ نعیمہ لاہور، بطورِ مناظرِ اہل سنت مقرر کئے گئے۔ مولانا راشد محمود رضوی کا نام سنتے ہی وہابیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ کیا ایک طالب علم ان کے ''سورمے'' کا مقابلہ کر سکے گا۔

وہابیوں کا دعویٰ تھا کہ ''نماز شروع کرتے وقت، رکوع جاتے وقت اور سر اٹھاتے وقت اور نماز کی تیسری رکعت کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفع یدین کرتے تھے اور یہ عمل تاحیات رہا''۔ جبکہ اہل سنت نے جوابِ دعویٰ میں کہا کہ ''کسی صحیح، صریح، مرفوع اور غیر مضطرب حدیث سے وصال شریف تک یہ عمل ثابت نہیں ہے''۔

ہم نے وہابیوں سے بار بار یہ مطالبہ کیا کہ اپنے دعویٰ کے مطابق کوئی حدیث پیش کریں
مناظر اہل سنت نے یہ بھی کہا کہ عمر صدیق صاحب! آپ کو وہابی مناظر کہلانے پر بڑا گھمنڈ ہے
اور سلطان المناظرین کہلاتے پھرتے ہو اور میں ابھی زیرِ تعلیم ہوں، میں اپنے شیوخ کی
موجودگی میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ تین گھنٹے تو کیا پوری رات گزر جائے، آپ کو
وقت اور بھی دے دیا جائے لیکن اپنے دعویٰ پر ایک بھی مطلوبہ دلیل پیش نہیں کر سکتے اور اللہ
کے فضل وکرم سے سنی مناظر مولانا راشد محمود رضوی کی یہ بات سچ ثابت ہوئی، ہمارا مطالبہ آخر
وقت تک ان کے سر پر چیلنج بن کر گھومتا رہا لیکن وہابی مناظر اپنے لاؤ لشکر سمیت پاؤں سے چوٹی
تک کا زور صرف کرنے کے باوجود مطلوبہ معیار کی کوئی ایک دلیل پیش نہ کر سکا وہابیہ کی پیش
کردہ تمام روایات میں کسی جگہ بھی اختلافی رفع یدین کے ''تاحیات'' کرنے کے متعلق کوئی
الفاظ نہ تھے۔ جب وہابی شاطر کو صحیح حدیث سے اپنا مؤقف ثابت ہوتا دکھائی نہ دیا تو شارحین
اور حاشیہ نگاروں کے حوالے پڑھنے لگا اور اماموں کے دامن میں پناہ طلب کرنے لگا۔ اسے
سمجھایا گیا کہ تو نے اپنا دعویٰ کسی اُمتی کے اقوال سے نہیں ''حدیثِ نبوی'' سے پیش کرنا ہے۔
پھر وہ مکر وفریب پر اُتر آیا، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مختلف ٹکڑے پڑھنے شروع
کر دیئے اور پھر خود ہی ''مسند حمیدی'' اور ''ابو عوانہ'' پر آ گیا۔ اس موقع پر سنی مناظر نے اسے
آڑے ہاتھوں لیا اور کہا کہ وہابی مناظر صاحب! ہم نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں اضطراب
ثابت کیا تھا اور آپ نے کہا تھا کہ تعارض دور ہو سکتا ہے لیکن اس وقت جو حدیث ''ابو عوانہ''
وغیرہ سے پڑھی ہے۔ آپ چونکہ عقل سے اندھے ہیں اس لئے حقیقت سے ناواقف رہے، یہ
دیکھئے! یہ تو ہمارے مؤقف کو ثابت کر رہی ہے، اللہ کے فضل سے جو روایت ہم نے پڑھنی تھی وہ
آپ نے خود ہی پڑھ دی ہے۔ اس روایت میں دوٹوک واضح طور پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع
یدین کرتے تھے، رکوع وسجود کے وقت نہیں کرتے تھے، اس کے جواب میں وہابی مناظر نے
کہا کہ محدث نے باب رفع یدین کرنے کا باندھا ہے۔ تو ہم نے بتایا کہ باب محدث کی رائے
ہے، وہابیو! بتاؤ تم اہل حدیث ہو یا ''اہل باب'' ہو۔

اس مناظرہ میں وہابیوں نے (حسبِ سابق) بے اصولی بلکہ اصول شکنی کا مظاہرہ کیا۔ مفتی رضائی نے بلاوجہ ٹانگ اڑانے کی کوشش کی اور ایک مرتبہ تو صراحتاً جھوٹ بھی بولا، حضرت قبلہ ساقی صاحب نے کہا کہ اصولِ مناظرہ کے مطابق آپ اس قابل ہیں کہ آپ کو باہر نکال دیا جائے اور اس کی خوب مٹی پلید کی، اس کے منہ پہ ثابت کیا کہ وہ کذاب اور دجال ہے۔ الحمد للہ! وہابیوں کے تمام دلائل کا جواب ان کے ''وڈیروں'' کی کتابوں سے دے کر ان کا منہ توڑ دیا گیا۔ دوسروں کی غلطیاں نکالنے والے اس وہابیوں کے ''بچو جمورے'' کے اپنے الفاظ اور عبارات نہایت غلط ملط تھیں۔ علامہ ابن عبدالبر کو ''ابن البر'' پڑھا تو ہم نے کہا کہ یہ کلمہ کفر ہے پہلے اس سے توبہ کرو لیکن وہابی توبہ سے محروم رہتے ہیں، وہ جس طرح اپنے موقف کو ثابت نہ کر سکے اپنے اس کفر کو بھی اپنی ناکامی کی علامت کے طور پر چہروں پر سجائے ساتھ لے گئے اور اہل سنت کے مطالبے کو پورا نہ کر سکے یوں ''فرعونِ وہابیت'' کا سر کچل دیا گیا اور اہل سنت کے چہروں پر روشنی مچل رہی تھی۔

مناظرہ کے منتظم نے وہابیوں سے کہا کہ تمہارے پلے کچھ نہیں لہٰذا کتابیں اٹھاؤ اور چلتے بنو اس پر نعرہ ہائے رسالت و مسلک حق اہل سنت زندہ باد کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ ریکارڈنگ حاصل کرنے کے لئے ''الفاروق کیسٹ ہاؤس'' کھیالی بائی پاس گوجرانوالہ سے رابطہ کریں۔

(''ہم رفع یدین کیوں نہیں کرتے'' از علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی ص 74-69)

☆☆☆

قرأۃ خلف الامام

غیر مقلدین ایک طرف تو اہل سنت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نعرہ لگاتے ہیں اور انبیاء و اولیاء سے مدد طلب کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں لہٰذا یہ مشرک ہیں اور دوسری طرف یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل سنت (احناف) امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے لہٰذا ان کی نماز باطل ہے۔ ان سے پوچھیں کہ اگر وہ امام کے پیچھے پڑھ پڑھ لیں تو ان کی نماز درست ہے تو کہتے ہیں کہ ہاں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سنیوں کا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا عقیدہ درست ہے شرک نہیں اور یہ سچے پکے مسلمان ہیں کیونکہ مشرک کی کوئی عبادت قبول نہیں اور احناف اگر مسلمان ہیں تو ان پر شرک کا فتویٰ لگانے والا کون؟ صحیح حدیث کے مطابق مسلمان پر شرک کا فتویٰ لگانے والا خود مشرک ہو جاتا ہے۔

حدیث: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک مجھے تم پر ایک ایسے شخص کا خوف ہے جو اتنا قرآن پڑھے گا کہ اس کے چہرے پر قرآن کی رونق بھی نظر آنے لگے گی، اُس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام بن جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو یہ حالت لاحق رہے گی پھر اس سے یہ حالت چھن جائے گی اور وہ شخص قرآن حکیم اور اسلام کو پس پشت ڈال کر اپنے پڑوسیوں پر شرک کا فتویٰ صادر کر کے ان سے جنگ کرے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ان دونوں میں سے شرک کا حق دار کون ہو گا جن پر شرک کا فتویٰ لگے گا وہ یا شرک کا فتویٰ صادر کرنے والا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ شرک کا فتویٰ صادر کرنے

والا ہی شرک کا حق دار ہو گا۔ مسند ابو یعلی، امام احمد بن حنبل اور یحی بن معین نے اس کی توثیق کی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الاعراف آیت 173 ج 2 ص 275۔ اس حدیث کو ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو سلسلہ احادیث الصحیحہ حدیث :3201)

جو تمام مسلمان پر شرک کا فتویٰ لگائے وہ خود مسلمان نہیں رہتا، جو تمام جہان کے ماں باپ اور اللہ کے نبی اور خلیفہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام پر شرک کا فتویٰ لگائے کیا اس کا ایمان سلامت رہے گا، کیا اس کی نمازیں اس کو بچالیں گی۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اور رفع یدین کرنا اور اونچی آواز سے آمین کہنا انہیں جہنم سے بچالے گا؟

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے کتاب التوحید میں حضرت قتادہ تابعی کی طرف یہ قول منسوب کر کے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام پر فتویٰ جڑ دیا یعنی انبیاء کو مشرک کہنا یہ ان کی شیطانی توحید ہے۔ لکھتا ہے۔ شرکاء فی طاعته ولم یکن فی عبادته ان دونوں یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اطاعت میں شرک کیا عبادت میں شرک نہیں کیا (نعوذ باللہ) (کتاب التوحید عربی ص:۱۱۳، باب فلما اتھما صالحا جعلا له شرکاء)

اور اگر یہ کہیں کہ اہل سنت کے عقائد شرکیہ ہیں تو پھر پہلے عقائد اہل سنت پر بحث اور مناظرہ ہونا چاہئے پھر رفع یدین، قرأتِ خلف الامام، اونچی آواز سے آمین کا مسئلہ چھیڑنا چاہئے کیونکہ یہ تو فروعی اختلاف ہے اور یہ بات مضبوط دلائل سے ثابت ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ جلیل القدر صحابہ کرام نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی جن کا تذکرہ تفصیل سے آئے گا۔ کیا ان تمام صحابہ کی نمازیں ضائع ہو گئیں، اگر ان کی نمازیں قبول ہیں تو ان کی طفیل ہم اہل سنت کی بھی قبول ہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی آخری نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پڑھی ہوئی فاتحہ کو اپنے لئے کافی سمجھا۔ رسول اللہ ﷺ کی آخری نماز سے بھی معلوم ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا منسوخ ہے۔ حدیث پر عمل کے زبانی دعویداروں کو چاہئے کہ ضد چھوڑ دیں اور رسول اللہ ﷺ کے آخری عمل کو اپنا کر حدیث پر عمل کریں اور لوگوں کی نمازوں کو باطل کہنے کی گردان چھوڑ کر اپنی

نمازوں کی فکر کریں اور سارے جہاں کی ٹھیکیداری نہ کریں۔ اعمال تو فروع ہیں اور ثانوی
حیثیت رکھتے ہیں۔ اصل چیز عقائد اور ایمان ہے۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم اور محبت کے ساتھ
نماز عبادت ہے ورنہ عادت ہے۔ بہت سے لوگ نمازیں پڑھنے اور قرآن پڑھنے کے باوجود
جہنم میں جائیں گے کیونکہ ان کے عقائد درست نہ تھے جیسا کہ منافقین حضور ﷺ کے پیچھے
نمازیں پڑھتے تھے لیکن چونکہ ان کے دل نبی کریم ﷺ کی محبت سے خالی تھے ان کی
نمازیں ان کے منہ پر ماری گئیں اور انہیں جہنم کے نچلے طبقہ میں ڈالا جائے گا۔ یہ قرآن کا فیصلہ
ہے۔ صرف عبادت اور علم سے کام نہیں چلتا۔ نمازیں شیطان نے بہت پڑھی تھیں اور عالم بھی
بہت بڑا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کی تعظیم کے وقت فیل ہوگیا۔

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے
اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
اور ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

حدیث: حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال
لایا گیا۔ آپ ﷺ نے وہ مال تقسیم فرمایا۔ اپنے دائیں بائیں والوں کو دیا اور اپنے پیچھے
والوں کو کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ کے پیچھے سے ایک شخص جس کا رنگ کالا، بال منڈے ہوئے
اور لباس سفید تھا۔ کھڑا ہوا اور بولا: اے محمد (ﷺ) آپ ﷺ نے تقسیم میں انصاف نہیں
کیا۔ رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: تم لوگ میرے سوا مجھ سے زیادہ عادل
شخص کوئی نہ پاؤ گے پھر فرمایا: آخر زمانہ میں ایک قوم نکلے گی شاید یہ بھی اُن میں سے ہو وہ
قرآن بہت پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین اسلام سے
اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے ان کی علامت سر منڈانا ہے یہ نکلتے

گے حتیٰ کہ ان کا آخری گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ جب تم ان سے ملو تو تم انہیں قتل کر دو اور جان لو کہ یہ بدترین مخلوق ہیں۔

(نسائی 4034 کتاب تحریم الدم باب من شهر سیفه، مشکوٰة ،،،، کتاب القصاص باب قتل اهل الردة)

میں نے اشارۃً بات کی ہے اگر اس گروہ کی تفصیل دیکھنا ہو تو فقیر کی کتاب ''بے ادبوں کی نشانیاں'' کا مطالعہ بہتر رہے گا۔ اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

نماز میں قرأت کی حیثیت۔

احناف کے نزدیک نماز میں مطلق قرأت فرض ہے اور سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے فرض نہیں۔ قرآن پاک میں ہے: فَاقْرَءُ وا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآن: اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو۔ (سورہ مزمل آیت:،،) قرآن نے قرأت کا فرض بیان کرتے ہوئے فاتحہ کی تعیین نہیں کی بلکہ عموم اور اطلاق سے یہ حکم دیا ہے کہ جس قدر آسان ہو اتنا ہی پڑھ لیا کرو عبادہ بن صامت ﷺ کی حدیث خبر واحد ہے اگر اس حدیث کی وجہ سے یہ کہہ دیں کہ فاتحہ بھی فرض ہے تو یہ کتاب اللہ کا خبر واحد سے منسوخ ہونا یا خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی جو جائز نہیں۔ اس لئے ہر دلیل کو اپنا مقام دینا چاہیے۔ قرآن پاک کی آیت کی وجہ سے مطلقاً قرأت کو فرض کہا جائے اور اس حدیث کی وجہ سے تعیین فاتحہ کو واجب۔ خبر واحد سے وجوب کا درجہ ثابت ہو سکتا ہے فرضیت کا نہیں۔ غرضیکہ یہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ کے وجوب کو چاہتی ہے اور وجوب کے ہم قائل ہیں۔ اس لئے ہم تنہا نماز پڑھنے والے یا امام پر واجب جانتے ہیں۔ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔

مقتدی پر سورہ فاتحہ واجب نہیں۔

نمازی کی دو حالتیں ہیں: منفرد (تنہا) اور مع الجماعت منفرد اور امام کے لئے ہر حال میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی اور اگر سورہ فاتحہ پڑھنا بھول گیا ہے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز مکمل ہو جائے گی۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا صلوٰۃ لمن لَمْ یَقْرَاءُ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

(مسلم حدیث نمبر _ 595 ،،، کتاب الصلوۃ باب وجوب قرأۃ الفاتحہ، مشکوٰۃ حدیث نمبر ۸۲۲)

لیکن مقتدی پر امام کے پیچھے جہراً یا سراً کسی حالت میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنی جائز نہیں کیونکہ یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ مقتدی پر سورہ فاتحہ کو واجب کرنے والی بخاری، مسلم، صحاح ستہ بلکہ دیگر کتب حدیث میں ایک حدیث بھی صحیح صریح مرفوع موجود نہیں ہے۔

قرأت خلف الامام کے متعلق ائمہ کے نظریات

قرأت خلف الامام کے متعلق امام شافعی کا نظریہ۔

امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں: اوّل تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت واجب ہے۔ قولِ ثانی یہ ہے کہ سری میں واجب ہے، جہری میں واجب نہیں ہے۔

ان دونوں قولوں میں سے امام شافعی کا قولِ جدید کون سا ہے اور قدیم کون سا ہے۔ کتاب الامؔ امام شافعی کی کتب جدیدہ میں سے ہے اور اسی میں یہ قول ہے کہ سری نماز میں سورہ فاتحہ واجب ہے، جہری میں واجب نہیں ہے۔ بغداد سے مصر تشریف لاکر امام شافعی نے مصر میں کتاب الام تصنیف فرمائی اور مصر میں جاکر جو کتابیں لکھی ہیں ان کو کتبِ جدیدہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا کتاب الام کتابِ جدید ہے۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں اس کی تصریح کی ہے کہ کتاب الام مصر میں لکھی گئی ہے۔ (252/10)

اس کتاب میں امام شافعی لکھتے ہیں: منفرد اور امام پر واجب ہے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے کوئی دوسری سورت کافی نہیں ہوگی اور پسندیدہ یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی۔ ایک آیت یا اس سے زیادہ اور مقتدی کا ان شاء اللہ عنقریب تذکرہ کروں گا۔

(کتاب الام 93/1)

چنانچہ مقتدی کے متعلق ص: 153 پر لکھتے ہیں: ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے ادا

کی جائے اور امام ایسی قرأت کر رہا ہو جو سنی نہ جاسکتی ہو یعنی سرّی قرأت کر رہا ہو تو ایسی صورت میں قرأت کرلے۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ صرف ان نمازوں میں مقتدی قرأت کرے جن میں امام کی قرأت سنائی نہیں دیتی۔ یعنی جہری نمازوں میں مقتدی قرأت نہ کرے۔

قرأت خلف الامام کے متعلق امام احمد بن حنبل کا نظریہ۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: جو کوئی سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں سوائے مقتدی کے کیونکہ امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔

(کتاب العمدہ باب صفۃ الصلوٰۃ ص:۵۵)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کا یہ قول نہیں سنا کہ جب امام جہری قرأت کرے تو مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوگی جب کہ وہ خود قرأت نہ کرے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ کے صحابہ وتابعین ہیں۔ یہ اہل حجاز میں امام مالک ہیں۔ یہ اہل عراق میں امام ثوری ہیں۔ یہ اہل شام میں امام اوزاعی ہیں۔ یہ اہل مصر میں امام لیث ہیں۔ ان میں سے کسی نے یہ فتویٰ نہیں دیا کہ جب امام قرأت کرے اور مقتدی قرأت نہ کرے تو مقتدی کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

قرأت (المغنی ۱،۱۰،۱)

قرأت خلف الامام کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ۔

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں: قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے کہ اشہب مالکی اور کوفیوں کا قول ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قرأت نہ کی جائے، صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے'' ان سے کہا گیا کہ بعض اوقات ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس وقت اپنے دل میں پڑھو۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو اس کے معانی میں تدبر کرو، تابعین کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قرأت نہ کی جائے، وہ کہتے تھے صرف ہونٹ ہلائے جائیں اور خود کو بھی آواز نہ آئے اور جس نے خود کو سنایا اس نے اچھا کیا امام مالک اور ان کے عام اصحاب اور بہت سے متقدمین نے یہ کہا ہے۔ مقتدی امام کے ساتھ

سرّی نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔
(اکمال اکمال المعلم 150/2)

قرأتِ خلف الامام کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں: قرآن مجید نے تمام نمازیوں کو قرأت کرنے کا حکم دیا ہے: فَاقْرَءُ وا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو پڑھو۔ (سورہ مزمل آیت:۲۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حکم ہے کہ کوئی نماز قرآن مجید پڑھے بغیر نہیں ہوتی لیکن جب حدیث میں وارد ہے "جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرأت اس شخص کی قرات ہے" تو اس آیت اور حدیث کے عموم کی تخصیص کرنا واجب ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قاعدہ ہے۔ اس لئے مقتدی اس حکم کے عموم سے خارج ہے، نیز اس پر اجماع ہے کہ رکوع میں نماز کو پانے والا نمازی رکعت کو پالیتا ہے حالانکہ اس رکعت میں اس نے قراءت نہیں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدرک رکوع بھی قرأت کے عمومی حکم سے خارج ہے۔ اس طرح جس حدیث میں ہے "اللہ اکبر کہو پھر تم کو جس قدر قرآن یاد ہے پڑھو" یہ بھی مقتدی کے غیر پر محمول ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مقتدی کے لئے بھی شرعاً قرأت ثابت ہے، کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے، اگر مقتدی نے قرأت کی تو ایک نماز میں دو قراتیں ہو جائیں گی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا رکوع کے فوت ہو جانے کے خدشہ سے قیام ساقط نہیں ہوتا؟ تو ہم کہیں گے نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اللہ اکبر کہے تو یہ جائز نہیں ہے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہے، البتہ قیام کا امتداد (انعقاد) رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ کی وجہ سے اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور قیام کا فرض ادنیٰ قیام سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے رکوع مطلقاً جھکنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر: 297/1)

مقتدی خاموشی سے قرآن سنیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔
(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴ پارہ نمبر ۹ رکوع نمبر ۱۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، مقتدی کو منع ہے، خواہ امام جہری قرأت کرے یا آہستہ۔ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہوتا تو رکوع میں مل جانے سے اس کو رکعت نہ ملتی، امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ جمہور صحابہ کا یہی مذہب ہے کہ یہ آیت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے کے باب میں ہے لیکن اس کے برعکس۔

عام اہلحدیثوں کا قرأتِ خلف الامام کے متعلق انتہائی نظریہ۔

عام اہلحدیثوں کے نزدیک اس آیت کے مخاطب کفار ہیں۔ (نعوذ باللہ)

چنانچہ صلاح الدین یوسف صاحب لکھتے ہیں: بعض ائمہ دین اسے عام مراد لیتے ہیں کہ جب بھی قرآن پڑھا جائے' چاہے نماز ہو یا غیر نماز' سب کو خاموشی سے قرآن سننے کا حکم ہے پھر وہ اس عموم سے استدلال کرتے ہوئے جہری نمازوں میں مقتدی کے سورہ فاتحہ پڑھنے کو بھی اس قرآنی حکم کے خلاف بتاتے ہیں لیکن دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کو صرف کفار کے متعلق ہی سمجھنا صحیح ہے لیکن اگر اسے عام بھی سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی کریم ﷺ نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوگا کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہے۔

(سعودیہ کی طرف سے چھپا ہوا وہابیوں کا ترجمہ قرآن ص ۴۸۰)

یہی صلاح الدین صاحب اس مترجم قرآن کے ص نمبر ۱ ایک پر لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ فجر کی نماز میں بعض صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے ساتھ قرآن کریم پڑھتے رہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ پر قرأت بوجھل ہوگئی۔ نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم بھی ساتھ پڑھتے رہے ہو۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسا مت کرو البتہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز

نہیں ہوتی۔(ابو داود، ترمذی نسائی)

حدیث میں جو آتا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرأت خاموشی سے سنیں امام کے ساتھ قرأت نہ پڑھیں یا امام سورہ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے یا امام سورہ فاتحہ کے بعد اتنا وقفہ کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں اس طرح آیت قرآنی اور احادیث صحیحہ میں کوئی تعارض نہیں رہتا دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب کہ سورہ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور حدیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے۔

جواب: عام وہابیوں اور صلاح الدین صاحب نے یہ سمجھا کہ اس آیت کے مخاطب کفار ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے۔ یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کے آخر میں ہے: لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کر لے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے، درسِ قرآن بھی دیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں ہے۔ بغیر وضو نماز درست نہیں اور بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔ (سورہ الاسراء آیت 82)

معلوم ہوا کہ رحمت صرف ایمان والوں پر ہوتی ہے کافروں پر رحمت نہیں ہوتی جب تک ایمان نہ لائیں۔ معلوم ہوا کہ اس آیت کے مخاطب صرف مسلمان ہیں جیسا کہ صحابہ کرام خصوصاً حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ نے اس آیت سے یہی سمجھا کہ اس کے مخاطب مسلمان ہیں اور امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی ہیں۔ ہم اہل حدیثوں کے بجائے حضرت عبد اللہ بن

فہمی کو ہی صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ صحابہ صف اوّل کے طالب علم تھے اور خصوصاً مسعود رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی کو ہی صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ صحابہ صف اوّل کے طالب علم تھے اور خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے فقیہ صحابی تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

حدیث: رَضِيتُ لأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ وَكَرِهْتُ لِأُمَّتِي مَا كَرِهَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ۔ میں نے اپنی امت کے لئے وہی پسند کیا ہے جو اس کے لئے ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود نے پسند کیا ہے اور میں نے اپنی امت کے لئے وہی ناپسند کیا ہے جو اس کے لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا ہے۔

(رواہ البزار والطبرانی فی الاسط۔ اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "سلسلہ الاحادیث الصحیحہ" کی حدیث نمبر ۲۲۲۵ میں درج کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔)

حدیث: اور ارشاد فرمایا: وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مسعودٍ فَصَدِّقُوهُ۔ جو حدیث تمہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرے اس کی تصدیق کرنا۔

(ترمذی حدیث 3735 مسند احمد حدیث 22189،22745) اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "سلسلہ الاحادیث الصحیحہ" کی حدیث نمبر ۱۲۳۳ میں درج کیا ہے۔)

صلاح الدین یوسف صاحب نے جو یہ بات کہی ہے کہ: "سورہ فاتحہ کی ممانعت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خاکم بدہن قرآن کریم اور حدیث صحیحہ میں ٹکراؤ ہے اور دونوں میں سے کسی ایک پر ہی عمل ہو سکتا ہے"۔ یہ بات اس لئے صحیح نہیں کہ قرآن کریم میں ٹکراؤ اس وقت ہوتا جب کوئی صحیح حدیث موجود ہوتی۔ جب کوئی صریح اور صحیح حدیث سرے سے موجود ہی نہیں تو ٹکراؤ کیسا؟

صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں: اگر اسے عام بھی سمجھا جائے تب بھی اس عموم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقتدیوں کو خارج فرما دیا اور یوں قرآن کے اس عموم کے باوجود جہری نمازوں میں مقتدیوں کا سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوگا کیونکہ قرآن کے اس عموم کی یہ تخصیص صحیح اور قوی احادیث سے ثابت ہے۔

صلاح الدین یوسف کا فریب۔

صلاح الدین یوسف کی یہ بات بھی درست نہیں کیونکہ قرآن کے کسی عمومی حکم کی تخصیص اس وقت ہوگی جب کوئی صحیح اور قوی حدیث مل جائے اور یہاں چونکہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے والی کوئی صحیح اور قوی حدیث موجود ہی نہیں، لہٰذا قرآنی حکم اپنے عموم پر ہے۔ غیر مقلدین حضرات کی یہ عادت ہے کہ فضائل میں بھی ضعیف حدیث کو تسلیم نہیں کرتے اور بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کی صحیح حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن خود احکام میں ضعیف حدیث سے استدلال کرر ہے ہیں وہ بھی قرآن کے مقابلہ میں۔ ایسی ضعیف حدیثوں سے قرآنی احکام کی تخصیص نہیں ہوتی۔ لہٰذا قوم کو دھوکہ دینے سے باز رہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ☆ ہوئے کس درجہ **فقیہان** حرم بے توفیق۔

اگر تخصیص کرنی ہے تو تمام وہابیوں کو چاہئے کہ وہ صرف ایک صحیح صریح اور قوی حدیث پیش کردیں جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہو اور اگر صحیح حدیث پیش نہ کرسکیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ صرف احناف ہی حدیث پر عمل کرنے والے ہیں اور حدیث کے سچے عاشق ہیں۔

حدیث پر عمل کرنے کے دعویدار بتائیں کہ کس صحیح حدیث میں لکھا ہے کہ امام سورہ فاتحہ کی آیات وقفوں کے ساتھ پڑھے یا امام سورہ فاتحہ کے بعد اتنا وقفہ کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پوری پڑھ لیں۔ جب سرے سے مقتدی پر سورہ فاتحہ واجب کرنے والی کوئی صحیح، صریح مرفوع حدیث موجود ہی نہیں تو خواہ مخواہ اتنے تکلف کی ضرورت کیا ہے؟

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے پر دلالت کرنے والی تمام احادیث ضعیف ہیں، ابن تیمیہ کے نزدیک امام کا طویل سکتہ کرنا بدعت ہے۔

صلاح الدین صاحب نے ص نمبر ایک پر تین حدیثیں ذکر کی ہیں، دو حدیثیں مسلم کی اور ایک ابوداوٗد کی، مسلم کی دونوں حدیثوں میں مقتدی کا لفظ نہیں ہے اس کی مزید وضاحت اپنے مقام پر کی جائے گی، تیسری حدیث جس میں مقتدی کا لفظ ہے وہ ضعیف ہے۔

اہل حدیث محدث ناصرالدین البانی صاحب نے ابوداؤد کی دو قسمیں کی ہیں۔

۱: صحیح ابوداؤد

۲: ضعیف ابوداؤد

اور یہ حدیث ضعیف ابوداؤد میں درج کی اور کہا: **هذا حديث ضعيف**، یہ حدیث ضعیف ہے، دیکھو ضعیف ابوداؤد حدیث نمبر ۱۷۶ (۸۲۳) اور اسی طرح ابوداؤد کی حدیث نمبر ۸۲۴ کو ضعیف قرار دیا اور کہا: **هذاحديث ضعيف لأن فى سندها نافع بن محمود بن ربيع**: دیکھو ضعیف ابوداؤد حدیث نمبر ۱۷۷ (۸۲۴) اور ابوداؤد کی حدیث نمبر ۸۲۵ کو ضعیف قرار دیا اور کہا: **هذاحديث ضعيف** : دیکھو ضعیف ابوداؤد حدیث نمبر ۱۷۸ (۸۲۵)

اگر اسے حسن یا صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس سے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ جب یہ حدیث منسوخ ہے تو پھر قرآن وحدیث کے ٹکراؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رہی یہ بات کہ امام سورہ فاتحہ کے بعد اتنا سکتہ کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ لیں۔ یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں جس حدیث سے سکتہ ثابت ہوتا ہے وہ تمام ضعیف ہیں۔

دیکھو! ناصرالدین البانی کی کتاب **سلسلة الاحاديث الضعيفه نمبر** 991 _ 992

امام بخاری نے اپنی کتاب ''الجزء فی القراءۃ'' میں سکتہ کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں۔ لیکن ناصرالدین البانی نے ''**سلسلة الاحاديث الضعيفه، نمبر** _ 546 547'' میں انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور کہا: **لا اصل له مرفوعاً**۔ اور اسی طرح (ابوداؤد کی حدیث نمبرز ۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰) سے سکتہ ثابت ہوتا ہے لیکن ناصرالدین البانی نے ان سب کو اپنی کتاب ''ضعیف ابوداؤد'' میں ضعیف کہا ہے۔ غیر مقلد ناصرالدین البانی صاحب نے اپنی کتاب ''**سلسلة الاحاديث الضعيفه**'' میں حدیث نمبرز ۹۹۱-۹۹۲-۵۴۶-۵۴۷ میں سکتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے والی تمام احادیث کو ضعیف قرار

دے کر کہا (لا دليل لأحد أن يقرأ الفاتحة فى سكتات الإمام)

الأول: ضعف سند الحديث۔

الثانى: اضطراب متنه۔

الثالث: إن الصواب فى السكتة الثانية فيه إنها قبل الركوع بعد الفراغ من القراءة كلها لابعد الفراغ من الفاتحة۔

الرابع: على افتراض أنها أعنى سكتة بعد الفاتحة فليس فيه أنها طويلة بمقدار ما يتمكن المقتدى من قراءة الفاتحة ولهذا صرح بعض المحققين بأن هذه السكتة الطويلة بدعة۔

ولم يستحب الإمام احمد أن يسكت الإمام لقراءة المأموم...

ترجمہ: امام کے سکتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اوّل: اس لئے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

دوسرا: اس لئے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے۔

تیسرا: اس لئے کہ صحیح بات یہ ہے کہ دوسرا سکتہ تمام قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے نہ کہ سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد۔

چوتھا: یہ کہ اگر فرض کرلیا جائے اس سکتہ سے سورہ فاتحہ کے بعد والا سکتہ مراد ہے تو وہ اتنا طویل نہیں کہ جس میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکے اس لئے بعض محققین نے تصریح کی ہے کہ اتنا طویل سکتہ بدعت ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا کہ امام مقتدی کی قرأت کے لئے خاموش رہے۔(سلسلة الاحاديث الضعيفه جلد، ص،،)

(نوٹ: یہ کتاب مسجد نبوی شریف کے مکتبہ میں موجود ہے)

امام کا سورہ فاتحہ پڑھ کر طویل سکتہ کرنا بدعت ہے۔

اور ابن تیمیہ اپنے فتاوٰی میں (فتوی نمبر ،،، وسئل عن القراءة خلف الإمام) لکھتے ہیں: مقتدی کا امام کے ساتھ پڑھنا قرآن وسنت سے منع ہے اور مقتدی کا امام کی قرأت

کے وقت خاموش رہنا قرآن کی دلیل قطعی سے ثابت ہے اور مزید لکھتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے ''کہ جو امام کے خطبہ جمعہ کے وقت کلام کرتا ہے، وہ گدھے کی طرح ہے جو بوجھ اٹھاتا ہے''۔ اسی طرح وہ ہے جو امام کی قرأت کے وقت قرأت کرتا ہے اور امام کا سورہ فاتحہ کے بعد طویل سکتہ کرنا جس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاسکے، بدعت ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (فتویٰ نمبر ... وسئل عن القرائۃ خلف الامام)
جلد .. ص ... مطبوعہ دار القفا)

(نوٹ: یہ کتاب مسجد نبوی شریف کے مکتبہ میں موجود ہے)

جب خود وہابیوں کے محدث اور امام ان حدیثوں کو ضعیف مانتے ہیں تو ثابت ہوگیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ سکتوں میں پڑھنے والی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے بلکہ ابن تیمیہ نے اس سکتہ کو بدعت قرار دیا ہے، اب جو اتنا طویل سکتہ کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکیں، وہ علمائے اہل حدیث ابن تیمیہ اور ناصر الدین البانی کے نزدیک اہل حدیث نہیں بلکہ اہل بدعت ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ اہل حدیث، حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس طویل سکتہ اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو چھوڑتے ہیں یا اپنی بدعت پر قائم رہتے ہوئے **کل بدعة ضلالة** کے زمرہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں: اور حدیث میں جو آتا ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''جہری نمازوں میں مقتدی سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرأت خاموشی سے سنیں امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں''۔

جناب عالی! ہمیں حدیث کا مطلب سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، حدیث پیش کریں قیاس سے کام نہ لیں۔ امام کی قرأۃ سورہ فاتحہ کو بھی شامل ہے ''قرأۃ'' مصدر ہے اور پڑھنے والے کو قاری کہتے ہیں خواہ یہ سورہ فاتحہ پڑھے یا کچھ اور۔ حدیث میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنے والے پر قاری کا اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے: **إذا أمَّنَ القارِئُ فأمِّنُوا**: جب قاری آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ (بخاری 6402:5923 مشکوٰۃ :825)

اس سے معلوم ہوا کہ قرأت کرنیوالا صرف امام ہے اور اس حدیث میں ''القاری'' ''قرأت

فاتحہ کرنے والے کو کہا گیا ہے اور یہ وہابیوں کے امام ناصر الدین البانی اور ابن تیمیہ کو بھی تسلیم ہے۔ وہ بھی قرأت سے سورہ فاتحہ مراد لیتے ہیں۔ اگر وہ قرأت سے سورہ فاتحہ کے علاوہ اور قرآن سمجھتے تو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے والی حدیث کو منسوخ نہ کہتے۔

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے پر دلالت کرنیوالی تمام احادیث منسوخ ہیں

حدیث: غیر مقلدین کے امام اور محقق ناصر الدین البانی اپنی کتاب (صفۃ صلاۃ النبی ﷺ) میں لکھتے ہیں: وکان قد أجاز للمؤتمین أن یقرؤوا بها وراء الإمام فی الصلاة الجهرية حيث كان (فی صلاةِ الفجرِ فَقَرَأَ رسولُ اللهصلى الله عليه وآله وسلم فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ: (لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُونَ خلفَ إمَامِكُمْ) قُلْنَا نَعَمْ يارسولَ اللهِ، قَالَ: (لا تَفْعَلُوا إلا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فإنَّهُ لا صلاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ نبی کریم ﷺ نے مقتدیوں کو اجازت دی کہ وہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ لیا کریں۔ جب کہ آپ ﷺ نماز فجر میں تھے اور آپ ﷺ نے قرآن پڑھا لیکن آپ ﷺ پر قرأت بوجھل ہو گئی۔ نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا: کہ تم بھی امام کے پیچھے پڑھتے ہو تو انہوں نے کہا: ہاں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسا مت کرو البتہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

(ابو دائود حدیث _701،،،، ترمذی نسائی 911 مشکوٰۃ حدیث،،،)

ثم نهاهم عن القراءة كلها فی الجهرية وذلك حينما (انْصَرَفَ مِنْ صلاةٍ جَهَرَ فيها بِالْقِرَاءَةِ (وفی رواية: أنها صلاة الصبح)۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں جہری نمازوں میں ہر قسم کی قراءت سے روک دیا یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب آپ ﷺ نے اس نماز سے سلام پھیرا جس میں بلند آواز سے قراءت کی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ صبح کی نماز تھی۔

حدیث: عن أبي هريرة رضی الله عنه أنَّ رسُولَ اللهِ انْصَرَفَ مِنْ صلاةٍ جَهَرَ فيها بِالْقِرَاءةِ فَقَالَ: هَلْ قَرَأَ مَعِي أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا؟! فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يارسُولَ اللهِ قَالَ إِنِّي أَقُولُ مالِي أُنَازَعُ القُرآنَ (قال أبو هريرة) فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءةِ مَعَ رسولِ اللهِ ﷺ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقِرَاءةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذَلِكَ مِنْ رسُولِ اللهِ ﷺ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُس نماز سے فارغ ہوئے جس میں اونچی قرأت کی جاتی ہے تو فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قرأت کی ہے؟ ایک شخص نے کہا: ہاں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) فرمایا: تب ہی میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا کیا جا رہا ہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قرأت سے باز رہے جن میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن لیا۔

(ابو داؤد حدیث_703 ... کتاب الصلوٰۃ باب من کرہ القراءۃ بفاتحۃ الکتاب إذا جھر الامام، ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی ترك القراءۃ خلف الامام حدیث: 287 ... نسائی کتاب الافتتاح باب ترك القراءۃ خلف الامام حدیث: 910، ابن ماجه حدیث: 839- ...، مشکوٰۃ حدیث ... کتاب الصلوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ)

وجَعَلَ الإنصاتَ لقراءةِ الإمامِ مِنْ تَمَامِ الائتِمَامِ بِهِ فقال ﷺ۔ اور امام کی قرأت سننے کے لئے مقتدی کے خاموش رہنے کو امام کی مکمل اقتداء قرار دیا۔

حدیث: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(ابن ابی شیبه (۱/۰۰) نسائی حدیث 912 کتاب الافتتاح باب تاویل قوله عزوجل إذا قرئ القرآن، ابو دائود کتاب الصلوٰۃ باب الامام یصلی من قعود حدیث _511 ...) ابن ماجه کتاب اقامة الصلوٰۃ باب إذا قرأ الامام فأنصتوا حدیث 838-837:847-846 مسلم حدیث ... کتاب الصلوٰۃ باب التشھد فی الصلوٰۃ۔ وابو عوانه والرویانی فی مسنده (۱/۱۱۰/۰۰)

كما جعل الاستماع له مغنيا عن القرائة وراء ه فقال ﷺ : جیسا کہ امام کی قرأت سننے کو اس کے پیچھے پڑھنے سے مکتفی کر دیا ارشاد فرمایا:

حدیث: مَنْ كانَ لَهُ إمامٌ فَقِرَاءَةُ الامامِ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کوئی امام ہو تو امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے۔

(رواه مصنف ابن ابي شيبه حديث ,,,, ص ,,, / ، من كره القراءة خلف الامام والدار قطني وابن ماجه 840 كتاب اقامة الصلوٰة باب إذا قرأ الامام فأنصتوا ، والطحاوي واحمد 14116)

من طرق كثيرة مسندة ومرسلة، وقواه شيخ الاسلام ابن تيميه وصحح بعض طرقه البوصيري ، نيل الاوطار للشوكاني كتاب صفة الصلاة باب ما جاء في قراءة المأموم وإنصاته إذا سمع إمامه۔

(صفة صلوٰة النبي ﷺ للالباني باب نسخ القراءة وراء الإمام في الجهرية)

امام الوہابیہ البانی صاحب کہہ رہے ہیں: اس حدیث کو "جس کا کوئی امام ہو تو امام کا پڑھنا ہی مقتدی کا پڑھنا ہے" ابن تیمیہ نے قوی قرار دیا ہے اور اس کے بعض طرق کو علامہ بوصیری نے صحیح قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کے متعلق تین مذاہب ہیں۔

ا: ہر حال میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے (عام غیر مقلد) لیکن ان کے اس دعویٰ پر کوئی صحیح اور صریح حدیث موجود نہیں ہے اور اس کی طرف امام ترمذی نے بھی اشارہ فرمایا ہے: علماء کی ایک جماعت نے سورہ فاتحہ کے بارے میں شدت سے کام لیا ہے اور کہا کہ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی وہ تنہا ہو یا امام کے پیچھے۔ انہوں نے عبادہ بن صامت والی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لیے سورہ فاتحہ ضروری ہے۔ (ترمذی حدیث نمبر 287 ,,,) باب ما جاء في ترك القرأة خلف الامام)

۲: امام شافعی کا صرف ایک قول قدیم ہے کہ سب نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت واجب

ہے، مصر جا کر ان کا موقف بھی تبدیل ہوگیا۔ دوسرے ائمہ مجتہدین میں سے کوئی بھی امام کے پیچھے وجوب قرأت کا قائل نہیں ہوا۔ اس لئے تمام نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کو واجب سمجھنا یہ جمہور اہل اسلام کے نظریہ کے خلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل نے اس کی پرزور تردید فرمائی ہے۔ امام مالک اور امام احمد بن حنبل جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل نہیں ہیں نہ وجوباً نہ استحباباً البتہ جب امام کی قرأت مقتدی کو سنائی نہ دے رہی ہو تو مقتدی کو قرأت کر لینا ان کے ہاں مستحب ہے لیکن یہ دونوں امام کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قرأت کو واجب نہیں سمجھتے جیسا کہ مبارکپوری نے "تحفۃ الاحوذی" میں اعتراف کیا ہے۔

۳: کسی حال میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ (احناف) احناف کا مذہب یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کسی حال میں قرأت نہ کریں نہ جہراً نہ سراً اور یہی مذہب زیادہ قوی اور قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

دلائل: مقتدی خاموشی سے قرآن سنیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴، پارہ نمبر ۹، رکوع نمبر ۱۰)

امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ کا نظریہ۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: وقد استفاض عن السلف أنها نزلت في القراءة في الصلاة، وقال بعضهم في الخطبة، وذكر احمد بن حنبل الاجماع على أنها نزلت في ذلك وذكر الاجماع على انه لا تجب القراءة على المأموم حال الجهر۔ اور سلف سے استفاضہ وشہرت سے منقول ہے کہ یہ آیت قرأت فی الصلوٰۃ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعض کا قول ہے کہ خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی پر قرأت واجب نہیں، پھر کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ: لفظ عام، فإما أن يختص القراءة في الصلاة، أو في القراءة في غير الصلاة، أو يعمهما، والثاني باطل قطعا، لأنه لم يقل أحد من المسلمين أنه يجب الاستماع خارج الصلاة، ولا يجب في الصلاة... فالآية دالة على أمر المأموم بالإنصات لقراءة الإمام۔ ابن تیمیہ نے کہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

اس آیت میں قرآن کا ایک ادب بتایا گیا ہے۔ یہ ادب کس حالت میں ہے اس میں کل تین عقلی احتمال ہیں: یا تو نماز کی حالت میں ہے یا صرف خارج الصلوٰۃ ہے یا عام ہے۔ دوسرا احتمال تو قطعی باطل ہے کوئی مسلمان اس بات کا قائل نہیں کہ نماز کے باہر قرآن کا ادب (استماع) واجب ہے اور نماز کے اندر استماع واجب نہیں اس لئے پہلا اور تیسرا احتمال متعین ہو گیا۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ فتویٰ نمبر 555 وسئل عن القرائۃ خلف الامام)

حافظ ابن کثیر کا نظریہ۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے تحت صحابہ کرام میں سے حضرت ابن مسعود، ابو ہریرہ، ابن عباس اور عبد اللہ بن مغفل ؓ اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح، عبد الرحمن بن زید بن اسلم، ابراہیم نخعی، شعبی، حسن بصری، ابن شہاب زہری، ابو قتادہ اور عبید بن عمیر ؓ کے ارشادات نقل کئے ہیں کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، تفسیر طبری، تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی، سورۃ الاعراف آیت نمبر 204)

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے دورانِ نماز بات کرنا بند ہو گیا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ: كَانُوْا يَتَكَلَّمُوْنَ فِي الصَّلَاةِ فَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ:" أُمِرُوْا بِالْإِنْصَاتِ۔ لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔"

لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

(تفسیر ابن کثیر جلد 2 / 292، تفسیر الدر المنثور 285 / 3، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم ابن مردویہ، و البیہقی فی سننہ)

غیر مقلدین حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ نماز میں صرف باتیں بند کرانے کے لئے آئی ہے۔ ہم کہتے ہیں اس نے نماز میں باتیں بھی بند کرادیں اور امام کے پیچھے قراءت بھی بند کرادی۔ اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت ہوگئی۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: صَلَّی النَّبِیُّ ﷺ فَقَرَأَ خَلْفَهُ قَوْمٌ فَنَزَلَتْ۔ " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ:" نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی آپ ﷺ کے پیچھے ایک قوم نے قرأت کی پس یہ آیت نازل ہوئی" اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔"

(فتح القدیر از امام الوھابیہ محمد بن علی الشوکانی، سورۃ الاعراف آیہ نمبر 204، تفسیر الدر المنثور 285 / 3)

صحابہ کرام نے اس آیت کو نماز کے متعلق ہی سمجھا۔

حدیث: حضرت بشیر بن جابر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: صَلَّی ابْنُ مسعودٍ رضی اللہ عنہ فَسَمِعَ نَاسًا یَقْرَءُوْنَ مَعَ الإمامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قالَ: أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَفْهَمُوْا أَمَا آنَ لَكُمْ أَنْ تَعْقِلُوْا " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ:" كَمَا أَمَرَكُمُ اللهُ۔ حضرت ابن مسعود ﷺ نے نماز پڑھی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو امام کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم اس آیت کا مفہوم سمجھو " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ:" اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

(سورۃ الاعراف آیت 204۔ تفسیر ابن کثیر جلد 2 ص 293 مطبوعہ دار المعرفہ بیروت۔ لبنان تفسیر الطبری، تفسیر روح المعانی)

معلوم ہوا کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تمہیں استماع اور انصات کا حکم کیا جاتا ہے۔

صحابی رسول کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ آیت قرأتِ خلف الامام کی ممانعت کے لئے نازل ہوئی ہے اور صحابی کی تفسیر معتبر ہے اور خصوصاً جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَا حَدَّثَكُمْ ابْنُ مسعودٍ فَصَدِّقُوْهُ۔ جو حدیث تمہیں ابن مسعود بیان کریں اس کی تصدیق کرنا۔

(ترمذی حدیث 3735 مسند احمد حدیث 22189، ۲۲۱۰۵) اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "سلسلہ الاحادیث الصحیحہ" کی حدیث نمبر ۱۲۳۳ میں درج کیا ہے۔)

استماع اور انصات کا معنی۔

استماع کا معنی ہے: سننے کے لئے کان متوجہ کر دینا خواہ آواز کان میں آئے یا نہ آئے اور انصات کا معنی ہے: ترك التكلم یعنی نہ سراً کلام کرنا نہ جہراً سری کلام بھی انصات (خاموشی) کے منافی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔ تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم پڑھ چکیں تو اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ (سورہ القیامۃ آیت ۱۶۔۱۸)

مقتدی کو امام کے پیچھے کسی حالت میں قرأت جائز نہیں خواہ امام آواز سے پڑھے یا آہستہ کلام بھی خاموشی کے منافی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ: تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو:" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيْلِ شِدَّةً وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى { لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔ قَالَ: فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ۔ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِكَ إِذَا أَتَاهُ جِبْرِيْلُ اسْتَمَعَ، فَإِذَا انْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم كما

قرأہ۔ رسول اللہ ﷺ قرآن کے نزول کے وقت بہت مشقت اٹھاتے تھے اور اپنے ہونٹ ہلاتے تھے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ "تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اس کو محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے: "فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ": "توجب ہم پڑھ چکیں تو اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو" کی تفسیر میں فرمایا: فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ یعنی اسے غور سے سنو اور خاموش رہو۔ اس کے بعد جب جبریل علیہ السلام آتے تو رسول اللہ ﷺ غور سے قرآن سنتے اور جبریل علیہ السلام چلے جاتے۔ آپ ﷺ ان کی قرأت کے مطابق قرآن مجید پڑھتے۔

(بخاری حدیث، کتاب بدء الوحی، مسلم حدیث_679،،،
کتاب الصلوۃ باب الاستماع للقرآن)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا سراً پڑھنا بھی انصات کے منافی تھا فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں سراً بھی پڑھنے کی اجازت نہیں۔ یعنی قرآن کی تلاوت کے دوران دل میں پڑھنا تو درکنار تمہارے ہونٹ بھی حرکت نہ کریں۔ قرآن پاک نے استماع اور انصات کے امر کو قرأت کے ساتھ معلق کیا ہے، جہر بالقراءۃ سے معلق نہیں کیا۔ یوں نہیں فرمایا إذا جهر بالقرآءة فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا۔ جب بلند آواز سے قرأت کی جائے، کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔ یوں بھی نہیں فرمایا: إذا سَمِعْتُمُ القرآنَ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا۔ جب تم قرآن سنو تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو بلکہ یوں ارشاد فرمایا" وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا" اور ظاہر ہے اور مقتدی کو یقیناً معلوم ہی ہے کہ امام قرأت کرتا ہے، سری نماز میں بھی اس کو امام کی قرأت کا علم ہے۔ آیت کا حاصل یہ نکلا کہ امام کی قرأت کی صورت جہری ہو یا سری تمہیں استماع (سننا) والنصات (خاموشی) اختیار کرنا لازم ہے۔ اس کی خلاف ورزی ہمارے امر کی خلاف ورزی ہے۔ اسی لئے احناف نے مقتدی کی قرأت کو مکروہ قرار دیا ہے۔

اس آیت میں دو قسم کے حکم ہیں:

1: غور سے سنو

۲: خاموش رہو

اِن دونوں پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی امام کے ساتھ سورۃ نہ پڑھے۔ چاہے امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو یا آہستہ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو مقتدی جہری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس نے مندرجہ بالا دونوں حکموں کی خلاف ورزی کی کہ نہ تو امام کی قرأت کو غور سے سنا اور نہ ہی خاموش رہا اور جو مقتدی سرّی نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا، اس نے دوسرے حکم کی مخالفت کی کہ خاموش نہیں رہا۔

مفسر قرآن امام ابوبکر جصاص کا فیصلہ۔

مشہور مفسر امام ابوبکر جصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: دلت الاية على النهي عن القراء ة خلف الإمام فيما يجهر به فهي دالة على النهي فيما يخفي لانه أوجب الإستماع والإنصات عند قراء ة القرآن ولم يشترط فيه حال الجهر من الإخفاء فإذا جهر فعلينا الإستماع والإنصات وإذا خفي فعلينا الإنصات بحكم اللفظ لعلمنا بأنه قارئٌ للقرآن۔ درج بالا آیت کی رو سے جس طرح جہری نمازوں میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے اسی طرح سرّی نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے چونکہ تلاوتِ قرآن کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس میں جہری نماز کی کوئی تخصیص نہیں ہے الغرض جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو ہم پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اور جب وہ آہستہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا ضروری ہے چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ امام پڑھ رہا ہے۔

(احکام القرآن جلد ۳ ص ۱۰)

علامہ سید محمود آلوسی صاحبِ تفسیر روح المعانی کا فیصلہ۔

إنَّ القراء ة ثابتة من المقتدى شرعا فإنَّ قراء ة الإمام له فلو قرأ له قراء تان في صلاة واحدة وهو غير مشروع۔ فقال آخرون إنما يقرء في السرية لأنه لايقال له مُستمع واعترض بأنه لايقال له ذلك لكن لانسلم انه لايقال له منصت مع علمه بالقراء ة بأنا لانسلم دلالة السنة على وجوب

القراءة خلف الإمام۔ بے شک مقتدی کے لئے شرعاً قرأت ثابت ہے کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرات ہے۔ اگر مقتدی بھی پڑھنا شروع کر دے تو پھر ایک ہی نماز میں دو قرائتیں جمع ہو جائیں گی جو ناجائز ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا کہ جہری نمازوں میں قرأت نہیں کی جائے گی لیکن سری نمازوں (ظہر اور عصر) میں قرأت کی جائے گی کیونکہ مقتدی قرأت نہیں سن رہا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مقتدی کو **مستمع** (قرأت سننے والا) نہیں کہا جاتا لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس کو **منصت** (خاموش رہنے والا) بھی نہیں کہا جاتا باوجود اس علم کے کہ امام قراءت کر رہا ہے یعنی وہ مستمع نہیں تو **مُنصِت** ضرور ہے اور ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا قرآن وسنت کے دلائل سے واجب ہے۔

(تفسیر روحانی المعانی جلد ۱۰۰ر۹)

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صرف استماع کا حکم نہیں دیا بلکہ دو حکم دیئے ہیں: استماع اور انصات۔ (سننا اور خاموش رہنا) جب امام بلند آواز سے تلاوت کرے گا تو مقتدی دونوں حکموں پر عمل کرے گا استماع اور انصات اور جب امام آہستہ قرأت کرے گا تو مقتدی انصات (خاموش رہنے پر عمل کرے گا اور اگر آہستہ قرأت میں مقتدی بھی قرأت شروع کر دے تو پھر وہ منصت (خاموش) نہیں رہے گا اور اس کا **اَنْصِتُوْا** پر عمل نہیں رہے گا اور **اَنْصِتُوْا** کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے لب بھی حرکت نہ کریں۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی تو میں پوچھتا ہوں جو آدمی رکوع میں امام کے ساتھ مل جائے اس نے وہ رکعت پالی یا نہیں؟ اگر کہو کہ اس نے وہ رکعت پالی تو پھر سورہ فاتحہ فرض نہ رہی کیونکہ فرض کے بغیر نماز باطل ہے جیسے قیام رکوع سجود وغیرہ اور آپ نے امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی سمجھی۔ ہمارا بھی یہی نظریہ ہے یعنی ہمارے ساتھ آپ متفق ہو گئے۔ اگر رکوع میں ملنے والے کی وہ رکعت ہو گئی جس میں اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو اسی طرح ابتداء سے امام کے پیچھے کھڑے ہونے والوں کی نماز ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہوئے سورہ

فاتحہ نہیں پڑھی۔ اگر کہو کہ اس کی یہ رکعت نہیں ہوئی اور امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کو رکعت دوبارہ پڑھنی ہوگی تو پھر آپ نے حدیث کا انکار کر دیا اور منکر حدیث اہل حدیث کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور میں آپ کو یہ بتلاتا ہوں کہ یہ صرف نام کے اہل حدیث ہیں حدیثوں پر ان کا ایمان نہیں۔ حدیثوں پر عمل کرنے والے سنی حنفی ہیں۔ سنی اعتدال پسند ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر دل و جان سے قربان ہیں۔ غیر مقلدین انتہا پسند، شدت پسند اور شر پسند ہیں جن کی انتہاء پسندی اس حد تک پہنچ گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالی شان کا بھی انکار کر دیا اور قرأتِ خلف الامام کے ایک فروعی مسئلہ کو حق و باطل کی جنگ قرار دے کر جگہ جگہ بحث مباحثہ جنگ و جدال اور مناظرہ و مقابلہ کا بازار گرم کر دیا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں غیر مقلد نے اپنی کتاب ''دلیل الطالب'' میں حدیث کا انکار کرتے ہوئے صاف لکھ دیا'' کہ امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والا وہ رکعت دوبارہ پڑھے اس کی وہ رکعت نہیں ہوئی۔ یہ حدیث کا مقابلہ اور شدت پسندی نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح محمد اقبال کیلانی غیر مقلد اپنی کتاب ''نماز کے مسائل'' کے ص:78 مسئلہ:191 پر لکھتے ہیں: رکوع میں شامل ہونے والے نمازی کو اپنی رکعت دوبارہ ادا کرنی چاہئے اور یہ کتاب سعودی عرب کے ہر مکتبہ سے مل رہی ہے اور اس کے کئی زبانوں میں ترجے ہو چکے ہیں۔ آپ غور کریں کہ کس دیدہ دلیری سے حدیث کا انکار کیا جا رہا ہے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا جھوٹ اور فراڈ ہے۔ یہ اہل حدیث نہیں بلکہ یہ وہابی منکر حدیث بھی ہیں۔

اس پر کیا دلیل ہے کہ رکوع میں ملنے کی وہ رکعت ہو جاتی ہے تو سنئے اور فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان سے قربان ہو جایئے اور حدیث بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح جسے غیر مقلدین کے چوٹی کے محدث ناصر الدین البانی نے صحیح تسلیم کیا ہے۔

امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی وہ رکعت مکمل ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلَاۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا، وَمَنْ أَدْرَكَ

الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ وفی لفظ له، مَنْ أَدْرَكَ الرکوعَ أَدْرَكَ الرکعةَ۔

جب تم نماز کے لئے آؤ اور ہم سجدہ میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور کچھ شمار نہ کرو اور جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔

(الارواء الغلیل از ناصر الدین البانی جلد ، رقم الحدیث ...) اس حدیث کو غیر مقلد محدث ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابو داود حدیث 759 - ... کتاب الصلوٰۃ باب فی الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع، مشکوٰۃ حدیث ... کتاب الصلوٰۃ باب ما علی الماموم، سنن الکبری للبیہقی ... جلد ، ص ... باب ادراک الامام فی الرکوع)

معلوم ہوا کہ امام کی فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہے اور مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ورنہ فرض رہ جانے پر رکعت نہ ملتی۔

سوال: اگر رکوع میں ملنے والا تکبیر تحریمہ نہ کہے ویسے ہی رکوع میں چلا جائے کیا اس کی وہ رکعت ہو جائے گی؟

جواب: اس کی وہ رکعت نہیں ہوگی کیونکہ تکبیر تحریمہ (پہلی تکبیر) فرض ہے اور فرض کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

سوال: اگر رکوع میں ملنے والا تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد قیام نہ کرے، ویسے ہی رکوع میں چلا جائے کیا اس کی وہ رکعت ہو جائے گی؟

جواب: اس کی وہ رکعت نہیں ہوگی کیونکہ تکبیر تحریمہ کے بعد کم از کم ایک تسبیح کی مقدار قیام فرض ہے اور فرض کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

اگر تکبیر تحریمہ اور قیام کی طرح مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض ہوتی تو سورہ فاتحہ پڑھے بغیر مقتدی کی وہ رکعت نہ ہوتی اور جب حدیث پاک سے ثابت ہے کہ اس کی وہ رکعت ہو جاتی ہے تو ثابت ہو گیا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ اگر آپ حدیث پر عمل کے مدعی ہیں تو خواہ مخواہ کی ضد چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہوئے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ترک کر دیں یا پھر اپنے آپ کو اہل حدیث کہلوانا بند کر دیں۔

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

حالتِ رکوع میں شمولیت۔

جو شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اس کی وہ رکعت مکمل شمار ہوتی ہے حالانکہ اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ یہ بڑی واضح اور صریح دلیل ہے کہ قرأت فاتحہ مقتدی پر فرض نہیں ہے۔

حدیث: عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ فَقَالَ: زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ۔ حضرت ابوبکرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ تک پہنچے حالانکہ آپ ﷺ اس وقت رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا یہ واقعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا گیا: آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

(بخاری حدیث ،،، کتاب الاذان باب اذا رکع دون الصف ،مشکوٰۃ حدیث ،،،، کتاب الصلوٰۃ باب ما علی الماموم)

حضرت ابوبکرہ ﷺ نے صف میں پہنچنے سے پہلے رکوع میں اسی خیال سے گئے تھے کہ رکوع میں ملنے سے بغیر فاتحہ کے رکعت ہو جائے گی۔ ورنہ جلدی کی کیا ضرورت تھی رسول اللہ ﷺ نے ان کے ذہن کی تردید نہیں فرمائی۔ اگر ان کی وہ رکعت نہ ہوتی تو رسول اللہ ﷺ فرما دیتے کہ ابوبکرہ تمہاری ایک رکعت رہ گئی ہے، اسے دوبارہ ادا کرو لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے۔

آپ ﷺ نے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ: اللہ تمہاری حرص بڑھائے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کا یہ ارشاد (وَلَا تَعُدْ) اس ارشاد کے مشابہ ہے جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ''، حدیث کا مطلب یہ ہے: وَلا لیس علیك أن ترکع حتی تصل إلی موقفك لما فی ذلك من

عليك أن تسعى إذا سمعت الإقامة کہ صف میں ملنے سے پہلے
التعب كما ليس
رکوع نہ کرو کیونکہ اس میں مشقت ہے۔اسی طرح اقامت سن کر رکعات حاصل کرنے کے لئے
نہ دوڑو۔(سنن الکبری للبیهقی ،،،، جلد، ص ،،)

باب من ركع دون الصف وفى ذلك دليل على إدراك الركعة ولولا ذلك
لما تكلفوه: یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کی وہ رکعت ہو جاتی ہے، اگر وہ رکعت نہ ہوتی تو
اس تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: طبرانی نے امام
حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کس نے ایسا کیا تو حضرت
ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری یہ رکعت فوت نہ
ہو جائے۔(فتح الباری باب إذا ركع دون الصف)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح فرمان کے بعد کسی کو یہ جراءت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ رکوع
میں ملنے والے کو رکعت لوٹانے کا کہے۔جو ایسا کہتا ہے گویا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں
ایک نیا دین اور ایک نئی شریعت پیش کر رہا ہے جس کا دین محمدی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

کاتب وحی حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حدیث: إن زيد بن ثابت وابن عمر رضي الله عنهما كانا يفتيان:
الرَّجُلُ إِذَا انْتَهَى إِلَى القومِ وَهُمْ ركوعٌ أن يُكَبِّرَ تكبيرةً وَقَدْ أَدْرَكَ الركعةَ
قالا: وإنْ وَجَدَهُمْ سُجودًا سَجَدَ معهم وَلَمْ يُعْتَدَّ بِذَلِكَ۔ حضرت زید بن ثابت اور
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو شخص جماعت کو رکوع کی حالت میں پائے وہ
تکبیر کہہ کر رکوع کرلے۔اس نے رکعت کو پالیا، البتہ اگر وہ سجدہ کی حالت میں شریک ہو تو وہ
ان کے ساتھ سجدہ کرے لیکن اس کی یہ رکعت شمار نہ ہوگی۔(مصنف عبد الرزاق ،،،/،)

جمہور علماء اُمت کا مسلک۔

ابن تیمیہ نے فتاویٰ، میں نواب صدیق حسن خاں نے "بدور الاهله" شمس الحق عظیم

آبادی نے ''عون المعبود'' میں اور شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ جمہور علماءِ اُمت کا مسلک یہی ہے کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوگی۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: والمسبوق إذا لم يتسع وقت قيامه لقراءة الفاتحة فإنه يركع مع إمامه ولايقرء الفاتحة باتفاق الائمة وإن كان فيه خلاف فهو شاذ۔ جماعت میں تاخیر سے شامل ہونے والے شخص کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ملے تو وہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجائے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ اس سلسلہ میں اختلاف کی حیثیت شذوذ کے مترادف ہے۔ (مختصر فتاویٰ ابن تیمیہ ص [illegible])

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ رکوع میں ملنے والے کی پوری رکعت شمار ہوگی مگر بعض علماء اس کے مخالف ہیں۔ (بدور الاهلة)

الغرض موصوف کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موصوف اپنی مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے جمہور علماء کا راستہ چھوڑ گئے۔

مشہور غیر مقلد عالم شمس الحق عظیم آبادی نے لکھا ہے۔ کہ قاضی شوکانی نے شرح ''نیل الاوطار'' میں یہی لکھا ہے کہ رکوع میں شامل ہونے سے وہ رکعت شمار نہیں ہوتی لیکن بالآخر ''فتح الربانی فتاویٰ الشوکانی'' میں اس قول سے رجوع کرلیا اور جمہور کے مسلک کو راجح قرار دیا چونکہ اس کے دلائل موجود ہیں، ملاحظہ ہو۔ (عون المعبود: الرجل يدرك الامام ساجدا)

الغرض بخاری شریف کی روایت، حضرات صحابہ کرام کے فتاویٰ جات اور جمہور علماء امت کے مسلک سے معلوم ہوگیا کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت شمار ہوتی ہے اور قاضی شوکانی نے غیر مقلد ہونے کے باوجود بالآخر اسی مؤقف کو راجح قرار دیا چونکہ یہ مؤقف دلائل کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ الحاصل جب غیر مقلدین کے صفِ اوّل کے ائمہ نے یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے تو غیر مقلدین مقتدیوں کو بھی ضد چھوڑ کر دلوں میں وسعت پیدا کرکے اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے جمہور کا مسلک اختیار کرنا چاہئے اور حدیث پر عمل کرکے اہل حدیث ہونے کے دعویٰ پر دلیل قائم کرنی چاہئے کیونکہ دعویٰ بلا دلیل مردود ہے۔ خير الكلام ما قلّ ودلّ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَنْ لَمْ يُدْرِكِ الإمامَ راكعًا لَمْ يُدْرِكْ تِلْكَ الرَّكْعَةَ۔ جو شخص امام کو رکوع میں نہ پاسکے وہ اس رکعت کو نہ پاسکا۔ یعنی جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے وہ رکعت پالی۔

(بیہقی ۹۰/۲، مصنف عبد الرزاق ۲۷۹/۲)، ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو "ارواء الغلیل" میں صحیح کہا ہے۔ (جلد ۲۶۲/۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہ کرام کے عمل اور فتویٰ سے ثابت ہوگیا کہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت مکمل ہے۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا لازم نہیں۔ احناف کا اسی پر عمل ہے جبکہ کسی ایک حدیث میں بھی صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی اس رکعت کا اعتبار نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل۔

حدیث: عن زيد بن وهب قال: خَرَجْتُ مع عبدِ الله بن مسعودٍ رضي الله عنه مِنْ داره إلى المسجدِ فَلَمَّا تَوَسَّطْنا المسجدَ ركع الإمامُ فَكَبَّرَ عبدُ الله ثُمَّ ركَعَ وَرَكَعْتُ مَعَهُ حَتَّى رَفَعَ القَوْمُ رُؤُوسَهُمْ قَالَ: فَلَمَّا قَضَى الإمامُ الصلاةَ قُمْتُ وَأنَا أرَى أنِّي لَمْ أدرِكْ فَأخَذَ بِيَدِي عبدُ الله فَأجْلَسَنِي وَقَالَ: إنَّكَ قَدْ أدْرَكْتَ۔ حضرت زید بن وہب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے گھر سے مسجد کی طرف نکلے۔ جب ہم مسجد کے درمیان میں پہنچے تو امام نے رکوع کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی اور رکوع کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ رکوع کیا پھر ہم چلے یہاں تک کہ صف میں جا ملے حتیٰ کہ قوم نے رکوع سے اپنے سر اٹھائے۔ جب امام نے نماز مکمل کی تو اٹھا اور میں نے خیال کیا کہ میں نے وہ رکعت نہیں پائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا دیا اور فرمایا: تو نے وہ رکعت پالی۔

("ارواء الغلیل" از ناصر الدین البانی وسندہ صحیح (جلد ۲۶۳/۲ رقم الحدیث ۴۹۹)

اگر سورہ فاتحہ امام کے پیچھے فرض تھی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وہ رکعت کیسے ہوگئی؟ معلوم ہوا کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی آخری نماز جس میں آپ نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ جَاءَ بلالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلاةِ فَقَالَ: مُرُوا أَبَابكر يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَخَرَجَ أَبُوبكر فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَوَجَدَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِي نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلاهُ تَخُطَّانِ فِي الأَرْضِ فَلَمَّا رَآهُ النَّاسُ سَبَّحُوا بِأَبِي بكر فَذَهَبَ لِيَسْتَأْخِرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيْ مَكَانَكَ فَجَاءَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَجَلَسَ عَنْ يَمِينِهِ وَقَامَ أبو بكر فَكَانَ أَبُوبكر يَأْتَمُّ بِالنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَالنَّاسُ يَأْتَمُّونَ بِأَبِي بكر رضی اللہ عنہ قَالَ ابْنُ عباس رضی اللہ عنهما وَأَخَذَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْقِرَاءَةِ مِنْ حَيْثُ كَانَ بَلَغَ أَبُو بكر قَالَ: فَمَاتَ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فِي مَرَضِهِ ذٰلِكَ۔

رسول اللہ ﷺ جب اس مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ کا وصال پاک ہوا، حضرت بلال ؓ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور نماز کے متعلق خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں چنانچہ حضرت ابوبکر ؓ نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی چنانچہ آپ ﷺ دو آدمیوں کے سہارے نماز کے لئے نکلے اور آپ ﷺ کے قدم مبارک زمین پر نشان بنا رہے تھے۔ جب لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو انہوں نے حضرت ابوبکر ؓ کو خبردار کرنے کے لئے سبحان اللہ کہا۔ حضرت ابوبکر ؓ پیچھے ہٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور حضرت ابوبکر ؓ کے دائیں طرف بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر ؓ اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ اب حضرت ابوبکر ؓ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کر رہے تھے اور صحابہ حضرت ابوبکر ؓ کی اقتداء کر رہے تھے۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر ؓ نے جہاں سے قرأت چھوڑی تھی حضور ﷺ نے اس سے آگے قرأت شروع کردی۔ فرمایا: اسی مرض میں رسول اللہ ﷺ

کا وصال ہو گیا۔
(ابن ماجہ حدیث :1222 کتاب إقامة الصلوٰة -6 باب ما جاء فی صلوٰة رسول الله ﷺ فی مرضه 142. (اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے حسن کہا ھے) (مسند احمد بن حنبل حدیث3159 / 3184)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری نماز سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود سورہ فاتحہ نہیں پڑھی بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پڑھی ہوئی فاتحہ کو اپنے لئے کافی سمجھا اور اس سے آگے کی قرأت شروع کر دی جس سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ جماعت کی نماز میں امام کی فاتحہ سب کے لئے کافی ہے۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ سب کے لئے ضروری ہے، چاہے امام ہو یا مقتدی اور جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ میں اُن سے سوال کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ رکعت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتحہ نہیں پڑھی ہوئی یا نہیں؟ اگر کوئی کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہیں ہوئی (نعوذ باللہ) تو ایمان جاتا رہا اگر کہے کہ ہو گئی تو میں پوچھتا ہوں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہو گئی تو امتی کی نماز کیوں نہیں ہوتی؟

اَحناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری عمل کو اپناتے ہیں کیونکہ وہ غیر منسوخ ہوتا ہے۔

حدیث: عن انس رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الأَيْمَنُ فَصَلَّى صَلاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ قَالَ أَبُو عبدُ اللهِ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهُ وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالآخِرِ فَالآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس سے گر پڑے اور دائیں پہلو میں رگڑ آ گئی، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نماز بیٹھ کر پڑھی، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو

فرمایا: امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ کھڑے ہو کر پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی تمام بیٹھ کر پڑھو۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنے استاد حمیدی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد "جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" پہلے مرض کے دوران کی بات ہے پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا کی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بیٹھنے کا حکم نہیں فرمایا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل پر عمل کیا جاتا ہے۔

(بخاری حدیث_648،،، کتاب الاذان مسلم_625،،، کتاب الصلوٰۃ مشکوٰۃ حدیث،،،، کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ احناف کا مذہب حدیث کے مطابق ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل پر عمل کرتے ہیں کیونکہ پہلے فعل میں نسخ کا احتمال ہوتا ہے جب کہ آخری فعل منسوخ نہیں بلکہ ناسخ ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پہلے رفع یدین کیا لیکن آخری عمل یہ تھا کہ آپ نے رفع یدین ترک کر دیا اور صحابہ کو رفع یدین سے منع فرما دیا، احناف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو لے لیا۔

اسی طرح صحابہ کرام شروع میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے رہے لیکن جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی تو قرأتِ خلف الامام سے روک دیا گیا۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔ (سورۃ الاعراف آیت نمبر،،، پارہ نمبر، رکوع نمبر،،)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری عمل سے بتا دیا کہ امام کی قرأت مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔ الحمدللہ! مسئلہ بالکل واضح ہو گیا۔ اب جس کا جی چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کی اقتداء کر کے سنت پر عمل کرے اور اہل سنت بنے یا آپ کی پیاری سنت کو چھوڑ کر اہل بدعت اور وہابی بنے۔

مقتدی جیسے سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہہ سکتا، اسی طرح سورہ فاتحہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا قَالَ الإِمَامُ فَقُولُوا فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ جب امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَه کہے تو تم کہو اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ: جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہو گیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بخاری حدیث :754-،،، کتاب الاذان مسلم حدیث _617،،، مشکوۃ حدیث ،،، کتاب الصلوۃ باب القراءۃ فی الصلوۃ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَه کہنا امام کا کام ہے اور اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد کہنا مقتدی کا کام ہے یا امام تسمیع اور تحمید دونوں ہی کہہ سکتا ہے لیکن مقتدی کا تسمیع پڑھنا خلاف سنت ہوگا۔ اسی طرح سورہ فاتحہ تو صرف امام پڑھے گا لیکن آمین امام اور مقتدی دونوں کہیں گے۔ اگر مقتدی بھی فاتحہ پڑھنا شروع کر دے تو یہ خلاف سنت ہوگا اور خلافِ سنت کام کو بدعت کہتے ہیں۔ اس کی تائید درج ذیل حدیث سے ہو رہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ امام سورہ فاتحہ پڑھے گا اور تم آمین کہو گے۔

سورہ فاتحہ پڑھنا صرف امام کے ذِمہ ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِذَا قَالَ الإِمَامُ "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" فَقُولُوا آمِيْنَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ جب امام "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ:" کہے تو تم آمین کہو۔ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہو گیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(بخاری حدیث :740- ،،، کتاب الاذان مسلم حدیث _618،،،
مشکوۃ حدیث ،،، کتاب الصلوۃ باب القراءۃ فی الصلوۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی الحمد نہ پڑھے، اس لئے فرمایا گیا جب امام: غَيْرِ الْمَغْضُوب پڑھے اگر مقتدی نے فاتحہ پڑھنا ہوتی تو فرماتے جب تم غَيْرِ الْمَغْضُوب. . . پڑھا کرو تو اس پر آمین کہا کرو، حدیث نے صاف بتادیا کہ سورہ فاتحہ پڑھنا امام کا کام ہے

مقتدی کا نہیں۔ جیسے سمع اللہ لمن حمدہ کہنا امام کا کام ہے اور ربنا لک الحمد کہنا مقتدی کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا اور مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔

حدیث: عن ابی موسی الأشعری رضی الله عنه قال: إنَّ رسولَ الله
خَطَبَنَا فَبَيَّنَ لَنَا سُنَّتَنَا وَعَلَّمَنَا صَلاتَنَا فَقَالَ: إِذَا صَلَّيْتُمْ فَأَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ
ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ أَحَدُكُمْ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا وإذَا قَالَ {غَيْرِ
الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ} فَقُوْلُوْا: آمِيْنَ يُجِبْكُمُ اللهُ فَإِذَا كَبَّرَ وَرَكَعَ
فَكَبِّرُوْا وَارْكَعُوْا فَإِنَّ الإمامَ يَرْكَعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رسُولُ الله
صلى الله عليه وسلم فَتِلْكَ بِتِلْكَ ، وإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوْا:
اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ يَسْمَعُ اللهُ لَكُمْ، فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ قَالَ عَلىٰ
لِسَانِ نَبِيِّهِ صلى الله عليه وآله وسلم سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وإِذَا كَبَّرَ وَسَجَدَ
فَكَبِّرُوْا وَاسْجُدُوْا، فَإِنَّ الإمامَ يَسْجُدُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ فَقَالَ رسُولُ الله
صلى الله عليه وسلم فَتِلْكَ بِتِلْكَ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور ہم کو نماز کا مکمل طریقہ بتلادیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نماز پڑھنے لگو تو سب سے پہلے اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے کوئی شخص امامت کرائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو جب وہ: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری اس دعا کو قبول فرمائے گا پھر جب امام تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، امام تم سے پہلے رکوع کرے گا اور تم سے پہلے رکوع سے سر اٹھائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح تمہارا عمل اس کے مقابل ہو جائے گا اور جب امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْد کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا قول سنتا ہے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ جاری کر دیا، پھر جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو، امام تم سے پہلے سجدہ کرے گا اور تم سے پہلے سجدہ سے سر اٹھائے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس طرح تمہارا عمل اس کے

مقابل ہو جائے گا۔
(مسلم حدیث_612،،، کتاب الصلوۃ باب التشهد فی الصلوۃ. ابن ماجه حدیث :846
مشکوۃ حدیث ،،، _،، کتاب الصلوۃ باب القراءۃ فی الصلوۃ)

اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح قرار دیا۔ اسی مسلم شریف میں ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو بکر نے امام مسلم سے بحث کی، امام مسلم نے فرمایا: تُرِيْدُ اَحفَظَ مِنْ سُلَيْمَانَ ؟ سلیمان (اس سند کے راوی) سے زیادہ تمہیں اور کون حافظ ملے گا، ابو بکر نے پوچھا پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کیسی ہے جس میں یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو امام مسلم نے فرمایا: هو عندي صَحِيْحٌ وہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: اس حدیث کو امام مسلم، امام احمد اور امام اسحاق نے صحیح قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس پر کسی طرح کا کلام اثر انداز نہیں ہوتا۔ (رسائل دینیه سلفیه ص ،،)

صحیح مسلم کی یہ حدیث فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ اس حدیث کی اس قدر وضاحت کے بعد بحث مباحثہ اور جھگڑا کرنا فضول اور اُمت میں افتراق پیدا کرنا ہے۔

اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باجماعت نماز کے دوران امام اور مقتدی کی ذمہ داریوں کا تعین فرما دیا ہے۔ بعض میں امام اور مقتدی دونوں شریک ہیں اور بعض میں شریک نہیں۔ لہٰذا حکم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق امام اور مقتدی کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کرنی چاہئے اور خواہ مخواہ بحث اور مناظرہ میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے

☆ امام اور مقتدی کے کاموں کا تعین کر دیا گیا ہے اور جہاں دونوں میں کچھ فرق ہے اس کی وضاحت فرما دی، مثلاً جب امام تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو، جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔

☆ امام اور مقتدی کے متفرق کاموں کی وضاحت یوں کی کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ سورہ فاتحہ ختم کر کے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو اور جب امام سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہے تو تم اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو۔

اس حدیث مبارک کے الفاظ اور اسلوب میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ با جماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے چونکہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ’’جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو‘‘ یہاں امام کو ایک طرف پڑھنے والا قرار دیا ہے اور دوسری طرف مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا مقتدی نہ تو سورہ فاتحہ پڑھے نہ ہی کوئی اور سورۃ پڑھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: جب امام غیر الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ یہاں بھی امام ہی پڑھنے والا قرار دیا ہے۔ الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہی ہے کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش رہو۔ اہل سنت و جماعت اسی پر عمل کرتے ہیں لیکن اس کے مقابلہ میں غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ حق کس طرف ہے اور کس کی بات ماننی چاہیے؟

امام کی پیروی کا مطلب ہے کہ اس کی قرأت کے وقت مقتدی خاموشی اختیار کرے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا ، وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا

امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

(نسائی حدیث 912 کتاب الافتتاح ، ابوداود حدیث_511،،، ابن ماجہ حدیث_837،،،مسلم حدیث_612،،، کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ وابو عوانہ والرویانی فی مسندہ ۱/ ۱۱۲/ ۲۰، ابن ابی شیبہ ۱/۲۰۱ مسند احمد رقم الحدیث_9069 ۲/۱۵۱)

اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے ابوداؤد کی تحقیق میں صحیح قرار دیا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے باب تأويل قول الله عزوجل ’’وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ‘‘ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

جس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ آیت جماعت کی نماز کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اگر امام کی اقتداء میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے إِذَا قَرَأَ الإِمَامُ فاقرؤوا سورة الفاتحة جب امام قرأت کرے تو تم سورہ فاتحہ پڑھو لیکن ذخیرۂ حدیث میں ایسا حکم کوئی نہیں دکھا سکتا بلکہ عموماً یہ حکم نظر آئے گا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا اور جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو، جس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے بالکل قرآن نہ پڑھا جائے نہ فاتحہ نہ دوسری سورت خواہ امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو یا زور سے خواہ تم تک اس کی آواز پہنچ رہی ہو یا نہ۔

امام کے پیچھے نہ سورہ فاتحہ کی قرأت جائز ہے نہ کوئی دوسری سورۃ چاہے نماز سری ہو یا جہری

حدیث: عن عمر بن الخطاب ﷜ صَلَّى رسُولُ اللهِ ﷺ يوماً صلاةَ الظُّهرِ فقرأ رجلٌ مِنَ الناسِ في نَفْسِهِ فَلَمَّا قَضَى صَلاتَهُ قَالَ: هَلْ قَرَأَ مَعِي مِنْكُمْ أحدٌ قالَ ذَلِكَ ثلاثًا فَقَالَ الرَّجلُ نَعَمْ يارسُولَ اللهِ أَنَا كُنْتُ أَقْرَأُ ب {سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الاعْلَى} قَالَ: مالِي أُنَازَعُ القُرآنَ أَمَا يَكْفِي قِرَاءَةَ إِمَامِهِ إِنَّمَا جُعِلَ الإمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا ۔

حضرت عمر بن خطاب ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ظہر کی نماز پڑھائی۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے اپنے دل میں پڑھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا ہے؟ یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، ایک آدمی نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں سورہ سبح اسم پڑھ رہا تھا۔ فرمایا تب ہی میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا کئے جا رہا ہوں گیا۔ تمہیں اپنے امام کی قراءت کافی نہیں؟ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔

("الارواء الغليل" ناصر الدين البانی وسنده صحيح جلد: رقم الحديث ... بيهقی فی كتاب وجوب القراءة)

اس سے معلوم ہوا کہ عموماً صحابہ کرام امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے کیونکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ سوال کیا تو صرف ایک صحابی بولا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی قرأت خلف الامام سے روک دیا۔

امام کی قرأت کے وقت خاموشی کا حکم سورہ فاتحہ کو بھی شامل ہے۔

حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ صَلَّى رَكْعَةً فَلَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الإِمَامِ جس نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہ پڑھی البتہ امام کے پیچھے ہو (یعنی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں)۔

(طحاوی [illegible]) ترمذی حدیث_288 [illegible]۔ امام ترمذی نے فرمایا: هذا حديث حسن صحيح
موطا امام مالک ص [illegible]، موطا امام محمد ص [illegible]، حدیث [illegible])

اس حدیث کے متعلق ناصر البانی غیر مقلد لکھتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔

(سلسلہ احادیث الضعیفہ رقم الحدیث [illegible] کے تحت دیکھو)

یہ حدیث مرفوعاً و موقوفاً دونوں طرح روایت کی گئی ہے۔ ترمذی نے اسے موقوفاً روایت کیا ہے اور امام طحاوی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

☆ اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سورہ فاتحہ کا مسئلہ بالکل واضح فرما دیا کہ منفرد (تنہا نماز پڑھنے والا) ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھے گا۔

☆ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے گا وہ سورہ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔

☆ اس حدیث میں سورہ فاتحہ کی تعیین بھی ہے اور نماز باجماعت کی تصریح بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے وقت بھی خاموش رہیں اور باقی قرات کے وقت بھی۔

امام کی اقتداء میں نماز پڑھنے والے پر سورہ فاتحہ پڑھنا واجب نہیں۔

حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **كُلُّ صَلَاةٍ لَا يُقْرَءُ فِيهَا بِأُمِّ الكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ وَرَاءَ الإِمَامِ:** حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ

نماز جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہے سوائے اس نماز کے جو امام کی اقتداء میں پڑھی جائے۔ (دار قطنی ۱/ ۳۲۲)

وہابی حضرات کہتے ہیں کہ قرآن میں جو آتا ہے ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔'' اور جو حدیث میں ہے'' وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا'' جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرأت خاموشی سے سنیں۔ امام کے ساتھ قرآن نہ پڑھیں لیکن یہ مفہوم خود ساختہ ہے۔ حدیث سے اس کا ثبوت نہیں اور مذکورہ بالا حدیث اس کی سخت تردید کر رہی ہے کہ نہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے نہ کچھ اور۔ مسلم حدیث نمبر :595-394(لاصلوٰۃ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ القُرآنِ فَصَاعِدًا)اس شخص کی نماز کامل نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔ نماز میں جیسے سورہ فاتحہ ضروری ہے ایسے ہی کوئی دوسری سورت ملانا بھی ضروری ہے اور اہل حدیث بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے صرف سورہ فاتحہ پڑھے تو چاہئے کہ سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرأت کافی ہے ایسے ہی سورہ فاتحہ بھی کافی ہے۔ اور یہ حدیث اس کے لئے ہے جو اکیلا نماز پڑھے کیونکہ اس پر یہ دونوں چیزیں واجب ہیں سورہ فاتحہ بھی اور دوسری سورۃ ملانا بھی اگر فَصَاعِدًا کا لفظ نہ ہوتا تو ان کا مؤقف درست تھا لیکن فَصَاعِدًا کی وجہ سے ان کا اس حدیث سے سورہ فاتحہ پڑھنے پر استدلال باطل ہوگیا کیونکہ اس طرح تو مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی واجب اور سورت ملانا بھی واجب ہوجاتا ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: والأمر باستماع قراءة الإمام والإنصات له مذكور في القرآن وفي السنة الصحيحة وهو اجماع الأمة فيما زاد على الفاتحة وهو قول جماهير السلف من الصحابة وغيرهم في الفاتحة وغيرها۔

امام کی قرأت سننے اور خاموش رہنے کا حکم قرآن کریم اور حدیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ سورہ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورۃ کی بابت جمہور صحابہ کرام اور دیگر علماءِ اُمت کا یہی مسلک ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد والی سورت کی قرأت کے وقت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے پر تو ساری

اُمت کا اجماع ہے۔ (رسائل دینیہ، تنوع العبادات :54)

نبی کریم علیہ السلام نے مقتدیوں کو امام کے پیچھے قرأت سے روک دیا۔

حدیث : عن انس رضی اللہ عنہ قال : صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ : اَتَقْرَؤُوْنَ والامامُ یَقْرَأُ فَسَكَتُوْا فَسَأَلَهُمْ ثَلَاثًا فَقَالُوْا اِنَّا نَفْعَلُ قَالَ فلا تَفْعَلُوْا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم امام کی قرأت کے وقت قرأت کرتے ہو؟ وہ خاموش رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا پھر وہ بولے ہم ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ایسا مت کرو۔ (طحاوی ۱۰۰/۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا اس حدیث سے منسوخ ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمادیا ہے کہ امام کے پیچھے مت پڑھو تو اُمتی کو کیا حق ہے کہ دم مارے۔ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے۔

خلفاء راشدین نے قرأت خلف الامام سے روک دیا۔

حدیث : حضرت موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ یَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قرأت سے منع کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ۱۰۰/۲، رقم الحدیث ۲۸۱۰)

ہمارے نزدیک بغیر قرأت کوئی نماز صحیح نہیں ہوتی اور مقتدی کی نماز بغیر قرأت کے نہیں ہے بلکہ یہ نماز قرأت کے ساتھ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔

حدیث : حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کا کوئی امام ہو، اس کی تلاوت مقتدی کی تلاوت ہے۔ یہ حدیث حضرت جابر، حضرت عبد اللہ بن شداد، حضرت عبد اللہ بن عمر

حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس اور حضرت علی ﷺ سے مروی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ حدیث [illegible] جلد ۱ ص [illegible] باب من کرہ القراءۃ خلف الامام. ابن ماجہ حدیث _ 850 کتاب إقامة الصلوٰة باب إذا قرأ الإمامُ فَأنْصِتُوا. دار قطنی ۱/ [illegible] حدیث [illegible]. موطا امام محمد حدیث [illegible]. طحاوی 217/ ۱. حلیة الاولیاء 385/ ۷ حدیث نمبر [illegible] طبع جدید. زوائد البوصیری [illegible]/ ۱ رقم الحدیث [illegible]. المعجم الاوسط جلد ۸ رقم الحدیث [illegible]. مجمع الزوائد [illegible]/ ۲. مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث [illegible]. مسند احمد [illegible]/ ۱ رقم الحدیث [illegible]. السنن الکبریٰ للبیهقی 161_160/ ۲. کامل ابن عدی [illegible]/ ۰. شرح مسند ابی حنیفه ص [illegible]. و رواہ الحاکم بسندہ منتقی الأخبار عبد السلام ابن تیمیه حدیث [illegible] کتاب صفة الصلوٰة باب ما جاء فی قراءۃ المأموم وإنصاته. نیل الاوطار شوکانی. صفة صلوٰة النبی ﷺ للألبانی ص [illegible])

اس حدیث کے متعلق ناصر البانی غیر مقلد لکھتے ہیں: وھو حدیث صحیح عندنا له طرق کثیرة جدا: یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح ہے یہ حدیث بہت سے طرق سے مروی ہے۔ میں نے اس کو اپنی کتاب (الارواء حدیث نمبر ۴۹۳-۵۰۰) پر درج کیا ہے۔ یہ حدیث اگر چہ ضعف سے خالی نہیں لیکن ضعف منجبر ہے۔ اور اس کی سند عبداللہ بن شداد سے مرسلاً صحیح ہے اور حدیث مرسل جب متصل آ جائے تو وہ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ سنت کی پیروی کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس حدیث پر عمل کریں اگر وہ چاہتے ہیں کہ اصول میں مخالفت نہ ہو اور یہ حدیث عبادہ بن صامت والی حدیث کی مخصص ہے۔ (سلسلہ احادیث الضعیفہ جلد ۲ ص _ 57 نمبر حدیث [illegible])

ناصر البانی غیر مقلد لکھتے ہیں: اس حدیث کو طحاوی، ابن ابی شیبہ، دار قطنی ابن ماجہ اور احمد نے بہت سے طرق سے مسنداً اور مرسلاً روایت کیا ہے اور اس کو ابن تیمیہ نے قوی قرار دیا ہے اور اس کے بعض طرق کو امام بوصیری نے صحیح قرار دیا ہے۔

(صفة صلوٰة النبی ﷺ ص نمبر [illegible])

یہ حدیث موقوف اور مرفوع، مرسل اور مسند دونوں طرح مذکور ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ترجمہ: اور یہ ثابت ہوا کہ اس حالت میں امام کی قراءت مقتدی کی قرأت ہے جیسا کہ جماہیر سلف وخلف صحابہ وتابعین اس کے قائل ہیں اور اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف حدیث وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے لئے امام ہو تو

امام قرأت اس کی قرأت ہے"۔

اور یہ حدیث مرسل اور مسند دونوں طرح روایت کی گئی ہے لیکن اکثر ائمہ ثقات نے اس کو عبداللہ بن شداد ﷛ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور بعض نے اس کو سند متصل سے روایت کیا ہے۔ ابن ماجہ نے اس کو مسنداً ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن وسنت اس مرسل کے مؤید ہیں اور جماہیر اہل علم صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں اور اس کو مرسل نقل کرنے والے اکابرین تابعین میں سے ہیں۔ اس قسم کی مرسل روایت سے ائمہ اربعہ اور دیگر اہل علم کے نزدیک بالاتفاق استدلال صحیح ہے اور امام شافعی نے اس قسم کی مرسل حدیث سے استدلال صحیح ہونے کی تصریح کی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ :271/23)

ابن تیمیہ مزید لکھتے ہیں: یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کو بھی شامل ہے۔ وقد ثبت بالکتاب والسنة وبالإجماع أن إنصات المأموم لقراءة إمامه يتضمن معنى القراءة معه وزيادة۔ تحقیق یہ بات قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع اُمت کے ساتھ ثابت ہے کہ امام کی قرأت کی وجہ سے مقتدی کا خاموش رہنا ہی اس کے پڑھنے کے حکم میں ہے، بلکہ اس کو قرأت کے ثواب کے ساتھ خاموش رہنے کے متعلق حکم کی تعمیل کا ثواب بھی ملتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ :290/23)

سری نمازوں (ظہر اور عصر) میں امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں۔

حدیث 290: عن عبدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ رضي الله عنه قال: أَمَّ رسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم النَّاسَ في العَصْرِ فَقَرَأَ رَجُلٌ خَلْفَهُ فَغَمَزَهُ الَّذِيْ يَلِيْهِ فَلَمَّا أَنْ صَلَّى قَالَ: لِمَ غَمَزْتَنِي؟ قَالَ: كَانَ رسُولُ الله صلى الله عليه وآله وسلم قُدَّامَكَ فَكَرِهْتُ أَنْ تَقْرَأَ خَلْفَهُ فَسَمِعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَإِنَّ قِرَاءَتَهُ لَهُ قِرَاءَةٌ۔ حضرت عبداللہ بن شداد ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو عصر کی نماز پڑھائی۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پیچھے قرأت کی۔ اس پر اس کے ساتھ والے نے اسے چوک ماری۔ جب نماز پڑھ چکے تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا: تو نے مجھے چوک کیوں ماری؟ اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے

آگے تھے، میں نے ناپسند کیا کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی اور فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔

(موطا امام مالک بروایہ محمد بن الحسن الشیبانی حدیث ۱۱۷، ص ۹۹، دار قطنی ۳۲۳/۱)

اس حدیث سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ نہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت جائز ہے اور نہ سری میں کیونکہ عصر کی نماز میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے اور صحابہ ان نمازوں میں بھی خاموش رہا کرتے تھے صرف ایک صحابی نے قرأت کرنے کی کوشش کی تو ساتھ والے نے اسے روک دیا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت سے روکنے والے کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے۔ اس دلیل کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ قرأت سے مراد سورہ فاتحہ کے علاوہ قرأت ہے کیونکہ البانی صاحب ماقبل والی حدیث میں یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ یہ حدیث عبادہ بن صامت والی حدیث کی **مخصص** ہے۔ یعنی اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ یہ حدیث عام تھی اور حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ والی حدیث "جس کا کوئی امام ہو تو اس کی تلاوت مقتدی کی تلاوت ہے۔" **مخصص** ہے۔ اس حدیث نے مقتدی کو عبادہ بن صامت والی حدیث کے عموم سے خارج کر دیا۔ اب مقتدی کی نماز بھی بغیر سورہ فاتحہ کے نہ رہی۔ وللہ الحمد! غیر مقلدین کے امام البانی اور ابن تیمیہ نے نعرہ حق بلند کیا ہے اور درست فیصلہ کر کے غیر مقلدین کو بے سہارا اور تنہا چھوڑ دیا۔ اب ان بے چاروں کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔

قرأت خلف الامام کے متعلق صحابہ کرام کے نظریات

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

حدیث: عن نافع أَنَّ عبدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضي الله عنه كان إِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإمامِ ؟ قالَ : إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإمامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإمامِ وإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ قال : وكان عبدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لا يَقْرَأُ خَلْفَ الإمامِ۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا جاتا کہ کیا کوئی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے؟ تو آپ فرماتے: جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز

پڑھے، امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے اور جب تنہا نماز پڑھے تو قراءت کرے ۔ فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر ؓ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔

(موطا امام مالک ص ۸۶، حدیث 178 کتاب الصلوۃ وباب ترك القراءة خلف الامام۔ موطا امام محمد ص ۹۶۔ طحاوی شریف ۱/ ۲۲)

اس حدیث کے متعلق ناصر البانی غیر مقلد لکھتے ہیں وسندہ صحیح اس کی سند صحیح ہے۔

(سلسلہ احادیث الضعیفہ رقم الحدیث ۹۹۲)

امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا فرمان نقل کیا ہے: من صلی وراء الامام کفاہ قراءۃ الامام۔ قال البیہقی: هذا هو الصحیح عن ابن عمر من قوله جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا یہی قول صحیح ہے۔

(سنن بیہقی باب: من قال لایقرء خلف الامام)

کیا سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کو باطل کہنے والوں میں یہ جرأت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی نماز کو باطل کہہ سکیں؟ ہرگز ایسا نہیں کرسکتے تو کیا یہ فتوے غریبوں اور عام عوام کے لئے ہیں۔ اگر یہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی نماز کو باطل کہتے ہیں تو پھر شیعوں کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ وہ صحابہ کے گستاخ ہیں اور اگر کہیں کہ ان کی نماز سورہ فاتحہ کے بغیر ہوگی تو پھر جھگڑا ختم۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ احناف کے امام ٹھہرے اور ان کے صدقے میں ہماری نماز بھی قبول ہے۔ وللہ الحمد!

کاتبِ وحی اور جامع القرآن حضرت زید بن ثابت ؓ کا فتویٰ۔

امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں۔

حدیث: عن عطاءِ بنِ یسارٍ أنَّهُ سألَ زیدَ بنَ ثابتٍ ؓ عَنِ القِرَاءَةِ مَعَ الإمامِ فَقَالَ لا قِرَاءَةَ مَعَ الإمامِ۔ حضرت عطاء بن یسار ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے سوال کیا کہ کیا امام کے پیچھے قرأت کرنی جائز ہے؟ فرمایا: امام کے پیچھے قرأت ہرگز جائز نہیں۔

(مسلم حدیث :903-۱۲۹۹ کتاب المساجد باب سجود التلاوۃ (طحاوی ۱/ ۱۵۹)

کیا سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کو باطل کہنے والوں میں یہ جرأت ہے کہ حضرت زید بن ثابت ﷺ کی نماز کو باطل کہہ سکیں ہرگز ایسا نہیں کر سکتے۔ جس پر رسول اللہ ﷺ نے اعتماد کیا ہو اور اسے کاتب وحی مقرر کیا ہو اور جن پر خلفاء راشدین حضرت ابوبکر وعمر ؓ نے اعتماد کیا ہو اور اسے امین سمجھا ہو اور قرآن جمع کرنے کی ڈیوٹی لگائی ہو ان سے زیادہ قرآن وحدیث کو سمجھنے والا کون ہے؟ کون ہے جو ان کی نماز کو باطل کہہ سکے اور اگر کاتب وحی اور جامع قرآن کی نماز قبول ہے تو ان کے صدقے میں ہماری بھی قبول ہے۔ وللہ الحمد!

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے امام کے پیچھے خاموش رہنے کا حکم دیا۔

حدیث: عن أبی وائل قال سُئِلَ عبدُاللهِ بْنُ مسعودٍ ؓ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الإمامِ فقَالَ: أَنْصِتْ لِلْقِرَاءَةِ فَإِنَّ فِی الصَّلَاةِ شُغْلًا وَسَيَكْفِيكَ ذٰلِكَ الإمامُ۔

حضرت ابو وائل ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ قرأت کے وقت خاموش رہو بے شک نماز میں مشغولیت ہے اور اس (قراءت کے) سلسلے میں تمہیں امام کافی ہے۔

(طحاوی شریف ۱/ ... موطا امام محمد حدیث ... ص .. وسندہ صحیح الارواء الغلیل)

ابن مسعود رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے جہری نماز میں پڑھتے تھے نہ سری میں۔

حدیث: عن ابراهيم النخعي ؓ أن عبدَاللهِ بْنَ مسعودٍ ؓ كانَ لايَقْرَأُ خَلْفَ الإمامِ فِيمَا يَجْهَرُ فِيهِ وَفِيمَا يُخَافِتُ فِيهِ فِي الأُولَيَيْنِ ولا فِي الأُخْرَيَيْنِ۔ حضرت ابراہیم نخعی ؓ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے نہ جہری نمازوں میں نہ سری نمازوں میں نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ پچھلی دو رکعتوں میں۔ (موطا امام محمد رقم الحدیث ... ص ..) جامع المسانید 310/1)

☆ اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے چاروں رکعات میں مقتدی قرات نہیں کرے گا۔

☆ قرأت کا لفظ سورہ فاتحہ اور زائد سورۃ دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا مقتدی نہ تو سورہ فاتحہ پڑھے گا نہ ہی کوئی اور سورۃ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور کون حضرت عبداللہ بن مسعود؟ رضی اللہ عنہما

جو اَفاضل صحابہ ومومنین سابقین میں سے ہیں، حضر وسفر میں ہمراہ رکاب، سعادت انتساب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہتے اور بارگاہِ نبوت میں بے اذن جانا ان کیلئے جائز تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے فقیہ تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا: رَضِيتُ لأُمَّتِي مَا رَضِيَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ وَكَرِهْتُ لأُمَّتِي مَا كَرِهَ لَهَا ابْنُ أُمِّ عَبْدٍ۔ میں نے اپنی امت کے لئے وہی پسند کیا ہے جو اس کے لئے ابن اُمّ عبد یعنی عبداللہ بن مسعود نے پسند کیا ہے اور میں نے اپنی امت کے لئے وہی ناپسند کیا ہے جو اس کے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا ہے۔

(رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط۔ اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "سلسلہ الاحادیث الصحیحہ" کی حدیث نمبر ۱۲۲۵ میں درج کیا ہے اور صحیح بھی کہا ہے۔)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مسعودٍ فَصَدِّقُوهُ۔ وحدیث تمہیں ابن مسعود بیان کرے اس کی تصدیق کرنا۔

(ترمذی حدیث 3735 مسند احمد حدیث 22189 اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "سلسلہ الاحادیث الصحیحہ" کی حدیث نمبر ۱۲۳۳ میں درج کیا ہے۔)

گویا ان کی رائے خود حضور والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے اقدس ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مقتدی ہوتے تو فاتحہ وغیرہ کچھ نہیں پڑھتے تھے اور ان کے سب شاگردوں کا یہی عمل تھا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز باطل ہے تو وہ ان جلیل القدر صحابہ کرام کی نمازوں کے متعلق کیا کہیں گے؟ کوئی باادب اہل ایمان صحابہ کرام کا سچا محب ایسی جراءت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کی نمازوں کو باطل قرار دے۔ اگر صحابہ کرام کی نمازیں سورہ فاتحہ کے بغیر درست ہیں تو ہماری بھی ان کے صدقہ میں قبول ہیں کیونکہ حقیقت میں وہی ہمارے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے امام ہیں۔ ہم نے انہی سے دین سیکھا ہے اور جو اُن کی نمازوں کو باطل کہے، پھر ان میں اور شیعوں میں کیا فرق رہ جائے گا؟

حدیث: حضرت علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: لَيْتَ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ مُلِيءَ فُوْهُ تُرَاباً۔ کاش اس کا منہ مٹی سے بھر جائے جو امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے۔ (شرح معانی الاثار ۱/ [illegible])

حدیث: حضرت محمد بن عجلان روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے فرمایا: لَيْتَ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ حَجَرًا۔ کاش امام کے پیچھے قرأت کرنے والے کے منہ میں پتھر ہو۔ (موطا امام محمد رقم الحدیث [illegible] ص [illegible])

حدیث: حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ فرماتے ہیں: وَدِدْتُ أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ فِي فِيْهِ جَمْرَةٌ۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے، اس کے منہ میں آگ کی چنگاری ہو۔ (موطا امام محمد رقم الحدیث 125 ص [illegible])

حدیث: حضرت علقمہ بن قیس ﷛ فرماتے ہیں: لأَنْ أَعُضَّ عَلَى جَمْرَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَقْرَأَ خَلْفَ الإِمَامِ۔ میرے لئے آگ کی چنگاری چبانا اس سے بہتر ہے کہ امام کے پیچھے قرأت کروں۔

(موطا امام محمد ص [illegible] رقم الحدیث [illegible]، مصنف عبد الرزاق [illegible]/ [illegible] رقم الحدیث [illegible])

حدیث: حضرت علی ﷛ فرماتے ہیں: مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ۔ جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت سے خطاء کی۔

(شرح معانی الاثار ۱/ [illegible]، دار قطنی الاوراء الغلیل جلد [illegible] ص [illegible]، وسندہ جید)

اختلاف کی حیثیت۔

اس مسئلہ میں اور دوسرے مجتہد فیہا مسائل میں ائمہ کا اختلاف حق و باطل کا نہیں ہوتا۔ صرف راجح مرجوح کی بحث ہوتی ہے لیکن غیر مقلدین نے اس مسئلہ میں بحث کو بالکل نئے انداز پر پہنچا دیا ہے۔ انہوں نے اس کو حق و باطل کی جنگ بنالیا ہے۔ اس لئے ان کا دعوئی یہ ہے کہ اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ فاتحہ نہ پڑھنے والے بے نماز ہیں۔ یہ بڑی قبیح قسم کی شدت ہے۔ جس کا

شدت سے مؤاخذہ کرنا ضروری ہے۔ ان سے بحث کرتے وقت ان سے چند باتیں صاف کر لینی چاہئیں بلکہ باحوالہ تحریر کرا لینی چاہئے۔

۱: کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا آپ کے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہے؟

۲: کہ ماز ادعلی الفاتحہ پڑھنا حرام ہے یا مکروہ ہے؟ یا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

۳: کہ آپ کے ہاں جہری اور سری نماز میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔

۴: کہ آپ کے نزدیک مدرک للرکوع (رکوع میں شامل ہونے والے) کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ جو جواب دیں ان کی روشنی میں ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے۔ ان سے کہا جائے کہ ایسی صریح صحیح حدیثیں پیش کرو جو اس بات پر دلالت کرتی ہوں کہ مقتدی اگر امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے گا تو نماز باطل ہوجائے گی۔ جو روایات سند کے لحاظ سے صحیح نہ ہوں وہ ان کے دعویٰ کے اثبات کے لئے کافی نہیں۔ جن میں صراحۃً مقتدی کا ذکر نہ ہو، وہ بھی ان کے لئے مفید نہیں۔ جن میں قرأت کا امر ہو وہ بھی ان کے لئے کافی نہیں اس لئے کہ امر کبھی وجوب کے لئے ہوتا ہے، کبھی استحباب کیلئے، کبھی اباحت کے لئے۔ جب امر میں ان سب معانی کا احتمال ہے تو اس سے مقتدی کے لئے ایسی فرضیت قرأتِ فاتحہ کیسے ثابت ہوگی کہ اس کے ترک سے نماز باطل ہوجائے۔ قاعدہ ہے "إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" مُحتملات کو لے کر پوری اُمت کی تفسیق وتضلیل کرنا یہ شرافتِ علمی کے بالکل خلاف ہے۔ کوئی صحیح حدیث پیش کیجئے۔ جو صراحۃً یہ بات بتائے کہ مقتدی نے اگر فاتحہ نہ پڑھی تو نماز باطل ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ آپ اس دعویٰ پر ایسی صحیح صریح روایت ایک بھی پیش نہ کرسکیں گے۔

جواباتِ ادلہ خصوم

خصوم کا زیادہ تر استدلال حضرت عبادہ ﷜ کی حدیث سے ہے۔ عبادہ بن الصامت کی حدیث اس موضوع میں دو قسم کی ہے۔

۱: جس میں تفصیلی واقعہ مذکور نہیں صرف اتنا ہے۔

لاصلوٰۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔

۲: اسمیں ایک تفصیلی واقعہ کا ذکر ہے، یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں مذکور ہے۔

۱: پہلی حدیث صحیح ہے لیکن ان کے موقف پر دلالت کرنے میں صریح نہیں ہے۔ دوسری قسم میں فاتحہ اور امام کا ذکر تو صراحۃً ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ کوئی کی حدیث موجود نہیں ہے جو صحیح ہو غیر معارض ہو اور صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ اگر ایسی حدیث مقتدی نے فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہ ہوگی۔

قسم اوّل کے تفصیلی جوابات۔

قسم اوّل کی حدیث حضرت عبادہ ؓ سے ان کا استدلال دو طرح سے ہے: ایک صلوٰۃ کے عموم سے۔ صلوٰۃ نکرہ تحت النفی ہے۔ اس کے عموم میں صلوٰۃ المقتدی بھی داخل ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بھی نہیں ہوتی۔ دوسرا استدلال ''من'' سے ہے۔ من عام ہے اس کے عموم میں امام، منفرد اور مقتدی سب داخل ہیں۔ لاصلوٰۃ لِمَنۡ لَمۡ یَقۡرَاۡ بِفَاتِحَۃِ الۡکِتَابِ اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر مقتدی نے بھی فاتحہ نہ پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

صلوٰۃ کے عموم سے استدلال کا جواب۔

اگر مان لیا جائے کہ صلوٰۃ کے عموم میں صلوٰۃ المقتدی بھی داخل ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ صلوٰۃ المقتدی کی صحت کے لئے بھی فاتحہ ہونی چاہئے۔ ہم اس پر عمل کرتے ہیں۔ جماعت کی نماز ایک نماز ہے۔ ایک نماز میں ایک فاتحہ کافی ہے۔ جب امام نے قرأت کرلی تو سب کی ہوگئی۔ ہمارے ہاں بھی صلوٰۃ المقتدی فاتحہ سے خالی نہیں ہے اس کے بہت سے قرائن اور شواہد موجود ہیں کہ صلوٰۃ الجماعت ایک ہی صلوٰۃ تصور کی جاتی ہے۔

۱: صرف امام سے سہو ہو جائے تو سب کو سجدہ سہو کرنا پڑتا ہے حالانکہ مقتدیوں کو یہ سہو نہیں ہوا۔

۲: صرف امام سجدہ کی آیت پڑھے خواہ سِرّاً پڑھے۔ مقتدی نے پڑھی ہے نہ سنی لیکن سجدہ میں سب کو شرکت کرنا پڑتی ہے۔

۳: امام کا سترہ سب کے لئے کافی ہوجاتا ہے اس لئے کہ نماز ایک ہے۔

اس قسم کے اور بھی شواہد موجود ہیں کہ شریعت کی نظر میں صلوٰۃ الجماعت ایک نماز ہے اس لئے اس میں ایک فاتحہ کافی ہے۔

بعض اوقات لفظ عام بولا جاتا ہے لیکن مراد اس سے خاص ہوتی ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لاصلوٰۃ بعد الصبح حتّٰی ترتفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس:** صبح کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک سورج غروب ہو جائے۔

(بخاری:551-586 مسلم :1368-827 مشکوٰۃ:1041)

یہاں بھی صلوٰۃ نکرہ تحت النفی ہے جس کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ فجر اور عصر کے فرضوں کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے لیکن ہم دیکھتے ہیں، اہل حدیث اس حدیث کے عموم کو تسلیم نہیں کرتے اور فجر کی نماز کے فوراً بعد سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں اور اگر فجر یا عصر کی نماز پڑھ کرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوں تو پھر بھی **تحیۃ المسجد** کی دو رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ ہم اگر ان سے پوچھیں کہ حدیث میں تو ان اوقات میں نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں اور حدیث عام ہے کسی نماز کا استثنٰی نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہاں یہ حدیث اپنے عموم پر ہے لیکن دوسری حدیث نے اس کی تخصیص کر دی ہے۔ ہم اس لئے ان اوقات میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔

ہم نے کہا: اگر آپ یہ بات تسلیم کرتے ہیں **لاصلوٰۃ بعد الصبح** والی حدیث اپنے عموم پر نہیں دوسری احادیث اس کی **مخصص** ہیں تو اسی اسلوب پر ہم بھی کہتے ہیں کہ **لاصلوٰۃ لمن لَمْ یَقْرَاْ بِفَاتِحَةِ الْکِتَابِ** والی حدیث اپنے عموم پر نہیں دوسری احادیث اس کی **مخصص** ہیں دوسری صحیح احادیث کی وجہ سے مقتدی اس سے خارج ہیں۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ نہیں مقتدی خارج نہیں بلکہ اس کے عموم میں داخل ہیں تو پھر آپ کو بھی چاہئے کہ فجر کی سنتیں طلوع شمس کے بعد پڑھا کرو اور آپ کے لئے عصر اور فجر کے بعد نوافل پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

مَن کے عموم سے اِستدلال کے جوابات۔

جوابِ اوّل: مَن کے عموم سے استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ عموم کے لئے موضوع نہیں ہے۔ سید شریف جرجانی شرح مواقف میں فرماتے ہیں: "**الموصولات لم توضع للعموم بل ھی للجنس تحتمل العموم والخصوص**" اسمائے موصولہ

"مَنْ" وغیرہ عموم کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ یہ جنس کے لئے ہیں جو عموم اور خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں، اسی لئے "من" بکثرت خصوص کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً قرآن میں ہے: آأمِنتُمْ مَنْ فِی السماء کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے جو آسمانوں میں ہے۔ مَنْ فِی السماء سے مراد صرف باری تعالیٰ ہے۔ اگر من میں عموم ہو تو اس میں فرشتے شامل ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: يَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِی الْأَرْضِ فرشتے ان کے لئے استغفار کرتے ہیں جو زمین میں ہیں۔ مَنْ فِی الأرض سے مراد صرف مسلمان ہیں، کافر نہیں ہیں۔ حدیث میں ہے: لَتَتبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ کان قبلکم تم ان لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو تم سے پہلے ہوئے۔

(بخاری 3197- 3456 مسلم _ 4822 2669 مشکوٰۃ :5361
کتاب الرقاق باب تغیر الناس)

یہاں بھی مَنْ موجود ہے جس میں عموم ہے لیکن حدیث میں اس کی تفسیر صرف یہود و نصاریٰ سے کی گئی ہے۔ ہندو اور مجوسی وغیرہ اس میں شامل نہیں۔ قرآن و حدیث اور کلامِ بلغاء میں بہت کثرت سے یہ بات ملتی ہے کہ لفظ "من" استعمال کیا گیا ہے اور مراد اس سے فردِ خاص ہے اگر یہاں اس سے مراد صرف امام اور منفرد لے لیا جائے تو یہ من کی وضع کے خلاف نہ ہوگا۔

جواب دوم:

اگر تسلیم کر لیا جائے کہ من عموم کے لئے وضع ہے تو ہم کہیں گے: یہاں عموم مراد نہیں یہاں اس کے عموم میں مقتدی داخل نہیں۔ یعنی اگر بالفرض یہ لفظ عام ہے تو مقتدی کی اس سے تخصیص کر لی جائے۔ وہ اس کے عموم میں داخل نہیں۔ اس تخصیص کے بہت سے قرائن ملتے ہیں۔

1: قرآن کی آیت نے مقتدی کو انصات (خاموش رہنے) کا حکم دیا ہے۔ یہ قرینہ ہے کہ اس حدیث کے عموم میں مقتدی داخل نہیں۔

2: بہت سی صحیح حدیثیں مقتدی کی قرأت کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حدیث عبادہ کے عموم میں مقتدی داخل نہیں۔

۳: اسی حدیثِ عبادہ کی بعض صحیح روایات میں فصاعدا یا ما زاد وغیرہ کی زیادتی بھی ہے، اس کو سامنے رکھ کر حدیث کا مطلب یہ بنا کہ جو فاتحہ اور دوسری سورت نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ معلوم ہوا کہ یہ ایسے نمازی کی بات ہے جس نے دونوں پڑھنی ہیں۔ مقتدی کسی کے نزدیک بھی ایسا نہیں۔ یہ زیادتی مجبور کرتی ہے کہ مقتدی کو اس کے عموم میں داخل نہ مانا جائے۔

۴: حدیث میں قرأت کے مفعول بہ پر با داخل ہے: بفاتحة الكتاب، قرأ فاتحة الكتاب قرأ بفاتحة الكتاب دونوں میں عربیت کے لحاظ سے فرق ہے۔ با اس وقت لائی جاتی ہے جب کہ باء کے مدخول کے ساتھ کچھ اور بھی پڑھا جائے۔ معلوم ہوا کہ یہاں صرف اس نمازی کی بات ہو رہی ہے جس نے صرف فاتحہ نہیں پڑھنی کچھ اور بھی پڑھنا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقتدی کسی کے نزدیک بھی کچھ اور نہیں پڑھے گا وہ اس میں داخل نہیں۔

۵: حدیث کا سب سے اچھا مطلب وہ ہوگا جو نبی کریم ﷺ کے براہ راست شاگرد بیان کریں۔ امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اثر صحیح نقل فرمایا ہے: مَنْ صَلَّى رَكْعَةً فَلَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أن يكون وَرَاءَ الإمام (ترمذی 287) اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مقتدی کے بارے میں ہے۔ چنانچہ امام ترمذی نے امام احمد کا ارشاد نقل کیا ہے: هذا رجل من أصحاب النبي ﷺ تأول قول النبي لاصلاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَاب أَن هذا إذا كان وحده۔ یہ نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی یہ تفسیر کی ہے کہ جب نمازی اکیلا نماز پڑھے۔

۶: اگر مقتدی امام کے فاتحہ پڑھنے کے بعد صرف رکوع میں ملے اور فاتحہ پڑھنے کا موقع نہ ملے۔ اس کی یہ رکعت تصور ہو جاتی ہے۔ یہ بات حدیث سے بھی ثابت ہے اور ائمہ اربعہ اور جمہور سلف کا مؤقف بھی یہی ہے۔ ائمہ میں سے امام کے پیچھے قراءت پر زیادہ زور دینے والے امام شافعی ہیں انہوں نے کتاب "الام" میں تصریح کی ہے کہ رکوع میں ملنے سے وہ رکعت ہو جاتی ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم 1/135 پر

تصریح کی ہے کہ مقتدی رکوع میں امام سے ملے تو فاتحہ ساقط ہو جاتی ہے۔ نواب صدیق حسن نے بدور الاهلہ اور دلیل الطالب میں تصریح کی ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ یہ رکعت ہو جاتی ہے۔ قاضی شوکانی پہلے رکعت نہ ہونے کے قائل تھے پھر جمہور کی موافقت اختیار کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمہور سلف اس حدیث کے عموم میں مقتدی کو داخل نہیں مانتے۔ ورنہ اس کی یہ رکعت نہیں ہونی چاہئے تھی۔

جواب سوئم:

اگر مان لیا جائے کہ من کے عموم میں مقتدی داخل ہے تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث میں جو آتا ہے کہ ہر نمازی فاتحہ کی قرأت کرے۔ اس میں قرأت عام ہے خواہ حقیقتاً ہو خواہ حکماً۔ تینوں قسم کے نمازی قرأتِ فاتحہ کریں گے۔ امام اور منفرد حقیقتاً اور مقتدی حکماً۔ اس لئے کہ حدیثوں میں تصریح ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ قرأت کا حقیقتاً یا حکماً ہونا قرآن پاک سے ثابت ہے۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حقیقتاً جبریل پڑھتے تھے لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی نمائندگی میں پڑھتے تھے۔ اس لئے حکماً اسے باری تعالیٰ قرار دیا گیا ہے۔

قسم ثانی کے جوابات۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث جو ترمذی اور ابوداؤد 701- 823 میں ہے اس میں یہ الفاظ ہیں لا تفعلوا إلا بفاتحة الكتاب اس میں تصریح ہے کہ قرأت تو مقتدی کو نہ کرنی چاہئے فاتحہ کی قرأت کر لینی چاہئے۔ تو صراحۃً ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہئے۔

جواب نمبر ا:

اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ گو بہت سے حضرات نے اس کی توثیق کی ہے لیکن اکثر ائمہ رجال ان پر شدید جرح کر رہے ہیں۔ تقریب التهذیب، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہ کتبِ رجال میں ان پر شدید جرح نقل کی گئی ہے۔ مثلاً سلیمان التیمی اور ہشام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ یہ کذاب ہے۔ امام مالک کا قول نقل کیا گیا

ہے کہ دجال من الدجاجلہ ہے۔ ابن ظہیر، وہب بن خالد، جریر بن عبدالحمید، دارقطنی وغیرہ نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ ان کے بارے میں معتدل قول یہ ہے کہ سیر اور مغازی میں وسیع النظر ہیں لیکن احکام کی حدیثوں میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، جس پر ائمہ رجال شدید جرح رکھتے ہوں ایسے اہم اختلافی مسئلہ میں ایسے راوی کی روایت پر مدار رکھنا بے انصافی کی بات ہے۔

جواب نمبر ۲:

محمد بن اسحاق مکحول سے نقل کرتے ہیں۔ ان پر ایسی جرح تو نہیں جتنی محمد بن اسحاق پر ہے لیکن فی الجملہ ان پر بھی جرح کی گئی ہے ابو حاتم نے اس کے بارے میں کہا کہ "لیس بالمتین" ابن سعد فرماتے ہیں "ضعفه جماعة من المحدثین" اصل اعتراض ان کے بارے میں یہ ہے کہ یہ مدلس ہیں اور اس حدیث کو عن سے روایت کر رہے ہیں۔ ان کی اکثر حدیثیں جو صحابہ سے ہوتی ہیں ان میں تدلیس کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی روایت پر مدار رکھنا درست نہیں۔

جواب نمبر ۳:

اس کی سند میں اضطراب ہے۔ مثلاً کبھی مکحول محمود بن الربیع سے نقل کرتے ہیں کبھی نافع بن محمود سے نقل کرتے ہیں۔ اور نافع بن محمود کے بارے میں علامہ ذہبی، ابن عبدالبر، طحاوی، ابن قدامت وغیرہم کا خیال یہ ہے کہ یہ مجہول شخص ہے۔ ایسے مجہولین سے ہم دین لینے کے پابند نہیں ہیں۔ جیسا کہ ایک موقعہ پر امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ ہم مجہول راویوں سے اپنا دین لیں۔

جواب نمبر ۴:

یہ حدیث محدثین کی نظر میں معلول ہے۔ اس میں محدثین کی نظر میں کئی ایسی علل اور خامیاں ہیں۔ جن کے ہوتے ہوئے اس سے احتجاج نہیں ہوسکتا۔ ایک علت اس میں یہ ہے کہ اس کا

رفع صحیح نہیں یہ موقوف علیٰ عبادت ہے۔ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ امامت کا یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کے درمیان پیش نہیں آیا بلکہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور بعض تابعین کے مابین پیش آیا (لہذا سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق اس حکم کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے) لیکن چونکہ اس واقعہ کے الفاظ دوسری مرفوع حدیث سے ملتے جلتے تھے۔بعض شامی راویوں کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہ کی اس روایت کو اس طرح نقل نہیں کیا بلکہ اس میں امامت کا تذکرہ ہی نہیں۔(فتاویٰ ابن تیمیہ 287/23:)

یہی ابن تیمیہ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں :هذ الحديث معلل عن آئمة أهل الحديث كاحمد وغيره من الآئمة وقد بسط الكلام على ضعفه فى غير هذا الموضع وبين أن الحديث الصحيح قول رسول الله ﷺ لاصلاة إلا بأم القرآن هذا الذى اخرجاه فى الصحيح رواه الزهرى عن محمود بن الربيع عبادة أما الحديث فغلط فيه بعض الشاميين وأصله أن عبادة كان يوما فى بيت المقدس فقال هذا فأشبه عليهم المرفوع بالموقوف على عبادة۔

(فتاوىٰ ابن تيميه 187/2)

جواب نمبر ۵:

اگر حدیث کی صحت کو تسلیم کر بھی لیں تو بھی خصوم کا مقصد اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔اس لئے ان کا مقصد وجوب ثابت کرنا ہے۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھی گئی تو نماز نہیں ہوگی۔اتنے بڑے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے اوّل تو ایسی کمزور حدیثوں کو پیش کرنے کی جراءت ہی نہیں ہونا چاہئے۔بالخصوص اس وجہ سے کہ اس حدیث سے ان کا نظریہ وجوب ثابت نہیں ہوتا۔زیادہ سے زیادہ اس سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی اباحت / رخصت ثابت ہو سکتی ہے۔اس لئے کہ "لاتفعلوا" نہی ہے۔اس میں قرأت سے نہی ہے پھر نہی سے اُمّ القرآن کا استثناء ہے۔نہی سے استثناء کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مستثنیٰ کے بارے میں نہی نہیں ہے۔یہ نہی سے خارج ہے۔اس سے زیادہ سے زیادہ اباحت اور رخصت ثابت

ہوتی ہے اور رخصت دینے کی وجہ فاتحہ کی اہمیت ہے۔اس کی اتنی اہمیت کی وجہ سے اس کی اجازت مرجوحہ دی جارہی ہے۔جس درجہ کے وجوب کے آپ مدعی ہیں اس کے لئے کوئی اور روایت لائیے جس سے یہ مؤقف ثابت ہوتا ہے۔

جواب نمبر ۵ کی تائید ناصر الدین البانی غیر مقلد سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

لاتفعلوا وهذا لايدل على وجوب الفاتحة وراء الإمام كما يظن بل على جواز لأن الاستثناء جاء بعد النهي وذلك لايفيد إلا الجواز۔

لاتفعلوا، یہ امام کے پیچھے فاتحہ کے وجوب پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے بلکہ یہ صرف جواز پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ استثناء نہی کے بعد آیا ہے جو فقط جواز کا فائدہ دیتا ہے۔ دیکھئے۔(مشکوٰۃ محققہ از البانی حدیث نمبر :854)

حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کا اثر۔

حضرات غیر مقلدین فاتحہ خلف الامام کے سلسلہ میں اس روایت سے استدلال کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

یحییٰ بکا کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر ﷺ سے فاتحہ خلف الامام کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: کہ ان کے ہاں فاتحہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔(جزء القراءۃ)

جواب: اس میں ایک راوی **یحیٰ بن مسلم البکاء** ہے جس کو علامہ ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔(المیزان:409/4)

موطا امام مالک میں حضرت ابن عمر ﷺ کا مسلک نقل کر دیا گیا ہے کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے۔

(موطا امام مالک ص :۸۶ حدیث 178 کتاب الصلوٰۃ باب ترک القراءۃ خلف الامام۔ موطا امام محمد ص ۹۹، طحاوی شریف ۱/ ۲۲۰)

اور اسی کے تحت امام بیہقی کی تصریح موجود ہے۔ حضرت ابن عمر ﷺ کا یہی قول صحیح ہے۔اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کی طرف اس دوسرے قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول۔

حضرت عبداللہ بن ہذیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کروں تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ (جزء القراء ۃ)

جواب: اس میں ایک راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ابوجعفر الرازی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

قال احمد والنسائی لیس بالقوی ، قال الفلاس سیء الحفظ ۔ قال ابن حبان یتفرد بالمنا کیر عن المشاهیر۔ وقال ابو زرعة یهم کثیرا۔

امام احمد اور امام نسائی فرماتے ہیں کہ ابوجعفر الرازی قوی نہیں ہے اور امام فلاس فرماتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ مشہور لوگوں کی طرف منکر روائتیں منسوب کرتا تھا۔ ابوزرعہ فرماتے ہیں اس کو وہم بہت ہوتا تھا۔ (المیزان :319/3)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے جس میں امام کے پیچھے سورہ پڑھنے کو کہا گیا ہے۔

جواب: امام بیہقی نے خود ہی اس روایت کی بابت تصریح کر دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

وقد قیل عن ابی قلابة عن انس بن مالك ولیس بمحفوظ جو روایت ابوقلابہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے وہ محفوظ نہیں ہے۔ نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث نمبر 278 امام طحاوی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس میں سورہ فاتحہ سے ممانعت ثابت ہے۔

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نامکمل ہے۔ کسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اقرأ بها فی نفسك اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو......

(مسلم 598-:395 مشکوٰۃ:823)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو طرح کی روایات منقول ہیں۔ اس روایت سے بظاہر امام

کے پیچھے پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کی دوسری حدیث میں صراحت ہے کہ جب امام قرأت شروع کرے تو خاموش ہو جاؤ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، جسے امام مسلم نے صحیح مسلم میں اور ناصر الدین البانی نے ''صفة صلوٰة النبی ﷺ'' اور ابن ماجہ کی تحقیق میں صحیح قرار دیا ہے اور یہی قول راجح ہے چونکہ جب ایک ہی شخص سے دو طرح کی روایات منقول ہیں تو وہ روایت راجح ہوگی جس کی تائید قرآن کریم اور حدیثِ صحیحہ سے ہوتی ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ مسئلہ راجح ہے جس کے دلائل قوی ہیں اور دلائل سے یہ حقیقت معلوم ہو چکی ہے کہ قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ میں امام کے پیچھے پڑھنے سے روکا گیا ہے اور صراحت کے ساتھ خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ قرآن کریم کی کسی آیت اور کسی صحیح مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے جو دلائل بیان کئے جاتے ہیں وہ ضعیف ہیں۔

ابن تیمیہ کی تصریح ملاحظہ ہو: **لکن الذین ینھون عن القراءۃ مع الامام ھو جمھور السلف والخلف ومعھم الکتاب والسنة الصحیحة والذین أوجبوھا علی المأموم فی حال الجھر ھکذا فحدیثھم قد ضعفه الائمة ورواہ ابو داؤد.** جمہور سلف صالحین قرأتِ خلف الامام سے روکتے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔ ان کا استدلال ابوداؤد کی حدیث سے ہے جس کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (رسائل دینیه، تنوع العبادات ص:51)

معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے نہ پڑھنا قرآن وسنت سے ثابت ہے جب کہ پڑھنے کے دلائل کمزور ہیں۔ جب احکام میں دو حدیثیں باہم متعارض ہوں تو دیکھا جائے گا، ان میں کوئی حدیث ضعیف تو نہیں۔ اگر حدیث ضعیف ہو تو تعارض نہ رہا قوی حدیث کو لیا جائے گا اور ضعیف کو چھوڑ دیا جائیگا۔ اگر دونوں حدیثیں صحیح ہوں تو اس کو ترجیح ہوگی جو قرآن کے موافق ہو۔ قولی حدیث کو فعلی حدیث پر ترجیح ہوگی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ صحابی کا قول اس وقت حجت ہوتا ہے کہ جب وہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں نہ ہو اور کوئی صحابی اس کی مخالفت نہ کرے۔ اگر صحابی

کا کوئی قول حدیث مرفوع کے خلاف نظر آئے یا باقی صحابہ اس کی مخالفت کریں تو پھر اس کی دو صورتیں ہوں گی: یا تو وہ قول منسوخ ہوگا یا پھر اس کا وہ معنیٰ کیا جائے گا جس سے اس صحابی کا قول جمہور صحابہ کے اقوال کے موافق ہو جائے۔ یہ قاعدہ صرف صحابی کے قول کے لئے ہی نہیں بلکہ اگر احادیث مرفوع بھی آپس میں متعارض ہوں تو ان میں بھی یہ قاعدہ جاری ہوگا۔ ان میں تطبیق کی جائے گی۔ ان میں ایک راجح ہوگی دوسری مرجوح یا ایک ناسخ ہوگی دوسری منسوخ اور پھر ان دونوں میں سے اس حدیث کو لیا جائے گا جس کی تائید قرآن کریم اور دوسری احادیث صحیحہ سے ہوتی ہوگی۔ اب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی دوسرے جلیل القدر صحابہ مخالفت کر رہے ہیں بلکہ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے متعارض ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتوں میں اس روایت کو راجح قرار دیا جائے گا جو جمہور صحابہ کی روایات کے موافق ہوگی۔ لہٰذا ہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو راجح قرار دیا جس میں ہے کہ ''جب امام قرأت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ''۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فاتحہ خلف الامام کے جو اقوال منقول ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا اگر صحیح ہیں تو ان میں نماز باجماعت کی صراحت نہیں یا وہ منسوخ ہیں یعنی اس زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جب ممانعت والا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور اگر کچھ صحیح آثار بھی ہوں تو ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث و جمہور صحابہ والے دلائل کو ترجیح و اوّلیت حاصل ہوگی۔

اِقرأ بها فِیْ نفسك کا صحیح مفہوم۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت اقرأ بها فی نفسك بھی جمہور کے موافق ہے۔ اقرأ بها فی نفسك کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ آواز سے پڑھا کرو لیکن اس جملہ کا یہ ترجمہ حتمی و یقینی نہیں ہے۔ اس کے اور معنیٰ بھی آئے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم کی درج ذیل احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہو سکے گا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إن الله تجاوز عن أمتي ما حدّثت به أنفسها مالم تعمل او تتكلم قال قتادة إذا

طَلَّقَ فی نَفْسِہٖ فلیس بشیء۔ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے اُن خیالات کو معاف کردیا ہے جو دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جب تک ان کے مطابق عمل یا کلام نہ کریں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر دل ہی دل میں طلاق کا سوچے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

(بخاری حدیث _ 4864 :5269 کتاب الطلاق باب الطلاق فی الإغلاق)

☆ اس حدیث میں دل ہی دل کی گفتگو کو حدیثِ نفس قرار دیا گیا جس پر مواخذہ نہیں ہے جبکہ انہی باتوں کا زبان سے ذکر کرنا قابل مؤاخذہ ہے۔

☆ حضرت قتادہ ﷜ کے کلام میں بھی طَلَّقَ فِی نَفْسِہٖ کے الفاظ ہیں یعنی دل میں طلاق کا سوچے۔

☆ معلوم ہوا کہ فی نَفْسِہٖ کا اطلاق دل ہی دل میں کچھ کہنے پر بھی ہوتا ہے، لہٰذا مندرجہ بالا حدیثِ ابوہریرہ ﷜ کے اس جملہ اقرأ بها فی نفسك میں بھی دونوں احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ زبان کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھے اور دوسرا یہ کہ دل ہی دل میں پڑھے یعنی اس کے مضامین پر غور وفکر اور تدبر کرے۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنے کے بارہ میں صریح نہیں ہے اور ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا یہی معنیٰ کریں گے۔ سورہ فاتحہ کے مضامین پر غور وفکر اور تدبر کرنا تاکہ آپ کا یہ قول ان کی روایت کردہ حدیث کے موافق ہوجائے۔

فی نَفْسِہٖ کا معنیٰ تنہا بھی آتا ہے۔

جیسا کہ ہدایہ اور کافیہ وغیرہ میں اسم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ: الاسم کلمة تدل علی معنی فی نفسها اسم وہ کلمہ ہے جو اپنے معنیٰ پر تنہا دلالت کرے۔ اور اس کی تائید بخاری و مسلم کی حدیثِ قدسی سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: أنا عند ظن عبدی بی وأنا معه إذا ذکرنی فَإِنْ ذَکَرَنِی فِی نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ فِی نَفْسِی وإن ذکرنی فی مَلَإٍ ذکرته فی ملإ خیر منهم: میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں۔ جس

وقت وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھے تنہا یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے تنہا یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔(بخاری :6856- 7405 مسلم :4832- 2675مشکوٰۃ :2664)

اس حدیث کی روشنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنیٰ یہ بنا کہ جب تنہا ہو، پڑھ لیا کر جب امام کے ساتھ ہو خاموش رہا کر۔ یہ معنیٰ کرنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اور آپ کی روایت کردہ حدیث میں مطابقت ہوگئی کہ "جب امام قرأت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ"۔

غیر مقلدین کا دھوکہ:

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے: سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے اور وہ نماز کا رکن ہے جس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔(صلوٰۃ الرسول ﷺ)

حکیم صاحب کے فریب اور دجل کی انتہا دیکھو۔ اس سے کیا ثابت کیا جا رہا ہے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ یہ بالکل جھوٹ ہے مقتدی کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام پر یا تنہا نماز پڑھنے والے پر سورہ فاتحہ فرض ہے۔ مقتدی کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

جواب اوّلاً:۔ غنیۃ الطالبین حضور غوث پاک کی کتاب نہیں ہے (فتاویٰ رضویہ) یہ کسی دوسرے عالم اور واعظ عبدالقادر کی کتاب ہے جو حنبلی مذہب کے ہیں اور اس میں موضوع احادیث بھی درج ہیں اور اس میں یہ بھی درج ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت دس محرم کو ہوئی۔

(غنیۃ الطالبین ص: 465باب عاشورہ کی وجہ تسمیہ)

حضور غوث پاک ایسی غلط بات نہیں لکھ سکتے جب کہ بچہ بچہ جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ربیع الاوّل شریف میں ہوئی۔ اگر یہ کتاب حضور غوث پاک کی بھی ہو تو ہمیں کوئی نقصان نہیں، ہم حضور غوث پاک کے عقائد کو دل وجان سے تسلیم کرنے والے اور ان سے محبت رکھنے والے ہیں تقلید اعمال میں ہوتی ہے نہ کہ عقائد میں۔ ہم اعمال میں

امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں جیسا کہ حضور غوث پاک امام احمد کے مقلد ہیں لیکن اس کے برعکس وہابی نہ ان کے عقائد کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ہی اعمال کو بلکہ آپ کے عقائد کو شرک کہتے ہیں جس طرح تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ اگر وہابی حضور غوث پاک کے محب ہیں تو پھر حضور غوث پاک سے مدد مانگیں، نعرۂ غوثیہ لگائیں آپ کا وسیلہ اللہ کی بارگاہ میں پیش کریں کیونکہ آپ نے اپنے محبوں اور مریدوں کو یہ نعرہ لگانے کا حکم دیا ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: إذا سألتم الله حاجةً فاسئلوه بي: جب تم اللہ سے کوئی حاجت طلب کرو تو میرے وسیلے سے طلب کرو۔ (بہجۃ الاسرار ص ۶۳)

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ کُرْبَةٍ کُشِفَتْ عَنْهُ یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا۔ وَمَنْ نَادَانِیْ بِاسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت رفع ہوگی: وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ إِلَی اللّٰهِ فِیْ حَاجَةٍ قُضِیَتْ۔ اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی پھر اسی جگہ فرماتے ہیں: دو رکعت نماز پڑھے، ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد ۱۱-۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ وسلام پڑھے پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلے، پھر میرا نام لے اور اپنی حاجت کا ذکر کرے۔ اللہ کے اذن سے اُس کی حاجت پوری ہوگی پھر یہ شعر پڑھے۔

أَيُدْرِكُنِیْ ضَيْمٌ وَأَنْتَ ذَخِيْرَتِیْ * وَأُظْلَمُ فِی الدُّنْيَا وَأَنْتَ نَصِيْرِیْ وَعَارٌ عَلٰی
حَامِی الْحِمٰی وَهُوَ مُنْجِدِیْ * إِذَا ضَاعَ فِی الْبَيْدَاءِ عِقَالُ بَعِيْرِیْ

اس نماز کو امام شمس الدین ذہبی اور امام جزری کے استاذ علامہ علی بن یوسف الشطنوفی نے ''بہجۃ الاسرار'' میں اور علامہ محمد بن یحییٰ التاذفی نے ''قلائد الجواہر'' میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ''زبدۃ الأسرار'' میں اور شارح مشکوٰۃ محدث کبیر مولانا علی قاری نے اپنی کتاب ''نزھۃ الخاطر الفاتر فی سیدی الشریف عبد القادر'' میں نقل کیا ہے پھر مولانا علی قاری فرماتے ہیں'' وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ مِرَارًا فَصَحَّ'' بارہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا تو درست نکلا۔ لیکن وہابی اس نعرہ کو شرک کہتے ہیں۔ ان کا حضور غوث پاک سے کیا تعلق بلکہ

یا آپ کے اعمال کو بھی تسلیم نہیں کرتے ،انہیں چھپاتے ہیں بلکہ اس کتاب ''غنیہ'' میں ردو
بدل کررہے ہیں۔ حکیم صادق نے اس حدیث کو چھپایا ہے، کہ صاحبِ غنیۃ الطالبین نے خود
یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

حدیث: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب امام
قرأت کرے تو خاموشی کے ساتھ متوجہ ہو کر سنو۔

(غنیۃ الطالبین ص :572 باب : اقتداء کے آداب)

لو اب اس کتاب سے بھی ثابت ہوگیا کہ امام کے پیچھے قرأت جائز نہیں۔ اگر اہل حدیثوں کا
ایمان غنیۃ الطالبین پر ہی ہے تو انہیں اس حدیث پر عمل کرکے امام کے پیچھے قرأت ترک
کر دینی چاہئے۔ حکیم صادق صاحب نے اپنی اسی کتاب ''صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں لکھا
ہے: رمضان کی تراویح گیارہ رکعات ہیں جبکہ غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ تراویح بیس
رکعات سنت ہیں اور وتر تین رکعات۔ (غنیۃ الطالبین باب نماز تراویح ص :400)

اب غیر مقلدین کو چاہئے کہ بیس رکعت تراویح پڑھیں اور تین رکعات وتر۔ اہل
حدیث حضرات اپنی داڑھی لمبی چھوڑ دیتے ہیں جس سے ان کی شکل ہیبت ناک بن جاتی
ہے اور مونچھوں کو مونڈتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غنیۃ الطالبین کی ذکر کردہ احادیث کی
رو سے خلافِ سنت ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں
سے نہیں جو اپنی مونچھیں منڈاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مونچھیں مونڈنا، ایک قسم کی
خلقت بدلنی ہے۔ اس سے چہرے کی رونق اور خوبصورتی جاتی رہتی ہے۔ صحابہ کرام سے
مروی ہے کہ وہ اپنی مونچھوں کو کترواتے تھے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے باہر نکلے ہوئے بالوں
کے حصے کو کتر دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مٹھی کے نیچے کا حصہ کاٹ دو۔

(غنیۃ الطالبین باب، دس فطری خصائل ص ..)

غیر مقلدین کو چاہئے کہ ان حدیثوں پر عمل کریں اور اپنی مونچھیں منڈوانا بند کردیں اور ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹ دیا کریں ورنہ وہابی حضور ﷺ کے طریقہ سے خارج ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ وہابی حضور غوث پاک کے ارشادات کے منکر ہیں۔

عظیم دھوکہ وخیانت۔

حال ہی میں غیر مقلدین نے حضور غوثِ اعظم کی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' کو اردو ترجمہ میں ڈھال کر مع متن کے چھاپا اور چالاکی دکھاتے ہوئے کتاب میں بیس تراویح کی جگہ آٹھ تراویح لکھ مارا تاکہ عوام سمجھیں کہ حضور غوثِ اعظم ﷺ بھی ان غیر مقلدین کی طرح آٹھ تراویح پڑھتے تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: وھی احدی عشرۃ رکعۃ مع الوتر'' اور تراویح وتر سمیت گیارہ رکعتیں ہیں۔ (غنیۃ الطالبین مکتبہ سعودیہ کراچی ص ۰۰۰)

حالانکہ ''غنیۃ الطالبین'' دنیا کی کثیر الاشاعت مشہور کتاب ہے اور اس میں صاف لکھا ہے: صلوٰۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ وھی عشرون رکعۃ: نماز تراویح سنت نبی ﷺ ہے اور اس کی بیس رکعت ہیں۔ (غنیۃ کے عربی متن اور فارسی اور اردو ترجمہ کے ہر نسخہ میں یہ عبارت انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے) لیکن سنگدل اور بددیانت وہابیہ نے (عشرون) بیس کا اصل لفظ اڑا دیا اور عبارت میں اپنی طرف سے احدی عشرۃ گیارہ کا لفظ شامل کرکے مع الوتر کا از خود اضافہ کردیا۔ اگر حضور غوثِ اعظم وہابی تھے تو بیس رکعت کیوں پڑھتے تھے؟ اگر وہابی سچے ہیں تو انہوں نے یہ بددیانتی کیوں کی ہے؟

حضور غوثِ اعظم ﷺ کے عقائد ونظریات۔

حضور غوثِ اعظم ﷺ مقلد تھے لیکن وہابی تقلید کو شرک کہتے ہیں لہٰذا ان کا حضور غوث اعظم ﷺ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ان کے گستاخ ہیں کہ ان کے عمل کو شرک کہہ رہے ہیں۔ حضور غوث اعظم بیس تراویح کے قائل تھے، وہابی آٹھ کے لہٰذا ان کا حضور غوث اعظم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضور غوثِ اعظم ﷺ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب امام قرأت کرے تو تم خاموشی سے متوجہ ہو کر سنو۔ (غنیۃ ص ۰۰۰) حکیم صادق کو اپنی کتاب میں

بھی درج کرنی چاہیے تھی لیکن وہ اسے شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گیا۔ حضور غوثِ اعظم یہ روایت فرماتے ہیں: نجات پانے والا فرقہ اہل سنت و جماعت ہی ہے۔ (غنیہ ص ۱۰۰)

حضور غوثِ اعظم فرماتے ہیں: اگر دو شخص بغل گیر ہوں اور ایک دوسرے کا ہاتھ اور سر بطور تبرک چومیں تو جائز ہے۔ (غنیہ ص ۱۱)

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عادل بادشاہ، والدین، پرہیزگار اور بزرگ آدمیوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا مستحب ہے۔ (غنیہ ص ۱۱)

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: زائرِ قبر شریف یوں دعا کرے: اے خدا! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمت والے نبی ہیں، یارسول اللہ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میرے گناہ بخشے (غنیہ ص ۳۳) بلکہ فرمایا: جب تم اللہ سے کوئی حاجت طلب کرو تو میرے وسیلے سے طلب کرو۔ (بہجۃ الاسرار ص ۹۳) وہابی ان تمام چیزوں کے خلاف ہیں بلکہ ان کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔ وہابیوں نے اگر رفع یدین کا حوالہ دینا ہے تو آپ کے عقائد بھی قبول کریں ورنہ ان کی کتاب سے حوالہ دینے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔ وہابی حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ان عقائد کو چھپاتے ہیں بلکہ ان کی کتابوں میں خیانت کرتے ہیں لہٰذا ان کا حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہابی جب رفع یدین کا حوالہ پیش کریں تو آپ ساتھ یہ حوالہ جات بھی پیش کر دیں کہ حضور غوثِ اعظم کو ماننا ہے تو پورا مانو، صرف اپنے مطلب کی بات مان لینا اور جو بات تمہارے عقائد اور اعمال کے خلاف ہو اسے چھپانا یا کتاب میں تحریف کرنا یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔

غیر مقلدین کے جھوٹے خودساختہ دلائل۔ (وہابی مناظر کا پہلا جھوٹ)

وہابیوں سے میں نے ایک اور بات بھی نوٹ کی۔ وہ جھوٹے حوالے پیش کرتے ہیں۔ سانگلہ ہل میں وہابیوں کی مسجد میں قرأت خلف الامام پر مناظرہ ہو رہا تھا اور سنیوں کی طرف سے مولانا سعید احمد اسعد اور مفتی محمد اشرف صاحب مناظر تھے۔ وہابی مناظر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بتایا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا، جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو فاتحہ پڑھیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دل میں سورہ فاتحہ

پڑھ لیا کرائے فارسی۔

سنی مناظر نے گرفت کی کہ یہ مرفوع حدیث نہیں، حضرت ابو ہریرہ ؓ کا قول ہے اور حضرت ابو ہریرہ ؓ فارسی نہیں ہیں دوسی ہیں، اگر فارسی ہیں تو ثابت کرو۔ وہابی مناظر حضرت ابو ہریرہ ؓ کا فارسی ہونا ثابت نہ کرسکا اور شکست سے دو چار ہوا۔ کیونکہ یہ مکالمہ حضرت ابو ہریرہ ؓ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان نہ ہوا تھا بلکہ حضرت ابو ہریرہ ؓ اور کسی صحابی یا تابعی کے درمیان ہوا تھا۔

وہابی مناظر کا دوسرا جھوٹ۔

وہابی مناظر نے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی حدیث پیش کی اور حوالہ دیا، بیہقی کی کتاب کے "جزء فی القراءۃ" کا، سنی مناظر نے کتاب مانگی کہ حوالہ دکھاؤ۔ وہابی نے کتاب نہ دی، علامہ سعید احمد اسعد صاحب کے معاون مفتی اشرف صاحب اُٹھ کر وہابی مناظر کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ کتاب دکھاؤ وہابی نہ دکھا سکے۔ کتاب ہوتی تو دکھاتے انہوں نے تو ہوائی فائر کیا تھا۔ مفتی صاحب نے اپنے مناظر سعید احمد صاحب اور لوگوں کو بتایا کہ وہابی "البیہقی" کا حوالہ دے رہے تھے اور ہاتھ میں "غنیۃ الطالبین" پکڑی ہوئی تھی۔ لوگوں پر اہل حدیثوں کا فراڈ اور دھوکہ ظاہر ہوگیا۔ سنی مناظر سعید احمد اسعد صاحب نے اسی مناظرہ میں بتایا: کہ ان وہابیوں نے سانگلہ ہل سے "غنیۃ الطالبین" چھاپی اور اس میں سے بیس تراویح کا لفظ کاٹ کر آٹھ لکھ دیا اور امام بخاری کی کتاب "الادب المفرد" سے یا محمد کا نعرہ کاٹ کر صرف محمد لکھ دیا۔ جو دراصل اس طرح تھا۔

حضرت ابن عمر ؓ کا پاؤں سن ہوگیا۔ ایک آدمی نے ان سے کہا اس کو یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ پیارا ہو۔ حضرت ابن عمر ؓ نے یا محمد ﷺ کہا (الادب المفرد حدیث :967) وہابیوں نے خیانت کر کے لفظ "یا" کو حذف کر دیا۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

محمد اقبال کیلانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "نماز کے مسائل" کے ص نمبر 165 اور

بیہقی کے حوالہ سے ایک حدیث درج کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے نیچے عربی عبارت میں بیہقی لکھا ہوا ہے لیکن ترجمہ میں لکھا: اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ فن کاری اور چالاکی میں غیر مقلدین کا جواب نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ اس حدیث کو ناصر الدین البانی نے سلسلہ احادیث الضعیفہ حدیث نمبر 1044 میں ضعیف قرار دیا ہے۔ یعنی اہل حدیث ضعیف احادیث سے استدلال کر کے بخاری کے ذمہ وہ حدیث لگا دیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم

امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے والی احادیث کی اسناد ضعیف ہیں۔

حدیث نمبر 1: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مدینہ میں نکل کر یہ ندا کرو کہ نماز نہیں ہے مگر قرآن کے ساتھ اگرچہ سورہ فاتحہ ہو یا اس پر کچھ زائد۔ (ابو داود حدیث: 701-823)

یہ ضعیف حدیث محمد اقبال کیلانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "نماز کے مسائل" کے ص نمبر 80-81 اور مسئلہ نمبر 192-199 پر درج کی ہے اور ناصر الدین البانی غیر مقلد نے کہا ھذا حدیث منکر لکھا ہے دیکھو ضعیف ابوداؤد۔

حدیث نمبر 2: رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں تھے اور آپ ﷺ نے قرآن پڑھا لیکن آپ ﷺ پر قرأت بوجھل ہوگئی۔ نماز ختم ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے پوچھا: کہ تم بھی امام کے پیچھے پڑھتے ہو تو انہوں نے کہا: ہاں یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا: تم ایسا مت کرو البتہ سورہ فاتحہ ضرور پڑھو کیونکہ اس کے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس حدیث کی سند یہ ہے: عن محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ بن الصامت۔ (ابو داود حدیث _ 701 ... ، ترمذی نسائی مشکوۃ حدیث ...)

یہ ضعیف حدیث محمد اقبال کیلانی غیر مقلد نے اپنی کتاب "نماز کے مسائل" کے ص نمبر 79 اور مسئلہ نمبر 192 پر درج کی ہے۔

(ناصر الدین البانی غیر مقلد نے کہا: ھذا حدیث ضعیف دیکھو ضعیف ابوداؤد)

حدیث نمبر 3: جب میں بلند آواز سے پڑھوں تو قرآن سے کچھ نہ پڑھو سوائے سورہ فاتحہ کے۔ اس حدیث کی سند یہ ہے: عن مکحول عن نافع بن محمود بن الربیع

(ابو داود حدیث _702، ترمذی _311286 نسائی 911 مشکوۃ 854)

ناصر الدین البانی غیر مقلد نے کہا: هذا حديث ضعيف لأن في سندها نافع بن محمود بن ربيع۔ دیکھو ضعیف ابوداؤد۔

حدیث نمبر 4: مکحول مغرب، عشاء اور صبح کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ آہستہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے: امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھو اور اگر وہ سکتہ نہ کرے تو اس سے پہلے یا بعد یا ساتھ پڑھو اور فاتحہ کسی حال میں نہ چھوڑو۔

اس حدیث کی سند یہ ہے: عن مکحول عن عبادة نحو حديث الربيع بن سليمان

(ابوداؤد حدیث -702 ۸۲۵)

ناصر الدین البانی غیر مقلد نے کہا: هذا حديث ضعيف۔ دیکھو ضعیف ابوداؤد

حدیث نمبر 5: من صلى صلاة مكتوبة مع الإمام فليقرأ بفاتحة الكتاب في سكتاته۔ جو امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اسے امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

(دارقطنی ص:120 والحاکم 238/1 والبیهقی فی القراءة :54_ناصر الدین البانی نے کہا ضعیف جدا دیکھو سلسلة الاحادیث الضعیفه حدیث:991)

حدیث نمبر 6: إذا كنت مع الامام فاقرأ بام القرآن قبله إذا سكت۔ جب تو امام کے ساتھ ہو تو سورہ فاتحہ اس سے پہلے پڑھ لے جب وہ سکتہ کرے۔

(البیهقی فی جزء القراءة :54_یعنی مقتدی امام بن جائے اور امام مقتدی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ)

ناصر الدین البانی نے کہا: ضعیف۔ دیکھو سلسلة الاحادیث الضعیفه حدیث:992

حدیث نمبر 7: للإمام سكتتان فاغتنموا القراءة فيهما بفاتحة الكتاب۔ امام کے لئے دو سکتے ہیں تم ان میں سورہ فاتحہ کی قرأت کو غنیمت جانو۔

(رواه البخاری فی الجزء القراءة ص ۲۵_ناصر الدین البانی نے کہا_لا اصل له مرفوعا دیکھو

سلسلة الاحادیث الضعیفہ حدیث :546 :) اور دیکھو امام بخاری کی کیسی کیسی ضعیف حدیثوں سے کام چلا رہے ہیں۔ اب بخاری والی شرائط کیوں رخصت ہوگئیں ۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے اتنی چڑ کیوں ہے؟

حدیث 8: کان للنبی ﷺ سکتتان سکتة حین یکبر وسکتة حین یفرغ من قراته، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو سکتے تھے ایک سکتہ جب آپ تکبیر کہتے اور دوسرا سکتہ جب قرأت سے فارغ ہوتے۔

(رواہ البخاری فی الجزء القراءۃ ص ۵۵)۔ ناصر الدین البانی نے کہا: ضعیف دیکھو سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ حدیث:547)

امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھنے والی کوئی حدیث صحیح نہیں ۔ عوام بخاری کا نام سن کر مرعوب نہ ہوجائیں اس حدیث کی سند اور راویوں کو چیک کیا کریں۔

حدیث 9-12: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے، ایک سکتہ جب نماز میں داخل ہوتے اور دوسرا سکتہ جب قرأت سے فارغ ہوتے پھر بعد میں کہا جب غیر المغضوب علیہم سے فارغ ہوتے۔

(ناصر الدین البانی نے کہا یہ تمام احادیث ضعیف ھیں، دیکھو ضعیف ابو داود حدیث نمبر-663-662-661-780-779-778-777.660.)

ناصر الدین البانی صاحب نے اپنی کتاب "سلسلة الاحادیث الضعیفه " میں حدیث نمبر ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۵۴۶ - اور ۵۴۷ میں سکتوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے والی تمام احادیث کو ضعیف قرار دے کر کہا لا دلیل لأحد أن یقرأ الفاتحة فی سکتات الإمام:

الأول: ضعف سند الحدیث۔

الثانی: اضطراب متنه۔

الثالث: إن الصواب فی السکتة الثانیة فیه إنها قبل الرکوع بعد الفراغ من القراءۃ کلها لا بعد الفراغ من الفاتحة۔

الرابع: علی افتراض أنها أعنی سکتة بعد الفاتحة فلیس فیه أنها طویلة

بمقدار ما يتمكن المقتدى من قراء ة الفاتحة ولهذا صرح بعض المحققين بأن هذه السكتة الطويلة بدعة۔

ولم يستحب الإمام احمد أن يسكت الإمام لقراءة المأموم.....

ترجمہ: امام کے سکتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے متعلق کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

اوّل: اس لئے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

دوم: اس لئے کہ اس کے متن میں اضطراب ہے۔

سوم: اس لئے کہ صحیح بات یہ ہے کہ دوسرا سکتہ تمام قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے نہ کہ سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد۔

چہارم: یہ کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ اس سکتہ سے سورہ فاتحہ کے بعد والا سکتہ مراد ہے تو وہ اتنا طویل نہیں کہ جس میں مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکے اس لئے بعض محققین نے تصریح کی ہے کہ اتنا طویل سکتہ بدعت ہے۔ اور امام احمد بن حنبل نے بھی اس کو مستحب نہیں کہا کہ امام مقتدی کی قرات کے لئے خاموش رہے۔ (سلسلة الاحاديث الضعيفه جلد ٢ ص٢٠)(نوٹ یہ کتاب مسجد نبوی شریف کے مکتبہ میں موجود ہے)

اِمام الوہابیہ ابن تیمیہ کا فتویٰ...... سورہ فاتحہ کے بعد امام پر طویل سکتہ واجب نہیں۔

اپنے فتاویٰ میں، فتویٰ نمبر ۵۵۵ وسئل عن القراء ة خلف الامام میں لکھتے ہیں: اگر مقتدی پر جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنا واجب ہوتا تو اس کے لئے دو امور میں سے ایک امر لازمی ہوتا: یا تو وہ امام کے ساتھ پڑھتا یا امام پر واجب ہوتا کہ وہ مقتدی کے لئے خاموش رہے تا کہ وہ بھی فاتحہ پڑھ سکے اور اس بات میں علماء کرام میں کوئی اختلاف نہیں کہ امام پر ایسا سکتہ کرنا واجب نہیں جس سے مقتدی سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ سکے۔ رہا امام کے ساتھ قرأت کرنا تو یہ کتاب وسنت سے منع ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ مقتدی پر جہری نمازوں میں امام کے ساتھ قرأت کرنا واجب نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں: اگر مقتدی پر جہری نمازوں میں قرأت اور استماع مستحب ہوتا تو امام کے لئے مستحب تھا کہ وہ مقتدیوں کی قرأت کے لئے

خاموش رہنا اور جمہور علماء کے نزدیک امام کا مقتدی کی قرأت کے لئے خاموش رہنا مستحب نہیں ہے اور یہی مذہب ہے، امام احمد، امام مالک اور امام ابوحنیفہ وغیرہ ﷬ کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ مقتدیوں کی قرأت کے لئے اتنا طویل سکتہ نہیں کرتے تھے اور کسی نے بھی آپ ﷺ سے یہ نقل نہیں کیا بلکہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ سے تکبیر تحریمہ کے بعد استفتاح کے لئے ایک سکتہ ہے اور سنن میں ہے: آپ ﷺ کے لئے دو سکتے تھے ایک شروع میں اور ایک قرأت سے فارغ ہونے کے بعد۔ اور یہ روایت ہے کہ یہ سکتہ فاتحہ کے بعد ہوتا تھا اور یہ سکتہ اتنا لطیف تھا جو سورہ فاتحہ پڑھنے کے لئے کافی نہ تھا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ آپ تین یا چار سکتے کرتے تھے۔ جس نے آپ ﷺ سے تین یا چار سکتے نقل کئے، اس نے ایسی بات کی جو کسی مسلمان سے منقول نہیں اور وہ سکتہ جو سورہ فاتحہ کے آخر میں ہوتا، ان سکتوں کی جنس سے تھا جو ہر آیت کے بعد ہوتا ہے اور اس کو سکوت نہیں کہا جا سکتا۔ اور علماء میں سے کسی نے یہ قول نہیں کیا۔ اتنا سکتہ جس میں کچھ پڑھا جا سکے۔...... اور یہ بات معلوم ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ اتنا طویل سکتہ فرماتے جس میں سورہ فاتحہ پڑھی جا سکے تو بہت سے صحابہ اس کو نقل کرتے پس جب یہ بات نقل نہیں کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ ایسا طویل سکتہ نہ تھا۔

فلو كان الصحابة يقرأون الفاتحة خلفه إما فى السكتة الأولى وإما فى الثانية لكان هذا مما تتوفر الهمم والدواعى على نقله، فكيف ولم ينقل هذا أحد عن أحد من الصحابة أنهم كا نوا فى السكتة الثانية خلفه يقرأون الفاتحة، مع ذلك لو كان مشروعاً لكان الصحابة أحق الناس بعلمه وعمله ،فعلم أنه بدعة ولهذا يؤمنون على قراء ة الإمام فى الجهر دون السر، فإذا كانوا مشغولين عنه بالقراء ة فقد أمر أن يقرأ على قوم لا يستمعون لقرأته وهو بمنزلة أن يحدث من لم يستمع بحديثه، ويخطب من لم يستمع لخطبته، ولهذا روى فى الحديث: (مثل الذى يتكلم والإمام يخطب كمثل الحمار يحمل أسفارا) فهكذا إذا كان يقرأ والإمام يقرأ عليه.

فتبين أن الاستماع إلى قراء ة الإمام أمر دل عليه القرآن دلالة قاطعة

اور اسی طرح اگر صحابہ کرام امام کے پیچھے پہلے سکتہ میں یا دوسرے سکتہ میں فاتحہ پڑھتے تو اس کو بھی بہت سے راوی بیان کرتے اور یہ بات کسی نے بھی نقل نہیں کی کہ صحابہ دوسرے سکتہ میں امام کے پیچھے پڑھتے تھے باوجود اس کے اگر یہ مشروع ہوتا تو صحابہ سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے حق دار تھے کہ وہ اس سکتہ کو جانتے اور اس پر عمل کرتے یعنی سکتہ میں فاتحہ پڑھتے اور صحابہ نے ایسا نہیں کیا، پتہ چلا کہ یہ سکتہ بدعت ہے۔ اسی لئے وہ صرف جہری نمازوں میں آمین کہتے تھے، سرّی نمازوں میں نہیں کہتے تھے۔ اگر مقتدی اپنی قرأت میں مشغول ہوں اور امام بھی قرأت کر رہا ہے تو گویا امام کو ایسی قوم پر قرأت کا حکم دیا گیا جو اس کی قرأت سننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ ایسے خطیب کی طرح ہے جس کا خطبہ سننے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "اگر جو امام کے خطبہ جمعہ کے وقت کلام کرتا ہے وہ گدھے کی طرح ہے جو بوجھ اٹھاتا ہے" اسی طرح وہ ہے جو امام کی قرأت کے وقت قرأت کرتا ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ مقتدی کا امام کی قرأت کے وقت خاموش رہنا قرآن کی دلیل قطعی سے ثابت ہے۔

مجموع فتاوی ابن تیمیہ فتوی نمبر ۵۵۵ وسئل عن القرائۃ خلف الامام جلد ۲۳ ص ۲۷۹ مطبوعہ دار الصفا (نوٹ یہ کتاب مسجد نبوی شریف کے مکتبہ میں موجود ہے)

جب خود وہابی حضرات کے محدث اور امام ان حدیثوں کو ضعیف مانتے ہیں تو ثابت ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ سکتوں میں پڑھنے والی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ابن تیمیہ نے اس سکتہ کو بدعت قرار دیا ہے۔ اب جو اتنا طویل سکتہ کرے کہ مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ سکیں وہ علمائے اہل حدیث ابن تیمیہ اور ناصر الدین البانی کے نزدیک اہل حدیث نہیں بلکہ اہل بدعت ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہابی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس طویل سکتہ اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کو چھوڑتے ہیں یا اپنی بدعت پر قائم رہتے ہوئے "کل بدعۃ ضلالۃ" کے زمرۂ میں شامل ہونا چاہتے ہیں؟

ابن تیمیہ کہتے ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے : فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ

اللہﷺ۔ پھر لوگ حضور ﷺ کے ساتھ ان نمازوں میں قرأت سے باز رہے جن میں بلند آواز سے قرأت کی جاتی ہے جب حضور ﷺ کا یہ فرمان سن لیا۔

(ابو داؤد حدیث _702 ،،، کتاب الصلوٰۃ باب من کرہ القراءۃ بفاتحۃ الکتاب إذا جهر الامام)

اعتراض: فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ۔ یہ امام زہری کا کلام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ ابن اکیمہ کا قول ہے اور صحیح یہ ہے کہ زہری کا قول ہے۔

جواب: ابن تیمیہ کہتے ہیں:

وهذا إذا كان من كلام الزهري فهو من أدل الدلائل على أن الصحابة لم يكونوا يقرأون في الجهر مع النبيﷺ فإن الزهري من أعلم أهل زمانه أو أعلم أهل زمانه بالسنة۔ اگر یہ زہری کا بھی کلام ہے تو بہت بڑی دلیل ہے کہ صحابہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت نہیں کرتے تھے کیونکہ امام زہری اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے یا اپنے زمانہ میں سنت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بیہقی نے کہا: ابن اکیمہ مجہول آدمی ہے اس نے صرف یہی حدیث بیان کی ہے اور اس سے سوائے زہری کے کسی نے یہ روایت نہیں کی۔

جواب: ابن تیمیہ کہتے ہیں:

ليس كذلك بل قد قال أبو حاتم الرازي فيه: صحيح الحديث، حديثه مقبول وحكي عن ابي حاتم البستي أنه قال: روى عنه الزهري، وسعيد بن أبي هلال، وابن ابيه عمر، وسالم بن عمار ابن أكيمة بن عمر۔ اس طرح نہیں ہے۔ ابوحاتم رازی نے اس کی تصحیح کی ہے اور فرمایا: اس کی حدیث مقبول ہے اور ابی حاتم بستی سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابن اکیمہ سے زہری نے روایت کیا اور سعید بن ابی ہلال نے اور ابن ابیہ عمر نے اور سالم بن عمار، ابن اکیمہ اور بن عمر نے روایت کیا ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (فتویٰ نمبر ،،، وسئل عن القرائۃ خلف الامام)

☆☆☆

نماز وتر کا بیان

وتر کے حکم میں مذاہبِ ائمہ

امام مالک کے نزدیک وتر سنتِ مؤکدہ ہے۔(اکمال المعلم 379/2)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک وتر کے سنت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(شرح المهذب:12/4)

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: وتر ہمارے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہیں۔امام احمد نے فرمایا: جس شخص نے عمداً وتر ترک کیا وہ برا شخص ہے۔اس کی شہادت قبول نہیں کرنی چاہیے، ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد نے وتر کی تاکید میں مبالغہ کا ارادہ کیا ہے کیونکہ احادیث میں وتر پڑھنے کا حکم وارد ہوا ہے۔(المغنی:453/1)

علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وتر کی نماز تمام سنتوں سے زیادہ قوی ہے حتیٰ کہ اگر صرف وتر کی نماز پڑھنے سے رہ جائے تو اس کی قضا کی جاتی ہے۔کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ التعریس میں وتر کی قضاء پڑھنے سے ابتداء کی تھی اور جس روایت میں ہے کہ صبح کے بعد وتر کی نماز نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صبح کی نماز تک وتر کو مؤخر نہ کرو اس کی قضاء سے منع کرنا مقصود نہیں ہے۔ نماز فجر کے بعد طلوعِ شمس سے پہلے وتر کی قضاء پڑھی جاتی ہے۔یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر سنتوں سے زیادہ قوی ہیں اور فرائض سے کم ہیں کیونکہ وتر کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ وتر کے لئے اذان دی جائے گی اور رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت بھی شروع نہیں ہے۔اس کے سوا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں: حضرت ابو بصرہ الغفاری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاریب اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کردی ہے سنو! وہ وتر ہے اس کو عشاء سے لیکر طلوع فجر تک پڑھا کرو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ :297/2)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کا وجوب باقی فرائض کے بعد مقرر ہوا کیونکہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کردی ہے اور زیادہ کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے جبکہ سنتوں کی اضافت رسول اللہ ﷺ کی طرف ہوتی ہے اور زیادتی کا تحقق بھی واجبات میں ہوتا ہے کیونکہ واجبات کا عدد معین ہوتا ہے اور نوافل کی کوئی گنتی، شمار اور انتہاء نہیں ہوتی۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا: مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات ہیں اور ایک روایت میں ہے: رات کے وتر دن کے وتر کی طرح ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق 19/3)

اور صحابہ کرام ﷺ کا اتفاق ہے کہ تراویح کی مقدار بیس رکعات ہیں کیونکہ دن اور رات کے واجبات کی تعداد بھی بیس ہے اور دن اور رات کے واجبات کی تعداد بیس رکعت تبھی ہوگی جب وتر کو واجب قرار دیکر دیگر واجبات میں شامل کیا جائے۔ البتہ وتر کا وجوب ظنی دلیل سے ثابت ہوا ہے۔ اس لئے اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور باقی فرائض سے اس کا مرتبہ کم ہوگا اور اس پر فرض کا اطلاق نہیں ہوگا۔ بہر حال فرض صرف پانچ نمازیں ہیں اور فرائض اور واجبات میں ہمارے نزدیک فرق ظاہر ہے۔ (المبسوط :156/1)

وجوب وتر پر احناف کے دلائل۔

حدیث: حضرت ابو ایوب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔

(ابو دائود حدیث :1212-1422 مشکوۃ 1265)

حدیث: اور انہی سے روایت ہے: اَلْوِتْرُ حَقٌّ وَاجِبٌ وتر حق واجب ہے۔

(دار قطنی :22/2)

حدیث : حضرت بریدہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا، اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔ وتر لازم ہیں اور جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر لازم ہیں اور جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں، وتر لازم ہیں اور جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(ابو داؤد حدیث :1209- 1419 مشکوٰۃ1278)

یعنی وتر فرضِ عملی اور واجب اعتقادی ہیں۔ (مرقاۃ) لہٰذا جو اس کے وجوب کا منکر ہو اور انکار کرے وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے یعنی گمراہ ہے اور جو اسے واجب جانتے ہوئے بھی نہ پڑھے وہ جماعت صالحین سے خارج ہے اور سخت گنہگار ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں، خیال رہے کہ جو مجتہد تاویل سے اس کے وجوب کا انکار کرے ان کو ہم گمراہ نہیں کہتے، جیسا کہ تمام فرائض عملی اور واجبات کا حال ہے۔ ہم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کو سخت منع کرتے ہیں۔ امام شافعی (سری نمازوں میں) واجب فرماتے ہیں مگر کوئی کسی کو گمراہ نہیں کہہ سکتا۔ (مرآۃ شرح مشکوٰۃ :279/2)

حدیث : حضرت خارجہ بن حذافہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی ہے اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے آج رات ایک نماز کو زیادہ فرمایا ہے، جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) وہ کون سی نماز ہے؟ فرمایا: وتر (جس کا وقت) عشاء کی نماز سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔

(المصنف ابن ابی شیبہ 297/2 ترمذی _452-414 ابوداؤد 1208-1418 مشکوٰۃ :1267)

یہ حدیث خارجہ بن حذافہ کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی لفظوں کے تھوڑے فرق کے ساتھ مروی ہے۔ حافظ ذیلعی نے نصب الرایہ میں خارجہ کے علاوہ مندرجہ ذیل سات صحابہ سے اس کی تخریج کی ہے:

(۱) عمرو بن العاص ﷛ (۲) عقبہ بن عامر ﷛ (۳) ابن عباس رضی اللہ عنہما (۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما (۵) ابو بصرہ الغفاری ﷛ (۶) ابو سعید الخدری ﷛ (۷) عمرو بن شعیب عن ابیہ

عن جدہ ﷺ (نصب الرایہ 109-111/2)

اس حدیث سے ہمارا استدلال دو طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ اس میں وتروں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے آج رات ایک نماز کو زیادہ فرمایا ہے''۔ کسی چیز میں زیادتی ہمیشہ اس چیز کی جنس سے ہوتی ہے اس لئے پانچ فرائض میں وتر کی زیادتی اس بات کو مستلزم ہے کہ وتر بھی فرض ہو لیکن چونکہ یہ اخبار احاد اور ظنی دلائل سے ثابت ہے اس لئے واجب قرار پائے گا۔

دوسرا استدلال اس طرح ہے کہ اس حدیث میں وتروں کے وقت کی تعیین کی گئی ہے اور اتنی اہمیت کے ساتھ وقت کی تعیین عام طور پر واجبات ہی میں کی جاتی ہے۔

حدیث: حضرت ابو بصرہ الغفاری ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انّ اللہ زادکم صلاۃ و ھی الوتر فصلوھا بین صلوٰۃ العشاء إلی صلوٰۃ الصبح۔ لاریب اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کردی ہے سنو! وہ وتر ہے اس کو عشاء سے لیکر طلوع فجر تک پڑھا کرو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 297/2:)

اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ امام احمد اور امام ھیثمی نے بھی بیان کیا ہے۔ اس حدیث سے اولاً استدلال اس وجہ سے ہے کہ زائد مزید علیہ کی جنس سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا جیسے پہلی نمازیں لازمی تھیں یہ بھی لازمی ہے۔

اور ثانیاً اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھنے کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر رہ جانے کی صورت میں اس کی قضا کا حکم دیا ہے اور یہ وتر کے واجب ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ قضاء واجب کی ہوتی ہے سنت یا نفل کی قضا نہیں ہوتی۔

حدیث: حضرت ابو سعید ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص وتر سے سو جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جس وقت یاد آئے وتر پڑھ لے۔

(ترمذی 427- 465 مشکوٰۃ 1279:3)

یعنی ان کی قضاء واجب ہے۔ یہ امر وجوب کے لئے ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں۔

حدیث: حضرت جابر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ خدشہ ہو کہ وہ رات کے پچھلے پہر نہیں اٹھ سکے گا، وہ اوّل رات وتر پڑھ لے اور جس شخص کو رات کے آخری حصہ میں اٹھنے کا شوق وعادت ہو، وہ رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ افضل ہے۔

(مسلم حدیث1255- 755مشکوٰۃ:1260)

اس حدیث میں دونوں جگہ امر کے صیغے ہیں اور امر وجوب کے لئے ہے یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر واجب ہیں۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین نے وتروں کو صراحۃً تو واجب نہیں کہا لیکن وجوب کی بہت سی امارات کو ان حضرات نے بھی یہاں تسلیم کیا ہے۔

۱: ائمہ ثلاثہ سے منقول ہے کہ تارکِ وتر کی شہادت مقبول نہیں۔

۲: سب ائمہ کے نزدیک وتر کی قضاء ہوتی ہے اور حدیث میں بھی قضاء کا امر ہے۔

۳: اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ وتروں پر آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں نے مواظبت کی ہے۔

حدیث: روایت ہے امام مالک سے کہ انہیں خبر پہنچی کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا وتر واجب ہیں؟ آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور لوگوں نے وتر پڑھے تو وہ شخص بار بار آپ پر سوال کرنے لگا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بار بار یہی کہتے رہے: رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھے اور لوگوں نے وتر پڑھے۔

(موطا امام مالک ص:124 مشکوٰۃ:1280)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے احتیاطاً صراحۃً وجوب کا لفظ استعمال نہیں فرمایا لیکن وجوب کی دلیل اور امارت بیان کردی۔ مواظبت بدون الترک وجوب کی دلیل ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ ہر عمل کو صراحۃً نہ فرماتے کہ یہ فرض ہے، یہ واجب ہے، یہ سنت ہے۔ علماء نے علامات سے فرضیت وغیرہ ثابت کی تا کہ امت کے لئے گنجائش رہے اور علماء کا اختلاف رحمت ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین چیزوں کی وصیت کی: ہر ماہ تین روزے رکھنے کی، دو رکعت نماز چاشت کی، اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔ (مسلم:1182-721 بخاری:1845-1981 مشکوۃ 1262)

وتر کا اتنا اہتمام بھی اس کے وجوب کی دلیل ہے غرضیکہ وتروں میں وجوب کی امارات سب ائمہ تسلیم کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ امام صاحب نے صراحۃً وجوب کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ دوسرے ائمہ نے صراحۃً واجب نہیں کہا۔ تو اختلاف لفظی سا ہوا اور اس لفظی اختلاف کی وجہ ایک دوسرا اصولی اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ امام ابوحنیفہ فرض اور سنت کے درمیان وجوب کے مستقل درجہ کے قائل ہیں۔ فرض، واجب اور سنت تینوں الگ الگ درجے ہیں۔ اور تینوں میں فرق دلائل کے مراتب میں فرق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اتنی بات پر تو سب ائمہ متفق ہیں کہ وتر کا درجہ فرض نماز سے کم ہے اور عام سنن ونوافل سے اس کی اہمیت زیادہ ہے لیکن امام صاحب چونکہ فرض اور سنت کے درمیان وجوب کے مستقل درجہ کے قائل تھے۔ اس لئے آپ نے بڑی آسانی کے ساتھ کہہ دیا کہ وتر واجب ہیں۔ ائمہ ثلاثہ چونکہ واجب کو مستقل حیثیت نہیں دیتے اس لئے ان کے یہاں مشکل پیش آئی کہ وتروں میں تمام اماراتِ وجوب تسلیم کرتے ہوئے اور انہیں دوسری سنن سے اہم سمجھتے ہوئے بھی صراحۃً اسے واجب نہیں کہہ سکے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب۔

اہم دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں سواری پر وتر پڑھنے کا ذکر ہے اور سواری پر فرض یا واجب نہیں پڑھے جاتے، اس سے ثابت ہوا کہ وتر نفل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر وتر پڑھے۔ (بخاری)

اس کے دو جواب ہیں: اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل وتر کو واجب قرار دینے سے پہلے کا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: ممکن ہے کسی عذر کی بناء پر آپ نے سواری پر وتر پڑھے ہوں جیسا

کہ ترمذی اور ابو داود میں ہے کہ آپ نے کیچڑ کے عذر کی بناء پر فرض سواری پر پڑھے لیکن آپ سے ثابت ہے کہ آپ سواری سے اتر کر وتر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر نماز پڑھتے اور وتر اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(شرح معانی الاثار 429/1)

تیسرا جواب یہ ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جس طرح سواری پر وتر پڑھنا مروی ہے اسی طرح ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ سواری سے اتر کر وتر پڑھتے تھے اور جب ایک صحابی سے یہ دونوں فعل مروی ہیں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان احادیث پر عمل کیا جائے جن کی رو سے سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں کیونکہ اصول میں مقرر ہے کہ حلت اور حرمت میں تعارض ہو تو جانب حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ: یہ حدیث انہیں بھی مفید نہیں کیونکہ شوافع کا مسلک ہے کہ وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھے اور امت کے لئے سنت تھے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وتر واجب ہیں اگرچہ امت کے حق میں سنت ہیں۔ (شرح المھذب 20/4)

حدیث: قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (سواری سے اتر کر) زمین پر وتر پڑھتے تھے۔ (مصنف عبد الرزاق :579/2)

حدیث: سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے اور زمین پر وتر پڑھتے۔

(مصنف عبد الرزاق :579/2)

امام احمد نے بھی اس سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے مگر اس میں یہ اضافہ ہے:

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نوافل سواری پر پڑھتے تھے۔ جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے اور زمین پر وتر پڑھتے۔ (احمد 4/2)

حدیث: ابن عون کہتے ہیں: میں نے قاسم سے سواری پر وتر پڑھنے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا: صحابہ کہتے تھے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما زمین پر وتر پڑھتے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ :303/2)

حدیث: بکر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے اور زمین پر وتر پڑھتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ :303/2)

حدیث: عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے اور زمین پر وتر پڑھتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ :303/2)

رکعاتِ وتر میں مذاہب۔

حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ شافعیہ کے نزدیک وتر ایک سے لے کر گیارہ تک کسی بھی طاق عدد کے مطابق پڑھے جا سکتے ہیں۔ وتر کی تیرہ رکعات ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ اس میں شافعیہ کا اختلاف ہوا ہے۔ بعض تیرہ رکعات کے بھی قائل ہیں اور بعض اس کے قائل نہیں۔ اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ وتر اور صلوٰۃ اللیل کے متعلق اکثر روایات میں گیارہ رکعات ہی کا تذکرہ ہے لیکن بعض روایات میں تیرہ رکعات بھی آئی ہیں۔ بعض ان تیرہ رکعتوں والی روایات کے پیش نظر تیرہ وتروں کے قائل ہو گئے ہیں۔ جن حضرات نے تیرہ کا تذکرہ کیا ہے انہوں نے فجر کی دو سنتوں کو بھی ساتھ شمار کیا ہے، اصل میں صلوٰۃ اللیل گیارہ رکعات ہی تھیں۔

شافعیہ کے نزدیک اگر تین رکعت پڑھے تو بہتر یہ ہے کہ دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرے فصل بالسلام کے ساتھ تین رکعتیں پوری کرے اور اگر پانچ یا اس سے زیادہ پڑھنی ہوں تو ان کے ہاں دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ ہر دو رکعت کے بعد قعدہ کر کے تشہد پڑھے اور دوسرا یہ کہ صرف آخری یا اس کے ساتھ آخری سے پہلے والی رکعت پر قعدہ کرے۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب بھی تعداد میں شافعیہ کے قریب قریب ہے تفصیلات میں

کچھ فرق ہے۔

حنفیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعات ہیں۔

حنفیہ اس میں اکیلے نہیں ہیں بلکہ اور بھی بہت سے سلف کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز ﷺ نے مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ کے مشورہ سے تین وتر رائج کیے تھے، فقہاء سبعہ یہ ہیں: (۱) سعید بن المسیب (۲) عروہ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد (۴) ابو بکر بن عبد الرحمن (۵) خارجہ بن زید (٦) عبید اللہ بن عبد اللہ (۷) سلیمان بن یسار ﷺ

صحابہ میں سے حضرت عمر ﷺ، حضرت علی ﷺ، ابن مسعود ﷺ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت انس ﷺ، ابو امامہ باہلی ﷺ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہ بہت سے صحابہ کا یہی مذہب تھا بلکہ ابن ابی شیبہ نے حضرت حسن بصری کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔ أجمع المسلمون على أن الوتر ثلاث لايسلم إلا فى آخرهن۔ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حسن بصری ﷺ کے زمانہ میں تین وتر کے قائلین کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ حسن بصری نے اسے اجماع کہہ دیا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ وتابعین میں عام رواج تین وتروں ہی کا تھا بلکہ ایک وتر پڑھنے والے کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا: آپ کی حضرت امیر معاویہ ﷺ کے بارے میں کیا رائے ہے؟ جبکہ وہ وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں؟ فرمایا: أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيهٌ انہوں نے درست کیا، بیشک وہ فقیہ ہیں۔ (بخاری 3481-3765 مشکوۃ: 1277)

یعنی امیر معاویہ ﷺ اتنی بڑی غلطی کرتے ہیں کہ وتر تین رکعت کی بجائے ایک رکعت ہی پڑھتے ہیں آپ انہیں سمجھاتے نہیں۔ فرمایا: امیر معاویہ عالم ہیں، فقیہ ہیں، مجتہد ہیں، مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے۔ لہذا نہ میں ان کو سمجھا سکتا ہوں اور نہ تم ان پر اعتراض کرو۔

حدیث: ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ ﷺ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے، ان کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام تھے، وہ ان کے پاس گئے اور

انہیں خبر دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہیں چھوڑ دو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے ہیں۔ (بخاری_ 3480 3764 مشکوٰۃ :1278)

یعنی اگرچہ ان کا یہ عمل غلط ہے لیکن بزرگوں خصوصاً صحابہ کی غلطی پکڑنا اور ان پر زبانِ طعن دراز کرنا سخت غلطی ہے۔ یہ حدیث امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کی اکثریت تین وتروں ہی کی قائل تھی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہو چکا تھا۔ صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کسی غلط فہمی سے یا بے خبری سے ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خادم کو اس پر تعجب ہوا اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شکایت کی اور حیرت کا اظہار کیا کہ آپ انہیں مسئلہ کیوں نہیں بتاتے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ نہ کہا کہ مسئلہ یا ان کا یہ فعل صحیح ہے بلکہ صرف یہ فرمایا کہ وہ بوجہ صحابی اور مجتہد ہونے کے ملامت کے لائق نہیں اور نہ اس بناء پر ان سے قطع تعلق کرنا جائز۔

(مرآۃ شرح مشکوٰۃ :279/2)

تین رکعت وتر پر احناف کے دلائل۔

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (تہجد کی آٹھ رکعات ادا کرنے کے بعد) تین رکعت (وتر) پڑھتے۔ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فقال يا عائشةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ ولا يَنَامُ قَلْبِي آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں۔ فرمایا اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

(بخاری حدیث :1079-1147 مسلم 1219-:738 اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے)

حدیث: عبد العزیز بن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کیا پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلى پڑھتے، دوسری میں قل يا ايها الكافرون اور تیسری میں قل هو الله احد اور معوذتین پڑھتے تھے۔

(ترمذی حدیث_ 425 463 ابو داؤد 1213- 1424 - ابن ماجہ_ 1173-1163 مشکوٰۃ 1269 مستدرک حاکم 305/1)

حدیث: امام حاکم نے سعد بن ہشام کی روایت کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے: کان رسول اللہ ﷺ لا یسلم فی الرکعتین الاولیین۔ رسول اللہ ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (مستدرک حاکم 304/1)

حدیث: مسند احمد نے سعد بن ہشام کی روایت ان الفاظ میں نقل کی ہے: رسول اللہ ﷺ جب نماز عشاء سے فارغ ہوتے تو گھر میں تشریف لاتے پھر دو رکعتیں پڑھتے پھر ان کے بعد دو رکعتیں ان سے طویل پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے۔ ان کے درمیان فصل نہیں کرتے تھے پھر بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ (احمد 156/6)

ہر چند کہ ائمہ ثلاثہ بھی تین رکعت کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں پھر ایک رکعت کے بعد دوبارہ سلام پھیرتے ہیں جبکہ احادیث میں اس کے خلاف ہے۔

حدیث: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلى پڑھتے تھے دوسری میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری میں قل ھواللہ احد پڑھتے تھے۔ لا يُسَلِّمُ إلا فِي آخِرِهِنَّ اور سلام صرف آخر میں پھیرتے تھے اور سلام کے بعد تین بار کہتے تھے: سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ۔

(نسائی 175/1 مطبوعہ نور محمد کاخانہ تجارت کراچی،
کتاب قیام الیل حدیث 1683-1701)

دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرنے والی روایت کو علامہ نووی نے بھی صحیح قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے اس کو نسائی نے سند حسن اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (شرح المهذب 17-18/4)

حدیث: عن الحسن قال: أجمع المسلمون على أن الوتر ثلاث لا يسلم

إلا في آخرهن- امام حسن بصری ؒ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور ان کے آخر میں سلام پھیرا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 194/2)

حدیث: عن الحسن قال: کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لایسلم إلا فی الثالثة مثل المغرب- امام حسن بصری ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب ؓ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور مغرب کی نماز کی طرح تین رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق 26/3)

حدیث: عن ثابت عن انس أنه اوتر بثلاث لم یسلم إلا فی آخرهن- حضرت ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس ؓ نے تین رکعات نماز وتر پڑھی اور صرف آخر میں سلام پھیرا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 294/2 مصنف عبد الرزاق 26/3)

حدیث: ابو اسحاق بیان کرتے ہیں: حضرت علی ؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے اصحاب وتر کی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 294/2)

ائمہ ثلاثہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایک رکعت نماز وتر پڑھنا جائز ہے اور احناف کے نزدیک ایک رکعت وتر پڑھنا جائز نہیں، دلائل یہ ہیں:

حدیث: أن رسول اللہ ﷺ نهى عن البتیراء أن یصلی الرجل واحدة یوتر بها- حضرت ابو سعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دُم بریدہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یعنی کوئی شخص ایک رکعت نہ وتر پڑھے۔

(نصب الرایہ 120/2 درایہ 114/1 عمدۃ القاری 4/7)

ابن الترکمانی فرماتے ہیں کہ عقیلی کے سوا متقدمین میں سے کسی نے عثمان بن محمد بن ربیعہ پر جرح نہیں کی اور ان کی جرح بھی معمولی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ان کی روایات جمع کی ہیں۔

(الجوهر النقی :27/3)

علامہ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

(لسان المیزان 152/4)

حدیث: محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں: أن النبی ﷺ نهی عن البتیراء کہ
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُم کٹی (ایک رکعت) نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

(نیل الاوطار قاضی شوکانی)

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ما أجزأت ركعة واحدةٌ قطُّ۔ میں ایک رکعت وتر کو ہرگز کافی نہیں سمجھتا۔

(موطا امام محمد بن حسن شیبانی حدیث 264 ص:96)

ہر چند کہ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن چونکہ یہ بات قیاس اور رائے سے نہیں کہی جاسکتی اس لئے یہ حدیث حکماً مرفوع ہے۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: الوتر ثلاث كصلاة المغرب۔ وتر تین رکعات ہیں مغرب کی نماز کی طرح۔

(موطا امام محمد بن حسن شیبانی حدیث 261 ص:96)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات۔

تین رکعات نماز وتر پر ائمہ ثلاثہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں تین رکعات نماز وتر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین رکعت وتر مت پڑھو، پانچ یا سات رکعات وتر پڑھو اور وتر کو مغرب کی نماز کے مشابہ نہ کرو۔ (دار قطنی 25/2)

اس اعتراض کے تین جواب ہیں: اوّل یہ کہ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی منافی ہے کیونکہ تین رکعت وتر کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں اور مالکیہ کے نزدیک تین رکعت پڑھنا اولی ہے بلکہ علامہ نووی شافعی نے ایک سلام کے ساتھ بلا فصل تین رکعت پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں: جب کوئی شخص تین رکعت نماز وتر پڑھنے کا ارادہ کرے۔ اس میں اختلاف ہے کہ افضل طریقہ کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ تین رکعت بلا فصل پڑھنا افضل ہے۔ شیخ ابوزید ابو مروزی نے کہا: اس صورت میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف نہیں رہے گا کیونکہ دو فصل

کے ساتھ وتر کو صحیح قرار نہیں دیتے۔ (شرح المهذب :13/4)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث کے معارض اور خلاف ہے جو اس سے زیادہ قوی اور صحیح کتب میں موجود ہیں کیونکہ بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق سے ہم تین رکعات وتر کے ثبوت میں احادیث نقل کر چکے ہیں بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ نے تین رکعات وتر پر اجماع نقل کیا ہے۔ لہٰذا سنن دار قطنی کی اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ خود سنن دار قطنی میں اس کے خلاف روایت موجود ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وتر اللیل ثلاث کوتر النہار صلوٰۃ المغرب رات کے وتر کی تین رکعات ہیں جیسے دن کے وتر مغرب کی تین رکعات ہیں۔

(دار قطنی 28/2، طبرانی کبیر ج ،ص ،،، آثار السنن ص ،،،)

حدیث: امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں: عن ثابت عن انس أنه اوتر بثلاث مثل المغرب۔ حضرت ثابت بیان کرتے ہیں: کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعات نماز وتر پڑھی مغرب کی طرح۔ (مصنف عبد الرزاق 26/3 مصنف ابن ابی شیبه 294/2)

جن روایات میں فصل اور دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنے کا ذکر آیا ہے وہ سب ان احادیث صحیحہ اور اجماع مسلمین سے منسوخ اور متروک ہیں۔

ایک رکعت وتر پر استدلال کا جواب۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ایک رکعت کے ساتھ (ان رکعات کو) وتر (طاق) کرتے تھے۔ (مسلم)

اس مضمون کی متعدد روایات ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ استدلال کرتے ہیں۔ احناف کے نزدیک ایسی تمام روایات اس معنی پر محمول ہیں کہ یہ ایک رکعت دوگانہ سے ملی ہوئی ہوتی تھی۔ وجہ حمل یہی ہے کہ ایک رکعت نماز پڑھنا ممنوع ہے اس پر دلائل گزر چکے ہیں۔ طریق التوفیق

بین الاحادیث یہ ہے کہ ہم کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت پڑھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے لیکن آخری امر یہ تھا کہ وتر تین رکعت ہیں بغیر سلام کے۔ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے جسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔

حدیث: ابو خالدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے وتر کے بارے میں سوال کیا: انہوں نے کہا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے یہ بتایا ہے کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں سوائے اس کے کہ ہم وتر کی تیسری رکعت میں قراءت کرتے ہیں۔ وہ رات کے وتر ہیں اور یہ دن کے وتر ہیں۔ (طحاوی باب الوتر 293/1)

وتر میں دعائے قنوت قبل از رکوع پڑھی جائے۔

امام شافعی فرماتے ہیں: قنوت رکوع کے بعد ہے ان کی دلیل حضرت محمد بن سیرین والی حدیث ہے لیکن وہ وتر کے قنوت کے بارے میں ہے ہی نہیں۔ اس لئے اس سے استدلال درست نہیں، وہ ایک ہنگامی صورتِ حال میں صرف ایک مہینے تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا پھر چھوڑ دیا جیسا کہ ابوداؤد میں چھوڑنے کی تصریح ہے۔

(قنت شهرا ثم تركه) (ابو داود حديث 1445:1233)

معلوم ہوا کہ قنوت خاص حادثے کی وجہ سے تھا اور عارضی تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی حادثے کے وقت قنوت پڑھنا سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قنوت رکوع سے پہلے ہے اور دلائل کے لحاظ سے امام صاحب کا قول زیادہ قوی ہے۔

علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک رکوع سے پہلے قنوت کرے جیسا کہ ہم آثارِ صحابہ سے نقل کر چکے ہیں کیونکہ قنوت حکماً قراءت ہے اور جبکہ قرات رکوع سے پہلے ہے تو قنوت بھی رکوع سے پہلے ہوگا، امام شافعی رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا قول کرتے ہیں اور اس پر ان کے پاس کوئی حدیث نہیں ہے۔ انہوں نے وتر کے قنوت کو نماز فجر کے قنوت پر قیاس کیا ہے۔

دعائے قنوت قبل از رکوع۔

حدیث: عاصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: قنوت ثابت ہے، میں نے پوچھا رکوع سے پہلے یا بعد؟ فرمایا: قبل الرکوع رکوع سے پہلے۔ میں نے عرض کیا کہ فلاں نے مجھے آپ کی بابت بتایا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد کہا ہے؟ فرمایا: **كذب انما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا۔** اس نے جھوٹ کہا ہے رکوع کے بعد تو رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک مہینہ دعاء قنوت پڑھی ہے۔(بخاری حدیث :947-1002 مسلم :1087-677 مشکوٰۃ:1289)

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

حدیث: حضرت عاصم کی یہ روایت کتاب **المغازی** میں عبدالعزیز کی روایت کے مطابق ہے جس میں ایک شخص نے حضرت انس ؓ سے پوچھا کہ دعاء قنوت رکوع کے بعد ہے یا قراءت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا: بلکہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت انس ؓ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دعاء قنوت کسی خاص وجہ سے (دعاء وغیرہ کے لئے) پڑھی جائے تو بالاتفاق رکوع کے بعد ہے اور جو قنوت عام حالات میں پڑھی جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر یہی ثابت ہے کہ وہ رکوع سے پہلے ہے۔(فتح الباری 491 باب القنوت قبل الرکوع او بعدہ)

امام ترمذی فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ تمام سال قنوت مشروع قرار دیتے تھے اور ان کا مسلک تھا کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جائے۔

(ترمذی حدیث:426-464 کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی القنوت فی الوتر)

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ 302/4)

حدیث: علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور دیگر نبی کریم ﷺ

کے اصحاب ؓ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 302/2)

حدیث: اسود بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 302/2)

حدیث: حضرت ابی بن کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ: ان رسول اللہ ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔
(ابو داؤد حدیث :1215-1427)

حدیث: حضرت ابی بن کعب ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی دوسری میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری میں قل هوالله احد پڑھتے تھے: ویقنت قبل الرکوع: اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

(نسائی 1681-1699 ابن ماجہ 1171-1182)، ابن ابی شیبہ)(1/41/12 ابوداود، والنسائی فی السنن الکبری 2_(1/218) واحمد والطبرانی والبیهقی وابن عساکر (2/244/4) بسند صحیح (صفۃ صلوۃ النبی ﷺ از غیر مقلد البانی ص88-:179)

ان احادیث اور آثار کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی بکثرت احادیث وآثار ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد نے قیاس کی بنا پر ان تمام احادیث کو رد کر دیا اور امام مالک نے بھی وتر میں قنوت کا انکار کر کے بکثرت احادیث وآثار کو مسترد کر دیا۔

وتروں کی دو رکعتوں پر بغیر سلام کے قعدہ کرنا۔

حافظ ابن عبدالبر الاستیعاب میں لکھتے ہیں:

حدیث: علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ کو بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر رات رہیں اور دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کس طرح ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات رہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات میں جتنا اللہ کو منظور ہوا نماز پڑھی۔ جب رات کا آخری حصہ ہوا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی پڑھی اور دوسری میں قل یا ایها

الکافرون پھر قعدہ کیا پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو گئے پھر آپ ﷺ نے تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی پھر دعائے قنوت پڑھی جو اللہ کو منظور تھا دعائیں مانگیں پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا۔

(استیعاب 450/4 حاشیہ اصابہ 451)

دعائے قنوت کی تکبیر کہتے وقت رفع یدین کر کے ہاتھ باندھنا۔

حدیث: عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ أنہ کا ن یرفع یدیہ إذا قنت فی الوتر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قنوت وتر کے لئے رفع یدین کیا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 27-28/2)۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کی آخری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے پھر رفع یدین کرتے تھے پس رکوع سے قبل قنوت پڑھتے۔

(امام بخاری نے اپنے "جزء رفع الیدین" ص:28 میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔)

حدیث: ابوعثمان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔

(امام بخاری کا رسالہ رفع الیدین ص:28)

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے قرأت سے فارغ ہو کر دعائے قنوت کے لئے تکبیر کہی پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز میں قراءت سے فارغ ہو کر دعائے قنوت سے پہلے اور دعائے قنوت کے بعد تکبیر کہتے تھے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ سورۃ پڑھ کر فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے: پھر قنوت پڑھتے اور حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام پسند کرتے تھے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھیں پھر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور قنوت پڑھیں۔ (قیام اللیل از مروزی 230-229)

حدیث: حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت طلحہ بن مصرف سے اور وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا: سات مقام پر ہاتھ اٹھائیں جائیں: آغاز نماز میں، وتروں میں

تکبیر قنوت کے وقت ،عیدین میں، حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت، صفا اور مروہ، پر مزدلفہ اور عرفات میں اور دو جمروں کے پاس ٹھہرتے وقت۔

(طحاوی المناسك باب رفع اليدين عند رؤية البيت 178/2)

ناصر الدین البانی غیر مقلد نے بھی اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے جس میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہے۔

حدیث: امام محمد امام ابو حنیفہ سے اور وہ حماد سے اور وہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ وتر میں قنوت واجب ہے۔ رمضان میں بھی اور غیر رمضان میں بھی اور جب تم قنوت پڑھنا چاہو تو تکبیر کہو اور جب قنوت کے بعد رکوع کرنا چاہو تب بھی تکبیر کہو۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہمارا عمل اسی کے مطابق ہے کہ قنوت سے پہلے کی تکبیر میں رفع یدین کرے جیسا کہ نماز کے شروع میں کیا جاتا ہے پھر ہاتھوں کو رکھ لے اور دعائے قنوت پڑھے یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (كتاب الآثار 579/1 كتاب الحجه 200/1)

دُعائے قنوت میں ہاتھ باندھ کر دعا کرنا۔

دورانِ نماز دعا کا اُصول یہ ہے کہ جس رکن میں دعا کی جارہی ہے، اسی رُکن کی کیفیت پر رہتے ہوئے دعا کی جاتی ہے۔ جیسے قعدۂ اخیرہ کے آخر میں دعا کی جاتی ہے نیز جلسہ (سجدوں کے درمیان) میں دعا کی جاتی ہے۔ اسی طرح نفل نماز کے سجدوں میں اگر دعا کی جائے تو اسی کیفیت پر رہتے ہوئے دعا کی جائے گی۔ لہٰذا وتروں میں رکوع سے قبل جب قنوت پڑھی جائے گی تو ہاتھ باندھے ہوئے ہی پڑھی جائے گی۔

دعائے قنوت

حدیث: حضرت خالد بن ابی عمران کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعائے قنوت سکھائی:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ

وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَإِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ۔ یہ دعا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی سند متصل کے ساتھ نقل کی ہے۔ (سنن بیہقی باب دعاء القنوت مروزی: قیام الیل 232)

اور بہتر یہ ہے کہ اس دعا کے ساتھ وہ دعا بھی پڑھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمائی تھی۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمات سکھائے جنہیں میں وتر کے قنوت میں پڑھا کروں اور اس کے آخر میں درود شریف بھی ہے۔

حدیث: اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِیْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَيْتَ إِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَايَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ۔

(ابو داؤد_1214 1425 نسائی 1726-1746 بہار شریعت 5/4 مشکوۃ 1273)

اس دعا میں جمع کے صیغے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں اهْدِنِیْ کی بجائے اهْدِنَا پڑھیں:
اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنَا فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنَا فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لَنَا فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنَا شَرَّمَا قَضَيْتَ۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کے آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

(ابو داؤد_1215 1426 بہار شریعت 5/4 مشکوۃ 1276)

جو دعائے قنوت نہ پڑھ سکے تو یہ پڑھے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا۔ (بہار شریعت 4/6)

دعائے قنوت واجب ہے۔

حدیث: حضرت اسود فرماتے ہیں کہ میں چھ مہینہ حضرت عمر ﷺ کی صحبت میں رہا وہ ہمیشہ وتر میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ بھی سال بھر دعا قنوت پڑھتے تھے نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ سے منقول ہے کہ وتر میں دعا قنوت واجب ہے۔
(مروزی: قیام الیل 225)

حدیث: حضرت حماد و سفیان فرماتے ہیں کہ جو شخص وتر میں دعائے قنوت پڑھنا بھول جائے تو وہ سجدہ سہو کرے۔ (مروزی: قیام الیل 242)

دعائے قنوت پڑھے، آہستہ پڑھے، امام ہو یا منفرد یا مقتدی، ادا ہو یا قضاء، رمضان میں ہو یا اور دنوں میں۔ (دُرِ مختار، بہار شریعت ،،،)

وہابیوں سے بارہ سوالات۔

وہابی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب قرآن و حدیث ہے جب کہ یہ صریح مغالطہ اور جھوٹ ہے۔ اگر سچے ہیں تو ان سوالات کے جواب صحیح احادیث سے پیش کریں۔

۱: کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ وتر میں بعد از رکوع عام دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے؟

۲: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کرنے کا حکم فرمایا ہے یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نمازِ جنازہ کی تمام تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین فرمایا ہے؟

۳: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کس کس شہید صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی؟

۴: ایک صحیح مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز جنازہ میں امام دعائیں بلند آواز سے پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں۔

۵: ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ نماز وتر میں رکوع کے بعد امام بلند آواز سے

دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی صرف آمین آمین پکاریں۔

۶: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا تھا کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے تھے؟

۷: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کہنی پر رکھا تھا؟

۸: ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا سال تہجد کی اذان کا حکم فرمایا ہو، وہ اذان رمضان شریف میں سحری کھانے کے لئے نہ ہو بلکہ پورا سال تہجد پڑھنے کے لئے ہو۔

۹: ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دیا ہو یا خود پڑھی ہو۔

۱۰: ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک عند الرکوع وبعد الرکوع رفع الیدین کیا تھا؟

۱۱: ایک صحیح، صریح، مرفوع غیر محتمل حدیث پیش کریں کہ کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم حدیث میں ہو۔

۱۲: ایک صحیح، صریح، مرفوع حدیث پیش کریں کہ جس میں نماز میں دو، دو فٹ کھلے پاؤں کر کے کھڑے ہونے کا حکم ہے؟

☆☆☆

نماز کے بعد دعا مانگنے کا بیان

نجدی وہابی سنتوں اور نوافل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتے ہیں، فرائض کے بعد نہیں۔ اگر یہ دعا کریں بھی تو دعا کے بعد منہ پر ہاتھ نہیں پھیرتے اور کہتے ہیں کہ منہ پر ہاتھ پھیرنے والی احادیث ضعیف ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں کس صحیح حدیث میں یہ درج ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی حدیث پیش نہ کرسکیں تو ثابت ہو گیا کہ یہ حدیث کے بجائے اپنی رائے سے ایک نیا دین پیش کر رہے ہیں۔ ان بے چاروں کو علم ہی نہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی محدثین نے اجازت دی ہے۔ جب انہوں نے خود اجازت دی ہے تو تم کون ہوتے ہو روکنے والے اور میں اس بات کی گارنٹی دیتا ہوں کہ میری پیش کردہ احادیث میں کوئی حدیث موضوع نہیں ہوگی کیونکہ موضوع حدیث من گھڑت حدیث کو کہتے ہیں جس پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اب میں نیچے فرض نماز کے بعد دعا مانگنے کے ثبوت میں تقریباً 20 احادیث پیش کر رہا ہوں تا کہ ان کو روزِ قیامت کوئی عذر باقی نہ رہے کہ ہمیں کسی نے بتایا نہیں تھا۔

ایک نجدی نے کہا کہ فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت ہے اور اسی طرح اجتماعی دعا مانگنا کہ بعض دعا مانگ رہے ہوں اور بعض آمین کہہ رہے ہوں بدعت ہے۔ میں نے کہا: یہاں مکہ و مدینہ میں وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جاتی ہے اور رمضان میں اجتماعی دعا مانگی جاتی ہے۔ اس کے متعلق کوئی حدیث پیش کرو۔ کہنے لگے مرفوع حدیث تو کوئی نہیں، بعض آثار ثابت ہیں کہ بعض صحابہ نے ہاتھ اٹھائے ہیں اور بعض نے نہیں اٹھائے۔ میں نے کہا چلو وہ آثارِ صحابہ ہی لا کر دکھانا آج تک نہیں لائے۔ ان کو چاہئے کہ ثبوت پیش کریں ورنہ وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کیا کریں۔ وہ نہ معلوم وتروں میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت لائیں یا نہ لائیں لیکن میں فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے اور اجتماعی دعا مانگنے کا ثبوت پیش کر رہا

ہوں اور وہ بھی غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی کی کتاب ''تحفۃ الذاکرین'' سے۔ وما توفیقی إلا باللہ سبحانہ وتعالی عزشانہ وتم برھانہ۔

نماز کے بعد دعا کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

حدیث: حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ دعا کرتے تھے: اللّٰھم إنی أسألُكَ رِزْقاً طَيِّبًا وَعِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا۔

(اخرجه الطبرانی فی الصغیر، تحفة الذاکرین ص:159
مطبوعه بیروت لبنان الطبعة الاولی 1408ھ)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے مانگتے تھے۔ اللھم رَبَّ جبریلَ ومیکائیلَ وإسرافیلَ أَعِذْنِي مِنْ حَرِّ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

(اخرجه الطبرانی فی الاوسط، تحفة الذاکرین ص:156
مطبوعه بیروت لبنان الطبعة الاولی 1408ھ)

حدیث: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی تو آپ نے نماز سے فراغت کے بعد یہ دعا مانگی۔ اللھم اغْفِرْ لِی خَطَايَايَ وَعَمْدِيْ اللھم اهْدِنِي لِصَالِحِ الْأَعْمَالِ وَالْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِصَالِحِهَا وَلَا يَصْرِفُ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ۔

(اخرجه البزار، تحفة الذاکرین ص:157 مطبوعه بیروت لبنان الطبعة الاولی 1408ھ)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے سر پر رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: بسم اللہ الذی لا إلہ إلا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ عَنِّي الْهَمَّ وَالْحَزَنَ۔

(اخرجه الطبرانی والبزار، تحفة الذاکرین ص:158 مطبوعه بیروت لبنان
الطبعة الاولی 1408ھ)

حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن

ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! میں ضرور تم سے پیار کرتا ہوں انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اور میں بھی بخدا آپ سے محبت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے معاذ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ان کلمات کو نہ چھوڑنا۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّي عَلَى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ

(اخرجه احمد حدیث _ 21614 21103- ابو داود 1301- 1522 مشکوۃ 949)۔

(تحفة الذا کرین ص:157 مطبوعه بیروت لبنان الطبعة الاولی 1408ھ)

نماز فجر اور مغرب کے بعد کی دعا۔

حدیث: نماز فجر اور نماز مغرب کے بعد کسی سے کلام کرنے سے پہلے یہ دعا سات مرتبہ پڑھے: اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِي مِنَ النَّارِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دعا پڑھنے والا اگر اس دن یا رات میں مرجائے تو اس کے لئے جہنم سے آزادی لکھ دی جائے گی۔

(ابو داؤد 4417-5079 مشکوۃ 2396)

نماز کے بعد کے اذکار۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من سبح لله فِي دُبُرِ كُلِّ صَلاةٍ ثَلاثًا وَثَلاثِيْنَ وَحَمِدَ اللهَ ثَلاثًا وَثَلاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللهَ ثَلاثًا وَثَلاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لاإِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لاشَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ جو آدمی نماز کے بعد 33 بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھتا ہے۔ یہ کل ۹۹ بار ہوئے اور اس کے بعد یہ کلمہ لا إله الا اللهُ وَحْدَهُ لاشريك لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ پڑھ کر سو کی گنتی پوری کرے تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

(مسلم _ 939 597 مشکوۃ 967)

ایک روایت میں 34 بار اللہ اکبر کہنا بھی ہے لیکن اس میں یہ چوتھا کلمہ نہیں دونوں طریقے صحیح ہیں۔

حدیث: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز کے بعد کچھ ایسے اذکار ہیں جنہیں پڑھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا: 33 بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر۔ (مسلم حدیث_937 596)

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا الْمَوْتُ۔ جو ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اسے موت کے سوا کوئی چیز جنت کے داخلے سے نہ روکے گی اور جو بستر پر لیٹتے وقت اسے پڑھ لے تو اللہ اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر اور ارد گرد کے گھروں کو امن دے گا۔ (بیہقی مجمع الزوائد 102/10 مشکوٰۃ974)

حدیث: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفر اللہ کہتے اور یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (مسلم حدیث 931-591 مشکوٰۃ 961)

جن فرضوں کے بعد سنتیں ہوں وہاں دعا مختصر مانگے اور جن کے بعد سنتیں نہ ہوں مثلاً فجر اور عصر تو ان میں دعا طویل مانگے۔

حدیث: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فرض کے بعد یہ دعا کرتے تھے: لا إله الا الله وَحْدَهُ لاشريكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لامَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ الٰہی جو تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روک لے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور تیرے مقابل مال دار کو مال نفع نہیں دے سکتا۔

(بخاری حدیث 799-7 844 مسلم 933-593 مشکوٰۃ962)

حدیث: حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھتے تھے: لا إله الا الله وَحْدَهُ لاشريكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لاحَوْلَ ولا قُوَّةَ إلا بِاللهِ لا إله الا اللهُ ولا نَعْبُدُ إلا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ

اَلْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لا إله الا الله مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ اور انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ ان کلمات کو ہر نماز کے بعد بلند آواز سے فرماتے تھے۔ (مسلم_594 935--مشکوۃ963)

یہ حدیث ذکر بالجہر پر واضح دلیل ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کا اختتام تکبیر سے پہچانتا تھا۔ (بخاری -797- 842مسلم_583 -917 مشکوۃ959)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما زمانہ نبوی میں بہت کم عمر تھے اور جب کبھی وہ جماعت میں شریک نہ ہوتے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نماز کے بعد اتنی بلند آواز سے تکبیریں کہتے تھے کہ گھر میں آواز پہنچ جاتی تھی اور وہ سمجھ جاتے تھے کہ نماز ختم ہوگئی ہے۔ بعض مشائخ ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تین بار کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں ان کا ماخذ یہی حدیث ہے۔ اس حدیث سے نماز کے بعد تکبیر اللہ اکبر پڑھنے کا ثبوت مل رہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهد النبی ﷺ: فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اقدس سے ہے۔ (مسلم حدیث 919)

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل ذکر لا إله الا الله ہے اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔ (ترمذی 3305- 3383مشکوۃ2306)

اس لئے اگر نماز کے بعد یہ کلمہ لا إله الا الله پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ افضل ذکر ہے۔

نماز کے بعد دعاء کے لئے ہاتھ اُٹھانا۔

حدیث: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان ربکم حیی کریم یستحی من عبده اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفرا۔ تمہارا

رب حیاوالا کرم والا ہے اس سے حیاء فرماتا ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی ہاتھ لوٹادے۔

(ابو داود _ 1273 1488 -ترمذی _ 3479 3556 ابن ماجہ 3855-3865
بھیقی فی الدعوات الکبیر مشکوۃ 2244)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور وہ انہیں خالی نہیں لوٹاتا۔ اس میں وقت کی کوئی قید نہیں اگر نماز کے بعد بھی ہاتھ اٹھائے جائیں تو یہ اس حدیث پر عمل ہوگا۔ حدیث میں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ممانعت ثابت نہیں اور یہ بھی ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہ کی ہو بلکہ اس کے برعکس دعا مانگنا ثابت ہے۔

فرض نماز کے بعد دعا مانگنا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ: ان رسول اللہ ﷺ رفع یدیه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة۔ رسول اللہ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد اپنے ہاتھ اٹھائے اس حال میں کہ رخِ انور قبلہ کی طرف تھا۔ (ابی حاتم، معارف السنن ج، ص ۱۱۱)

حدیث: حضرت ابو اسود بن عامر ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز فجر پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو رخِ انور موڑا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا فرمائی۔ (معجم کبیر طبرانی ج، ص ۱۰۲، اعلاء السنن ج، ص ۱۶۷)

حدیث: حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (ﷺ) جب تم نماز پڑھ لو تو کہو: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ تَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ۔ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے اور مسکینوں کی محبت کا اور جب تو اپنے بندوں کے ساتھ فتنہ (آزمائش) کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں مبتلا کئے بغیر میری روح قبض کر لینا۔

(ترمذی حدیث 3157 مشکوۃ 726)

حدیث: محمد بن ابی یحیٰی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا، وہ نماز مکمل کرنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (طبرانی، مجمع الزوائد 169/10)

حدیث: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا: **جَوْفَ الیلِ الا خرِ وَدُبُرَ الصَّلَوٰتِ المکتوباتِ**: آخری رات کے درمیان میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

(ترمذی_3421 3499 مشکوۃ 1231-968)

یعنی دو وقت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں ایک تو آخری رات کے درمیان میں۔ خیال رہے کہ آخر جوف کی صفت ہے یعنی رات کا درمیانی حصہ جو آخری شب میں ہے اس طرح کہ رات کے دو حصے کرو، آخری آدھے کا درمیانی حصہ لو، یہی وقت تہجد کے لئے بہتر ہے اس وقت دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اور فرض نماز سے یا تو خود فرض نماز مراد ہے یا پوری نماز، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ نماز پنج گانہ میں فرضوں کے بعد بھی مختصر دعا مانگے اور پھر سنن ونوافل سے فارغ ہو کر بھی دعا کرے کہ یہ ساری نماز فرض ہی شمار ہوتی ہے۔ (مراۃ شرح مشکوۃ 122/2)

اجتماعی دعا

حدیث: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کچھ لوگ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ہاتھوں میں وہ چیز ڈال دیتا ہے جو انہوں نے مانگی ہے۔

(رواہ المعجم الکبیر رقم الحدیث 3843 ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد 169/10)

حدیث: حضرت حبیب بن سلمہ فہری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَا یَجْتَمِعُ مَلَاءٌ فَیَدْعُوْا بَعْضُھُمْ وَیُؤَمِّنُ بَعْضُھُمْ اِلَّا اَجَابَھُمُ اللہُ** کوئی بھی

قوم اجتماعی دعا نہیں مانگتی اس طرح کہ بعض ان میں دعا مانگتے ہیں اور بعض آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشتا ہے۔

(مجمع الزوائد 170/10 الحاکم ترغیب و ترھیب حدیث:726 قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اس صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ تحفۃ الذاکرین ص:52 مطبوعہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولی 1408ھ)

حدیث: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گھر سے مسجد کی طرف گیا۔ مسجد میں کچھ لوگ ہاتھ بلند کر کے اللہ عزوجل سے دعا مانگ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم لوگ دیکھ رہے ہو، ان لوگوں کے ہاتھوں میں کیا ہے؟ میں نے پوچھا: آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نور۔ میں نے عرض کیا: آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی وہ نور دکھائے۔ حضرت انس ﷺ نے کہا: آپ نے دعا کی اور میں نے وہ نور دیکھ لیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انس! جلدی کرو تاکہ ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں پھر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی چلا پھر ہم نے بھی ہاتھ بلند کئے۔

(کتاب الدعاء للطبرانی ص 85 رقم الحدیث 206، التاریخ الکبیر 202/3'
تفسیر تبیان القرآن 183/4)

غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز قرار دیا ہے۔ (دلیل الطالب)

غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی لکھتے ہیں: دعا کے آداب میں سے ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کندھوں تک بلند کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے تقریباً تیس مقامات پر دونوں ہاتھ بلند کر کے دعا کی ہے اور دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے جیسا کہ سنن ترمذی میں حضرت ابن عباس اور حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے مروی ہے۔

(تحفۃ الذاکرین ص:48 مطبوعہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولی 1408ھ)

دعا کے بعد ہاتھ منہ پر پھیرنا۔

حدیث: حضرت عمر بن خطاب ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: کان رسول اللہ ﷺ اذا

رَفَعَ يَدَيْهِ فِى الدعاء لَمْ يَحُطَّهُمَا حَتَّى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ: رسول اللہ ﷺ جب
دعا میں دونوں ہاتھ بلند فرماتے۔ جب تک اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر نہ لیتے
ان کو نیچے نہیں کرتے تھے۔ (ترمذی 3308-3386 مشکوۃ 2245)

حدیث: حضرت سائب بن یزید اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: كان
رسول اللهﷺ اذا دعا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ: رسول اللہ ﷺ جب دعا
کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرتے اور اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے۔
(ابو داود رقم الحدیث_ 1275 1492 بیہقی مشکوۃ 2255 تحفة الذاكرين ص:49
مطبوعہ بیروت لبنان الطبعة الاولى 1408ھ)

حدیث: حضرت مالک بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذا
سَأَلْتُمُ اللهَ فَاسْئَلُوْهُ بِبُطُونِ أَكُفِّكُمْ ولا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَإِذَا فَرَغْتُمْ
فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ: جب تم اللہ سے دعا کرو تو اپنی ہتھیلیوں سے مانگو ہاتھوں کی پشت
سے نہ مانگو پھر جب فارغ ہو جاؤ تو منہ پر ہاتھ پھیر لو۔
(ابوداؤد_ 1485 1486 مشکوۃ 2242 تحفة الذاكرين ص:52
مطبوعہ بیروت لبنان الطبعة الاولى 1408ھ)

مفتی احمد یار خاں رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کیونکہ پھیلے ہوئے ہاتھوں پر اللہ کی رحمت اترتی
ہے، ان ہاتھوں کے منہ پر پھیر لینے سے رحمت منہ پر پہنچ جاتی ہے یہ عملی سنت بھی ہے اتباع
سنت میں برکت ہے۔ (مرقاۃ)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ کھانے کے بعد جو دعا مانگی جاتی ہے اگر مجمع میں کھانا کھایا جائے تو
اس دعا میں ہاتھ نہ اٹھائے جائیں تا کہ ان لوگوں کو شرمندگی نہ ہو جو ابھی تک فارغ نہ ہوئے
ہوں۔ (مرآۃ شرح مشکوۃ :298/3)

مرد اور عورت کی نماز میں فرق کا بیان

غیر مقلدین کے نزدیک مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن مرد اور عورت کی نماز میں یہ تفریق خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے۔ پہلے مردوں کے متعلق احادیث بیان کی جاتی ہیں پھر عورتوں کے متعلق بیان کی جائیں گی۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت نماز پڑھتے تو اپنے ہاتھوں کو اس قدر کشادہ رکھتے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ جاتی۔

(مسلم 764-495 بخاری 377-390 مشکوٰۃ 8919)

مراد یہ ہے کہ بازوؤں کو کروٹ سے دور رکھتے اتنا کہ بغل کی سپیدی نظر آ جاتی۔ اگر چادر اوڑھے نماز پڑھتے تو چادر کچھ سرک جاتی اور بغل نظر آ جاتی اور اگر قمیص میں نماز پڑھتے تو بغل کی سفیدی کی جگہ نظر آ جاتی۔ اس طرح کہ اگر کپڑا نہ ہوتا تو بغل دیکھ لی جاتی۔ ابو نعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ بغل کی سپیدی رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **اعْتَدِلُوا فی السجود** سجدہ اعتدال سے کرو اور تم میں سے کوئی شخص کلائیوں کو (سجدہ میں) کتے کی طرح نہ بچھائے۔ (مسلم 762-493 بخاری 779-822 مشکوٰۃ 888)

سجدے میں اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ نہ بہت پھیلو نہ بہت سکڑو دونوں کی درمیانی حالت میں رہو اور سجدے میں صرف ہتھیلیاں زمین پر لگیں۔ کلائی کہنی وغیرہ سب اُٹھی رہیں۔ یہی سنت ہے کہنیاں بچھانا مکروہ۔ یہ حکم مردوں کے لئے خاص ہے جیسا کہ مذکر کے صیغہ سے ظاہر ہے۔ اگر عورتیں اس حکم میں شامل ہوتیں تو ارشاد فرمایا جاتا اعتدلن عورتوں کو رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کا خاص طریقہ ارشاد فرمایا کہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں۔

حدیث: یزید بن ابی حبیب سے مرسلاً روایت ہے: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلَى

امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ فَقَالَ :إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الأَرْضِ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذَٰلِكَ كَالرَّجُلِ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیوں کہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں۔

(مراسیل ابی داؤد ص ۸)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے: إِذَا سَجَدَتْ الْمَرْأَةُ أَلْصَقَتْ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا كَأَسْتَرِ مَا يَكُوْنُ لَهَا۔ عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ رانوں سے چپکا لے ایسے طور پر کہ اس کے لئے زیادہ پردہ کا موجب ہو۔

کنز العمال 117/4 مطبوعہ حیدر آباد دکن میں بیہقی اور ابن عدی کے حوالے سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے جہاں عورت کے سجدہ کا مسنون طریقہ معلوم ہوا کہ اسے بالکل سمٹ کر اور زمین سے چپک کر سجدہ کرنا چاہئے۔ وہاں دو اہم ترین اصول بھی معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز کے تمام کے تمام احکام اوّل سے آخر تک مردوں اور عورتوں کے یکساں نہیں بلکہ بعض احکام مردوں کے لئے الگ ہیں اور عورتوں کے لئے الگ۔ ہر صنف کو ان احکام کی پابندی لازم ہے جو اس سے متعلق ہوں۔ مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت کی اجازت نہیں۔

دوسرا اہم اُصول یہ معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے نماز کی وہ ہیئت مسنون ہے جس میں زیادہ سے زیادہ ستر ہو چونکہ مرد و عورت کی نماز میں یہ تفریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما کر اس کے لئے ایک اصولی قاعدہ ارشاد فرمایا اس لئے امت کا تعامل و توارث اسی کے مطابق چلا آتا ہے۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: إِذَا سَجَدَتِ الْمَرْأَةُ فَلْتَضُمَّ فَخِذَيْهَا: جب عورت سجدہ کرے تو اسے چاہئے کہ اپنی رانوں کو ملا لیا کرے۔ (کنز العمال: 232/4)

حضرات فقہاء جب عورتوں کے ان مسائل کا ذکر کرتے ہیں تو اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے: وَالْمَرْأَةُ تَنْخَفِضُ فِي سُجُوْدِهَا وَتَلْزِقُ بَطْنَهَا بِفَخِذَيْهَا لِأَنَّ ذَٰلِكَ أَسْتَرُ لَهَا: اور عورت اپنے سجدہ میں

سمٹ جائے اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے ملالے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردہ کی چیز ہے۔ یہ قریب قریب وہی الفاظ ہیں جو اوپر والی حدیث میں منقول ہیں اور قعدہ کی ہیئت کو ذکر کرتے ہوئے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: فَإِن كَانَتِ امْرَأَةٌ جَلَسَتْ عَلَى اِلْيَتِهَا الْيُسْرَى وَاَخْرَجَتْ رِجْلَيْهَا إِلَى الْجَانِبِ الأَيْمَنِ لأَنَّهُ أَسْتَرُلَهَا ترجمہ: اگر عورت ہو تو اپنے سرین پر بیٹھ جائے اور پاؤں دائیں جانب نکال لے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردہ کی چیز ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد فرمودہ اصول کی رعایت صرف فقہائے احناف نے ہی نہیں کی بلکہ قریب قریب تمام ائمہ اور فقہاء اُمت نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔

عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنے کے استحباب پر دلائل۔

نماز کی حالت میں ستر عورت فرض ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر تمام جسم ہے، صرف چہرہ، ہاتھوں اور پیروں کا استثناء ہے۔ مجبوری کی حالت میں ایک کپڑے کے ساتھ بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو تو قمیص، شلوار اور عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا چاہئے، غیر مقلدین حضرات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک سے زائد کپڑے ہونے کے باوجود صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھی لیکن عجیب بات ہے کہ وہ صرف سر کھلا رکھتے ہیں قمیص، شلوار، شیروانی وغیرہ سب پہنتے ہیں صرف سر نہ ڈھانپنے کے لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بہانہ بناتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ صرف ایک کپڑے میں نماز پڑھا کریں قمیص اتارلیں اور تہبند باندھ کر نماز پڑھیں اور پڑھایا کریں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا عمل بیان جواز کے لئے تھا۔ جب کسی نے ان کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو تعجب کرتے ہوئے سوال کیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم میں سے کس کے پاس دو کپڑے تھے یعنی اگر ایک کپڑے میں نماز جائز نہ ہوتی تو اس غربی کے زمانہ میں ہم میں سے کسی کی نماز نہ ہوتی یعنی میرا یہ عمل بیانِ جواز کے لئے ہے ورنہ سنت یہ ہے کہ تین کپڑوں میں نماز پڑھے قمیص تہبند یا شلوار اور ٹوپی اور عمامہ۔

ہمیں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ جس وضع اور ہیئت میں ہم دنیادار معزز لوگوں کے سامنے

جانا خلافِ ادب گردانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اس ہیئت میں کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا چاہئے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپنے کی وسعت دی ہے تو ہمیں اس وسعت کو اختیار کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔ (سورہ الاعراف 31) اس سے معلوم ہوا کہ نماز جہاں تک ہو سکے اچھے لباس میں پڑھے اور مسجد میں اچھی حالت میں آئے۔ بدبودار کپڑے اور بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے۔ ایسے ہی ننگا مسجد میں داخل نہ ہو۔

سنت یہ ہے کہ آدمی بہتر ہیئت کے ساتھ نماز کے لئے حاضر ہو کیونکہ نماز رب سے مناجات ہے، اس کے لئے زینت کرنا عطر لگانا مستحب ہے جیسا کہ ستر طہارت واجب۔

(تفسیر نور العرفان وخزائن العرفان)

حدیث: نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور فرمایا: کیا میں نے تم کو اور کپڑے نہیں پہنائے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، انہوں نے فرمایا: اگر میں تم کو کسی جگہ بھیجوں تو کیا تم اسی حالت میں چلے جاؤ گے؟ میں نے کہا نہیں، انہوں نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے لئے زینت کی جائے۔ (سنن کبریٰ 236/2)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: مستحب یہ ہے کہ مرد تین کپڑوں میں نماز پڑھے، قمیص، تہبند اور عمامہ۔ (بدائع الصنائع 219/1)

رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا۔ اور جو تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) عطا کریں لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔

(سورہ الحشر آیت ۷)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ باندھنے کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اللہ کا حکم ہے گویا عمامہ باندھنا اللہ کے حکم کی تعمیل ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلصَّلَاةُ فِي

اَلْعَامَۃُ تَعْدِلُ بِعَشَرِ الَافِ حَسَنَۃٍ۔ عمامہ کے ساتھ نماز دس ہزار نیکی کے برابر ہے۔
(المسند الفردوس للدیلمی ۳۰۰ / ۱، جامع الاحادیث از امام احمد رضا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللہ وملائکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعۃ: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھنے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔
(مجمع الزوائد ج2 ص 394 حدیث 3075، نماز کے احکام
از مولانا الیاس قادری ص 402)

حدیث: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیکم بالعمائم فانھا سیماء الملائکۃ وارخوھا خلف ظھورکم۔ تم عمامے اختیار کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے اور انہیں اپنی پیٹھوں کے پیچھے لٹکاؤ۔
(رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ 4371)

ہمیشہ یا نماز کے وقت عمامہ باندھا کرو۔ عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ کی ستر نمازوں سے افضل ہے مگر عمامہ سنت کے مطابق چاہئے کہ ٹوپی پر باندھا جائے مع شملہ کے ہو عام دنوں میں سات ہاتھ (ساڑھے تین گز) جو جمعہ کی نماز میں بارہ ہاتھ (چھ گز) شملہ آدھی پیٹھ تک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ پشت کے پیچھے لٹکاتے تھے کبھی داہنی جانب سینہ پر بھی ہوتا تھا دونوں طریقے سنت ہیں۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ 121/6)

"مزارع حسنات شرح دلائل الخیرات" میں ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف عام حالات میں سات ہاتھ تھا اور اور جمعہ اور عیدین میں بارہ ہاتھ تھا۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اسے اپنے کندھوں کے درمیان لٹکاتے۔ (ترمذی _ 1736 1658 مشکوٰۃ 4338)

یعنی عمامہ شریف کا کنارہ مبارکہ جسے فارسی میں شملہ اور عربی میں عذبہ کہتے ہیں نصف پیٹھ تک ہوتا تھا اور دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رہتا تھا خواہ پیٹھ پر یا سینہ پر مگر سینہ پر ہونا افضل ہے یعنی سامنے۔ (مرقات) اس سے معلوم ہوا کہ بغیر شملہ کے عمامہ باندھنا ممنوع ہے مسلمان

کا عمامہ ٹوپی اور شملہ سے ہوتا ہے۔

حدیث: حضرت رکانہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں۔

(ترمذی حدیث_1706 1784 ابو داؤد_3556 4078 مشکوۃ: 4340)

یعنی بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا طریقہ مشرکین ہے اور ٹوپی پر عمامہ باندھنا طریقہ مومنین ہے۔(مراۃ 105/6)

حدیث: حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادتی بھی ہے: یُعْطٰی یوم القیامۃ بِکُلِّ کُوْرَۃٍ یُدَوِّرُھَا عَلٰی رَأْسِہٖ نُوْرًا۔

عمامہ کا ہر پیچ کہ مسلمان اپنے سر پر دے گا اس کے بدلے میں قیامت کے دن نور عطا کیا جائے گا۔(الباوردی)

حدیث: حضرت رکانہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رَکْعَتَانِ بِعَمَامَۃٍ خَیْرٌ مِنْ سَبْعِیْنَ رَکْعَۃً بِلَا عَمَامَۃٍ: (جامع صغیر حدیث: ...)

دو رکعتیں عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کی ستر رکعتوں سے بہتر ہیں۔ جامع صغیر، اخرجہ الدیلمی

حدیث: حضرت جابر ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نفل اور فرض نماز عمامہ کے ساتھ بلا عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ بلا عمامہ کے ستر جمعوں کے برابر ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر)

حدیث: حضرت عبد الرحمن بن عوف ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے عمامہ باندھا تو اسے میرے آگے اور میرے پیچھے لٹکا دیا۔

(ابو داؤد_3557 4079 مشکوۃ 4339)

اور عمدۃ القاری میں ہے: اس کا شملہ چار انگل کی مقدار پیچھے لٹکایا۔(306/16)

یعنی میرے سر پر خود اپنے دست مبارک سے عمامہ لپیٹا۔ آج کل فارغ التحصیل طلباء کے سروں پر علماء عمامے لپیٹتے ہیں جسے دستار بندی کہا جاتا ہے۔ اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ بعض

ٹی آخری شملہ اونچار کھتے ہیں جسے طرہ کہتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔

عمامہ کا پہلا شملہ تو سینہ پر ڈالا اور آخری شملہ پیٹھ پر ڈالا یہ ہی سنت ہے یہاں مرقات میں فرمایا گیا کہ یہ دوسرا شملہ کبھی رکھا گیا ہے کبھی نہیں۔

شملہ کم ازکم چار انگل ہو زیادہ سے زیادہ آدھی پیٹھ تک، اس سے زیادہ ممنوع ہے۔ شملہ پشت پر ہے یا داہنے ہاتھ کی طرف حکم سینہ پر بائیں ہاتھ کی طرف سنت کے خلاف ہے کھڑے ہوکر باندھنا سنت ہے مسجد میں باندھے یا کہیں اور۔ (مرآۃ شرح مشکوۃ 105/6)

حدیث کلیب کے والد اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سردیوں میں حاضر ہوا۔ وہ سب ٹوپیاں پہنے ہوئے اور چادریں اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے ہاتھ ان کی چادروں میں تھے۔

(رواہ الطبرانی مجمع الزوائد 51/2)

حدیث: امام شعرانی لکھتے ہیں: کان یامر بستر الراس فی الصلاۃ بالعمامۃ اوالقلنسوۃ وینھی عن کشف الراس فی الصلاۃ۔ رسول اللہ ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی کے ساتھ سر ڈھانپنے کا حکم دیتے تھے اور ننگے سر نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

(کشف الغمہ 87/1)

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِعْتَمُّوْا تَزْدَادُوْا حِلْمًا وَالْعَمَائِمُ تِیْجَانُ الْعَرَبِ۔ عمامہ باندھو تمہارا حلم زیادہ ہوگا اور عمامے عرب کا تاج ہیں۔

(مستدرک للحاکم ج 4ص 214 حدیث 7411 رواہ الطبرانی فی الکبیر وابن عدی والبیھقی فی شعب الایمان ج 5ص 176، مجمع الزوائد ج 5ص 119)

حدیث: حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْعَمَائِمُ تِیْجَانُ الْعَرَبِ فاذا وَضَعُوْا الْعَمَائِمَ وَضَعُوْا عِزَّھُمْ۔ اور عمامے (پگڑیاں) عرب کا تاج ہیں۔ جب وہ عمامے چھوڑ دیں گے تو اپنی عزت اُتار دینگے۔

(جامع صغیر _ 5724 مسند الفردوس، فتاویٰ رضویہ ج 3ص 77)

آج اہل عرب رومال پہنتے ہیں بلکہ پہننا تو کجا رومال سر پر رکھتے ہیں ایسا کرنا سنت نہیں یہ سعودی بادشاہوں کا طریقہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت نہیں ہے۔

حدیث : حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِعْتَمُّوا تَزْدَادُوْا حِلْمًا وَوَقَارًا فاذا تَرَكَتِ الْاُمَّتِي الْاَ عِمَّةَ تَرَكَتْ عِزَّهَا وَوَقَارَهَا۔

(الفردوس بماثور الخطاب ج 1 ص 90 حدیث 293)

سرخ، سفید، سیاہ اور سبز عمامہ شریف کا جواز۔

اہل جنت کا لباس بھی سبز ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی سبز رنگ بہت پسند تھا۔ جیسا کہ تفسیر مظہری 33/2 میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ۔ وہ اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز کپڑے کریب اور قناویز کے پہنیں گے۔ (سورۃ الکہف آیت :31)

شیخ القرآن مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ رب کو سبز رنگ بہت پسند ہے، اسی لئے جنت کی زمین سبز، شہداء کی روحوں کا رنگ سبز، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ کا رنگ سبز وغیرہ۔ (تفسیر نور العرفان)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بدر کے دن ملائکہ کی نشانی سیاہ عمامے تھے اور اُحد کے دن سرخ۔ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)

حدیث : حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ عمامہ باندھے ہوئے لوگوں کو خطبہ دیا۔ (مسلم حدیث _ 1359 2420 مشکوۃ:1410)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کا طریقہ عمامہ یا ٹوپی سے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا تھا اور عمامہ کے ساتھ نماز بغیر عمامہ کی نماز سے افضل ہے اور یہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور سنت پر عمل کرنے والے اہل سنت ہیں اور اہل سنت ہی اہل محبت ہیں اور اہل محبت ہی اہل جنت ہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ اَحَبَّنِي وَمَنْ اَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ۔ جس نے میری سنت سے پیار کیا اس نے مجھ سے پیار کیا اور جس نے مجھ سے پیار کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی _2602 2678-مشکوۃ175)

حدیث :عن أبي رمثة رضي الله عنه قال : خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ۔ حضرت ابو رمثہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ آپ پر دو سبز کپڑے تھے۔

(نسائی 204/8حدیث _1554 5334 ترمذی _2737 2812 ابو داود 3674-3543احمد 7075/2 مشکوۃ4359)۔

(سبز عمامہ اور دعوت اسلامی از ابو کلیم محمد صدیق)

مہاجرین اوّلین نے سبز عمامہ باندھا۔

حدیث :سلیمان بن ابی عبداللہ ؓ فرماتے ہیں: کہ میں نے مہاجرین اوّلین کو سوتی کپڑے کے سیاہ، سفید، سرخ اور سبز عمامے باندھے دیکھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج،ص،، طبع ملتان)

فرشتوں نے سبز اور سفید عمامے باندھے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: غزوہ بدر میں فرشتوں کے عمامے سفید تھے اور غزوہ حنین میں سبز۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ج،ص،،، مجمع الزوائد ج،ص،، مدارج النبوۃ فارسی ج،ص،،)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی دستار مبارک اکثر اوقات سفید کبھی کبھی سیاہ رنگ اور کبھی کبھار سبز رنگ کی ہوتی تھی۔ (کشف الالتباس ص،)

سبز عمامہ باندھنے کی دیوبندی اکابر سے تائید۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: غزوہ بدر میں فرشتوں کے عمامے سفید تھے اور غزوہ حنین میں سبز۔ (حیات الصحابہ از محمد یوسف کاندھلوی دیوبندی)

دیوبندی محقق وشارح ترمذی محمد سعید پالن پوری کے افادات پر مرتب کتاب لکھتا ہے: پگڑی کسی بھی رنگ کی باندھنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے سیاہ پگڑی بھی باندی ہے ہری (سبز) بھی اور سفید بھی۔ (تحفۃ الالمعی شرح ترمذی ج، ص،، طبع کراچی)

دیوبندی مذہب کے جسٹس مفتی تقی عثمانی صاحب رقم طراز ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سفید عمامہ پہننا بھی ثابت ہے اور سیاہ عمامہ بھی ثابت ہے اور بعض روایات میں سبز عمامہ بھی ثابت ہے۔ (اصلاحی جماعت ج، ص،، طبع کراچی)

جدید ایڈیشن میں ''سبز عمامہ'' کا لفظ نکال کر دیوبندیوں نے بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے

دیوبندی مبلغ طارق جمیل کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا رنگ سفید تھا جس میں سرخی ملی ہوئی تھی پگڑی کونسی باندھتے تھے؟ سفید، سیاہ اور سبز تینوں پگڑیاں باندھتے تھے۔

(خطبات جمیل ج، ص،، طبع گوجرانوالہ)

غیر مقلدین کا نماز میں ٹانگیں چوڑی کر کے پہلوانوں کی طرح کھڑے ہونا

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو میں تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر والے کے مونڈھے سے اور اپنے قدم اس کے قدم سے ملائے رکھتا۔

(بخاری 683-:725)

مفتی شریف الحق امجدی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: غیر مقلدین اس سے استدلال کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ ہر نمازی اپنے پاؤں کے ٹخنے اپنے برابر والے کے ٹخنوں سے چپکا کر کھڑا ہو۔ اسی وجہ سے یہ نماز میں ٹانگوں کو اس طرح پھیلا کر کھڑے ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ کشتی کرنے کے لئے کھڑے ہیں۔ اسی لئے جیسے پہلوان کشتی سے پہلے سینے پر دونوں ہاتھ باندھتے ہیں یہ بھی سینے پر ہی باندھتے ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ عمل پوری امت کے تعامل کے خلاف ہے۔ پوری امت نے: یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه۔ کے معنی یہ مراد لئے ہیں کہ خوب مل کر کھڑے ہوں اور یہ اتصال صفوف میں مبالغہ پر محمول ہے۔ انسان کے جسم کی ساخت ایسی ہے کہ مونڈھوں سے مونڈھے اچھی طرح ملانے کے بعد بھی ٹخنوں سے ٹخنے ملانے میں کافی تکلیف اور مشقت اٹھانی پڑتی

ہے اور کھڑے ہونے کی ہیئت بھی انتہائی بھونڈی ہو جاتی ہے۔ تکلف اور مشقت کی وجہ سے خشوع و خضوع میں بھی خلل واقع ہوگا۔ کسی حدیث میں یہ نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے قدم کو قدم سے ملانے کا حکم دیا ہو اور اس حدیث میں جو ہے یہ اصل میں راوی نے اتصال کا جو منظر دیکھا تھا اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا۔ علاوہ ازیں کبھی اتصال مجازی بمعنی قرب مکانی کے لیے بھی آتا ہے جیسے: مررت بزید میں ہے۔ اس تقدیر پر اتصال کا مطلب یہ ہوتا ہے: اتنا قریب ہوا کہ جسے عرف میں اتصال کہہ سکیں، بالکل چپکنا مراد نہیں ہوتا ہے تو اب: لزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه۔ کا مطلب یہ ہوا کہ ایک کے ٹخنے دوسرے سے اتنے قریب ہوتے جو نمازی کے حال کے مناسب ہے جسے عرف میں اتصال کہہ سکیں۔ یہاں یہ خاص بات قابل لحاظ ہے کہ تعامل سلف ایسی اہم چیز ہے کہ اس سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا۔ امام ترمذی کتنی جگہ فرماتے ہیں: حدیث حسن صحیح ہے مگر عمل اس پر نہیں کتنی جگہ فرمایا: یہ حدیث ضعیف ہے مگر عمل اس پر ہے۔

اسی طرح یہاں تعامل امت اس پر ہے کہ وہ مونڈھوں کو مونڈھوں سے خوب ملا کر کھڑے ہوتے ہیں مگر قدم کو قدم سے بالکل چپکاتے نہیں۔ بلا تکلف فطری ہیئت پر قدموں میں جتنا فاصلہ ہونا چاہئے اتنا رکھتے ہیں۔ (نزهة القاری شرح بخاری 376/2)

تشہد میں اُنگلی کھڑی کرنا۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں دائیں پر اور شہادت کے وقت ترپن کا عقد بناتے اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے۔ (مسلم_580-911 مشکوٰۃ 906)

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک سبابہ (انگشت شہادت) کے سوا تمام انگلیوں کے ساتھ مٹھی بند کرے اور سبابہ سے اشارہ کرے۔ اسی کو ترپن کا عقد کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک: اشهد أن لا إله إلا الله میں لا پر انگلی اٹھائے اور إلا پر رکھ دے تا کہ نفی کے ساتھ رفع اور اثبات کے ساتھ وضع کی مناسبت ہو۔

امام محمد تحریر کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور مٹھی بند کر کے انگوٹھے کے قریب والی انگلی سے اشارہ کرتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران

پرر کھتے۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو اپناتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (موطا امام محمد)

حدیث: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھائی، میں نے آپ کو دیکھا کہ اسے ہلاتے تھے، اس سے اشارہ کرتے تھے

(ابو دائود_ 957-820مشکوٰۃ 911)

یعنی ہلانے سے مراد انگلی کا اٹھانا اور گرانا ہے کیونکہ اس سے بھی انگلی کو حرکت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اگلی حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ آپ انگلی نہیں ہلاتے تھے۔ یہ حدیث حنفیوں کے مخالف نہیں۔

حدیث 432: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کرتے تو اپنی انگلی سے اشارہ کرتے مگر اسے ہلاتے نہ تھے۔

(دارمی 1323 ابو دائود 990مشکوٰۃ 912)

احناف کے نزدیک دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ جس حدیث میں تحریک کا اثبات ہے وہاں اشارہ کرنے کے لئے اٹھانے اور پست کرنے کی حرکت مقصود ہے اور جس حدیث میں تحریک کی نفی ہے وہاں اشارہ والی حرکت کے علاوہ مزید حرکت کی نفی کرنا مقصود ہے لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔

امام بیہقی حدیث وائل کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں: فیحتمل أن یکون المراد بالتحریك الاشارة بها لا تکریر تحریکها فیکون موافقا لروایة ابن الزبیر۔

(السنن الکبرٰی للبیهقی 132/2)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تحریک سے مراد اشارہ ہے نہ کہ اس کو ہلاتے ہی رہنا۔ اس طرح وہ حدیث بھی حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہو جائے گی۔

شرائط وفرائضِ نماز کا بیان

نماز کے فرائض دو قسم پر ہیں:

1. وہ فرائض جن کو نماز سے قبل کیا جاتا ہے ان کو شرائط کہتے ہیں۔
2. وہ فرائض جن کو نماز میں ادا کیا جاتا ہے ان کو ارکان کہتے ہیں۔

نماز کی شرائط چھ ہیں جن کا نماز سے پہلے ہونا ضروری ہے۔

اَلْوَقْتُ وَطَهَارَةُ الْبَدَنِ وَالثَّوْبِ وَالْمَكَانِ وَسَتْرُ الْعَوْرَةِ وَاسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ وَالنِّيَّةُ وَتَكْبِيْرَةُ الاولی۔

1. وقت کا ہونا۔
2. طہارت یعنی جسم کا، کپڑوں کا، جگہ کا پاک ہونا۔
3. ستر عورت یعنی بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا فرض ہے۔
4. قبلہ کو منہ کرنا۔
5. نیت کرنا۔
6. تکبیر تحریمہ۔

ستر عورت

نماز کی حالت میں ستر عورت فرض ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر تمام جسم ہے، صرف چہرہ، ہاتھوں اور پیروں کا استثناء ہے۔

نیت کرنا

نیت دل کے پکے ارادے کو کہتے ہیں محض جاننا نیت نہیں تاوقتیکہ ارادہ نہ ہو۔ نیت میں زبان کا اعتبار نہیں یعنی اگر دل میں مثلاً ظہر کا قصد کیا اور زبان سے لفظ عصر نکل گیا تو بھی ظہر کی نماز ہو گئی۔ نیت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر اس وقت کوئی پوچھے کون سی نماز پڑھتا ہے تو فوراً بلا تامل بتادے۔ اگر حالت ایسی ہے کہ سوچ کر بتائے گا تو نماز نہ ہوگی۔ زبان سے کہہ لینا مستحب ہے اور اس میں عربی کی کچھ تخصیص نہیں فارسی اردو وغیرہ میں بھی ہو سکتی ہے اور تلفظ میں

ماضی کا صیغہ ہو مثلاً نویت یا نیت کی میں نے۔(درمختار۔ بہار شریعت 32/3)

تکبیر تحریمہ

تحریمہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جو چیزیں مباح تھیں وہ بھی حرام ہو جاتی ہیں مثلاً کلام اور کھانا پینا وغیرہ۔ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ رکن ہے باقی نمازوں میں شرط۔

(درمختار)

فرائض یا ارکان نماز چھ ہیں۔

۱. التحریمة . ۲. والقیام . ۳. والقراءة ولو آیة. ۴. والرکوع. ۵.والسجود. ۶.والقعدة الاخیرة قدر التشهد

۱۔ تکبیر تحریمہ۔ ۲۔ قیام۔ ۳۔ قراءت اگرچہ ایک آیت ہو۔ ۴۔ رکوع۔ ۵۔ سجود۔ ۶۔ تشہد کی مقدار آخری قعدہ۔

ترتیب: قیام، رکوع، سجود اور قعدۂ اخیرہ میں ترتیب فرض ہے۔ اگر قیام سے پہلے رکوع کرلیا پھر قیام کیا تو وہ رکوع جاتا رہا اگر بعد قیام پھر رکوع کرے گا تو نماز ہو جائے گی ورنہ نہیں، یونہی رکوع سے پہلے سجدہ کرنے کے بعد اگر رکوع پھر سجدہ کرلیا تو ہو گئی ورنہ نہیں۔

(درمختار بہار شریعت)(خلاصہ کیدانی وبہار شریعت)

۱: تکبیر تحریمہ

حقیقتاً یہ شرائط نماز سے ہے مگر چونکہ افعال نماز سے اس کو بہت زیادہ اتصال ہے اس وجہ سے فرائض نماز میں اس کا شمار ہوا۔ جن نمازوں میں قیام فرض ہے۔ ان میں تکبیر تحریمہ کے لئے قیام فرض ہے۔ اگر بیٹھ کر اللہ اکبر کہا پھر کھڑا ہو گیا نماز شروع ہی نہ ہوئی۔(درمختار، عالمگیری)

امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر تحریمہ کہتا ہوا رکوع میں گیا یعنی تکبیر اس وقت ختم کی کہ ہاتھ بڑھائے تو گھٹنے تک پہنچ جائے نماز نہ ہوئی۔ نماز میں ہر فرض کی ادائیگی ضروری ہے، اگر ان میں سے کوئی فرض عمداً یا بھول کر چھوڑ دیا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اس وقت نماز دوبارہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ اگر کوئی فرض رہ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز مکمل نہیں ہوگی بلکہ اس وقت نماز دوبارہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔

واجبات نماز

نماز میں 21 چیزیں واجب ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی واجب عمداً چھوڑ دیا جائے تو نماز لوٹانا پڑے گی اور اگر بھولے سے کوئی واجب رہ جائے تو سجدہ سہو کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔

1۔ قراءة سورة الفاتحة۔ 2۔ وضم سورة أو ثلاث آيات قصيرة اوآية طويلة معها۔ 3۔ تقديم الفاتحة على السورة۔ 4۔ وتعيين القراءة في الأوليين من الفرائض۔ 5۔ والقعدة الاولى۔ 6۔ والتشهد في القعدتين۔ 7۔ والطمانينة في الركوع والسجود۔ 8۔ والقومة۔ 9۔ والجلسة۔ 10۔ وقنوت الوتر۔ 11۔ وتكبير القنوت۔ 12۔ وتكبيرات العيدين الزوائد۔ 13۔ وتكبير ركوعهما۔ 14۔ وجهر الإمام بالقراءة في الصلاة الجهرية مثلاً في الفجر والجمعة والعيدين والتراويح والوتر في رمضان وفي اولى العشاءين۔ 15۔ وإسرار الإمام بالقراءة في الصلاة السرية في الظهر والعصر وفيما بعد أولى العشاءين۔ 16۔ إنصات المقتدي وقت قراءة الإمام۔ 7 1۔ ومتابعة الإمام على أي حال وجده سوى القراءة۔ 18۔ وإتيان كل فرض في مواضعه وإتيان كل واجب كذلك۔ 19۔ والخروج بلفظ السلام۔ 20۔ وسجدة التلاوة على الإمام والمنفرد۔ 21۔ وسجدة السهو على الإمام والمنفرد بتركه واجبا من الواجبات۔

ترجمہ: 1- سورہ فاتحہ پڑھنا۔ 2- اس کے ساتھ کوئی سورت ملانا یا تین چھوٹی آیات یا ایک طویل آیت پڑھنا۔ سورہ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملانا، فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور نفل و وتر کی ہر رکعت میں واجب ہے۔ 3- فاتحہ کو سورت سے پہلے پڑھنا۔ 4- فرضوں کی پہلی دو رکعتوں کو قراءت کے لئے مقرر کرنا۔ 5- دو رکعتوں کے بعد پہلا قعدہ۔ 6- دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا۔ 7- تعدیل ارکان یعنی رکوع اور سجود اطمینان کے ساتھ ادا کرنا۔ 8- قومہ یعنی رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا۔ 9- جلسہ، دو سجدوں کے درمیان سیدھا بیٹھنا۔ 10- وتروں میں دعائے قنوت پڑھنا۔ 11- تکبیر قنوت۔ 12- دونوں عیدوں میں چھ تکبیریں کہنا۔ 13-

عیدین میں دوسری رکعت کی تکبیر رکوع۔ 14- امام کا جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرنا مثلاً نماز فجر، جمعہ، دونوں عیدوں، نماز تراویح رمضان کے وتروں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں۔ 15- امام کا سری نمازوں میں آہستہ قراءت کرنا مثلاً ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی آخری رکعتوں میں۔ 16۔ امام جب قراءت کرے بلند آواز سے خواہ آہستہ اس وقت مقتدی کا خاموش رہنا۔ 17- سوائے قراءت کے تمام واجبات میں امام کی متابعت کرنا۔ 18۔ ہر واجب وفرض کا اس کی جگہ پر ہونا۔ 19۔ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا۔ 20۔ آیتِ سجدہ پڑھی ہو تو سجدہ تلاوت کرنا۔ 21۔ سہو ہوا ہو تو سجدہ سہو کرنا۔

(بہار شریعت وقدوری)

سجدہ سہو کا طریقہ

نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کے ترک کرنے سے، یا فرض کی تاخیر سے (کہ درحقیقت وہ بھی ترکِ واجب ہے) نماز میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ مثلاً نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے رہ گئی یا سورہ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملانا رہ گیا یا قعدۂ اولیٰ رہ گیا یا تین رکعات کے بعد بیٹھ کر چوتھی رکعت میں کھڑا ہوا اور اس طرح فرض میں تاخیر ہوگئی ایسی صورت میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ سجدہ سہو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آخری تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر دو سجدے کرلے اس کے بعد تشہد، درود اور دعا پڑھنے کے بعد سلام پھیر دے۔

سجدہ سہو کا بیان

سوال: سجدہ سہو کسے کہتے ہیں؟

جواب: سہو کے معنی بھولنے کے ہیں۔ کبھی نماز میں بھول سے کوئی خرابی پیدا ہوجاتی ہے، اس خرابی کو دور کرنے کے لئے سجدہ سہو کیا جاتا ہے۔

سوال: سجدہ سہو کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: سجدہ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ آخری قعدہ میں التحیات سے لے کر عبدہ ورسولہ تک پڑھنے کے بعد صرف داہنی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (در مختار، بہار شریعت)

سوال: سجدہ سہو کن چیزوں سے واجب ہوتا ہے؟
جواب: جو چیزیں نماز میں واجب ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بھول کر چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کی پہلی یا دوسری رکعت میں ''الحمد'' یا سورت پڑھنا بھول گیا یا الحمد سے پہلے ''سورت'' پڑھ دی تو ان صورتوں میں سجدہ سہو کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (شامی و بہار شریعت)

سوال: فرض یا سنت کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے یا نہیں؟
جواب: فرض چھوٹ جانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے سجدہ سہو سے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی لہذا پھر سے پڑھنا پڑے گا اور سنت و مستحب مثلاً تعوذ، تسمیہ، ثناء وغیرہ کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا بلکہ نماز ہو جاتی ہے۔

سوال: کسی واجب کو قصداً چھوڑنے پر سجدہ سہو سے تلافی ہوگی یا نہیں؟
جواب: کسی واجب کو قصداً چھوڑ دیا تو سجدہ سہو سے نقصان کی تلافی نہ ہوگی بلکہ نماز کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر بھول کر کسی واجب کو چھوڑ دیا اور سجدہ سہو نہ کیا جب بھی دوبارہ نماز پڑھنا واجب ہے۔

سوال: اگر ایک نماز میں کئی واجب چھوٹ گئے تو کیا حکم ہے؟
جواب: اس صورت میں بھی سہو کے وہی دو سجدے کافی ہیں؟ (رد المحتار)

سوال: رکوع، سجدہ یا قعدہ میں بھول کر قرآن پڑھ دیا تو کیا حکم ہے؟
جواب: اس صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہے۔ (عالمگیری)

سوال: فرض یا وتر میں قعدۂ اولی بھول کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو رہا تھا کہ یاد آ گیا تو اس صورت میں کیا کرے؟
جواب: اگر ابھی سیدھا کھڑا نہیں ہوا ہے تو بیٹھ جائے اور سجدہ سہو نہ کرے اور اگر سیدھا کھڑا ہو گیا تو نہ لوٹے اور آخر میں سجدہ سہو کرے اور اگر لوٹا تو اس صورت میں بھی سجدہ سہو واجب ہے۔ (بہار شریعت)

سوال: اگر فرض کا قعدۂ اخیرہ نہیں کیا اور بھول کر کھڑا ہو گیا تو کیا کرے؟
جواب: جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے اور ''التحیات'' پڑھ کر داہنی طرف

سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے اور اگر اس رکعت کا سجدہ کرلیا تو سجدے سے سر اُٹھاتے ہی وہ فرض نفل ہو گیا لہٰذا اگر چاہے تو علاوہ مغرب کے دوسری نمازوں میں ایک رکعت اور ملائے تا کہ رکعت طاق نہ رہے۔ (بہارشریعت)

سوال: اگر سنت اور نفل کا قعدہ نہ کیا اور بھول کر کھڑا ہو گیا تو کیا کرے؟

جواب: سنت اور نفل کا ہر قعدہ قعدۂ اخیرہ ہے۔ یعنی فرض ہے اگر قعدہ نہ کیا اور بھول کر کھڑا ہو گیا تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کرے لوٹ آئے اور سجدہ سہو کرے۔ (درمختار)

سوال: اگر قعدۂ اخیرہ میں التحیات سے ورسولہ، تک پڑھنے کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا تو کیا کرے؟

جواب: اگر بقدرِ تشہد قعدۂ اخیرہ کرنے کے بعد بھول کر کھڑا ہو گیا تو جب تک اس رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو لوٹ آئے اور دوبارہ التحیات پڑھے بغیر سجدہ سہو کرے پھر تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ (بہارشریعت)

سوال: قعدۂ اولیٰ میں بھول کر درود شریف پڑھ دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر اللھم صل علی محمد تک پڑھا، یا اس سے زیادہ پڑھا تو سجدہ سہو واجب ہے اور اگر اس سے کم پڑھا تو نہیں مگر یہ حکم صرف فرض، وتر اور ظہر و جمعہ کی پہلی چار رکعت والی سنتوں کے لئے ہے۔ رہے دیگر سنن و نوافل تو ان کے قعدۂ اولیٰ میں بھی درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ (بہارشریعت)

سوال: اگر جہری نماز میں بھول کر آہستہ پڑھ دیا یا سری نماز میں جہر سے پڑھ دیا تو کیا حکم ہے؟

جواب: اگر جہری نماز میں امام نے بھول کر کم سے کم ایک آیت آہستہ پڑھ دی یا سری نماز میں جہر سے پڑھ دیا تو سجدہ سہو واجب ہے اور اگر ایک کلمہ پڑھا تو معاف ہے اور منفرد نے سری نماز میں ایک آیت جہر سے پڑھ دی تو سجدہ سہو واجب ہے اور جہر میں آہستہ پڑھی تو نہیں۔ (بہار شریعت، در مختار)

سوال: جس پر سجدہ سہو واجب تھا اگر سہو ہونا یاد نہ تھا اور نماز ختم کرنے کی نیت سے سلام پھیر دیا تو کیا کرے؟

جواب: اگر سہو ہونا یاد نہ تھا اور سلام پھیر دیا تو ابھی نماز سے باہر نہیں ہوا، لہٰذا جب تک کلام وغیرہ کوئی فعل منافی نماز نہ کیا ہو سجدہ کرے، تشہد وغیرہ پڑھ کر سلام پھیر دے۔

(درمختار)

سجدہ سہو میں ائمہ کے مسالک حسبِ ذیل ہیں:

حنفیہ: سلام کے بعد سجدہ سہو کرے۔

شافعیہ: سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے

مالکیہ: نماز میں کسی فعل کی کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر کسی فعل کی زیادتی ہو تو بعد میں سجدہ سہو کرے۔

حنابلہ: جن صورتوں میں رسول اللہ ﷺ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا وہاں پہلے سجدہ کرے اور جن صورتوں میں بعد میں سجدہ کیا ان میں بعد میں سجدہ کرے۔

سجدہ سہو میں ائمہ کا اختلاف اوّلیت میں ہے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ہر مجتہد نے اپنے ذوقِ اجتہادی اور قرائن سے ایک جانب کو ترجیح دی ہے۔ حنفیہ کے نزدیک قبل سلام والی احادیث بیانِ جواز پر محمول ہیں اور بعد سلام والی بیان اوّلیت پر۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا صریح قول ہے کہ ”سلام کے بعد دو سجدے کرے“ شوافع جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان میں رسول اللہ ﷺ کے فعل کا ذکر ہے کہ آپ نے سلام سے پہلے سجدہ کیا اور یہ احادیث ان احادیث سے معارض ہیں جن میں یہ ہے کہ آپ نے سلام کے بعد سجدہ کیا، رہا یہ کہ بعض احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ ”سلام سے پہلے سجدہ کرو“ تو ان روایات کی اسانید میں ضعف ہے مثلاً حضرت ابوسعید کی روایت مسلم میں متصل ہے (571-888) لیکن امام مسلم اس کے اتصال میں منفرد ہیں۔ امام مالک اس کو مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو نسائی میں ہے اس کی سند میں یوسف ہے۔ اس کے بارے میں امام نسائی کہتے ہیں: غیر مشہور راوی ہے۔ اس کے برخلاف صحیح روایات میں رسول اللہ ﷺ کا قول ہے کہ سلام کے بعد سجدہ کرو۔ مثلاً عبداللہ بن جعفر سے مروی ہے:

حدیث: ان رسول اللہ ﷺ قال: من شك في صلاته فليسجد سجدتين بعد ما يسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو نماز میں شک ہو وہ سلام کے بعد سجدے کرے۔ (صحیح ابن خزیمہ 125/1)

حدیث: حضرت ثوبان ﷺ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: لكل سهو سجدتان بعد ما يسلم۔ ہر سہو میں سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔

(ابو داؤد_874-1038: سنن کبریٰ 337/2)

امام مالک نے ایک مرتبہ ہارون رشید کے سامنے بیان کیا کہ اگر نماز میں کسی فعل کی کمی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے اور اگر کسی فعل کی زیادتی ہو تو بعد میں سجدہ سہو کرے۔ امام ابو یوسف نے اعتراض کیا کہ اگر کسی شخص سے نماز میں کمی بھی ہو اور زیادتی بھی ہو تو وہ کیا کرے امام مالک سے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں بن سکا۔ امام احمد بن حنبل کے مذہب پر بھی یہ اعتراض بعینہ وارد ہوتا ہے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: سجدہ سہو سلام پھیرنے سے پہلے کیا جائے یا بعد میں؟ اس میں تین قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ: سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کیا جائے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ بن بحینہ ﷺ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے اور قعدہ بھول گئے۔ آپ نے نماز جاری رکھی اور نماز کے آخر میں سلام سے قبل دو سجدے کئے۔

(طحاوی 438/1 بخاری 829-786 مسلم 885-570 مشکوٰۃ 1018)

دوسرا قول یہ ہے کہ اگر نماز میں کمی کے باعث سجدہ سہو لازم ہوا تو وہ سلام سے پہلے ہوگا اور اگر اضافے کی وجہ سے ہوا تو سلام کے بعد ہوگا، ان حضرات کی دلیل حضرت ذوالیدین ﷺ والا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے بعد دو سجدے کئے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ نماز میں سہو کسی صورت میں ہو سجدہ سہو سلام کے بعد ہوگا احناف کا موقف یہی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حدیث : حضرت مغیرہ بن شعبہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ سے سہو ہو گیا۔ آپ دو رکعتوں کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے متوجہ کرنے کے لئے تسبیح کہی لیکن آپ نے نماز جاری رکھی جب نماز مکمل کر چکے تو سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کئے۔ (طحاوی 439/1)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں بھولنے سے کمی واقعہ ہونے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام کے بعد سجدہ سہو کیا پھر حضرت فاروق اعظم ﷛ جو حضرت ذوالیدین ﷛ کے واقعہ میں موجود تھے اور وہاں نماز میں اضافہ کے باعث سجدہ سہو کیا گیا جو سلام سے پہلے تھا لیکن بعد میں فاروقِ اعظم ﷛ نے نماز میں سہو سے اضافے کے باعث بھی سلام کے بعد سجدہ کیا۔ متعدد صحابہ کرام ﷡ سے بھی اسی مضمون کی روایت مروی ہیں اور قیاس بھی اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ سجدہ سہو بھولنے کے فوراً بعد نہیں ہوتا جبکہ سجدہ تلاوت واجب ہونے کے بعد فوراً ادا کیا جاتا ہے۔ اب اس بارے میں تو اتفاق ہے کہ سجدہ سہو نماز کے آخر میں کیا جائے گا لیکن اختلاف یہ ہے کہ سلام سے پہلے ہوگا یا بعد میں۔ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جب تمام نماز سجدہ سہو سے پہلے ہو تو سلام بھی پہلے ہونا چاہئے۔

حدیث : حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر پانچ رکعت پڑھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا نماز میں زیادتی کی گئی ہے؟ فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا گیا: آپ نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں۔ آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کر لئے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو درستی تلاش کرے۔ اسی پر نماز پوری کرے پھر سلام پھیرے پھر دو سجدے کرے۔

(بخاری_386 401 مسلم 889- 572 مشکوٰۃ:1016)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ اس سوال وجواب کے باوجود نماز باقی تھی لہذا سجدہ سہو کر لیا اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ خیال رہے کہ اگر کسی نمازی کو سلام کے بعد اپنی بھول یاد آئے تو کسی سے کلام کرنے سے قبل فوراً سجدہ سہو میں

گر جائے اور پھر التحیات پڑھ کر سلام پھیرے۔ پہلا سلام سہو کا ہو جائے گا دوسرا نماز کا۔
(مراۃ 146/2)

سجدہ سہو کے بعد تشہد۔

حدیث: عمران بن حصین ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، کچھ بھول ہوگئی، دو سجدے کئے پھر التحیات پڑھی پھر سلام پھیرا۔
(ترمذی _ 395 361 ابو داؤد:875- 1039 مشکوۃ باب السھو حدیث 1019)
اس سے معلوم ہوا کہ سجدہ سہو کے بعد پھر التحیات پڑھ کر سلام پھیرا جاتا ہے۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ بھول یہ ہے کہ نمازی بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کی بجائے بیٹھ جائے یا (تین چار رکعت والی نماز میں) دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے۔ تو ایسا شخص سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔ (طحاوی 441/1)

نماز کی رکعات میں شک ہو کہ تین پڑھی ہیں یا چار۔

اگر کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے شک ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اسے کیا کرنا چاہئے؟

پہلا قول یہ ہے کہ وہ دو سجدے کر کے آخر میں سلام پھیر دے، اس کے علاوہ اس پر کچھ لازم نہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ابو ہریرہ صبیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آئے اور اس پر اس کی نماز مشتبہ کر دے اور اسے پتہ نہ چلے کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو وہ قعدہ کی حالت میں سجدہ کر لے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کم تعداد رکعات پر بنیاد رکھتے ہوئے اتنی نماز پڑھے کہ اسے نماز مکمل ہونے کا یقین ہو جائے۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نماز کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مذاکرہ کر رہا تھا، حضرت عبد الرحمن بن عوف ﷺ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا: کیا میں

تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں ایسا کیں انہوں نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جب تم میں سے کسی ایک کو نماز پڑھنے میں شک ہو تو وہ نماز پڑھتا رہے حتیٰ کہ زیادہ ہونے کا شک ہو جائے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ایسی صورت میں نمازی اپنی غالب رائے کا اعتبار کر کے اس پر عمل کرے پھر سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرے اور اگر کوئی رائے قائم نہ ہو سکے تو کم رکعات کا اعتبار کرے حتیٰ کہ اسے یقین ہو جائے کہ جتنی نماز اس پر فرض تھی وہ پڑھ چکا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ، امام محمد اور امام ابو یوسف علیہم الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔

حدیث: ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں بھول جائے تو سوچ و بچار کرے اور دو سجدے کر لے۔

تمام روایات پر اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے جب تیسرا قول اپنایا جائے کیونکہ اس حدیث سے پہلے دو قسم کی احادیث کی نفی نہیں ہوتی جبکہ ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنے سے اس حدیث کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ قیاس بھی اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ جس چیز کو یقین کے ساتھ شروع کیا جائے اس سے باہر آنے کے لئے بھی یقین چاہئے مثلاً شعبان کی تیس تاریخ یوم شک ہو تو ہم روزہ نہیں رکھتے بلکہ جب چاند کا یقین ہو جائے تب رکھتے ہیں پھر تیس رمضان مبارک کو بھی محض شک کی وجہ سے روزہ نہیں چھوڑتے بلکہ چاند کا یقین ہو جائے تب روزہ ترک کرتے تھا۔ اسی طرح جب نماز کو یقین کے ساتھ شروع کیا تو اس سے باہر آنے کے لئے بھی یقین کی ضرورت ہے۔ (طحاوی باب الرجل یشک فی صلوته 431/1)

نماز میں کلام کرنا۔

آغاز اسلام میں دوران نماز ضرورت کی بات چیت جائز تھی لیکن بعد میں اس کی اجازت نہ رہی۔ لہٰذا سجدہ سہو کی جن روایات میں نماز اور سجدہ سہو کے مابین بات چیت کا ذکر ملتا ہے وہ

ابتدائی دور کے متعلق ہیں۔ اب اس کی بجائے صرف سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے سے پہلے بات چیت کرے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور دوبارہ نماز ادا کرنا ہوگی جیسے کہ دورانِ نماز بات چیت سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا پانچ رکعت پڑھ لی۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا نماز میں زیادتی کی گئی ہے؟ فرمایا کیا بات ہے: عرض کیا: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھ لیں ہیں، آپ ﷺ نے سلام کے بعد دو سجدے کر لئے۔

گویا اس وقت دورانِ نماز گفتگو جائز تھی لیکن پھر آپ نے فرمایا: کہ اگر امام بھول جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہیں تا کہ امام کو اصل کیفیت یاد آ جائے گویا اب مقتدی پہلے کی طرح خاموش نہیں رہیں گے کہ سلام کے بعد امام کو بتا دیا جائے چونکہ اب نماز میں گفتگو کی ممانعت ہے البتہ ایسے موقع پر دورانِ نماز سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ شروع میں ہم رسول اللہ ﷺ کو نماز میں سلام عرض کرتے تھے، آپ اس کا جواب دیتے تھے لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے سلام کیا مگر رسول اللہ ﷺ نے جواب نہ دیا اور فرمایا کہ نماز میں اللہ کی طرف دھیان ہوتا ہے۔

(بخاری باب ما ینهی من الکلام فی الصلاۃ حدیث _1124 1199
مسلم 837-538 مشکوٰۃ: 979)

محدثِ جلیل امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بعض حضرات کے نزدیک نماز میں گفتگو کرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی، چاہے مقتدی امام سے گفتگو کرے یا مقتدی اپنے طور پر اور امام اپنے طور پر بھول کر گفتگو کرے جبکہ دوسرے حضرات کے نزدیک نماز میں گفتگو جائز نہیں۔ نماز میں صرف تکبیر، تہلیل اور قرآن پاک کی قرات کی جاسکتی ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل حضرت عمران بن حصین ؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں تین رکعات پڑھائیں پھر سلام پھیر کر تشریف لے گئے۔ حضرت خرباق ؓ نے

عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے تین رکعات پڑھائی ہیں، چنانچہ رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے ایک رکعت پڑھائی پھر سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کئے اور آخر میں سلام پھیر دیا۔ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذوالیدین ﷛ نے پوچھا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) کیا آپ بھول گئے یا نماز کم ہوگئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہ نماز کم ہوئی اور نہ میں بھولا ہوں۔ چنانچہ صحابہ کرام کی جانب سے حضرت ذوالیدین ﷛ کی تصدیق ہونے پر ایک رکعت پڑھائی۔

اس حدیث کی روشنی میں پہلے گروہ کا موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے گفتگو کے بعد پہلی نماز پر بناء کی۔ اگر کلام کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی تو رسول اللہ ﷺ نئے سرے سے نماز پڑھاتے۔

دوسرا گروہ جن میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور امام محمد بھی شامل ہیں کی دلیل۔

حدیث: حضرت معاویہ بن الحکم السلمی ﷛ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے **یرحمك الله** کہا، صحابہ کرام مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا: تمہیں کیا ہوا کہ مجھے (یوں) دیکھ رہے ہو؟ صحابہ نے اپنے ہاتھ رانوں پر مارے۔ میں نے دیکھا تو وہ مجھے خاموش کرا رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے سلام پھیرا اور فرمایا: **اِنَّ هٰذِهِ الصلاةَ لا يَصْلُحُ فيهاشيئٌ مِنْ كلامِ الناس إنما هو التسبيح، والتكبير، وقرائة القرآن**، ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں یہ صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوتِ قرآن ہے۔ (مسلم 836-537 مشکوٰۃ 978)

پھر آپ نے صحابہ کرام کو یہ بھی بتایا کہ اگر نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو کیا کریں؟ فرمایا: عورتوں کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا اور مردوں کے لئے تسبیح کہنا ہے۔

معلوم ہوا کہ پہلے گروہ کی پیش کردہ حدیث میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ نماز میں کلام کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا، چنانچہ حضرت فاروقِ اعظم ﷛ جو حضرت ذوالیدین ﷛ والے واقعہ میں موجود تھے لیکن بعد میں نماز پڑھتے ہوئے ایسا واقعہ پیش آیا تو آپ نے اس کے خلاف عمل کیا یعنی شروع سے نماز پڑھی۔ اگر کہا جائے کہ یہ واقعہ نسخ کلام

سے پہلے کا نہیں ہے کیونکہ اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ؓ بھی ہیں اور وہ صرف تین سال رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ اگرچہ اس حدیث کے راوی ہیں لیکن وہ اس واقعہ میں شریک نہیں تھے۔ ان کا یہ واقعہ بیان کرنا ایسا ہی ہے جیسے حضرت طاؤس ؒ نے فرمایا: حضرت معاذ ؓ ہمارے ہاں تشریف لائے اور آپ نے سبزیوں میں سے کچھ بھی نہ لیا حالانکہ حضرت طاؤس ؒ نے حضرت معاذ ؓ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ وہ عہد رسالت میں یمن سے آئے تھے اور اس وقت حضرت طاؤس ؒ کی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی، ان کے قول کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے شہر میں تشریف لائے۔ پھر قیاس بھی احناف کی تائید کرتا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حج، عمرے یا اعتکاف میں جان بوجھ کر یا بھول کر جماع کرے، بہر صورت یہ اعمال ٹوٹ جاتے ہیں جبکہ قیاس کا تقاضا ہے کہ نماز میں بھول کر کلام کرنے سے بھی نماز ٹوٹ جائے گی۔ (طحاوی 1/452-443)

الغرض آج کل کے بعض لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر نماز میں بھول ہو جائے تو سلام پھیرنے کے بعد اسی موضوع پر گفتگو کر کے سجدہ سہو کر لینا کافی ہے اور اس گفتگو سے نماز نہیں ٹوٹے گی چونکہ یہ نماز کی اصلاح کے لئے ہے۔ خود غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خاں بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ ہر قسم کی گفتگو سے نماز فاسد ہو جاتی ہے گو کہ اس کا تعلق نماز سے ہو۔ حضرت معاویہ بن الحکم السلمی ؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں یہ صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوتِ قرآن ہے۔

(مسلم 836-537 مشکوۃ 978)

اس میں "شئی" نکرہ تحت النفی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نماز میں کسی قسم کے کلام الناس کی اجازت نہیں پھر انما کلمہ حصر لا کر بتادیا کہ نماز منحصر ہے ذکر اللہ اور قرأت قرآن میں، اس کے علاوہ اس میں کسی اور کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس حدیث کے تحت نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دورانِ نماز گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے چاہے وہ گفتگو نماز کی اصلاح

کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے ہو۔ (مسك الختام 309/1)

مشہور غیر مقلد مترجم وحید الزماں بھی یہی لکھتے ہیں:

جس شخص کے ذمہ سجدہ سہو ہو اور وہ سجدہ کئے بغیر مسجد سے نکل جائے یا جان بوجھ کر کوئی بات کرے یا کچھ کھائے پئے یا بے وضو ہو جائے تو اب اس کو پوری نماز لوٹانی ہوگی۔ صرف سجدہ سہو کر لینا کافی نہیں۔ (نزل الابرار 139/1)

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز پڑھنا۔

ایک جماعت کے نزدیک نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض نماز پڑھی جا سکتی ہے جبکہ دوسرے گروہ کے نزدیک نفل پڑھنے والا، فرض پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے لیکن نفل پڑھنے والے امام کے پیچھے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی مسلک ہے۔

پہلے گروہ کی دلیل حضرت جابر ﷺ کی یہ روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ﷺ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر بنو سلمہ قبیلے میں اپنی قوم کے پاس لوٹتے اور انہیں نماز پڑھاتے۔ ایک دوسرے طریقے سے حضرت ابن جریج حضرت عمرو سے اور وہ حضرت جابر ﷺ سے یہی روایت نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ نماز ان کے لئے نفل اور قوم کے لئے فرض ہوتی۔

احناف کی طرف سے ان کو یوں جواب دیا جاتا ہے کہ اس حدیث میں یہ الفاظ ''کہ یہ نماز ان کے لئے نفل اور قوم کے لئے فرض ہوتی'' کے بارے میں وضاحت نہیں کہ کس کا قول ہے، ہو سکتا ہے حضرت ابن جریج کا قول ہو، ممکن ہے حضرت عمرو کا اور شاید حضرت جابر ﷺ کا قول ہو، ان میں سے کسی کا بھی قول ہو، اسے حضرت معاذ ﷺ کے فعل پر دلالت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے حقیقت اس کے خلاف ہو۔ اگر حضرت معاذ ﷺ کا قول ثابت ہو جائے تو بھی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ انہوں نے یہ عمل سرکار دو عالم ﷺ کے حکم سے کیا اور نہ یہ کہ انہوں نے آپ کو خبر دی اور آپ نے اسے برقرار رکھا۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ سے اس کے خلاف مروی ہے۔

حدیث: حضرت معاذ بن رفاعہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بنو سلمہ کا ایک شخص مسمی سلیم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کام کاج میں مصروف رہتے ہیں۔ شام کو گھر آ کر نماز پڑھتے ہیں پھر حضرت معاذ بن جبل ﷺ آتے ہیں اور نماز کے لئے اذان ہوتی ہے اور وہ ہمیں طویل نماز پڑھاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! لوگوں کو فتنہ میں نہ ڈالو یا میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھاؤ یعنی میرے ساتھ نہ پڑھو۔

(طحاوی باب الرجل یصلی الفریضة خلف من یصلی تطوعا 1/412-408)

چونکہ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا یہی ارشاد گرامی ہے لہٰذا یہ حجت ہے۔ اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ایسا کرتے تھے، گویا وہ دونوں جگہ فرض نماز پڑھتے تھے اور یہ آغازِ اسلام کی بات ہے کیونکہ اس وقت اس کی ممانعت نہیں تھی بہر حال اس حدیث میں کئی احتمالات ہونے کی وجہ سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ قیاس بھی احناف کی تائید کرتا ہے، وہ یوں کہ امام کی نماز، مقتدیوں کی نماز پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس کی صحت سے ان کی نماز صحیح اور اس کے فساد سے ان کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ امام کے سہو سے مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم ہوتا ہے جبکہ مقتدی کے بھولنے سے امام اور مقتدی کسی پر بھی سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا۔ لہٰذا مقتدی کی نماز امام کی نماز کے خلاف نہیں ہونی چاہئے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل پڑھنا صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل کا سبب، فرض کے سبب کا بعض ہے مثلاً مطلق نماز کی نیت سے نفل شروع کر سکتا ہے فرض نہیں پڑھ سکتا اور جب فرض نماز کی نیت کرے تو فرض نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس میں دو باتیں ہیں: ایک وہ جو نفل نماز کا سبب ہے یعنی مطلق نماز کی نیت اور دوسری فرض کی نیت، پس فرض پڑھنے والا امام، نفل پڑھنے والے مقتدی کی نماز کو بھی اپنی نماز میں شریک کر سکتا ہے۔

(طحاوی باب الرجل یصلی الفریضة خلف من یصلی تطوعا 1/412-408)

حضرت جابر ﷺ کی روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل ﷺ رسول اکرم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر پھر اپنی مسجد میں جا کر لوگوں کو نماز پڑھاتے۔

(مسلم حدیث _465709)

امام شافعی نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت معاذ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں فرض پڑھتے اور اپنی قوم کو جا کر جب عشاء پڑھاتے تو وہ نفل کی نیت کر لیتے اور قوم فرض کی نیت کرتی پھر امام شافعی یہ اجتہاد کرتے ہیں کہ امام نفل پڑھ رہا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے فرض پڑھ لیں تو جائز ہے، اس کے برخلاف امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز پڑھنا جائز نہیں۔

(الفقه على المذاهب الاربعه 418/1)

امام اعظم اور دوسرے ائمہ کی دلیل یہ ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام کو اس لئے امام بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع اور پیروی کی جائے لہٰذا امام سے اختلاف نہ کرو۔

(بخاری حدیث _722680 مسلم _414625)

اور اس سے بڑھ کر امام کی مخالفت کیا ہوگی کہ امام نے نفل کی نیت کی ہو اور مقتدی فرض کی نیت کر لیں، اس لئے جب امام نے نفل کی نیت کی ہو تو اس کے پیچھے فرض پڑھنا جائز نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ: مفترض کی اقتداء میں بھی نفل پڑھنے سے بھی تو امام سے اختلاف ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نماز شروع کرنے کے بعد فرض ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر اس کو توڑ دے تو اس کا اعادہ کرنا واجب ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے:

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: امام ضامن ہے۔(ترمذی 191-207 ابو داؤد _517434- مشکوٰۃ663)

امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن اور شامل ہوتی ہے اور اعلیٰ ادنیٰ کو شامل ہوتا ہے ادنیٰ اعلیٰ کو شامل نہیں ہوتا لہٰذا فرض تو نفل کو شامل ہو سکتا ہے، یعنی مفترض کی اقتداء میں متنفل کی نماز ہو سکتی ہے لیکن نفل فرض کو شامل نہیں ہو سکتا اور نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے والے کی نماز نہیں ہو سکتی۔

علامہ نووی نے حدیث معاذ سے متنفل کے پیچھے فرض پڑھنے پر استدلال کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ جمہور اس حدیث کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ نے رسول اللہ ﷺ

کی اقتداء میں نفل کی نیت کی تھی اور اپنی قوم کو نماز پڑھاتے وقت فرض کی نیت کی تھی یا یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو بتائے بغیر حضرت معاذ ؓ اپنی قوم کو فرض نماز پڑھاتے رہے یا یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے پھر فرماتے ہیں کہ یہ سب بے اصل باتیں ہیں جو اس صحیح حدیث کے مزاحم نہیں ہو سکتیں۔

علامہ نووی نے جمہور کے جوابات کے سلسلہ میں جتنی باتیں کہی ہیں وہ سب بجائے خود بے اصل ہیں۔ جمہور نے حدیثِ معاذ ؓ کے چند جوابات دیئے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل ؓ عشاء کی نماز دو جگہ پڑھتے تھے۔ پہلے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھتے پھر اپنی قوم کو جا کر پڑھاتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ نے خود بیان نہیں کیا کہ وہ کس جگہ کیا نیت کرتے تھے، اب یہاں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں وہ نفل پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کو جا کر فرض پڑھاتے ہوں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں فرض پڑھتے ہوں اور اپنی قوم کو فرض پڑھانے کے لئے نفل کی نیت کرتے ہوں، امام شافعی اسی کے قائل ہیں لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ صرف احتمال سے کوئی دعویٰ ثابت نہیں ہوتا خصوصاً اس وقت جب مخالف احتمال زیادہ قوی ہو کیونکہ جب دوسرے دلائل سے (جو اوپر گزر چکے ہیں) یہ ثابت ہو چکا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز نہیں ہوتی، حضرت معاذ بن جبل ؓ کے اس فعل کو اسی صورت پر محمول کیا جائے گا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نفل پڑھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھاتے دیکھ کر اسی طریقہ سے جا کر فرض پڑھاتے تھے۔

ا: علامہ ذیلعی لکھتے ہیں: امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ابتدائی دور میں ایک نماز دو مرتبہ پڑھ لی جاتی تھی اس لئے حضرت معاذ بن جبل ؓ ایسا کرتے تھے۔ بعد میں یہ عمل منسوخ ہو گیا اور نسخ پر امام طحاوی نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے "ایک نماز ایک دن میں دوبارہ نہ پڑھی جائے"،

۲: چونکہ حدیث حضرت معاذ بن جبل ؓ ان صحیح حدیثوں کے خلاف ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض نماز نہیں پڑھ سکتا، اس لئے اس حدیث معاذ کی توجیہ میں یہ کہا

جاسکتا ہے کہ یہ ابتدائی دور کی بات ہے جب زیادہ امام میسر نہ تھے، اس لئے بامر مجبوری اس فعل کو مباح رکھا گیا، بعد میں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، یا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے یہ عمل منسوخ ہو گیا۔

۳: امام شافعی کے نزدیک متنفل کی اقتداء میں فرض نماز ہو جاتی ہے اور جمہور ائمہ کے نزدیک نہیں ہوتی اور عبادات خصوصاً فرائض میں احتیاط لازم ہے اس لئے احتیاط کا مقتضی یہی ہے کہ متنفل کی اقتداء میں فرض ادا نہ کئے جائیں۔

۴: حدیث حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے علیٰ سبیل التنزل زیادہ سے زیادہ اباحت ثابت ہوگی اور دوسرے دلائل سے تحریم ثابت ہے اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ تحریم کو اباحت پر ترجیح دی جاتی ہے۔

۵: اس سلسلہ میں سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے اسلام لائے تھے اور ہجرت کے دو سال بعد جنگ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نماز خوف پڑھائی، ایک جماعت دشمن کے سامنے کھڑی ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھاتے پھر یہ جماعت چلی جاتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے رہتے اور جب پہلی جماعت آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دوسری رکعات پڑھاتے پھر دونوں جماعتیں باقی ایک ایک رکعت اپنے اپنے طور پر پڑھ لیتیں۔ اگر ایک فرض کو دو مرتبہ پڑھنا یعنی ایک مرتبہ بطور فرض اور پھر دوسری مرتبہ بطور نفل پڑھنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کو فرض پڑھا دیتے اور پھر دوسری جماعت جب فرض پڑھنے آتی تو آپ نفل کی نیت کرتے اور وہ جماعت فرض پڑھ لیتی اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل کی نیت سے فرض نہیں پڑھائے تو پھر کسی اور کے لئے کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ نفل کی نیت کر کے فرض پڑھنے والوں کو فرض پڑھا دے۔ (نصب الرایہ 54/2 مطبوعہ مجلس علمی ھند، شرح مسلم سعیدی 1256/1)

دو نمازیں جمع کرنا۔

امام محمد فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے کہا: مجھے بتلائیں کیا عرفات اور مزدلفہ کے سوا جمع بین الصلاتین جائز ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: عرفات اور مزدلفہ کے سوا

دونمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا جائز نہیں نہ سفر میں نہ حضر میں۔ (المبسوط 47/1)

میں نے امام ابوحنیفہ سے کہا: مجھے بتلائیں کہ کیا بیمار شخص دونمازوں کو جمع کرکے پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا: ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھے اور عصر کو اس کے اوّل وقت میں پڑھے اور ایک نماز کے وقت میں دونمازیں نہ پڑھے۔ (المبسوط 224/1)

امام ابوحنیفہ کے مؤقف کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔

حدیث: حسن اور محمد علیہم الرحمہ کہتے ہیں: ہمارے علم میں سنت یہی ہے کہ سفر اور حضر میں دونمازوں کو ایک وقت میں جمع نہیں کیا جاتا سوا اس کے کہ عرفہ میں ظہر اور عصر کو اور مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کرکے پڑھا جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 459/2)

علامہ طحاوی کے مؤقف کا خلاصہ۔

کیا دووقت کی نمازیں ایک وقت میں جمع کرنا جائز ہے؟

بعض حضرات کے نزدیک ظہر وعصر کا وقت ایک ہے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء کا وقت بھی ایک ہے۔ ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں دونمازیں اکٹھی ادا فرماتے تھے یعنی جمع صوری، جمع حقیقی کے خلاف آپ سے روایت مسلم میں موجود ہے۔ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مفہوم کی روایات مروی ہیں جن میں نبی کریم ﷺ کے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کرنے کا ذکر ہے۔

دوسرا گروہ جس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ بھی شامل ہیں کے نزدیک ہر نماز کا الگ وقت مقرر ہے۔ جس میں اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ لہٰذا ممکن ہے سرکار دو عالم ﷺ کے ظہر وعصر کی نمازوں کو جمع کرنے کی صورت یہ ہو کہ نماز ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کی نماز کو اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔ مغرب وعشاء کی نمازوں کا بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کی نماز کو مؤخر کرتے اور عصر کو مقدم فرماتے، مغرب میں تاخیر کرتے اور عشاء کی نماز (مستد

وقت سے) مقدم کرتے۔ (طحاوی 164/1)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو شفق غائب ہونے پر مغرب اور عشاء کو جمع کرتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب شفق غائب ہونے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُتر کر دونوں نمازوں کو جمع فرمایا اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں جلدی کی صورت میں اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

(ابوداؤد حدیث نمبر ز-12121026)

گویا جب شفق غائب ہونے کے قریب ہوتی تو آپ مغرب کی نماز ادا کرتے۔ اس سے فارغ ہوتے تو شفق غائب ہو جاتی اور عشاء کا وقت داخل ہو جاتا چنانچہ آپ عشاء کی نماز پڑھتے۔ قیاس بھی اسی موقف کی تائید کرتا ہے کیونکہ صبح کی نماز میں اتفاق ہے کہ اسے وقت سے مقدم و مؤخر کرنا جائز نہیں تو معلوم ہوا کہ دوسری نمازوں کا بھی یہی حکم ہے۔ عرفات اور مزدلفہ میں حج کے موقعہ پر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر پڑھا جاتا ہے لیکن یہ اس دن اور اس مقام کے ساتھ خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر امام عرفات میں ظہر و عصر کو اپنے اپنے وقت پر پڑھے اور اسی طرح مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو اپنے اپنے وقت پر پڑھے تو گناہ گار ہوگا حالانکہ باقی دنوں یا باقی مقامات پر ایسا نہیں لہٰذا عرفات اور مزدلفہ میں پڑھی جانے والی نمازوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ (طحاوی 160/1 باب الجمع بین صلاتین، کیف ھو)

احناف کے دلائل۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ نماز اپنے وقت میں پڑھتے دیکھا ہے، ماسوا مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کے، آپ نے ان دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھا اور ماسوا مزدلفہ میں صبح کی نماز کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز اس کے (معروف) وقت سے پہلے پڑھی۔

(مسلم_12892270 بخاری1570- 1682 مشکوٰۃ 2608)

احناف کی تائید۔

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان تمام روایات سے امام ابوحنیفہ کی تائید ہوتی ہے کہ صبح کی نماز

کواس دن کے علاوہ مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے اور ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ صبح کی نماز کو اوّل وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ (شرح مسلم نووی عربی 413/3)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں: ظاہر ہے کہ علامہ نووی کی تصریح کے مطابق ان حضرات کا نظریہ اس حدیث اور اسفار پر دلالت کرنے والی دوسری احادیث کے خلاف ہے اور صرف احناف کا مذہب ہی احادیث کے مطابق ہے۔ دوسری چیز جو اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ دو نمازوں کو حقیقتاً جمع کر کے ایک وقت میں پڑھنا سوائے مزدلفہ اور عرفات کے اور کہیں جائز نہیں ہے کیونکہ نسائی میں ہے:

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت پر پڑھتے تھے سوائے مزدلفہ اور عرفات کے۔

(نسائی حدیث نمبر_2960 3010 جلد5/254 باب الجمع بین الظهر والعصر)

پس اس حدیث کا منطوق صریح یہ ہے کہ عرفات اور مزدلفہ کے سوا کہیں پر بھی دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ نووی کا تسامح۔

سخت حیرت ہے کہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے جو احناف کے ہاں معتبر نہیں اور ہر چند کہ مفہوم مخالف ہمارے ہاں معتبر ہوتا ہے لیکن اس کا اگر منطوق ظاہری سے تعارض آ جائے تو پھر نہیں ہوتا اور چونکہ احادیث صریحہ کا منطوق جمع بین الصلاتین ہے اس لئے یہ حدیث معتبر نہیں ہے۔

علامہ نووی نے یہ بہت حیرت انگیز بات لکھی ہے۔ عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ جمع بین الصلا تین کی نفی اس حدیث کا منطوق صریح ہے اور مفہوم مخالف نہیں جیسا کہ علامہ نووی نے بیان کیا ہے اور جن احادیث سے علامہ نووی نے اس حدیث کا تعارض بیان کیا ہے ان میں جمع صوری کا ذکر ہے اس لئے یہاں تعارض ہے نہ رفع تعارض کی ضرورت ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 522/3)

احناف جمع حقیقی یعنی ایک نماز کو دوسری نماز کے وقت میں پڑھنے کے قائل نہیں اور عرفات

میں جو عصر کو ظہر کے وقت اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھا جاتا ہے اس کو تو اتر
کی وجہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا۔ لا ریب
مسلمانوں پر نماز اوقات مقررہ پر فرض ہے۔(سورہ النساء آیت:103)

قرآن کریم کی یہ آیت اس مقصد میں صریح ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے
اور کوئی نماز شرعاً دوسری نماز کے وقت میں نہیں پڑھی جاسکتی اور قرآن کریم کی اس نص قطعی کے
مقابلہ میں اخبار آحاد اگر غیر مؤول بھی ہوتیں تو ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا چہ جائیکہ وہ مؤول ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا وقت متعین فرمایا ہے۔ اس لئے قبل از وقت نماز نہیں ہوتی اور بعد از وقت
قضاء شمار ہوتی ہے حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں عین لڑائی کے وقت نمازِ خوف پڑھنے کا حکم ہے نہ یہ
کہ نمازوں کو باہم جمع کر کے پڑھا جائے اور اگر لڑائی سخت ہو اور نماز میں اتنی تاخیر ہو جائے کہ
اس کا وقت ہی جاتا رہے تو وہ نماز قضاء شمار ہوگی اس کو جمع تاخیر کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ اس
لئے جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نمازوں میں تاخیر ہوگئی تو آپ
نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ اگر اس کو جمع تاخیر کا عنوان دینا ممکن ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن فرمایا: انہوں نے ہمیں درمیانی
نماز سے مشغول کر دیا اللہ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔

(مسلم_993 627 مشکوٰۃ633)

حسب ذیل احادیثِ صحیحہ بھی احناف کی دلیل ہیں:

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ كان رسول الله ﷺ يصلي
الصلاة لوقتها إلا بجمع وعرفات۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت پر پڑھتے
تھے سوائے مزدلفہ اور عرفات کے۔

(نسائی حدیث نمبر_2960 3010 جلد5/254 باب الجمع بين الظهر والعصر)

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عرفات اور مزدلفہ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع نہیں کرتے تھے۔

حدیث : حضرت ابو قتادہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نیند میں قصور اور کوتاہی نہیں ہے قصور یہ ہے کہ کوئی شخص دوسری نماز کا وقت آنے تک پہلی نماز نہ پڑھے۔

(مسلم _ 681 1099 مشکوۃ:604)

معلوم ہوا کہ ایک فرض نماز کو دوسری فرض نماز تک مؤخر کرنا قصور اور کوتاہی ہے۔

حدیث : ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ کی طرف مراسلہ بھیجا کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(مصنف عبدالرزاق :552/2)

حدیث : حضرت عمر ﷺ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ تین گناہ بہت بڑے ہیں: بلا عذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا، میدانِ جنگ سے بھاگنا اور کسی کی چیز چھیننا ہے۔

(بیہقی ذکر الاثر فی ان الجمع من غیر عذر 169/3)

عذر سے مراد عذرِ شرعی مثلاً نیند اور نسیان ہے۔

حدیث : حضرت ابو موسیٰ ﷺ بیان کرتے ہیں: کہ بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 459/2)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جمع حقیقی یعنی ایک فرض کے وقت میں دوسرا فرض پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔

حدیث : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں ظہر کو مؤخر اور عصر کو مقدم فرماتے اور مغرب کو مؤخر اور عشاء کو مقدم کرتے۔ (طحاوی 164/1)

حدیث : حضرت عبد اللہ بن واقد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مؤذن نے کہا: نماز! حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: چلو چلو! حتیٰ کہ شفق غائب ہونے سے پہلے (سواری سے) اُترے اور مغرب کی نماز پڑھی پھر شفق غائب ہونے کا انتظار کیا اور اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھی پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کو جب جلد جانا مقصود ہوتا تو اسی طرح کرتے تھے پھر اس دن اور رات بھر سفر کرتے رہے۔

(طحاوی 162/1 ابو داؤد حدیث _ 1026 1212)

ان احادیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں اگر دو نمازیں جمع

جمع کرتے تھے۔ لہذا جن احادیث میں بظاہر یہ تصریح نہیں ہے وہ بھی اسی معنیٰ
کرتے تو صورۃً جمع پر محمول ہیں اور یہی احناف کا مذہب ہے۔ بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ نے خوف اور سفر کے
عذر کے بغیر بھی جمع ظاہری پر عمل کرلیا کہ ایک نماز کو آخری وقت میں اور دوسری کو ابتدائی وقت
میں پڑھ لیا تا کہ امت کو اگر ضرورت پڑھے تو وہ مشقت میں مبتلا نہ ہو۔ مشہور غیر مقلد محقق
مبارک پوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعلق فتاوٰی نذیریہ میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں جمع بین الصلا تین سے مراد جمع صوری ہے۔ اس جواب کو علامہ
ذہبی نے پسند کیا ہے اور امام الحرمین نے اس کو ترجیح دی ہے اور قدماء میں سے ابن
الماجشون اور علامہ طحاوی نے اس کے ساتھ جزم کیا ہے اور ابن سید الناس نے اس کو قوی
بتایا ہے اس وجہ سے کہ اس حدیث کے راوی ابو الشعثاء کا بھی یہی خیال ہے کہ اس حدیث
میں جمع سے مراد جمع صوری ہے۔ قاضی شوکانی نے نیل میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں جمع سے
جمع صوری مراد ہونا متعین ہے۔ (محمد نذیر حسین دھلوی فتاویٰ نذیریہ 465/1)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب۔

ائمہ ثلاثہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ سفر تبوک میں
رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ اگر آپ کے کوچ کرنے سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر
اور عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے اور اگر سورج ڈھلنے سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر کرلیتے، جب
عصر کے لئے پڑاؤ ڈالتے تو دونوں نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے، مغرب میں بھی یہی معمول تھا۔

(ابو داؤد_1220 1031 ترمذی_553 - 508 مشکوٰۃ 1344)

یہ حدیث کسی حد تک جمع حقیقی کے بارے میں صریح ہے۔ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ
حدیث سنداً صحیح نہیں ہے، بہت سے محدثین نے اس پر کلام کی ہے۔

(دیکھیے معارف السنن وبذل المجهود)

ابوداؤد فرماتے ہیں۔ هذه حديث منكر وليس فى جمع التقديم حديث قائم۔
(نیل الاوطار) اس مسئلہ کی مکمل بحث اور غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دھلوی کی قدم
قدم پر ٹھوکریں دیکھنا ہوں تو اعلیٰ حضرت کا رسالہ حاجز البحرین کا مطالعہ کریں۔

جو فتاویٰ رضویہ کی جلد دوم ص 414-281 میں مطبوع ہے۔ اس کے مطالعہ سے حق پسندوں کی آنکھیں روشن ہوں گی، دل مطمئن ہوں گے، احناف کے عمل بالحدیث کا اذعان کامل ہوگا۔

☆☆☆

مسافر کی نماز کا بیان

سوال: مسافر کی نماز کا کیا حکم ہے وہ کتنے کلومیٹر پر قصر کرے گا اور کب تک قصر کرے گا؟
علامہ غلام رسول قاسمی آف سرگودھا لکھتے ہیں:
جواب: جو آدمی اپنی بستی سے ۹۸ کلومیٹر کے سفر کے ارادہ سے نکلے وہ مسافر ہے (شامی ج ۱ ص ۷۵۰) اب وہ چار فرضوں کی بجائے دو پڑھے گا، دو فرضوں کو دو اور تین کو تین ہی پڑھے گا، سنت اور وتر بھی پورے ہی پڑھے گا۔ جس شہر میں گیا ہے وہاں اگر پندرہ دن سے کم رہنے کی نیت کی ہے تو قصر پڑھے گا۔ اگر اس سے زیادہ رہنے کا ارادہ ہے تو اب وہ مسافر نہیں رہا۔ پوری نماز پڑھے گا۔ اگر کسی نے بھول کر دو کی بجائے چار پڑھ لیں تو اگر اس نے درمیانی قعدہ کیا ہے تو پہلی دو رکعت فرض اور آخری دو نفل ہو گئیں۔ اگر مقامی امام کے پیچھے نماز پڑھے گا تو پوری پڑھے گا۔ اگر مسافر امامت کرائے تو دو پڑھے اور مقامی لوگ بعد میں اپنی نماز مکمل کر لیں مگر وہ بقیہ نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھیں بلکہ اندازاً فاتحہ جتنی دیر خاموش کھڑے رہیں۔

مسافر مسافر ہی ہے خواہ وہ جہاز کے ذریعے سفر کر رہا ہو۔ مسافر اپنی بستی سے نکلتے ہی مسافر ہو جاتا ہے۔ عارضی رہائش اور مستقل رہائش کے درمیان ۹۸ کلومیٹر کا فاصلہ تو صرف راستے کا مسافر ہو گا۔ ایسے ملازم جو ہر ہفتے گھر کا چکر لگاتے ہیں، اپنی ملازمت والی جگہ پر مسافر ہی شمار ہوں گے۔ مسافر پندرہ دن سے کم سفر میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر بعد میں چند دن مزید ٹھہرنا پڑ جائے، اور جب ارادے میں تبدیلی آئی تو اس دن کے بعد مزید قیام پندرہ دن سے کم ہی بن رہا ہو تو ایسا شخص مسافر ہی شمار ہو گا خواہ اس طرح کرتے کرتے کئی سال گذر جائیں۔

بیوی کے ذاتی گھر اور اپنے ماں باپ کے گھر میں انسان مسافر نہیں ہوتا، مسافر پر جمعہ فرض

نہیں۔(ضابطہ حیات از علامہ غلام رسول قاسمی آف سرگودھا ص 302)

مسافت قصر میں مذاہب۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: ابوسلیمان داؤد بن علی اور ان کے متبعین (غیر مقلدین) کے نزدیک قصر کے لئے مسافت متعین نہیں ہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ کوئی شخص شہر سے باہر نکل کر کسی باغ میں نماز پڑھے تو وہ بھی قصر کرے گا۔(شرح مسلم نووی)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک میل کے سفر پر بھی جائے تو قصر کرے گا۔(السراج الوھاج 277/1)

امام مالک کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے ایک دن کی مسافت ہے۔
(بدایۃ المجتھد)

امام شافعی کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔(المھذب 322/4)

امام احمد کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔(المغنی 47/2)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے تین دن کی مسافت ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ تین دن سے کم سفر میں مسافر قصر کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں! میں نے پوچھا: اگر وہ تین دن یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرے؟ فرمایا: اپنے شہر سے نکلنے کے بعد قصر شروع کر دے۔ میں نے پوچھا: تین دن کے تعین کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا حدیث شریف میں ہے: نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت تین دن کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے۔ میں نے اس مسئلہ کو عورت کے سفر پر قیاس کیا ہے۔
(المبسوط 265/1)

حدیث:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔
(بخاری حدیث_1024 1086 مسلم_ 2381 1338)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شرعی احکام لاگو ہونے کی مدت تین دن کا سفر ہے۔علامہ نووی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کے معارض وہ احادیث ہیں جن میں دو یک

ایک دن کے بلا محرم سفر سے بھی عورت کو منع فرمایا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث مضطرب السند اور مضطرب المتن ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ ضعیف السند بھی ہیں اس لئے ان احادیث کو معارضہ کے لئے پیش نہیں کیا جاسکتا۔ دو دن کی روایت کی سند یہ ہے: عن عبد الملك بن عمير عن قزعة۔ اس حدیث کی سند میں عبد الملک بن عمیر نام کا راوی ہے۔ علامہ ابن حجر اس کے متعلق لکھتے ہیں: امام احمد کہتے ہیں کہ عبد الملک بہت زیادہ مضطرب الحدیث ہے۔ میں نے اس کی پانچ سو احادیث دیکھی ہیں جن میں سے اکثر میں اس نے غلطی کی ہے۔ ابن قطبیه نے کہا: مرنے سے پہلے اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے اس کو مدلس قرار دیا ہے۔

(تهذيب التهذيب 411-412/6)

علاوہ ازیں یہ حدیث غریب بھی ہے کیونکہ قزعہ کا اس متن کے ساتھ کوئی متابع نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث مضطرب المتن بھی ہے کیونکہ امام مسلم نے سہم بن منجاب اور قتادہ دو ثقہ راویوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان میں تین دن کی مسافت کا ذکر ہے۔

حدیث: حضرت ابو سعید خدری ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔ (مسلم _ 13382384)

دوسرا معارضہ بخاری کی اس روایت سے ہے: حدثنا آدم قال حدثنا ابن ابی ذئب قال حدثنا سعيد المقبري عن ابي هريرة۔ (بخاری :1026- 1088)

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو تین اسانید کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث بھی مضطرب السند اور مضطرب المتن ہے۔ (فتح الباری 568/2)

اسی طرح متن میں بھی اضطراب ہے۔ امام مسلم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے تین دن والی روایت ذکر کی ہے۔ امام ابو حنیفہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تواتر معنوی سے ثابت ہے کہ مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن تین راتیں ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ سفر شرعی جس پر احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں تین دن رات ہے۔ لہٰذا قصر کے لئے بھی سفر کی مدت تین دن رات ہوگی۔

حدیث : حضرت علی ﷛ سے موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے تین دن اور تین راتیں مسافر کے لئے اور ایک دن اور ایک رات مقیم کے لئے مشروع فرمائی ہے۔ (مسلم _ 276414 مشکوٰۃ 517)

امام طحاوی فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے منقول ہے کہ مسافر کے لئے مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں ہیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔ (طحاوی 79/1)

امام ابوحنیفہ کی تیسری دلیل یہ ہے:

حدیث : محمد، سعید بن عبید الطائی، علی بن ربیعہ الوالبی کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا: کتنی مسافت کے بعد نماز قصر کی جائے گی؟ فرمایا: کیا تم نے سویدا (مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: یہ تین راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں تک سفر کرتے ہیں تو نماز قصر کرتے ہیں۔

(کتاب الآثار ص 39، شرح مسلم سعیدی 363/2)

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام محمد بیان کرتے ہیں کہ مسافتِ سفر میں یہ مراد نہیں ہے کہ دن رات سفر کرتے رہیں کیونکہ دن سفر اور رات آرام کے لئے ہے۔ اگر مسافر ایسے راستے پر چلے جو تین دن کی مسافت کا ہو خواہ کسی اور راستہ سے اس مسافت کو ایک دن میں طے کرنا ممکن ہو قصر کرے پھر تین دن کی مسافت کا فرسخ کی مقدار سے اندازہ کیا گیا ہے۔ بعض فقہاء نے اکیس فرسخ اندازہ کیا، بعض نے اٹھارہ فرسخ اور بعض نے پندرہ فرسخ، فتویٰ اٹھارہ فرسخ پر ہے۔

(عمدۃ القاری 119/7)

مسافتِ قصر کا اندازہ بحسابِ انگریزی میل وکلومیٹر۔

احناف کے نزدیک قصر کا موجب درحقیقت تین دن کا سفر ہے جس کو پیدل چل کر یا اونٹ پر سوار ہو کر انسانی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ پورا کیا جائے۔ متاخرین فقہاء نے مسلمانوں کی سہولت کے لئے اندازہ کیا کہ اس اعتبار سے یہ مسافت کتنے فرسخ میں طے کی جائے گی مفتیٰ بہ اٹھارہ فرسخ کا قول ہے۔ (کفایہ مع فتح القدیر 5/2)

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ مسافت کے پیمانے بھی بدلتے گئے اور پھر مسافت

کو پہلے انگریزی میلوں اور بعد میں کلومیٹر سے ناپا جانے لگا، لہٰذا عہدِ حاضر کے علماء نے مسافت قصر کا اندازہ انگریزی میلوں سے قائم کیا ہے۔

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہے اور ایک شرعی میل، چار ہزار ذراع (انگلیوں سے کہنی تک ہاتھ) کا ہوتا ہے اور ایک متوسط ذراع ڈیڑھ فٹ یعنی نصف گز کا ہوتا ہے، لہٰذا ایک شرعی میل دو ہزار گز کا قرار پایا اور اٹھارہ فرسخ چون میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ آٹھ ہزار گز یعنی اکسٹھ (61) انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز ہیں اور یہ اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸،۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔

اس اعتبار سے مفتیٰ بہ قول پر سفر شرعی اور قصر کے احکام اکسٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز یا اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸،۷۳۴) کلومیٹر کی مسافت کے بعد شروع ہونگے۔ علماء ہندوستان نے ستاون میل (۵۰،۵۷) انگریزی کو مسافت قصر قرار دے دیا ہے اس پر ایک حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو دار قطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔ (عمدۃ القاری 531/3)

لیکن یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے نہ کہ بارہ میل انگریزی کا۔ تفصیل دیکھو۔ (شرح مسلم سعیدی 370/2)

قصر کی ابتداء اور انتہاء۔

چاروں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص سفر شرعی کا قصد کر کے شہر کی حدود سے نکل جائے گا اس کے لئے قصر ثابت ہو جائے گی اور جب واپس لوٹے گا تو شہر کی حدود شروع ہوتے ہی اس پر پوری نماز پڑھنا لازم ہوگی۔

مدتِ قصر۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک مدتِ قصر چار روز تک ہے۔ اگر کوئی شخص چار روز یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ کرے گا تو اس کو پوری نماز پڑھنا ہوگی اور امام اعظم

ابوحنیفہ کے نزدیک مدت قصر پندرہ دن تک ہے۔ اگر کوئی شخص پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ کرے گا تو اس کو پوری نماز پڑھنا ہوگی۔ (المبسوط 266/1)

حدیث سے دس دن تک سفر میں قصر ثابت ہے اور دس دن تک اقامت ثابت نہیں ہے۔

حدیث: حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ گئے۔ آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ ہم مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ ابن اسحاق نے پوچھا: تم نے مکہ میں کتنی مدت قیام کیا؟ کہا دس دن۔

(بخاری حدیث _1019 1081)

یہ حدیث صراحتاً ائمہ ثلاثہ کے خلاف ہے اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کی مؤید ہے۔

امام ابوحنیفہ کے دلائل۔

امام محمد فرماتے ہیں: میں نے امام صاحب سے پوچھا: اگر کوئی شخص تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت طے کر کے اس شہر میں پہنچ جائے جس کے لئے اس نے سفر کیا تھا تو کیا وہ پوری نماز پڑھے گا؟

امام صاحب نے فرمایا: اگر اس کی نیت پندرہ دن قیام کی ہے تو نماز پوری پڑھے گا اور اگر اس کو پتہ نہ ہو کہ وہ کب تک قیام کرے گا تو قصر کرے گا۔ میں نے پوچھا: آپ نے پندرہ دن کس دلیل سے متعین کئے ہیں؟ فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے۔

(المبسوط 266/1)

حدیث: مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ جاتے اور پندرہ دن قیام کا ارادہ کرتے تو اپنی پشت کھول دیتے اور پوری نماز پڑھتے۔

(مصنف عبد الرزاق 534/2، مصنف ابن ابی شیبہ 455/2)

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب تم مسافر ہو اور کسی جگہ کو پندرہ دن کے لئے وطن بنا لو تو نماز پوری پڑھنا۔ (کتاب الآثار 38)

احناف نے آثارِ صحابہ کی روشنی میں پندرہ دن حد قصر بیان کی ہے۔ اس پر ان احادیث سے معارضہ کیا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں انیس دن قیام کیا اور قصر نماز پڑھتے رہے لہٰذا ہم جب انیس دن قیام کریں تو قصر کرتے ہیں اور اس سے زیادہ قیام کریں تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔

(بخاری 1018-1080)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں سترہ دن قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص سترہ دن قیام کرے تو وہ نماز قصر کرے اور جو اس سے زیادہ قیام کرے تو وہ پوری نماز پڑھے۔

(ابو داؤد حدیث _ 1230 1041)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال مکہ میں پندرہ دن قیام کیا اور قصر نماز پڑھی۔ (ابو داؤد 1042-1231) یہ حدیث منکر ہے۔

ان احادیث کا اولاً جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فتح مکہ کے موقع پر قیام کی تین احادیث مروی ہیں اور تینوں متعارض اور مضطرب ہیں اور مضطرب روایت لائقِ استدلال ہوتی ہیں نہ قابل معارضہ۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ روایات ہمیں تب مضر ہوتیں جب ان میں تصریح ہوتی کہ آپ نے پندرہ، سترہ یا انیس دن قیام کی نیت کی تھی اور پھر آپ قصر کرتے رہے کیونکہ اگر پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو پھر قیام خواہ پندرہ سے زائد ہو جائے پھر بھی قصر پڑھی جاتی ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 376/2)

وجوبِ قصر میں مذاہب۔

مسافر پر قصر لازم ہے یا پوری نماز پڑھ سکتا ہے؟

اس سلسلے میں دو مسلک ہیں: ایک یہ کہ قصر ضروری نہیں چار رکعات بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ یہ گروہ قرآنِ پاک کی ایک آیت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتا ہے۔ قرآن میں ہے: تم پر نمازِ قصر کرنے کے سلسلے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر تمہیں کفار کی طرف سے فتنے کا ڈر ہو۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ آیتِ مذکورہ بالا کے مطابق قصر لازم نہیں بلکہ اس کی

رخصت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اگر تم قصر کرو تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حالتِ سفر میں نماز قصر بھی کی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے۔

دوسرے گروہ کے نزدیک قصر ضروری ہے احناف کا یہی موقف ہے۔

حدیث: حضرت مسروق، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، آپ فرماتی ہیں: شروع شروع میں دو رکعتیں فرض تھیں، رسول اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے، آپ نے مغرب کی نماز کے علاوہ ہر نماز کے ساتھ اس کی مثل ملا دی۔ نماز مغرب دن کے وتر کو اور نماز فجر کو طولِ قراءت کی وجہ سے اسی طرح چھوڑ دیا اور جب آپ سفر فرماتے تو پہلی نماز کی طرف لوٹ آتے۔ (دو دو رکعات پڑھتے)

رسول اللہ ﷺ خود بھی سفر میں دو دو رکعات پڑھتے تھے۔ اس ضمن میں تواتر کے ساتھ روایات مروی ہیں: حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عمران بن حصین، حضرت انس بن مالک اور **ابو جحیفہ** رضی اللہ عنہ سے بھی اسی مضمون کی روایات مروی ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا۔

پہلے گروہ کی پیش کردہ آیت کا جواب یہ ہے کہ **لیس علیکم جناح** یہاں محض جواز کے لئے نہیں بلکہ وجوب کے لئے ہے جیسا کہ حج اور عمرہ کے سلسلہ میں ارشادِ خداوندی ہے: پس جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں (صفا مروہ) پر چکر لگائے۔ یہاں بھی **لا جناح** کے الفاظ ہیں لیکن تمام علماء کے نزدیک سعی واجب ہے۔ اور جہاں تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا تعلق ہے تو خود ان ہی سے مروی ہے کہ شروع شروع میں نماز دو دو رکعتیں تھیں پھر اضافہ ہوا اور سفر کی نماز پہلی حالت پر رہی۔ گویا ان سے مروی روایات میں تضاد کی وجہ سے ان سے استدلال نہیں ہوگا۔

البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت حذیفہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ سفر میں مکمل نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عثمان ﷺ کے منیٰ میں دو رکعات پڑھنے کے بارے میں مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں جن میں یہ تاویل زیادہ مناسب ہے کہ آپ وہاں اقامت کی نیت کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت زہری سے مروی ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک وہ شخص قصر کر سکتا ہے جو کسی شہر میں نہ ٹھہرے بلکہ اپنا زادِ راہ اُٹھائے پھرے۔ حضرت عثمان ﷺ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

بہر صورت صحابہ کرام کی اکثریت سفر میں قصر کو لازم اور ضروری سمجھتی تھی اور یہی ان کا عمل تھا جن حضرات کے نزدیک گناہ کے سفر یا کسی شہر میں نہ ٹھہرنے کی وجہ سے قصر نہیں ہوتی تو ان کا موقف قیاس کے بھی خلاف ہے کیونکہ قصر نماز کی بنیاد سفر ہے جس طرح مکمل نماز پڑھنے کی بنیاد اقامت ہے اور مقیم نیکو کار ہو یا بدکار، شہر میں رہتا ہو یا دیہات میں چار رکعات پڑھتا ہے تو مسافر بھی ان قیود سے ہٹ کر محض سفر کی بنیاد پر دو رکعتیں پڑھے گا۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر گھر میں چار اور سفر میں دو رکعتیں فرض کی ہیں اور خوف (جہاد) میں ایک رکعت۔ (مسلم_ 1109 687 طحاوی باب صلاۃ المسافر 415/1)

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا سفر کے موقعہ پر کہیں اتمام کرنا ثابت نہیں۔ اگر اتمام جائز ہوتا تو کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ ضرور بیانِ جواز کے لئے رسول اللہ ﷺ اتمام فرماتے۔

حدیث: حضرت عمر ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے قصر کے متعلق سوال کیا کہ آیتِ قصر سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر صرف حالتِ خوف میں ہونا چاہیے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (سفر میں تخفیفِ نماز کا) صدقہ کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کرو۔

(مسلم 1108- 686 مشکوٰۃ 1335)

اس میں اول تو قصر کو حق تعالیٰ کی طرف سے صدقہ وعطیہ کہا گیا ہے، حق تعالیٰ کا صدقہ مسترد کرنا سخت توہین ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قصر واجب ہے پھر صیغہ امر کے ساتھ صدقہ قبول کرنے کا حکم دیا ہے، امر کا اصل مقتضاء وجوب ہے۔ معلوم ہوا قصر واجب ہے۔

منیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصر نہ کرنے کی وجہ۔

ائمہ ثلاثہ اس بات سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ میں پوری نماز پڑھا کرتے تھے۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ میں شادی کر لی تھی اور جو شخص جس جگہ شادی کر لے وہ بھی اس کا وطن ہو جاتا ہے اور وہاں اس کو پوری نماز پڑھنا لازم ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے مکہ میں آ کر شادی کر لی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: جس شخص نے کسی شہر میں شادی کی وہاں پوری نماز پڑھے۔

(احمد 62/1)

امام بیہقی نے کہا: اس کی سند میں عکرمہ بن ابراہیم ضعیف ہے۔ ابن قیم اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وجہ ضعف بیان کئے بغیر ضعف کا اعتبار نہیں کیونکہ امام بخاری نے عکرمہ بن ابراہیم کا اپنی تاریخ میں خلاف عادت بغیر کسی طعن کے ذکر کیا ہے۔

(زاد المعاد علی هامش الزرقانی 26/2)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی منیٰ میں پوری نماز پڑھتی تھیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے منیٰ میں اقامت کی نیت کر لی تھی۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ مسافر مقیم کی اقتداء کرتا ہے تو پوری نماز پڑھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے اس کی وجہ سفر نہیں ہے بلکہ مقیم کی اقتداء ہے اور دو رکعت زائد نفل ہیں لیکن نفل شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتے ہیں۔

وطن کی اقسام۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ وطن کی تین اقسام ہیں: وطن اصلی جس کو وطن قرار بھی کہتے ہیں، وطن مستعار اور وطن سکنی۔ وطن اصلی وہ شہر ہے جہاں کوئی شخص پیدا ہوا ہو یا جس شہر میں اس نے شادی کی۔ وطن مستعار وہ شہر ہے جہاں وہ پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کرے۔ وطن سکنی وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے۔

وطن اصلی صرف وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے مثلاً اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ کر کسی اور شہر میں رہائش اختیار کر لے اور وطن مستعار، وطن اصلی اور مستعار دونوں سے باطل ہو جاتا ہے

مثلاً وطن مستعار سے سفر کر کے وطن اصلی چلا جائے یا کسی اور جگہ پندرہ دن قیام کے لئے چلا جائے پھر سابق وطن مستعار میں پندرہ دن سے کم رہائش کے لئے ٹھہرے تو قصر کرے گا وطن اصلی اور وطن مستعار میں نماز پوری پڑھے گا اور وطن سکنی میں قصر کرے گا۔

(فتح القدیر 19/2)

سنن کا حکم

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنن مؤکدہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (المغنی 68/2)

اور احناف کے نزدیک روانگی اور سفر کی حالت میں نہ پڑھے اور رخصت پر عمل کرے البتہ صبح کی سنتیں پڑھ لے کیونکہ وہ واجب کے قریب ہیں اور جب حالت قیام میں ہو جیسے چند روز کے لئے کسی جگہ ٹھہرے تو سنن مؤکدات پڑھ لے۔ (رد المحتار 732/1)

حدیث: حضرت حفص بن عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ کے راستے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ آپ نے ہمیں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر اپنی منزل میں آئے اور بیٹھے تو کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا نفل پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا اگر میں نفل پڑھتا تو اپنی نماز ہی پوری کر لیتا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں پر زیادتی نہ کرتے تھے اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے ہی دیکھا۔ (مسلم_1112 689 بخاری_ 1037 1101 مشکوۃ 1338)

غالباً یہ سفر حج کا تھا، کسی منزل پر سب نے جمع ہو کر باجماعت نماز پڑھی پھر اپنے اپنے خیموں میں آئے، وہاں آپ نے لوگوں کو اہتمام کے ساتھ باقاعدہ کھڑے ہو کر اپنے ڈیروں پر نماز پڑھتے دیکھا، سفر میں جلدی تھی یہ نوافل سواری پر بھی پڑھے جا سکتے تھے۔ ان حضرات کی وجہ سے منزل کھوٹی ہو رہی تھی تب آپ نے ناراض ہو کر یہ فرمایا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سفر میں اتر کر اہتمام سے اور سفر روک کر صرف دو فرض ہی پڑھتے تھے نوافل کے لئے اتنا اہتمام کرنا ہوتا تو فرض ہی پورے کیوں نہ پڑھے جاتے، اگر یہ معنی کئے جائیں کہ سفر میں نفل مطلقاً جائز نہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ بخاری و مسلم اور ترمذی وغیرہم نے انہی ابن عمر سے سفر میں نوافل کی بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ بعض عقلمندوں نے اس حدیث

کی بنا پر سفر میں نفل بلکہ سنن وواجبات کو بھی منع کیا یہ سخت غلطی ہے۔

(مراۃ شرح مشکوۃ 310/2)

اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اکثر احوال میں سنن ونوافل نہیں پڑھتے تھے ورنہ حضور ﷺ نے نماز چاشت فتح مکہ کے موقع پر سفر کی حالت میں پڑھی ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ فرائض کے ساتھ زمین پر نہیں پڑھتے تھے، سواری پر پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی حالت میں سنن مؤکدہ، مؤکدہ نہیں رہتیں۔ (نزھۃ القاری 664/2)

حدیث : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سفر وحضر میں نماز پڑھی، آپ ﷺ کے ساتھ حضر میں ظہر چار رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں اور عصر دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد کچھ نہ پڑھا اور مغرب سفر وحضر میں برابر تین رکعتیں ہی پڑھیں نہ حضر میں کم کیں نہ سفر میں یہ دن کے وتر ہیں اور اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔

(ترمذی حدیث_ 507 552-مشکوۃ 1343)

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں صرف فرض میں قصر ہوگا سنتوں میں قصر نہیں۔ یہ حدیث گزشتہ حدیث ابن عمر ﷛ کی شرح ہے جس میں فرمایا گیا تھا: حضرت ابن عمر ما سفر میں نفل نماز پڑھنے والوں پر ناراض ہوئے۔

نفی والی روایت میں حضرت ابن عمر ما کا مقصد سنتیں پڑھنے کی نفی کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ تاکید کی نفی مقصود ہے یعنی سفر میں ان کی تاکید نہیں رہتی۔ یا نفی حالت سفر میں ہے اور اثبات حالت اقامت میں۔ بہتر یہی ہے کہ اگر امن اور قرار کی حالت ہو تو پڑھ لینی چاہیے لیکن فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی سنن کا تأکد بہر حال ختم ہو جاتا ہے۔

سفر میں سواری پر نفل ادا کرنا جائز، چاہے سواری کا منہ کسی طرف بھی ہو

حدیث: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سواری پر نفل پڑھا کرتے تھے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو۔ (مسلم حدیث_ 1129 700)

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سفر شرعی میں سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو البتہ ابتداء میں سواری کا منہ قبلہ کی طرف ہو تو مستحسن ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا، مجھے بتلائیے کہ جب اثناء سفر میں مسافر چلتی ہوئی سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ کرے تو کیا وہ پڑھ سکتا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: وہ اپنی سواری پر اشاروں سے نفل پڑھے اور سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ جھکے خواہ سواری کا منہ کسی طرف ہو۔ میں نے پوچھا: خواہ کسی قسم کی سواری ہو وہ نفل پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ (المبسوط 295/1)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک ہر قسم کی سواری پر نفل پڑھنا جائز ہیں۔ بعض لوگ بغیر شرعی سفر کے اپنے شہر میں ہی سواری پر نفل پڑھتے ہیں یہ خلاف سنت ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

بحری جہاز پر نماز۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بحری جہاز میں فرض نماز باوجود قیام پر قدرت کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر قادر ہے تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اور قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ اگر بعد میں جہاز قبلہ رخ سے بدلے تو وہ بھی اپنا رخ بدل لے۔

حدیث: یونس بیان کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے کہا: میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحری جہاز پر بنوسیرین کی طرف گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 266/2 مطبوعہ دار القرآن کراچی)

حدیث: عطاء بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے سوائے اس کے کہ انہیں غرق ہونے کا خوف ہو پھر بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور جیسے کشتی قبلہ سے ہٹتی وہ بھی گھومتے رہتے۔ (مصنف عبد الرزاق 581/2)

امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ظاہر قیاس پر مبنی ہے اور امام ابو حنیفہ کا قول استحسان پر مبنی ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ جو شخص کشتی میں کھڑا ہوتا ہے عام طور پر اس کے سر میں چکر آتا ہے اور حکم عام احوال کے مطابق لاگو کیا جاتا ہے۔ شاذ اور نادر احوال پر حکم نہیں لگایا جاتا جیسے کہ لیٹے ہوئے شخص کی نیند کو وضو ٹوٹنے کا سبب قرار دیا ہے کیونکہ عام طور پر ایسی صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح کنواری لڑکی کے سکوت کو حیاء کے باعث رضا قرار دیا گیا ہے کیونکہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے اگرچہ بعض جزئیات اس کے خلاف بھی ہوتی ہیں۔

(شرح مسلم سعیدی 396/2)

ریل میں نماز۔

فقہاء اور ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ چوپایہ پر نفل جائز ہیں اور فرض جائز نہیں اور کشتی پر فرض کے جواز میں ائمہ اربعہ متفق ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ریل کشتی کے حکم میں ہے یا چوپایہ کے۔ چوپایہ اور ریل میں ایک واضح اور بنیادی فرق یہ ہے کہ چوپایہ ذی روح اور ذی اختیار و ارادہ ہے جبکہ ریل غیر ذی روح اور غیر ذی اختیار و ارادہ ہے۔ اس لحاظ سے ریل کشتی کے مشابہ ہے اور بحری جہاز اور ریل میں یہ امور مشترک ہیں کہ دونوں تیل اور سٹیم سے چلتے ہیں۔ دونوں کا چلانے والا ڈرائیور ہے یعنی چوپایہ کی طرح ان کا از خود چلنا متصور نہیں ہے۔ فقہاء نے کشتی میں نماز کے جواز کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ کشتی میں کمرہ یا مکان کی طرح موضع قرار حاصل ہے اور چوپایہ میں موضع قرار حاصل نہیں۔ (المبسوط 2/2)

اور کشتی کے چلنے سے کشتی میں سوار شخص کا عرفاً مکان اور جگہ تبدیل نہیں ہوتی۔ ریل میں بھی یہ دونوں وجہیں مشترک ہیں پھر ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ریل کو کشتی پر قیاس نہ کیا جائے اور ریل میں فرض نماز کے جواز کا حکم نہ عائد کیا جائے۔

چلتی ہوئی ٹرین سے اتر کر نماز پڑھنے میں جان اور مال دونوں کی ہلاکت کا یقینی خطرہ ہے۔ بعض اوقات ٹرین مسلسل دو گھنٹہ تک دوڑتی رہتی ہے اور اس دوران بعض نمازوں کا وقت آ کر نکل جاتا ہے کیونکہ فجر اور مغرب کا وقت بالعموم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ تک ہوتا ہے اور ان کا وقت کسی بھی موسم میں ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتا اور احناف کے مذہب پر عصر کا وقت بھی

بالعموم ڈیڑھ گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اور اس دوران اگر مسافر نماز نہ پڑھیں تو فرض کے تارک قرار پائیں گے۔

لہٰذا یہ مسئلہ علماء کے لئے غور طلب ہے کہ ایسی صورت میں ریل کو کشتی پر قیاس کر کے فرض نماز کی اجازت دیں یا ریل کو چوپایہ پر قیاس کر کے ریل میں فرض نماز کو نا جائز اور پڑھنے کے بعد واجب الاعادہ قرار دیں یا جان و مال کی ہلاکت کے عذر کے پیش نظر فرض نماز کو جائز قرار دیں اور اعادہ لازم نہ کریں۔

اگر ریل کو چوپایہ پر بھی قیاس کیا جائے تب بھی جان و مال کی ہلاکت کے عذر کی وجہ سے اس پر فرض نماز جائز ہے اور اعادہ لازم نہیں ہے کیونکہ جس وقت ٹرین ایک سو کلومیٹر کی رفتار سے دوڑ رہی ہے اور نماز کے پورے وقت میں نہیں رکتی ایسے وقت میں ٹرین سے نماز پڑھنے کے لئے اترنا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مترادف ہے۔ یہ بہت بڑا عذر ہے جبکہ اس سے بہت کم درجہ کے عذر میں فقہاء نے چوپایہ پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور اعادہ لازم نہیں کیا۔ اس مسئلہ کو فقہاء نے اس حدیث شریف سے **مستنبط** کیا ہے:

حدیث: یعلی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سفر میں تھے، نماز کا وقت ہو گیا، آسمان سے بارش ہو رہی تھی اور نیچے زمین پر کیچڑ تھی، رسول اللہ ﷺ نے سواری پر اذان دی اور اقامت کہی پھر آپ اپنی سواری پر آگے بڑھ گئے اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے سواریوں پر تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے سواری پر انہیں اشارہ سے نماز پڑھائی اور سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکتے تھے۔

(ترمذی ص 86 مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس سے ثابت ہو گیا کہ اگر ریل کو چوپایہ پر بھی قیاس کریں تب بھی ائمہ ثلاثہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک ریل پر فرض نماز جائز ہوگی کیونکہ ہلاکت کا عذر بہر حال کیچڑ اور بیماری سے زیادہ قوی ہے، جن اعذار کی وجہ سے چوپایہ پر نماز جائز ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 399/2)

امام محمد فرماتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہ سے کہا: یہ بتلایئے کہ اگر کوئی شخص چوپایہ پر فرض

پڑھے۔ فرمایا جائز نہیں اور اس پر اعادہ لازم ہے۔ میں نے کہا اگر وہ بیمار ہو اور خود سے نہ اتر سکتا ہو یا زمین پر نماز پڑھنے سے اس کو درندوں یا کسی اور سے جان کا خطرہ ہو۔ امام صاحب نے فرمایا: اس کے لئے نماز جائز ہے۔ (المبسوط 295/1)

جب چوپایہ سے اترنے میں ہلاکت کا خطرہ ہو تو چوپایہ پر فرض پڑھ سکتا ہے اور اعادہ نہیں اور چلتی ریل میں اترنے کی صورت میں ہلاکت کا یقین ہے تو اس صورت میں فرض نماز بطریق اولیٰ جائز ہوگی اور اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ۔

جب ٹرین میں نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھنی چاہئے اور اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین نہیں رکتی تو ٹرین میں نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کا ترک فرض کا ترک اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے۔ مسافروں کو ٹرین میں سفر کے وقت قبلہ نما (جو آسانی سے مل جاتا ہے) رکھنا چاہئے اور اس سے قبلہ کی سمت متعین کریں ورنہ دن میں سورج کو دیکھ کر بھی قبلہ کی سمت معلوم ہو جاتی ہے اور قبلہ کی جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔ اکثر لوگوں کو دیکھا ہے وہ برتھ پر بیٹھ کر قبلہ کی طرف منہ کئے بغیر نماز پڑھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اور اکثر علماء اور دیندار لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اس شبہ سے ٹرین میں فرض کو ترک کر دیتے ہیں کہ ٹرین میں نماز نہیں ہوتی یا ناجائز ہے۔ (شرح مسلم سعیدی 2/407-397)

ہوائی جہاز میں نماز۔

جن دلائل سے ٹرین میں فرض نماز پڑھنا جائز ہے انہی دلائل سے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ ہوائی جہاز میں وجہ جواز زیادہ قوی ہے کیونکہ ہوائی جہاز کی پرواز کے دوران نماز کے وقت اترنا قطعاً غیر متصور ہے۔ بعض پروازوں میں بارہ گھنٹے بلکہ اس سے بھی زیادہ جہاز پرواز کرتا رہتا ہے بہرحال جب نماز کے پورے وقت کے دوران جہاز پرواز کرتا رہے تو نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کا ترک گناہِ کبیرہ ہے۔ ہوائی جہاز پر اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اشاروں سے رکوع و سجود کرے اور سجود میں رکوع کی نسبت زیادہ جھکے اور فرض نماز کو ترک نہ کرے۔ (شرح مسلم سعیدی-2/-397)

قضا نمازں کا بیان

سوال: چھوٹی ہوئی نماز کس وقت پڑھنی چاہئے؟

جواب: چھ یا اس سے زیادہ چھوٹی ہوئی نمازیں پڑھنے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، ہاں انہیں جلد پڑھنا چاہئے تاخیر نہیں کرنی چاہئے عمر میں جب بھی پڑھے گا بری الذمہ ہو جائے گا لیکن سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت اور زوال کے وقت قضا نماز پڑھنا جائز نہیں۔ (عالمگیری)

اگر پانچ یا اس سے کم نمازیں قضا ہوں وہ صاحب ترتیب ہے۔ اس پر لازم ہے کہ وقتی نماز سے پہلے قضا نمازیں بالترتیب پڑھے۔ اگر وقت میں گنجائش ہوتے ہوئے وقتی نماز پہلے پڑھ لی تو نہ ہوئی۔

سوال: بعض لوگ بہت سی فرض نمازیں جو ان سے قضا ہو گئی ہیں انہیں نہیں پڑھتے اور نفل پڑھتے ہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے۔؟

جواب: ان لوگوں کو فرض نمازوں کی قضا جلد پڑھنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے نفلوں کی جگہ بھی ان لوگوں کو قضا ہی پڑھنا چاہئے۔ (فتاوی رضویہ)

سوال: قضا نمازوں میں اظہار بہتر ہے یا اخفاء؟

جواب: قضا نمازیں چھپ کر پڑھئے لوگوں پر اس کا اظہار نہ کیجئے کہ گناہ کا اظہار بھی مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔ (رد المحتار ج 2ص 650) لہٰذا اگر لوگوں کی موجودگی میں وتر قضا کریں تو تکبیر قنوت کے لئے ہاتھ نہ اٹھائیں۔

سوال: فجر کی سنتیں رہ جائیں تو کیا کرے؟

جواب: سنتیں پڑھنے سے اگر فجر کی جماعت فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو بغیر پڑھے شامل

ہوجائے مگر سلام پھیرنے کے بعد پڑھنا جائز نہیں۔ طلوع آفتاب کے کم از کم بیس منٹ بعد سے لیکر ضحوۂ کبریٰ تک پڑھ لے کہ مستحب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ ج، ص 424)

سوال: ظہر کی چار سنتیں رہ جائیں تو کیا کرے؟

جواب: اگر ظہر کے فرض پڑھ لئے تو دو رکعت سنت بعد والی ادا کرنے کے بعد چار رکعت سنت پہلے والی ادا کیجئے بشرطیکہ ہنوز وقتِ ظہر باقی ہو۔ اگر وقت ختم ہوگیا تو ان سنتوں کی قضا نہیں۔ (فتاوی رضویہ ج 8 ص 148 ، انوار شریعت ص 57)

سوال: نماز قصر کی قضا کس طرح کی جائے؟

جواب: اگر حالت سفر کی قضا نماز حالت اقامت میں پڑھیں گے تو قصر ہی پڑھیں گے اور حالت اقامت کی قضا نماز سفر میں قضا کریں گے تو پوری پڑھیں گے یعنی قصر نہیں کریں گے۔ (رد المحتار ج 2 ص 650)

مریض کی نماز اور کرسی پر نماز کا بیان

سوال: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: آج کل کرسی پر نماز پڑھنے کا رواج عام ہے۔اس مقصد کے لئے جو مخصوص کرسی استعمال کی جاتی ہے اس پر بیٹھنے کے علاوہ ہاتھ رکھنے کے لئے نمازی کے سامنے ایک میز کی شکل کی تختی لگی ہوتی ہے اور دیکھا یہ گیا ہے کہ نمازی سجدہ کرتے وقت اشارہ کرنے کی بجائے اپنے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اپنی پیشانی بھی اس تختی پر رکھ دیتا ہے۔اس بارے میں گزارش ہے کہ ایسا کرنا ممنوع ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ایک مریض کی عیادت فرمائی دیکھا کہ تکیہ پر نماز پڑھتا ہے یعنی سجدہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے آگے سے تکیہ لے کر ایک طرف پھینک دیا۔اس نے پاس پڑی ہوئی لکڑی لی۔رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی پھینک دیا پھر فرمایا: صَلِّ عَلَى الارض اِنِ اسْتَطَعْتَ وَاِلَّا فَاَوْمِ اِيْمَاءً وَاجْعَلْ سُجُوْدَكَ اَخْفَضَ مِنْ رُكُوعِكَ۔ اگر تمہیں طاقت ہو تو زمین پر نماز پڑھو ورنہ اشارہ کے ساتھ نماز پڑھو اور سجدہ رکوع سے پست کرو یعنی سجدہ میں رکوع سے زیادہ جھکو۔

(مجمع الزوائد ج2 ص 148 معرفة السنن بیهقی)

اس سے ثابت ہوا کہ زمین پر نماز پڑھنا بہتر ہے۔اگر کرسی پر بھی پڑھی جائے تو کسی چیز پر رکوع یا سجدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ رکوع کے لئے سر کو تھوڑا نیچے کیا جائے گا اور سجدہ کے لئے زیادہ۔ رسول اللہ ﷺ نے باوجود سخت تکلیف کے کرسی استعمال نہیں فرمائی حالانکہ کرسی موجود تھی رسول اللہ ﷺ وصال سے چند دن قبل نماز کے لئے دو صحابہ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا مجھے ابو بکر کی بائیں جانب بٹھا دو (بخاری و مسلم) اگر عذر ایسا ہو کہ زمین پر بیٹھنا

ممکن نہ ہو تب کرسی کے استعمال کا جواز بنتا ہے مگر یہ کسی طرح درست نہیں کہ کرسی کے سامنے لگی تختی پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا جائے ۔علامہ امجد علی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''سجدہ کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی چیز پیشانی کے قریب رکھ کر اس پر سجدہ کرنا مکروہ تحریمی ہے'' اور اگر لکڑی پر پیشانی لگا دی تو نماز درست نہ ہو گی۔ (بہار شریعت ج1 ص 265)

کرسی پر وہ بیٹھ کر نماز پڑھے جو گھر سے بھی کرسی پر بیٹھ کر آئے۔ بہت افسوس کا مقام ہے کہ تمام شرعی ضابطوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے یہاں بھی ہم نے کمال آزادی حاصل کر رکھی ہے۔ اچھا بھلا ہٹا کٹا آدمی سارا دن بھاگا پھرے گا بیٹھ کر کھانا بھی کھائے گا مگر جب رب کریم کی بارگاہ میں حاضری کا موقع آتا ہے تو جوڑ جوڑ درد کرتا ہے۔ فرض و وتر و عیدین و سنت فجر میں قیام فرض ہے کہ بلا عذر صحیح بیٹھ کر یہ نمازیں پڑھے گا تو نہ ہوں گی۔ (درمختار) اگر قیام پر قادر ہے مگر سجدہ نہیں کر سکتا تو اسے بہتر ہے کہ بیٹھ کر اشارے سے پڑھے (درمختار) جو شخص سجدہ تو کر سکتا ہے مگر سجدہ کرنے سے زخم بہتا ہے جب بھی اسے بیٹھ کر اشارے سے پڑھنا مستحب ہے اور کھڑے ہو کر اشارے سے پڑھنا بھی جائز ہے۔ (درمختار) جس شخص کو کھڑے ہونے سے قطرہ آتا ہے یا زخم بہتا ہے اور بیٹھنے سے نہیں تو اسے فرض ہے کہ بیٹھ کر پڑھے۔

(درمختار)

تنبیہ ضروری: علامہ امجد علی صاحب لکھتے ہیں کہ: آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کر دی حالانکہ وہی لوگ اس حالت میں دس دس پندرہ پندرہ منٹ بلکہ اس سے بھی زیادہ کھڑے ہو کر ادھر اُدھر کی باتیں کر لیا کرتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ ان مسائل سے متنبہ ہوں اور جتنی نمازیں باوجود قدرت قیام بیٹھ کر پڑھی ہوں ان کا اعادہ فرض ہے۔ یوں ہی اگر ویسے کھڑا نہ ہو سکتا تھا مگر عصا یا دیوار یا آدمی کے سہارے کھڑا ہونا ممکن تھا تو وہ نمازیں بھی نہ ہوئیں، ان کا پھیرنا فرض۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ (بہار شریعت حصہ، ص175)

نماز میں بیٹھنے کا طریقہ کیا ہے۔

نماز میں کیسے بیٹھا جائے؟ اس ضمن میں تین قول ہیں:

1: نماز میں بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ مرد دایاں پاؤں کھڑا کرے بائیں پاؤں کو زمین پر ٹیڑھا کرے اور زمین پر بیٹھے۔

2: آخری قعدہ میں بھی اسی طرح بیٹھے جیسے پہلے قول کے قائلین کا خیال ہے لیکن پہلے قعدے میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

3: دونوں قعدوں میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے۔

پہلا گروہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر﷛ کی روایت سے استدلال کرتا ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسی طرح کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمایا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ اپنا دایاں پاؤں کھڑا کرو اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمانا کہ یہ نماز کی سنت ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ کا عمل ہے کیونکہ صحابہ کرام کے افعال پر بھی سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر﷛ کی پہلی روایت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں زمین پر بیٹھنے کا ذکر نہیں۔ جب کہ حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کا طریقہ یوں بیان کیا ہے کہ آپ پہلے قعدے میں بائیں پاؤں پر اور آخری قعدہ میں سرین کی بائیں جانب بیٹھتے۔

(بخاری حدیث 828،785 مشکوٰۃ 792)

تیسرے گروہ کا استدلال

حدیث: حضرت وائل بن حجر﷛ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ قعدہ کے لئے بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے۔ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا۔

جہاں تک ابوحمید﷛ کی روایت کا تعلق ہے تو محدثین کرام اس قسم کی حدیث سے استدلال

نہیں کرتے کیوں کہ وہ محمد بن عمرو سے غیر متصل مروی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ وہ ابو حمید اور ابو قتادہ کے پاس حاضر ہوئے حالانکہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ پہلے انتقال فرما چکے تھے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے کہ شہید ہوئے اور آپ نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ سے جو روایت مروی ہے وہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کے موافق ہے لہٰذا یہ تیسرا قول ثابت ہوا۔ (طحاوی باب صفة الجلوس فی الصلوٰۃ 257/1)

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے اور قرات الحمد للہ سے شروع کرتے تھے اور وكان اذا ركع لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ ولكن بَيْنَ ذَلِكَ جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ اونچا رکھتے نہ نیچا لیکن اس کے درمیان وكان اذا رفع رَأْسَهُ من الركوع لم يَسْجُدْ حتى يَسْتَوِيَ قائما اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو سجدہ نہ کرتے یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے وكان اذا رفع رَأْسَه لم يَسْجُدْ حتى يَسْتَوِي جالساً اور جب سجدے سے سر اُٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے حتی کہ سیدھے بیٹھ جاتے وكان يقول فى كل ركعتين التحية اور ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے وكان يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۔

(مسلم حدیث _ 768 498 مشکوٰۃ 791)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قعدوں میں اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا کرتے تھے۔ یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ ہر التحیات میں یونہی بیٹھتے تھے جن احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری التحیات میں پاؤں شریف داہنی جانب نکال دیتے تھے اور زمین پر بیٹھتے تھے۔ بخاری کی دوسری روایت میں جو بیان ہوا کہ آپ پہلے قعدے میں بائیں پاؤں پر اور آخری قعدہ میں سرین کی بائیں جانب بیٹھتے۔

(بخاری حدیث 785-828)

وہ بڑھاپے یا بیماری کا حال ہے جب زیادہ دیر تک بائیں پاؤں پر نہ بیٹھ سکتے تھے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ 14/2 شرح مسلم سعیدی 1309/1)

حدیث: حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر ؓ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں چارزانو بیٹھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نوعمر تھا تو مجھے میرے والد نے منع فرمایا اور فرمایا کہ: انما سنة الصلاة ان تنصب رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں بچھاؤ۔ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں یعنی چارزانو بیٹھتے ہیں۔ فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے) (بخاری حدیث _ 827 784)

خیال رہے کہ عورت دونوں التحیات میں زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر بیٹھے اور مرد دونوں التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔

جمعہ کی سنتیں

جمعہ سے پہلے چار رکعات سنت ہیں اور جمعہ کے بعد چھ رکعات سنت ہیں بایں طور کہ چار رکعت کے بعد سلام پھیر کر دو رکعت سنت پڑھی جائیں۔

حدیث: حضرت قتادہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھتے تھے اور ابواسحاق کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ جمعہ کے بعد چھ رکعات پڑھتے تھے۔

(مصنف عبد الزاق 247/3، ترمذی حدیث 481-521 شرح مسلم سعیدی 444/2)

حدیث: عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ نے جمعہ کے بعد پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر اس کے بعد چار پڑھیں۔

(ترمذی تعلیق علی الحدیث 523، مشکوٰۃ 1187)

خطبہ جمعہ کے دوران کوئی نماز پڑھنا۔

سوال: جو شخص اس وقت مسجد میں آئے جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا وہ دو رکعتیں پڑھ سکتا ہے؟

جواب: اس مسئلے میں دو موقف ہیں ایک یہ کہ وہ دو مختصر رکعتیں پڑھے جب کہ دوسرا موقف

اس کے خلاف ہے۔

پہلا گروہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتا ہے کہ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے سے پہلے بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں پڑھ لی ہیں؟ عرض کیا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھ کر دو رکعتیں پڑھو۔

دوسرے گروہ کی دلیل وہ متواتر روایات ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث: جس شخص نے جمعہ کے دن خطبہء امام کے دوران اپنے ساتھی سے کہا: خاموش رہو تو اس نے لغو کام کیا۔ (بخاری _ 882 934 مسلم _ 1404 851 مشکوٰۃ 1385)

جہاں تک پہلے گروہ کی پیش کردہ روایات کا تعلق ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز میں گفتگو کرنا جائز تھا پھر جب نماز میں گفتگو کی ممانعت ہو گئی تو خطبہ میں بھی کلام کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ ہو کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ جو شخص پہلے سے مسجد میں ہو وہ خطبہ کے دوران نماز نہیں پڑھ سکتا، باہر سے آنے والے کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعتیں پڑھے۔ تو اس شخص کو جواباً کہا جائے گا کہ یہ اس وقت کے بارے میں ہے جب نماز پڑھنا جائز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص طلوعِ آفتاب کے وقت دوپہر کو یا غروبِ آفتاب کے وقت مسجد میں آئے اس کے لئے دو رکعتیں پڑھنا جائز نہیں۔ احناف بھی اسی دوسرے مسلک کے قائل ہیں۔

(طحاوی شریف 365/1 باب الرجل یدخل المسجد یوم الجمعة والامام یخطب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ اختصار کے ساتھ دو رکعت پڑھ لے۔

(مسلم _ 1444 875 مشکوٰۃ 1411 کتاب الجمعہ باب الخطبة والصلاة)

امام شافعی، امام احمد اور بعض تابعین کا نظریہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن جب کوئی امام کے خطبے کے

دوران آئے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لے اور بغیر دو رکعت نماز پڑھے، اس کے لئے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ، امام مالک اور جمہور صحابہ اور تابعین کا نظریہ یہ ہے کہ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد نہ پڑھی جائے کیونکہ خطبہ سننا واجب ہے۔ (شرح مسلم نووی عربی 471/2)

امام اعظم ابوحنیفہ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری، صحیح ابن خزیمہ اور جامع ترمذی میں فرمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہے: جس شخص نے جمعہ کے دن خطبہء امام کے دوران اپنے ساتھی سے کہا: خاموش رہو تو اس نے لغو کام کیا۔

(بخاری _934 882 مسلم _1404-851 مشکوٰۃ 1385)

خطبہ کے دوران بولنا حرام (ظنی) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر (خطبہء جمعہ) کی طرف دوڑو۔ (سورۃ الجمعہ)

جب جمعہ کے دن خطبہء جمعہ کے لئے دوڑنا فرض ہوا تو اس سے اعراض حرام ہوا اور دورانِ خطبہ بات کرنے میں خطبہ سننے سے اعراض ہے، اس لئے دورانِ خطبہ بات کرنا حرام ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بات کرنے والے کو چپ کرنے کے امر سے بھی منع فرما دیا ہے حالانکہ حرام کام سے روکنا اور امر بالمعروف کرنا فرض ہے لیکن جب کسی فرض کی ادائیگی خطبہ سننے سے مانع ہو تو وہ بھی ممنوع ہے۔ لہٰذا خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی ادائیگی جو کہ ایک امر مستحب ہے بطریق اولیٰ ممنوع قرار پائے گی۔

دوسرا استدلال اس طرح ہے کہ جو کام خطبہ سننے سے مانع ہو وہ ممنوع ہے اور تحیۃ المسجد کی ادائیگی خطبہ سننے سے مانع ہے اس لئے دورانِ خطبہ تحیۃُ المسجد کی ادائیگی ممنوع ہے۔

تیسرا استدلال اس طرح ہے کہ خطبہ جمعہ نماز کے قائم مقام ہے اور نماز کے دوران تحیۃُ المسجد پڑھنا جائز نہیں، اس لئے دورانِ خطبہ تحیۃُ المسجد پڑھنا جائز نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ خطبہ تحیۃُ المسجد پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ یہ اس زمانہ پر محمول ہے جب نماز میں

بات کرنا مباح تھا اور جب نماز کے دوران بات کرنا مباح تھا تو دورانِ خطبہ بات کرنا بھی مباح ہوا اور دورانِ خطبہ نماز پڑھنا بھی مباح ہوا اس لئے آپ ﷺ نے اس وقت کے اعتبار سے خطبہ کے دوران تحیۃُ المسجد پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن جب آپ ﷺ نے نماز کی طرح خطبہ کے دوران کلام سے منع فرما دیا۔ پچھلا حکم منسوخ ہو گیا اور اب دورانِ خطبہ تحیۃ المسجد پڑھنا جائز نہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین نے دورانِ خطبہ نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ اگر یہ حکم منسوخ نہ ہوتا تو صحابہ کرام سے یہ کس طرح متصور تھا کہ وہ اس کام سے منع کریں جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو۔ آثارِ صحابہ حسب ذیل ہیں:

حدیث: ثعلبہ بن ابی مالک قرظی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا زمانہ پایا۔ جب امام جمعہ کے دن (خطبہ دینے) جاتا تو ہم نماز ترک کر دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 111/2 مطبوعہ ادراۃ القرآن کراچی)

حدیث: عطاء کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم امام کے خروج کے بعد نماز اور کلام کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 111/2 مطبوعہ ادراۃ القرآن کراچی، طحاوی 370/1)

حدیث: ہشام کہتے ہیں کہ عروہ کہتے تھے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو کوئی نماز جائز نہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 111/2 مطبوعہ ادراۃ القرآن کراچی)

حدیث: امام بخاری کے استاد امام ابن سیرین کہتے ہیں کہ جب امام (خطبہ کے لئے) آجائے تو کوئی شخص نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ امام (خطبہ سے) فارغ ہو جائے۔)

(مصنف ابن ابی شیبہ 111/2 مطبوعہ ادراۃ القرآن کراچی)

حدیث: سائب بن یزید کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جمعہ کے دن نماز پڑھتے اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ کر منبر پر بیٹھتے تو ہم نماز منقطع کر دیتے۔ جب مؤذن اذان دے لیتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے اور اس وقت تک کوئی بات نہیں کرتا تھا جب تک کہ آپ خطبہ سے فارغ نہ ہو جاتے۔ (نصب الرایہ 204/2)

حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ (الدرایہ 132/1)

حدیث: حضرت عقبہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت نماز پڑھنا معصیت ہے جب امام منبر پر ہو۔ (طحاوی 370/1)

حدیث: ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ علقمہ سے کسی نے پوچھا کہ جس وقت امام خطبہ کے لیے نکلے یا خطبہ دے رہا ہو، اس وقت ہم بات کر سکتے ہیں؟ کہا نہیں۔ (طحاوی 370/1)

خیال رہے کہ خطبہ وہ ہے جو دوسری اذان کے بعد عربی میں دیا جاتا ہے، دوسری اذان سے پہلے جو اُردو یا انگریزی میں تقریر کی جاتی ہے وہ اس میں شامل نہیں اس وقت نوافل پڑھے جا سکتے ہیں۔

مغرب سے قبل نفل پڑھنا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز ہر موسم میں اوّل وقت پڑھنا مستحب ہے۔ احناف کے نزدیک مغرب سے پہلے کوئی نفل نہیں ہماری دلیل یہ ہے:

حدیث: طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے قبل از مغرب دو رکعت پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ ان دو رکعتوں کو پڑھتا ہو۔

(ابو داؤد حدیث 1092 کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ قبل المغرب)

حدیث: حضرت جابر ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں البتہ حضرت اُمّ سلمہ ؓ نے فرمایا: ایک دن میرے پاس آپ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں۔ میں نے پوچھا: یہ کون سی نماز ہے؟ تو فرمایا: میں عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھول گیا تھا ان کو اب پڑھا ہے۔ (نصب الرایہ 141/2)

حدیث: حماد بن ابی سلیمان نے ابراہیم نخعی سے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مغرب سے پہلے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ (نصب الرایہ 141/2)

اور یہ کہنا کہ بخاری کی روایت کو ان روایات پر ترجیح ہے، درست نہیں۔ جیسا کہ علامہ نے خصوصاً امام ابن ہمام نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اگر بخاری میں مروی حضرت انس ﷜ کی یہ حدیث صحیح ہوتی کہ اذان ہوتے ہی لوگ تیزی سے ستونوں کی طرف بڑھتے۔ اتنی کثرت سے لوگ نماز پڑھتے کہ ایک اجنبی یہ خیال کرتا کہ جماعت ہو چکی ہے۔ حضرت ابن عمر اور عامہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حتیٰ کہ حضرت جابر ﷜ اور ازواجِ مطہرات سے یہ بات پوشیدہ رہتی اور حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اس پر عمل نہ کرتے بلکہ عام صحابہ اسے چھوڑ بیٹھے۔

بخاری کی حدیث سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بعض صحابہ پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ کرام میں سے کچھ نے سوچا ہوگا کہ بیکار رہنے سے بہتر ہے کہ جب تک حضور ﷺ تشریف نہ لائیں نماز ہی پڑھیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ نماز مستحباب شارع علیہ السلام مقرر نہیں تھی ورنہ تمام صحابہ پڑھتے۔ جو لوگ پڑھتے تھے وہ وقت کو اہم عبادت میں مصروف کرنے کے لئے پڑھتے تھے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس وقت نفل مشروع نہیں اگر کوئی مختصر پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا ہے۔

(نزھۃ القاری 700/2)

فجر کی جماعت کھڑی ہو تو سنتوں کا کیا حکم ہے۔

سوال: جب کوئی مسجد میں آئے اور فجر کی جماعت کھڑی ہو تو کیا وہ سنتیں پڑھ سکتا ہے؟

جواب: ایک گروہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز نہیں وہ حضرت ابو ہریرہ ﷜ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب نماز کھڑی ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز جائز نہیں نیز ان کا استدلال اس روایت سے بھی ہے کہ فجر کی جماعت کھڑی ہوئی، ایک شخص فجر کی دو رکعتیں پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور تین بار فرمایا: کیا تم چار رکعتیں پڑھتے ہو؟ علاوہ ازیں ایک شخص آیا اور اس نے جماعت کے پیچھے کھڑے ہو کر دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوا سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فلاں! کیا اسے نماز شمار کرتے ہو جو تم نے ہمارے ساتھ پڑھی ہے؟

پالے، جو تنہا ادا کی ہے۔
دوسرے گروہ کا مؤقف ہے کہ اگر کسی شخص نے سنتیں ادا نہ کی ہوں اور وہ سمجھتا ہو کہ سنتیں ادا کر کے میں جماعت میں شریک ہو سکوں گا تو وہ پہلے سنتیں پڑھے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور امام نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) ادا کیں۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے مسجد کے ایک ستون کے پاس سنتیں ادا کیں پھر نماز میں شامل ہو گئے۔ (طحاوی)

حدیث: حضرت ابو الدرداء ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگ نماز فجر ادا کر رہے تھے، انہوں نے ایک کونہ میں دو رکعتیں ادا کیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو گئے۔ (طحاوی)

حدیث: امام نافع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نماز فجر کیلئے نیند سے بیدار کیا، نماز کھڑی ہو چکی تھی وہ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں ادا کیں۔ (طحاوی)

پہلے گروہ نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کی جو روایت پیش کی ہے وہ ان کا اپنا قول ہے، مرفوع حدیث نہیں دیگر روایات میں جو ممانعت ہے وہ جماعت کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھنے سے متعلق ہے۔ اگر مسجد کے بالکل آخر میں یا کسی کونے میں پڑھنے کے بعد جماعت میں شامل ہو تو کوئی حرج نہیں علاوہ ازیں فجر کی سنتوں کی بہت زیادہ تاکید وارد ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی (دوسرا) مسلک ہے۔ (طحاوی 371-377/1)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب فرض نماز کی اقامت کہی جائے تو سوائے اس فرض کے اور کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

(مسلم حدیث_1160 710 مشکوۃ 1058)

اگر کوئی شخص پہلے سے مثلاً چار سنتیں پڑھ رہا ہو اور نماز کی اقامت ہو جائے تو سنت کا ایک دوگانہ مکمل کر کے سلام پھیر دے اور جماعت میں شامل ہو جائے اور دو رکعت سنت بعد میں قضا کرے۔ سنتوں میں اصل یہ ہے کہ گھر میں پڑھی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی طریقہ

تھا۔ احادیث میں چونکہ صبح کی سنتوں کی بہت تاکید ہے، اس لئے فقہاء نے اقامت فجر کے وقت بھی سنتیں پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا فجر کی سنتیں اس حالت میں جماعت سے دور ہو کر پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ اسے دوسری رکعت ملنے کی امید ہو لیکن یہ انتہائی غلط طریقہ ہے کہ مسجد میں فجر کی جماعت کھڑی ہوتی ہے اور لوگ جماعت کی صفوں سے متصل کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کو چاہئے کہ وہ گھر میں سنتیں پڑھ کر آیا کریں یا جماعت سے دور کھڑے ہو کر سنتیں ادا کریں۔

جلسہ استراحت۔

پہلی رکعت میں دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر پھر دوسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو جائے چونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسلاف امت کا اجماع اس پر ہے کہ جلسہ استراحت نہ کرے۔

حدیث: حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سعد ساعدی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

(ابو داود حدیث: 824 باب ذکر التورك في الرابعة)

عمل صحابہ

حدیث: حضرت عبدالرحمن بن یزید، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بابت فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی رکعت میں بیٹھتے نہ تھے بلکہ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (بیهقي من قال يرجع على صدور قدميه)

نیز حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عمل تھا کہ آپ بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

(جوهر النقي 125/2)

شارح بخاری ابن حجر نقل کرتے ہیں:

حدیث: حضرت نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو

دیکھا کہ وہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے اور یہی منقول ہے حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے۔ (نصب الرایہ 389/1)

اجماعِ اُمت

امام شافعی کے سوا تمام اسلاف امت کا اجماع و اتفاق اس بات پر ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد بیٹھے بغیر سیدھا کھڑا ہو جانا چاہئے۔ (جوھر النقی 126/2)

جلسہ استراحت کوئی مسنون عمل نہیں ذخیرۂ احادیث میں جن صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی ان میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جلسہ استراحت فرماتے تھے جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے۔ امام طحاوی اس مضمون کی تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں ”کہ جب دونوں حدیثوں میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کا حل یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص ذاتی کیفیت کی وجہ سے یہ جلسہ فرمایا ہوگا نہ اس لئے کہ یہ نماز کی سنت ہے اور اگر یہ جلسہ نماز میں مطلوب ہوتا تو خاص طور پر اس کا علیحدہ تذکرہ ضرور ہوتا“۔ امام طحاوی کے اس فرمان کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ فرمایا ہے کہ بڑھاپے کے سبب ”اب میں بھاری جسم ہو گیا ہوں“ لہٰذا اسی دور میں اس خاص کیفیت کے پیش نظر پہلے بیٹھ کر پھر کھڑے ہوتے تھے۔

ابن قیم اس جملہ کی روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ہمیشہ جلسہ استراحت کی ہوتی تو یقیناً ہر وہ شخص اس کا ذکر کرتا جس نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے اور فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کر لینا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نماز کی سنت ہے۔ الا یہ کہ جب معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل بطور سنت کیا ہے تاکہ لوگ بھی کیا کریں۔ البتہ جب یہ معلوم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کسی ذاتی ضرورت کے پیش نظر کیا ہے تو پھر اس سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نمازوں کی سنت میں سے ہے۔

(ملخص زاد المعاد 240/1)

نمازعیدین کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ روزوں کی گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو کہ اس نے تمہیں ہدایت فرمائی اور فرماتا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔ عیدین کی نماز واجب ہے مگر سب پر نہیں بلکہ انہی پر جن پر جمعہ واجب ہے اور اس کی ادا کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور عیدین میں سنت، اگر جمعہ میں خطبہ نہ پڑھا تو جمعہ نہ ہوا اور عیدین میں نہ پڑھا تو نماز ہوگی مگر برا کیا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ قبل نماز ہے اور عیدین کا بعد نماز۔ اگر پہلے پڑھ لیا تو برا کیا مگر نماز ہوگئی لوٹائی نہیں جائے گی اور خطبہ کا اعادہ بھی نہیں اور عیدین میں نہ اذان ہے نہ اقامت صرف دوبار اتنا کہنے کی اجازت ہے الصلاۃُ جامِعَۃٌ۔ (درمختار) بلا وجہ عید کی نماز چھوڑنا گمراہی اور بدعت ہے۔

نماز کا طریقہ

دو رکعت واجب عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نیت کر کے کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لے، ثناء پڑھے پھر کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ چھوڑ دے پھر ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہتا ہوا ہاتھ باندھ لے یعنی پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھے اس کے بعد دو تکبیروں میں ہاتھ لٹکائے پھر چوتھی تکبیر میں باندھ لے اس کو یوں یاد رکھے کہ جہاں تکبیر کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھ لئے جائیں اور جہاں کچھ نہیں پڑھنا، وہاں ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں۔

پھر امام اعوذ باللہ اور بسم اللہ آہستہ پڑھ کر جہر کے ساتھ الحمد اور سورت پڑھے پھر رکوع کرے اور دوسری رکعت میں پہلے الحمد و سورت پڑھے پھر تین بار کان تک ہاتھ لے جا کر اللہ

اکبر کہے اور ہاتھ نہ باندھے اور چوتھی بار بغیر ہاتھ اٹھائے اللہ اکبر کہتا ہوا رکوع میں جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عیدین میں زائد تکبیریں چھ ہیں تین پہلی میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری میں قرأت کے بعد اور تکبیروں کے درمیان تین تسبیح کی مقدار سکتہ کرے۔

پہلی رکعت میں امام کے تکبیر کہنے کے بعد مقتدی شامل ہوا تو اسی وقت تین تکبیریں کہہ لے اگر چہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو اگر اس نے تکبیریں نہ کہیں اور امام رکوع میں چلا گیا تو امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں تکبیریں کہہ لے اور اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے بلکہ جب اپنی پڑھے اس وقت تکبیریں کہے۔ ہر دو تکبیروں کے درمیان تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار چپ کھڑا رہنا چاہئے۔

(فتاویٰ عالمگیری)

حدیث:۔ ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی کتنی تکبیریں کہتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ چار تکبیریں کہتے تھے۔ جنازہ کی چار تکبیروں کی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں خود بھی جب بصرہ کا گورنر تھا تو ایسے ہی کرتا تھا۔

(ابو داؤد حدیث :973-1153 کتاب الصلاۃ التکبیر فی العیدین
طحاوی 346/4 مشکوٰۃ 1443)

حدیث : ابو عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز عید پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چار تکبیریں پڑھیں پھر نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مت بھولو (عید کی تکبیریں) نماز جنازہ کی تکبیروں کی طرح ہیں اور اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اور اپنے انگوٹھے کو پکڑا۔ (طحاوی 345/4) اس حدیث کو ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

(سلسلہ احادیث الصحیحہ حدیث 2997)

حدیث : عبد اللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی

اللہ عنہما کے پیچھے نمازِ عید ادا کی تو انہوں نے چار تکبیریں کہیں پھر قرأت کی پھر رکوع کیا پھر رکوع سے سر اٹھایا پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے اور قرأت کی پھر تین تکبیریں کہیں پھر رکوع کیا۔ (طحاوی 347/4)

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد تکبیراتِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف ہوا کہ چار، پانچ ہیں یا سات؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرات صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ: تمہیں رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے اور کسی مسئلہ میں اختلاف یا اتفاق پر بعد میں آنے والوں کا اتفاق یا اختلاف مرتب ہوگا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس طرف متوجہ کیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! آپ کی یہ رائے بڑی اچھی ہے، اس مسئلہ پر آپ اپنی رائے دیں۔ آپ نے فرمایا: بلکہ تم اپنی رائے بتلاؤ یقینا میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں تو صحابہ کرام نے باہمی غور و خوض کے بعد اس امر پر اتفاق کیا کہ جنازہ کی بھی چار تکبیریں ہیں نماز عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی طرح اور اس پر سب کا اتفاق ہوا۔ (طحاوی باب التکبیر علی الجنائز کم ھو)

پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں اور دوسری میں چار کل نو تکبیریں ہوئیں۔ پہلی تکبیر تحریمہ کی، اس کے بعد تین تکبیریں اور پانچویں تکبیر رکوع کی۔ دوسری رکعت میں تین تکبیریں زائد اور چوتھی تکبیر رکوع کی۔ پانچ اور چار نو تکبیریں۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں نو تکبیریں یوں ہیں کہ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت اور نبی کریم ﷺ کے بہت سے صحابہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(ترمذی حدیث_536493)

عید الفطر و بقر عید کا بیان۔

سوال: عید الفطر و بقر عید کی نماز واجب ہے یا سنت؟

جواب: عید الفطر و بقر عید کی نماز واجب ہے مگر ان کے واجب اور جائز ہونے کی وہی شرطیں ہیں جو جمعہ کے لئے ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے اور عیدین

میں سنت۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے اور عیدین کا خطبہ نماز کے بعد اور تیسرا فرق یہ ہے کہ عیدین میں اذان اور اقامت نہیں ہے صرف دو بار الصلوٰۃ جامعۃ کہنے کی اجازت ہے۔ (در مختار)

سوال: عید الفطر و بقر عید کی نماز کا وقت کب سے کب تک ہے؟

جواب: عید الفطر و بقر عید کی نماز کا وقت ایک نیزہ آفتاب بلند ہونے سے لے کر زوال کے پہلے تک ہے۔

سوال: اگر کوئی آدمی اس وقت شامل ہوا جب امام پہلی رکعت کی تکبیریں کہہ چکا تو وہ کیا کرے؟

جواب: وہ شامل ہوتے وقت پہلی تکبیر کے ساتھ ہی تین تکبیریں اور کہہ لے اگر چہ امام قرات شروع کر چکا ہو، اگر اس نے تکبیریں نہ کہیں کہ امام رکوع میں چلا گیا تو کھڑے کھڑے نہ کہے بلکہ امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں تکبیریں کہہ لے پھر اگر اس نے رکوع میں تکبیریں پوری نہ کی تھیں کہ امام نے سر اٹھالیا تو باقی ساقط ہو گئیں اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد شامل ہوا تو اب تکبیریں نہ کہے جب اپنی بقیہ نماز پڑھے تو اس وقت کہے اور رکوع میں جہاں تکبیر کہنا بتایا گیا وہاں ہاتھ نہ اٹھائے۔ اگر دوسری رکعت میں شریک ہوا تو پہلی رکعت کی تکبیریں اب نہ کہے جب اپنی بقیہ نماز پڑھے تو اس وقت کہے۔ دوسری رکعت کی تکبیریں اگر امام کے ساتھ پالے تو فبہا ورنہ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو پہلی رکعت کے بارے میں مذکور ہے۔ (در مختار، نماز کے احکام ص 442)

سوال: عید کی جماعت نہ ملے تو کیا کرے؟

جواب: امام نے نماز پڑھ لی اور کوئی شخص باقی رہ گیا خواہ وہ شامل ہی نہ ہوا تھا یا شامل تو ہوا مگر اس کی نماز فاسد ہو گئی تو اگر دوسری جگہ مل جائے تو پڑھ لے ورنہ (بغیر جماعت کے) نہیں پڑھ سکتا۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ یہ شخص چار رکعت چاشت کی نماز پڑھے۔

(در مختار)

سوال: عید الفطر کے دن کون کون سے کام مستحب ہیں؟

جواب: حجامت بنوانا، ناخن ترشوانا، غسل کرنا، مسواک کرنا، اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، عید

گاہ جلدی جانا، نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا، عیدگاہ پیدل جانا، دوسرے راستے سے واپس آنا، نماز کے لئے جانے سے پہلے طاق یعنی تین یا پانچ کھجوریں کھالینا اور کھجوریں نہ ہوں کوئی میٹھی چیز کھالینا، خوشی ظاہر کرنا، آپس میں مبارک باد دینا، کثرت سے صدقہ دینا یہ سب باتیں عید الفطر کے دن مستحب ہیں۔

سوال: عید الاضحیٰ کے تمام احکام عید الفطر کی طرح ہیں یا کچھ فرق ہے؟

سوال: عید الاضحیٰ کے تمام احکام عید الفطر کی طرح ہیں صرف بعض باتوں میں فرق ہے اور وہ یہ ہیں (۱) عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ نماز ادا کرنے سے پہلے کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ کرنی ہو اور اگر کھالیا تو کراہت نہیں (۲) عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کے راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہتا ہوا جائے (۳) قربانی کرنی ہو تو مستحب یہ ہے کہ پہلی ذی الحجہ سے لیکر قربانی کرنے تک نہ حجامت بنوائے نہ ناخن ترشوائے (۴) نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرھویں کی عصر تک نماز پنج گانہ کے بعد جو جماعت سے ادا کی گئی ہو ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہنا واجب ہے اور تین بار افضل اس کو تکبیر تشریق کہتے ہیں وہ یہ ہے: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ (انوار شریعت)

☆☆☆

نمازِ تروایح کا بیان

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد علیہم الرحمہ کے نزدیک تروایح بیس رکعت ہے اور امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ بمعنیٰ ایک دفعہ آرام کرنا، جیسے تسلیمہ بمعنیٰ ایک دفعہ سلام کرنا اور رمضان کی راتوں میں باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے، اس مناسبت سے کہ ابتداءً جب حضرات صحابہ کرام ﷺ کا اِتفاق اس امر پر ہو گیا تو وہ ہر دو سلاموں کے بعد (چار رکعات کے بعد) کچھ آرام کرتے تھے۔ (فتح الباری کتاب صلوٰۃ التراویح)

واضح رہے کہ خود تراویح کا صیغہ بتلا رہا ہے کہ تراویح کی رکعات آٹھ سے زائد ہیں چونکہ چار رکعت، ایک ترویحہ اور آٹھ رکعت تَرْوِیْحَتَیْن بارہ اور اس سے زائد رکعات تراویح۔ کیونکہ عربی کی جمع تین سے شروع ہوتی ہے اگر آٹھ رکعت تراویح ہوتی تو پھر اسے تراویح کہنا درست نہ تھا بلکہ تَرْوِیْحَتَیْن کہنا چاہئے تھا۔ بیس رکعات تراویح سنتِ رسول اللہ ﷺ اور سنت صحابہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح خلافِ سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں:

حدیث: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما آن رسول اللہ ﷺ کا ن یصلی فی رمضان عشرین ر کعۃ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 394/2)

ہر چند بیس رکعت تراویح کی حدیث مرفوع سنداً ضعیف ہے لیکن حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ﷺ سمیت اس دور کے تمام صحابہ کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہو چکا ہے اور یہ بات بکثرت آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔ اس لئے بیس رکعت تراویح کی مشروعیت بے غبار

ہے۔ غیر مقلدین حضرات بیس رکعات تراویح کے معارضہ میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

(بخاری _1147 1079 مسلم _738 1219 ترمذی _403 439)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی اس نماز کے بارے میں بتلا رہی ہیں جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مشترک ہے اور وہ تہجد کی نماز ہے نہ کہ تراویح کی، اس لئے غیر مقلدین کا اس کو تراویح کی نماز پر محمول کر کے اس سے بیس رکعت تراویح پر معارضہ کرنا صحیح نہیں ہے جبکہ بیس رکعت تراویح بکثرت آثارِ صحابہ سے ثابت ہے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تراویح آٹھ رکعات پڑھتے تھے۔ اگر بیس رکعت پڑھتے تو کل رکعات تئیس ۲۳ ہوتیں۔ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ اس حدیث سے تین وتر بھی ثابت ہو رہے ہیں تب ہی تو گیارہ رکعات ہوئیں، غیر مقلدین بتائیں کہ وہ ایک وتر کیوں پڑھتے ہیں کیا بعض حدیث پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں نہیں پڑھی جاتیں، اسی لئے امام بخاری اور امام ترمذی اس حدیث کو کتاب التھجد میں لائے ہیں اور صلوٰۃ التراویح کے لئے علیحدہ باب باندھا ہے۔ وہابیوں کو چاہئے کہ بارہ مہینے تراویح پڑھا کریں کیونکہ رمضان ہو یا غیر رمضان رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں، فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے۔ تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتی تہجد پڑھی جاتی ہے۔ اہل حدیثوں کو چاہئے کہ وہ سونے کے بعد تراویح

پڑھا کریں۔

اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا گیا؟ خلفاء راشدین بدعتِ سیئہ کا حکم دے سکتے ہیں اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا؟ ان میں کوئی بھی متبع سنت اور حق گو نہیں تھا؟ آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں اعلان نہ کیا کہ تم یہ کام خلاف سنت کر رہے ہو۔ وہ خاموش کیوں رہیں کیا ان پر تبلیغ حق فرض نہ تھی کیا تم اُمّ المؤمنین سے افضل ہو۔ اگر بیس رکعات تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعات تراویح سنت اور تم نے چودہ سو سال بعد یہ سنت جاری کی۔ بتاؤ حرمین شریفین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں تم آج مجدیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے جہاں آج بھی بیس رکعات تراویح پڑھی جارہی ہیں۔

اس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو تنہا ہوتی تھی اور وہ تہجد ہے، تراویح تو باجماعت ہوتی ہے۔ وہابیوں کو چاہئے کہ آج سے وہ تنہا تراویح پڑھنا شروع کر دیں۔ اس روایت میں چار چار رکعات نماز کا ذکر ہے اور تراویح تو بالاتفاق دو دو کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ وہابیوں کو چاہئے کہ آج سے چار چار رکعات تراویح پڑھنا شروع کر دیں۔

مفسر قرآن علامہ الشیخ محمد علی الصابونی۔

الاستاذ بکلیۃ الشریعہ جامعہ ام القری بمکہ المکرمہ لکھتے ہیں:

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنا مشاہدہ بیان فرمارہی ہیں اور یہ اس کے منافی نہیں کہ آپ اس سے زیادہ نماز پڑھتے ہوں کیونکہ آپ نو (9) ازواج میں سے ایک تھیں اور ہر رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں نہیں گزارتے تھے حتیٰ کہ آٹھ رکعات پر قطعی حکم لگایا جائے وہ تو اپنے مشاہدہ کی خبر دے رہی ہیں۔ اسی طرح اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں چاشت کی نماز پڑھتی ہوں۔ (مسلم حدیث _ 7181174)

حالانکہ چاشت کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو چاشت کی نماز پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی۔ (مسلم _ 7211182 بخاری 1845-1981)

فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات نماز چاشت ادا کی۔
(بخاری 2935مسلم_720 1180)

کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز چاشت کا انکار کر دیں صرف اس وجہ سے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گیارہ رکعات سے زیادہ کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تہجد کی نماز تیرہ رکعات بھی ثابت ہے۔ (کتاب صلوۃ التراویح ص 118-111)

عہدِ فاروقی میں بیس رکعات تراویح۔

حدیث :عن یزید بن رومان رضی اللہ عنہ أنه قال کا ن الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث و عشرین ر کعة۔ امام مالک حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے۔ (موطا باب ما جاء فی قیام رمضان ص 115/1)

امام مالک نے تراویح کے لئے دو روایتیں ذکر کی ہیں، ایک گیارہ والی السائب بن یزید سے اور دوسری بیس رکعت والی یزید بن رومان سے، امام بیہقی دونوں روایتیں اپنی سنن کبریٰ میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ان دونوں روایات میں اس طرح تطبیق کی جا سکتی ہے کہ پہلے صحابہ گیارہ رکعات پڑھتے تھے اور پھر بیس رکعات تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(سنن کبریٰ 496/2)

حدیث : بیہقی نے کتاب معرفہ میں نقل کیا کہ حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں لوگ بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

(اسنادہ صحیح ,نصب الرایۃ 154/2)

امام مالک کے علاوہ دیگر محدثین نے اسی سند سے اکیس رکعت کا ذکر کیا ہے، مثلاً امام عبد الرزاق نے محمد بن یوسف سائب بن یزید علیہم الرحمہ سے اکیس رکعات کا ذکر کیا ہے۔

حدیث : محمد بن یوسف سائب بن یزید علیہم الرحمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں لوگوں کو اکیس رکعت پر جمع کیا جن میں

وہ سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور فجر کے قریب فارغ ہوتے تھے

(مصنف عبد الرزاق 262/4)

اس سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ گیارہ رکعات کی روایت معلوم، شاذ اور امام مالک کا تسامح ہے۔ امام بیہقی نے جو تطبیق ذکر فرمائی ہے اس کی تقویت اس بات سے ہوتی ہے کہ بعد کے صحابہ مثلاً خلفاء الراشدین حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

حدیث: سائب بن یزید سے بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور ہم (مع وتر) تئیس رکعات پڑھتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق 262/4)

حدیث: یحیٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 293/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ 1406ھ)

عہد عثمانی میں بیس رکعات تراویح۔

حدیث: سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ رمضان کے مہینہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان میں ایسی آیات پڑھتے تھے جن میں سو آیات ہوتی تھیں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں شدتِ قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔

(حافظ ابو بکر بن علی السنن الکبری 496/2 عدد رکعات القیام فی رمضان)

عہد حضرت علی رضی اللہ عنہ میں بیس رکعات تراویح۔

حدیث: ابو الحسناء بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ 293/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ 1406ھ)

حدیث: امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں: حضرت علی ﷺ کے بعض اصحاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعات وتر۔ (السنن الکبریٰ 496/2 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حدیث: حضرت ابوعبدالرحمن سلمی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی ﷺ ان کو وتر پڑھاتے تھے۔ (السنن الکبریٰ 496/2 مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حدیث: حافظ ابوعمر بن عبدالبر یہ روایت ذکر کرتے ہیں: حضرت علی ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں مسلمانوں کو بیس رکعات پڑھائے اور یہ رکعات وتر کے علاوہ تھیں۔
(التمہید 15/8 مکتبہ قدوسیہ لاہور)

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا عمل۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ بھی بیس رکعات تراویح پڑھا کرتے تھے۔

حدیث: حضرت الاعمش فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا معمول بھی بیس رکعات تراویح پڑھنے کا تھا۔ (مروزی قیام اللیل ص157)

حدیث: نافع بن عمر بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان میں بیس رکعات تراویح پڑھاتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ 293/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ 1406ھ)

حدیث: ابن رفیع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب ﷺ مدینہ میں لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ 293/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ 1406ھ)

حدیث: حضرت ابو البختری رمضان میں پانچ ترویحات اور تین رکعات پڑھاتے تھے اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ 293/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولیٰ 1406ھ)

حدیث: عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ بشمول وتر تئیس رکعت پڑھتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ 293/1 مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی الطبعۃ الاولی 1406ھ)

جمہور صحابہ اور اہل مکہ کا عمل۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعات تراویح ہے جو کہ حضرت علی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اصحاب سے مروی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اسی طرح میں نے اپنے شہر مکہ میں پایا کہ وہ بیس رکعات پڑھتے تھے۔

(ترمذی باب ما جاء فی قیام رمضان حدیث _ 806،734)

غیر مقلدین سے گزارش۔

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں: غیر مقلدین حضرات بیس رکعات تراویح کو بدعت اور مخالفِ سنتِ نبوی قرار دیتے ہیں اور سالہا سال سے وہ اس موضوع پر اہل سنت سے مناظرہ اور مباحثہ کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم اس مسئلہ میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ غیر مقلدین حضرات جو ہر رمضان اور رمضان کی ہر شب میں تراویح جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس میں ختم قرآن کا التزام کرتے ہیں اس میں کونسی صریح اور صحیح مرفوع متصل حدیث ہے؟ کیونکہ بخاری اور مسلم کی صحیح روایت میں صرف یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار رمضان کی آخری تین راتوں میں قیام کیا اور ہر رمضان میں اور رمضان کی ہر شب کو جماعت کے ساتھ خواہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا اور رمضان میں جماعت کے اندر ختم قرآن کا التزام کرنا بھی ان کے اصول پر بدعت اور مخالفتِ سنتِ نبوی ہے اور اگر یہ تمام اُمور حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی اِتباع میں کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے بدعت اور مخالفتِ سنتِ نبوی نہیں ہیں تو بیس رکعات بھی انہی صحابہ کا طریقہ ہے، اس کو بدعت قرار دے کر مسلمانوں کو اس کارِ خیر سے کیوں روکا جاتا ہے یہ بات ہم آج تک نہیں سمجھ سکے۔ بیس رکعات تراویح پر مقالاتِ سعیدی میں قیام رمضان کے عنوان سے ہمارا ایک مفصل مقالہ موجود ہے جس میں اس عنوان پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وہ اہل علم کے لئے قابل مطالعہ ہے۔ (شرح مسلم سعیدی 502/2)

آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کا سہارا بالآخر حضرت جابر ﷛ کی روایت ہے جو کہ علماء حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ حضرت جابر ﷛ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں آٹھ تراویح پڑھائیں۔(ابن خزیمہ ابن حبان)

یہ رویت اس قدر ضعیف ومنکر ہے کہ اس سے استدلال ہی نہیں کیا جاسکتا چونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کی بابت ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ ابوداؤد کہتے ہیں: اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں۔(تهذیب التهذیب. حرف العین)

لہٰذا اس طرح کی منکرہ موضوعہ کو دلیل بنانا صحیح نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صرف تین دن نماز تراویح باجماعت مسجد میں ادا کی۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شب مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کی اقتداء میں لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کردی پھر دوسری شب نماز پڑھی تو اور زیادہ لوگ جمع ہو گئے پھر تیسری یا چوتھی رات کو صحابہ جمع ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ باہر تشریف نہ لائے صبح کو ارشاد فرمایا: میں نے تم لوگوں کو دیکھا تھا اور مجھے تمہارے پاس آنے سے صرف یہ خوف مانع تھا کہ تم پر تراویح فرض ہوجائے گی اور یہ رمضان کا واقعہ تھا۔
(مسلم 1270-761بخاری _ 1129 1061)

ایک روایت میں ہے کہ: اے لوگو! اپنے گھر میں نماز پڑھو کیونکہ مرد کی نماز فرائض کے سوا گھر میں بہتر ہے۔(بخاری حدیث :7290 مسلم 781 مشکوۃ 1295)

حضور اکرم ﷺ اپنی اُمت پر رحیم وکریم ہیں اس رحمت کی وجہ سے لگاتار پورا مہینہ تراویح نہ پڑھائیں، اب تراویح سنت مؤکدہ ہے لیکن تراویح کی جماعت سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔حضور ﷺ کو یہ علم بھی تھا کہ اگر میں اسی طرح تراویح پڑھاتا رہا تو تراویح پانچ وقتہ نماز کی طرح فرض ہوجائے گی اور اگر فرض ہوگئی تو میری اُمت اس فرض کی پابندی نہ کرسکے گی۔اس سے حضور ﷺ کا علم بھی ثابت ہو رہا ہے اور رحمت بھی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تہجد اور تراویح دو الگ عبادتیں ہیں ایک نہیں جیسا کہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ تہجد یا قیام اللیل اور تراویح ایک ہی عبادت کے دو نام ہیں۔ یہ نظریہ باطل ہے کیونکہ تراویح میں تو تمام صحابہ حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے یہ امر کسی پر مخفی نہ رہا۔ لہذا تراویح کے متعلق تو اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی، وہ تو سب صحابہ جانتے تھے کیونکہ نماز تراویح گھر میں نہیں، مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صرف وہ وہی سوال کیا گیا جو صحابہ پر مخفی تھا جسے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بتا سکتی تھیں اور وہ تہجد یا قیام اللیل ہے۔ اگر تراویح کے متعلق سوال ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتیں مجھ سے کیا پوچھتے ہو کیا تم اس نماز میں شریک نہیں تھے۔ غیر مقلدین کو بھی چاہئے کہ صرف تین دن نماز تراویح پڑھیں اور تین دن جماعت کرائیں باقی دن جماعت کرانا خلافِ سنت ہے اور مسجد میں صرف تین دن نماز پڑھیں باقی دن اپنے اپنے گھروں میں تراویح ادا کریں۔ اگر وہ کہیں کہ پورا مہینہ جماعت کے ساتھ مسجد میں تراویح ادا کرنا کہ خلفاء راشدین کی سنت ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ اگر یہ تمام سنتیں تمہیں قبول ہیں تو پھر بیس تراویح بھی خلفاء راشدین کی سنت ہے اس سے انکار کیوں ہے۔ تراویح کے متعلق خلفاء راشدین کی باقی تمام سنتوں کو قبول کر رہے ہو، صرف بیس تراویح سے ہی دشمنی ہے۔ سیدنا فاروقِ اعظم ؓ نے بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا جس پر تمام صحابہ نے سکوت فرمایا۔ اس لئے بیس تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا نیز اس سے لزوماً یہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے بھی بیس رکعت تراویح پڑھی تھیں ورنہ صحابہ کرام ضرور اختلاف کرتے خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ صحابہ کرام سے یہ مستبعد ہے کہ دین میں اس قسم کا اضافہ برداشت کرسکیں۔ کوئی اہلحدیث یہ بات ثابت نہیں کرسکتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاروق اعظم ؓ پر اعتراض کیا ہو کہ یا امیر المومنین آپ نبی کریم ﷺ کی سنت تبدیل کر رہے ہو، تراویح تو آٹھ رکعات ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خلفاء راشدین سے اختلاف ثابت نہیں تو معلوم ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بیس تراویح ہی پڑھتی رہیں اور آٹھ رکعت والا مسئلہ تہجد کے متعلق ہے۔

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ کامفہوم۔

حدیث: عبدالرحمن بن عبدالقاری سے روایت ہے کہ میں رمضان میں ایک رات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو لوگ متفرق الگ الگ تھے، کوئی تنہا نماز پڑھ رہا تھا اور کچھ لوگ جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دیتا تو بہتر تھا پھر آپ نے ارادہ کر ہی لیا اور انہیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ گیا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ یہ بڑی اچھی بدعت ہے جسے چھوڑ کر تم لوگ سو جاتے تھے، وہ اس سے بہتر ہے جس کو تم لوگ ادا کرتے ہو، ان کی مراد آخر رات کی نماز تھی اور لوگ رات کے پہلے حصہ میں نماز ادا کرتے تھے۔ (بخاری_2010-1871 مشکوٰۃ1301)

یعنی نماز تہجد تراویح سے افضل ہے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ تراویح الگ نماز ہے اور تہجد الگ، ایسا نہیں کہ دونوں ایک ہوں جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں۔ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ ''یہ بڑی اچھی بدعت ہے'' یعنی تراویح کی جماعت اور ہمیشہ اہتمام سے قائم کرنا میری ایجاد ہے اور بدعتِ حسنہ ہے۔

مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے: ایک یہ کہ نفس تراویح سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس پر ہیشگی باجماعت اور اہتمام سے ادا کرنا سنتِ فاروقی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایجادات صحابہ شرعاً بدعت ہیں اگرچہ انہیں لغۃً سنت کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین لہٰذا یہ دونوں حدیثیں متعارض نہیں۔ تیسرے یہ کہ ہر بدعت بُری نہیں، بعض اچھی بھی ہوتی ہیں مثلاً قرآنِ کریم کے اعراب اور سیپارے، حدیثوں کو کتابی شکل میں جمع کرنا بدعت ہیں مگر فرض۔ چوتھے یہ کہ قیامت تک تراویح کی دھوم دھام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یادگار ہے۔

(مراۃ 292/2)

مفتی شریف الحق امجدی فرماتے ہیں: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ اصل تراویح مشروع ہے، تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح باجماعت پڑھی۔ اس کے بعد اکیلے پڑھی اور صحابہ کرام

اکیلے اکیلے بھی پڑھتے تھے اور جماعت کے ساتھ بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تراویح کے لئے جماعت کی قید نہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جماعت کے ساتھ پڑھنے کی پابندی کردی۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی امر مشروع مطلق کو کسی ہیئت خاص کے ساتھ مخصوص کرنا حرام وگناہ وبدعتِ سیئہ نہیں جیسے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کا حکم مطلق دیا گیا ہے۔ اُمت نے اسے خاص ہیئت کے ساتھ میلاد شریف کے نام سے رواج دیا۔ اسی طرح ہم کو مطلق صلوٰۃ وسلام کا حکم ہے پوری امت نے اسے اخیر مجلس میں کھڑے ہوکر بلند آواز سے رواج دیا۔ یونہی مطلق ایصالِ ثواب کا حکم ہے۔ پوری امت نے اسے تیسرے یا دسویں دن یا چالیسویں دن یا سال پورا ہونے پر رواج دیا۔ **تخصیصات** بھی حرام وگناہ وبدعتِ سیئہ نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ (نزھۃ القاری شرح بخاری 411/3)

وہابی منکرِ حدیث عبداللہ چکڑالوی کے نقش قدم پر۔

غیر مقلدین کے ذمہ دار علماء بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تہجد اور تراویح دو علیحدہ نمازیں ہیں۔ ان کو ایک سمجھنا منکر حدیث عبداللہ چکڑالوی کا مذہب ہے۔ جب شروع میں اس نے یہ دعویٰ کیا تو ثناء اللہ امرتسری نے اس کا رد لکھا لیکن اب اہل حدیث بھی اسی کی بولی بول رہے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہابی ترقی کرتے کرتے عبداللہ چکڑالوی منکرِ حدیث کا مذہب قبول کر چکے ہیں۔ اگر اسی طرح ترقی جاری رہی تو شاید وہ وقت بھی آجائے کہ شیعوں کی طرح یہ بھی منکرِ قرآن بھی بن جائیں۔ چنانچہ محمد اقبال کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں: رمضان میں نمازِ تراویح یا قیام رمضان باقی مہینوں میں تہجد یا قیام اللیل ہی کا دوسرا نام ہے۔

(کتاب الصلوٰۃ ص ۱۹۰، مسئلہ نمبر 403)

غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری عبداللہ چکڑالوی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایسے صاف اور صحیح جواب کو پاکر بھی ان مولوی صاحب (عبداللہ چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس ساری کوشش کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اور پچھلے وقت کی نماز ایک ہی ہے دو نہیں۔ یہی تراویح جو اوّل وقت میں پڑھی جاتی ہے تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے

کیونکہ تہجد کے معنی ہیں: نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اوّل شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے۔

(اھل حدیث کا مذھب ص93-92)

دوسرا غور طلب امر یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح کے بعد تہجد کی نماز بھی پڑھی جائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فتاویٰ ثنائیہ کے دو سوال و جواب ملاحظہ ہوں:

سوال: جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اوّل شب تہجد نہیں ہوتی۔

سوال: رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں یا تہجد کے بدلے تراویح؟

جواب: اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے۔ پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ (ثناء اللہ امرتسری: فتاوی ثنائیہ 1/682-654)

معلوم ہوا کہ تہجد کا وقت رات کا آخری حصہ ہے۔ شروع رات کی عبادت کو تہجد کے قائم مقام نہیں کہہ سکتے۔ بالفرض اگر کوئی شخص رات کے آخری حصہ میں تراویح پڑھے تو صرف وہ تہجد کے قائم مقام ہو جائے گی۔ امرتسری صاحب قائم مقام کی تشریح کرتے ہیں: اس آخری صورت میں تراویح تہجد کے قائم مقام ہونے سے دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا جیسے کہ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے لیکن دونوں ایک نہیں۔ (اھل حدیث کا مذھب ص ،،)

معلوم ہو گیا کہ تراویح اور ہے اور تہجد اور ہے دونوں کو ایک قرار دینا منکرین حدیث کا مذہب ہے۔

مسجد نبوی شریف کے مشہور مدرس قاضی شیخ عطیہ سالم کی تحقیق۔

سعودی عرب کے نامور عالم مسجد نبوی شریف کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے قاضی شیخ عطیہ سالم نے نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر ایک مستقبل کتاب ''التراویح'' لکھی اور بتایا کہ ہر دور میں بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی رہیں۔ اس تحقیق کے بعد دو سوال کرتے ہیں:

سوال نمبر ۱: کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی موقعہ پر بھی ثابت ہے کہ مسجد نبوی میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا بیس سے زائد تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

سوال نمبر ۲: دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی صحابی یا ماضی کے کسی عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا ہو کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس فتویٰ کی بنیاد بنایا ہو؟

الغرض جب پورے چودہ سو سالہ دور میں ایک قابل ذکر شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں اور نہ ہی ثابت ہوا کہ مسجد نبوی میں با جماعت صرف آٹھ تراویح ادا کی گئی ہوں۔ پھر بھی جو لوگ آٹھ تراویح پڑھنے پر مصر ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں ہم ان سے صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کے طرز پر تراویح پڑھنا ان کی مخالفت سے بہتر ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جو مسجد میں با جماعت تراویح پڑھے۔

(کتاب التراویح :109-108)

تنہا عشاء پڑھنے والا با جماعت وتر پڑھ سکتا ہے۔

عہد قریب کے بعض علماء سے یہ منقول ہے کہ رمضان میں تنہا عشاء پڑھنے والا وتر با جماعت نہیں پڑھ سکتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ رمضان میں تنہا عشاء پڑھنے والے کو با جماعت وتر پڑھنے سے نہ قرآن نے منع کیا ہے نہ حدیث نے، نہ اجماع سے اس کا عدم جواز ثابت ہے نہ قیاس سے تو پھر محض عہد قریب کے بعض علماء کے اس کو ناجائز کہنے سے یہ ناجائز کیسے ہو جائے گا۔

(شرح مسلم سعیدی 502/2)

☆☆☆

مقتدی اور اِمام کے احکام کا بیان

مقتدی کو امام سے پہلے رکوع وسجود کرنا جائز نہیں۔

حدیث: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ: صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي إِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِي بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْإِنْصِرَافِ فَإِنِّي أَرَاكُمْ أَمَامِي وَمِنْ خَلْفِي ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ رَأَيْتُمْ مَا رَأَيْتُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا قَالُوْا وَمَا رَأَيْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ۔

(مسلم حدیث _646 ،، کتاب الصلاۃ باب تحریم سبق الإمام، نسائی حدیث: 1346-1363 کتاب السهو ،مشکوۃ حدیث 1137)

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی ،نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! میں تمہارا امام ہوں تم رکوع، سجود، قیام اور نماز کے اختتام میں مجھ پر سبقت نہ کیا کرو بلکہ لا ریب وشک میں تمہیں سامنے اور پس پشت سے (یکساں) دیکھتا ہوں پھر فرمایا قسم اس ذات کی! جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر تم ان حقائق کو دیکھ لو جن کو میں دیکھتا ہوں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے کیا دیکھا؟ فرمایا میں نے جنت ودوزخ کو دیکھا۔

معلوم ہوا کہ امام سے پہلے رکوع وسجود کرنا اور امام سے پہلے نماز شروع کرنا اور اس سے پہلے نماز ختم کرنا جائز نہیں ۔ جب امام تکبیر کہہ چکے پھر تکبیر کہی جائے جب امام رکوع میں چلا جائے اس وقت رکوع کیا جائے اور جب سجدہ میں جا چکے پھر سجدہ کیا جائے اور جب وہ دونوں طرف سلام پھیر لے پھر سلام پھیرا جائے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تا کہ اس کی پیروی کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور تم تکبیر نہ کہو یہاں تک کہ وہ تکبیر کہے (یعنی اس کی تکبیر سے پہلے تکبیر نہ کہو) اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور تم رکوع نہ کرو یہاں تک کہ وہ رکوع کرے اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور تم سجدہ نہ کرو یہاں تک کہ وہ سجدہ کرے۔ (ابوداؤد_511 603 بلوغ المرام 429 باب صلاۃ الجماعۃ)

حدیث: حضرت براء بن عازب ﷛ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی کریم ﷺ اپنی پیشانی زمین پر نہ رکھ لیتے۔

(بخاری حدیث_811769 مسلم_474728 مشکوٰۃ 1136)

یعنی رسول اللہ ﷺ کے سجدہ شروع کر دینے پر ہم قومہ سے جھکنا شروع کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی کا امام سے اتنا پیچھے رہنا سنت ہے اور امام کے ساتھ رکن نماز میں ملنا واجب حتیٰ کہ اگر امام رکوع سے سر اٹھائے اور مقتدی ابھی تک رکوع کی تین تسبیح نہیں پڑھ سکا تو تسبیحیں چھوڑ کر امام کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور اگر مقتدی رکوع میں امام سے پہلے اٹھ کھڑا ہو تو پھر لوٹ جائے یہ اس کا ایک ہی رکوع ہوگا نہ کہ دو۔ (مرقاۃ)

امام مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھائے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو نمازیوں پر تخفیف کرے (قرات زیادہ لمبی نہ کرے) ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے لوگ ہوتے ہیں اور جب اکیلے پڑھے تو جتنی چاہے دراز کرے۔

(بخاری_703 662 مسلم_467714- مشکوٰۃ 1131)

اب عام اماموں کی حالت اس کے برعکس ہے اگر تنہا نماز پڑھیں گے تو مختصر اور جماعت کے ساتھ پڑھیں گے تو طویل، اللہ سنت پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

حدیث: حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کہ تم اپنی قوم کی امامت کیا کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے کچھ جھجک محسوس ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے قریب ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے کے درمیان رکھا۔ پھر کہا پیٹھ موڑ لو پھر میرے کندھے کے درمیان اپنا ہاتھ رکھا پھر فرمایا، اپنی قوم کو امامت کراؤ اور جو شخص جماعت کرائے اسے تخفیف سے کام لینا چاہئے کیونکہ لوگوں میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور ان میں مریض بھی ہوتے ہیں اور ان میں ضرورت مند بھی ہوتے ہیں اور جب تم میں سے کوئی شخص اکیلا نماز پڑھے تو جس طرح چاہے پڑھے۔ (مسلم حدیث :717- 468 مشکوۃ 1134)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے کی برکت سے آپ کے دل کی ساری بیماریاں جاتی رہیں، جراءت و ہمت پیدا ہوئی، تب یہ حکم دیا گیا، معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ دافع البلا مشکل کشا ہے، کیوں نہ ہو جب یوسف علیہ السلام کی قمیص یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کی بیماریاں دور کر سکتی ہے تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات قلب و قالب کی تمام بیماریاں ایک آن میں دفع کر سکتے ہیں، ان کے سہارے سے کمزور طاقتور بن جاتے ہیں اور کم ہمت دلیر۔

حدیث: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں فلاں شخص کی لمبی قرأت کرنے کی وجہ سے صبح کی نماز سے رہ جاتا ہوں (حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) کہ میں نے اس دن سے پہلے نصیحت کے موقع پر کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ غضب میں نہیں دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض اشخاص لوگوں کو دین سے متنفر کرتے ہیں، تم میں سے جو شخص بھی نماز پڑھائے تو تخفیف کرے اس لئے کہ اس کے پیچھے بوڑھے، کمزور اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔

(مسلم حدیث_ 466713 بخاری _ 702661 مشکوۃ 1132)

اس سے معلوم ہوا کہ امام کے قصور کی بنا پر اگر کوئی شخص جماعت چھوڑ دے تو وہ گنہگار نہیں ہے بلکہ امام گنہگار ہے نیز حاکم یا بزرگ کے سامنے امام کی شکایت کر دینا جائز ہے یہ نہ غیبت

ہے نہ امام کی سرتابی نیز حاکم مقتدیوں کے سامنے امام پر سختی بھی کر سکتا ہے اور ملامت بھی اس میں اس کی اصلاح ہے نہ کہ ذلیل کرنا، درازی نماز اگرچہ عبادت ہے مگر جب کہ اس سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔ (مراۃ 204/2)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ہلکی نماز کا حکم دیتے تھے اور خود ''الصافات'' سے ہماری امامت کرتے تھے۔

(رواہ النسائی مشکوۃ حدیث 1135)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت لمبی نماز پڑھاتے تھے، وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت میں ایسی دل کشی اور جاذبیت تھی کہ صحابہ پر لمبی نماز بھی ہلکی ہوتی تھی اور ان حضرات پر ایسا فیضان ہوتا تھا کہ بیمار اپنی بیماری بھول جاتے تھے، کام کاج والے اپنی حاجات فراموش کر دیتے تھے اور کمزور طاقتور بن جاتے تھے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور ہیں ہمارے اور۔

صاحب مرقات نے فرمایا: کہ اس وقت صحابہ کے ذوق کی یہ کیفیت ہوتی تھی، وہ چاہتے تھے کہ ایک رکعت میں تمام عمر گزر جائے۔ مبارک ہیں وہ آنکھیں جنہوں نے وہ منہ دیکھا، مبارک ہیں وہ کان جنہوں نے خدا بھاتی آواز سنی۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں عام حالات کا ذکر ہے ورنہ بعض خصوصی حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں مختصر بھی پڑھائی ہیں لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز ہلکی فرما دیتے تھے۔

(مراۃ شرح مشکوۃ 206/2)

مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قرأت کرنے کی بھی یہی توجیہ ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 1262/1)

نماز میں امام سے پہلے سر اُٹھانے پر شدید وعید

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات سے نہیں ڈرتا کہ جب وہ امام سے پہلے سر اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت بنا دے۔

(بخاری حدیث 691_650 مسلم 427_647 مشکوۃ 1141)

گدھے کی صورت میں مسخ کرنے کی توجیہ۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے مسخ کے عذاب سے محفوظ رکھا ہے، اس وجہ سے سوال پیدا ہوتا کہ امام پر سبقت کرنے کی وجہ سے مقتدی کا چہرہ کیونکر مسخ ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسخ صورت آخرت میں ہوگا یا صورت سے مراد صفت ہے یعنی اس میں گدھے کی صفت پیدا ہو جائے گی یا مطلب یہ ہے کہ بالعموم مسخ نہیں ہوگا، اگر کسی ایک آدھ شخص کی صورت مسخ ہوگی تو وہ عموم کے منافی نہیں۔

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے کی ممانعت۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں وہ باز آ جائیں ورنہ ان کی بینائی جاتی رہے گی۔ (مسلم حدیث 650_429 بخاری 708_750 مشکوۃ 983)

اس حدیث میں نماز کے دوران آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے پر شدید وعید ہے اور اس ممانعت پر اجماع ہے، قاضی عیاض نے کہا ہے کہ نماز کے علاوہ دعا کے دوران آسمان کی طرف دیکھنے کی کراہت میں اختلاف ہے۔ شریح نے بھی اس کو مکروہ کہا ہے اور اکثر علماء نے جائز کہا ہے، انہوں نے کہا آسمان دعا کا قبلہ ہے جیسا کہ کعبہ نماز کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ (سورہ الذاریات آیت 22)

سوال: کیا فرضوں کے بعد سنتوں کے لئے جگہ بدلنا سنت ہے؟

جواب: یہ حکم اِستحبابی ہے تا کہ چند جگہ عبادت ہو اور وہ مقامات قیامت کے دن اس کی گواہی دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امام وہاں نماز نہ پڑھے جہاں فرض پڑھے ہیں حتیٰ کہ کچھ ہٹ جائے۔ (ابو داؤد 616 مشکوۃ 953)

نمازی کے آگے سے گزرنا۔

حدیث: حضرت ابو جھیم انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کیا گناہ ہے تو نمازی کے آگے

گزرنے کی نسبت چالیس تک کھڑا رہنا اس کے لئے بہتر ہے۔ ابو النضر کہتے ہیں کہ بسر نے چالیس دن کہا یا چالیس ماہ یا چالیس سال۔

(مسلم حدیث _ 785 507بخاری _ 510- 480مشکوۃ776)

نمازی کے آگے سے گزرنا۔

سوال: اگر نمازی بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے آگے سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر نمازی کسی ایسی جگہ کھڑا ہو کہ اس کے سامنے سے گزرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہ ہو تو اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ "اگر بڑی مسجد یا میدان ہو تو نمازی قیام میں سجدہ کی جگہ پر نظر رکھتے ہوئے جہاں تک آگے سے گزرنے والے کو دیکھ سکتا ہے وہاں تک کے درمیان سے گزرنا منع ہے۔ (در مختار بہار شریعت) امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے یہ فاصلہ ۳ گز لکھا ہے (عرفان شریعت) جو کہ دو صفوں کی چوڑائی کے برابر ہے۔ لہٰذا نمازی کے آگے سترہ نہ ہونے کی صورت میں دو صفوں کا فاصلہ چھوڑ کر گزر سکتے ہیں اور یہ کم از کم حد ہے، بہتر یہ ہے کہ اس سے زیادہ فاصلہ سے گزرا جائے۔ یہ خیال رہے کہ گزرتے ہوئے نمازی کی طرف چہرہ نہ کریں بلکہ اُدھر رُخ کئے بغیر سیدھے گزر جائیں۔ اگر نمازی چھوٹی مسجد یا مکان میں ہو تو اگلی دیوار تک سارا حصہ موضع سجود شمار ہوگا۔ لہٰذا آگے سے گزرنا منع ہے۔

(در مختار، عالم گیری)

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں: صحرا میں اور مسجد کبیر میں نمازی کے آگے سے اس کی سجدہ گاہ سے (بغیر سترہ) کے گزرنا مکروہ ہے، یہی زیادہ صحیح قول ہے (اور سجدہ گاہ کے آگے سے گزرنا مکروہ نہیں ہے) اور مسجد صغیر میں نمازی اور دیوارِ قبلہ کے درمیان سے گزرنا مطلقاً مکروہ ہے۔

(در مختار علی ھامش رد المحتار 593/1)

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: علامہ ابن ہمام نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب نمازی بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہا ہو تو گزرنے والا اتنے فاصلہ سے بلا کراہت گزر سکتا ہے جتنے فاصلہ سے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو گزرنے والا نظر نہ آئے (یعنی قیام میں اس کی نظر سجدہ گاہ پر ہو) یہ حکم صحرا اور بڑی مسجد کے لئے ہے اور اگر گھر میں نماز پڑھ رہا ہو یا چھوٹی مسجد میں

نماز پڑھ رہا ہو تو نمازی اور دیوارِ قبلہ کے سامنے سے گزرنا مطلقاً مکروہ ہے۔

(رد المحتار 593/1)

علامہ شامی فرماتے ہیں: چھوٹی مسجد جو ساٹھ ذراع (تیس انگریزی گز) سے کم ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جو چالیس ذراع (بیس انگریزی گز) سے کم ہو۔ (رد المحتار 593/1)

اس کا مفاد یہ ہے کہ جس مسجد کا طول اور عرض بیس یا تیس گز سے کم ہو وہ چھوٹی مسجد ہے۔ اس میں اگر نمازی بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہا ہو تو نمازی اور دیوارِ قبلہ کے آگے سے گزرنا مطلقاً مکروہ ہے اور اگر اس مسجد کا طول اور عرض بیس یا تیس گز سے زیادہ ہو تو نمازی کی سجدہ گاہ سے دو یا تین صف کے فاصلہ سے بغیر سترہ کے بھی گزرنا بلا کراہت جائز ہے کیونکہ اگر نمازی خشوع سے نماز پڑھ رہا ہو (بایں طور کہ اس کی نظر سجدہ گاہ پر ہو) تو اس کو اتنے فاصلے سے گزرنے والا نظر نہیں آئے گا۔ آج کل شہر کی مساجد عموماً تیس گز سے بڑی ہوتی ہیں اس لئے ان میں نمازی کے آگے سے دو صفوں کے بعد گزرنا جائز ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 1325/2)

حدیث: مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ ذکر کیا گیا کہ کتے، گدھے اور عورت کے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم نے ہم کو کتوں اور گدھوں کے مشابہ کر دیا۔ بخدا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور قبلہ کے درمیان چارپائی پر لیٹی ہوئی ہوتی تھی، مجھے کوئی کام درپیش ہوتا تو میں بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا ناپسند کرتی، چارپائی کے پایوں کے پاس سے کھسک کر نکل جاتی تھی۔

(مسلم حدیث _ 512791 بخاری _ 514484)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر سترہ کے اگر نمازی کے سامنے عورت ہو تو اس کی اصل نماز نہیں ٹوٹتی، صرف نماز کا خشوع جاتا رہتا ہے، بشرطیکہ ان چیزوں کی طرف متوجہ ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنا تنزیہ کے لئے تھا اور عمل بیانِ جواز کے لئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: نے فرمایا: تم نے ہم کو کتوں اور گدھوں کے مشابہ کر دیا حالانکہ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا کتوں اور گدھوں کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا

تھا پھر بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس سے ایذاء پہنچی اور انہوں نے اس کو اپنی توہین سمجھا۔ ذرہ غور فرمائیں کہ اسماعیل دہلوی نے سید احمد بریلوی کے ملفوظ میں نماز میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال آنے کو اپنے بیل اور گدھے کے خیال سے زیادہ برا لکھا ہے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اذیت پہنچی ہوگی اور یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس درجہ توہین ہے۔ اسماعیل دہلوی لکھتا ہے کہ:

"زنا کے خیال سے اپنی بیوی سے جماع کا خیال بہتر ہے اور شیخ اور ان جیسے **مُعظمین** خواہ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہوں، کی طرف اپنی توجہ کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کے تصور میں استغراق سے کہیں زیادہ برا ہے۔

(صراط مستقیم مطبوعہ سلفیہ لاہور ص 86)

یادِ خر سے ہو نمازوں میں خیال ان کا بُرا
اُف جہنم کے گدھے اُف یہ خرافت تیری

بے ادبوں اور بدعتیوں کے برعکس اہل محبت اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نماز جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور محبت کے بغیر پڑھی جائے وہ منافقوں کی نماز ہے جس کی رب کو بالکل ضرورت نہیں ہے وہ نماز اسے دوزخ میں پہنچائے گی۔

ان کی تعظیم کرے گا نہ اگر وقتِ نماز
ماری جائے گی ترے منہ پہ عبادت تیری
(حسن رضا خاں)

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز فقط تیرے نظارے کا ایک کا بہانہ بنی
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
(علامہ اقبال)

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا

تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

صحابہ کرام ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تصور میں رہا کرتے تھے، نماز ہو یا غیر نماز، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کو نماز سے بھی اہم سمجھتے تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم کی خاطر نماز عصر قضاء کر دی۔

داڑھی منڈانے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم۔

سوال: کن لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے؟

علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی صاحب لکھتے ہیں:

جواب: فاسق معلن عملی جو کھلم کھلا، اعلانیہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو، داڑھی مونڈنے والا، مونڈانے والا اور حدِ مسنون ایک مشت سے کم کرنے والا، سود لینے دینے والا، ائمہ اربعہ کی تقلید کا انکار کرنے والا اگر انکار نہ کرے تو اس کے عقائد کا درست ہونا اولین شرط ہے، محض تقلید کا اعتراف کافی نہیں مثلاً دیوبندی وغیرہ، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم سے افضل جاننے والا، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابوسفیان، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم یا کسی صحابی کا انکار، توہین اور بے قدری اور بے ادبی کرنے والا ان کی امامت میں نماز مکروہ تحریمی، اگر پڑھی جائے تو دہرانا ضروری ہے۔

("بد مذہب کے پیچھے نماز" از علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی ص ،،)

علامہ محمد حسن فخری صاحب لکھتے ہیں: امام مقرر کرتے وقت یہ خیال رکھیں کہ درج ذیل لوگ فاسق معلن ہیں ان کو امام بنانا گناہ اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور نماز واجب الاعادہ ہے۔ زانی، شرابی، جواری، جھوٹا، دھوکا باز، بددیانت، سودخور، چغل خور اور دیگر گناہ کبیرہ بالاعلان اور سرِعام کرنے والا نیز داڑھی منڈانا، کترانا اور حدِ شرع سے کم کرانا یا ایک مشت سے کم کرانا حرام و فسق ہے، ایسے فاسق معلن کی امامت ممنوع ہے، ایسے شخص کو امام بنانے والے گنہگار ہوں گے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد سوم، قرۃ العین ص 351)

تاہم چار انگل یعنی قبضہ بھر سے زائد بالوں کو کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

فتویٰ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ امامت کس کس شخص کی جائز ہے اور کس کس کی نا جائز اور مکروہ؟

الجواب: قرأت غلط پڑھتا ہو جس سے معنی فاسد ہوں یا وضو یا غسل صحیح نہ کرتا ہو یا ضروریات دین سے کسی چیز کا منکر ہو جیسے وہابی، رافضی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی چکڑالوی وغیرہ ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور جس کی گمراہی حد کفر تک نہ پہنچی ہو، جیسے تفضیلی یہ کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ کو شیخین سے افضل بتاتے ہیں یا **تفسیقیہ** کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو برا کہتے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے کہ انہیں امام بنانا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں ان سب کا پھیرنا واجب اور انہیں کے قریب ہے۔ فاسق معلن، مثلاً داڑھی منڈا، یا خش خشی داڑھی رکھنے والا، یا کترواکر حد شرع سے کم کرنے والا یا سود خور یا ناچ دیکھنے والا۔ (احکام شریعت ص 144)

حضرت علامہ مفتی محمد اشرف قادری صاحب آف گجرات کا فتویٰ۔

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ داڑھی منڈانا یا کٹوا کر حد شرع سے کم کرنا کیسا ہے، اس کے لئے کیا وعید ہے؟ کیا ایسے آدمی کو نماز پنج گانہ یا نماز تراویح کا امام مقرر کرنا جائز ہے؟ اور ایک حافظ قرآن داڑھی منڈانے والے نے وعدہ کیا کہ آئندہ داڑھی نہیں منڈاؤں گا، شرع کے مطابق داڑھی مکمل کروں گا تو ہم نے اس کے پیچھے نماز تراویح ادا کر لی۔ لیکن رمضان گزرنے کے بعد وہ خش خشی داڑھی کرواتا رہا۔ اب اگر وہ دوبارہ توبہ کرے تو کیا اس کے پیچھے نماز ادا ہو گی یا نہیں؟

جواب: داڑھی حد شرعی یعنی مشت بھر تک بڑھانا واجب ہے۔ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے، بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتِ دائمہ ہے۔ داڑھی منڈانا یا ترشوا کر حد شرع سے کم کرنا ممنوع و حرام ہے۔ اس کا مرتکب حکم خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیزار، ابلیس کے بہکاوے میں گرفتار بحکم حدیث موجبِ لعنت ہے۔ ابلیس جب مردودِ بارگاہِ الٰہی ہوا تو کہنے لگا میں ضرور بالضرور لوگوں کو گمراہ کروں گا اور انہیں امیدیں اور آرزوئیں دلاؤں گا۔ انہیں حکم

دوں گا تو وہ ضرور بالضرور جانوروں کے کان کاٹ ڈالیں گے اور میں انہیں حکم دوں گا فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ تو وہ ضرور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے"۔ (سورۃ النساء:۱۱۹)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تخلیق خداوندی میں تبدیلی سے مراد چہرے کی صورت کو بدل ڈالنا یا اس کی صفت کو۔ (تفسیر مظہری)

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: داڑھی منڈانا بھی اس میں داخل ہے کہ یہ تغییر خلق اللہ ہے۔ جیسے عورت کا سر منڈانا حرام ہے، ایسے ہی مردوں کو داڑھی منڈانا۔

(تفسیر نور العرفان)

کتب حدیث میں مروی ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں دو غیر مسلم حاضر ہوئے، داڑھیاں منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا اور فرمایا: تمہاری بربادی ہو، تمہیں کس نے یہ حکم دیا؟ بولے ہمارے رب یعنی خسرو پرویز لعین نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں تراشنے کا حکم دیا ہے۔ (تاریخ الخمیس ج: ص:)

مسلمانو! جائے عبرت ہے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونے والے غیر مسلم تھے، ابھی تک اسلام نہ لائے تھے، احکامِ شرع سے واسطہ نہ تھا، ان کے داڑھی منڈے چہروں کو آپ ﷺ نے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا مگر جو مسلمان، حکم خدا و رسول (ﷺ) سے آگاہ ہونے کے باوجود داڑھی منڈائے یا تراش کر حدِ شرع سے کم کرادے، اس کا یہ فعل کس قدر رسول اللہ ﷺ کی اذیت کا باعث ہوگا؟ ایسا نہ ہو قبر و حشر میں ایسوں سے حضور ﷺ رُخِ انور ہی پھیر لیں۔ جس سے رسول اللہ ﷺ رُخِ انور موڑ لیں، اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خالفوا المشرکین احفوا الشوارب و اوفروا اللحیۃ۔ مسلمانو! مشرکوں کی مخالفت کرتے ہوئے مونچھیں پست رکھو اور داڑھیوں کی مقدار وافر رکھو۔ (بخاری کتاب اللباس 5892)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود مونچھیں پست رکھو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور یہود کی

صورت نہ بناؤ۔ (شرح معانی الآثار کتاب الکراهیه باب حلق الشارب)
اس قسم کی درجنوں حدیثیں ہیں جن میں داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کتب حدیث، کتب سیر اور کتب فقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بڑھانے سے مراد کم از کم مشت بھر بڑھانا ہے۔ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک سینہ اقدس تک پھیلی ہوئی تھی چنانچہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ریش مبارک گھنی سینہ منور کو بھرے ہوئے تھی۔ (الشفاء) جبکہ بعض صحابہ کرام مشت بھر سے زائد داڑھی کاٹ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جتنی زیادہ ہوتی اُسے کٹوا دیتے۔ بخاری
حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے درآں حالیکہ ان کی ڈاڑھی کے بال منتشر تھے۔ راوی کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش تم (یہ بال) کم کرلو اور ان کے اطراف کی طرف اشارہ کیا۔ (مسند امام اعظم ص ۲۲۲)
مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی مبارک کو مٹھی میں پکڑ کر زائد بالوں کو کاٹ لیا کرتے تھے۔
(مصنف ابن ابی شیبه کتاب الخطر و الا باحة باب ما قال و من اللحیة)
حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تھے، ایک شخص سر اور داڑھی بکھیرے ہوا آیا۔ اُس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے اپنے بال اور ڈاڑھی کی درستی کا حکم دے رہے تھے، چنانچہ اُس نے (بالوں کو درست) کرلیا پھر واپس آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الیس هذا خیر من أن یاتی احدکم وهو ثائر الراس کانه شیطان یا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی شیطان کی طرح سر بکھیرے ہوئے آئے۔ (مالک 949 مشکوٰۃ 4486)
توضیح: اعفاء کے معنی ہیں بڑھانا زیادہ کرنا، اسی طرح وفرو کا بھی یہی معنی ہے۔ کفار کی مخالفت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادیا کہ داڑھی بڑھا کر ان کی مخالفت کرو اگر کسی جگہ کفار داڑھی رکھتے ہوں جیسے ہمارے ہاں سکھ۔ ان کی مخالفت میں داڑھی منڈانا حرام ہے کہ مخالفت

کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دیا ہے یہ بھی خیال رہے کہ ایک مُشت داڑھی قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي

(سورۃ طٰہٰ آیت ۹۴، پارہ ۱۶، رکوع ۱۵)

میری داڑھی نہ پکڑو معلوم ہوا کہ آپ کی داڑھی اتنی تھی کہ پکڑنے میں آ جائے وہ مٹھی بھر ہی ہے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں حدیث میں ہے کہ وہ بھری داڑھی والے تھے۔

(مراۃ شرح مشکوٰۃ ۲۰۰/۶)

معلوم ہوا کہ مشت بھر داڑھی سنتِ انبیاء ہے۔ شارح بخاری علامہ عینی لکھتے ہیں: داڑھی کی حد میں متقدمین کا اختلاف ہے کہ جب داڑھی طولاً قبضہ سے بڑھ جائے اور عرضاً پھیل جائے تو یہ قبیح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص نے اپنی داڑھی کو چھوڑا ہوا تھا۔ آپ نے اُس کی داڑھی کو کھینچا اور کہا: میرے پاس قینچی لاؤ، پھر ایک شخص سے کہا: اس کے ہاتھ کے نیچے جو داڑھی ہو اس کو کاٹ دو پھر فرمایا جاؤ اپنے بالوں کو سنوارو یا خراب کرو تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے جیسے وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۲ ص ۴۷، شرح مسلم سعیدی ۱۰۰/۱)

داڑھی میں قدر مسنون قبضہ ہے۔ حاصل کلام یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی داڑھی بڑھائی اور اُمت کو بڑھانے کا حکم دیا اور منڈانے والوں سے چہرہ پھیر لیا اور صحابہ کرام کے عمل سے اس کی کم از کم مقدار مشت بھر متعین ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ رسول تمہیں جو کچھ (حکم) دیں اسے اختیار کرو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔ (سورۃ الحشر ۷)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر فرماتے ہیں: حلق اللحية مثلة۔ داڑھی کا مونڈنا مثلہ ہے۔ (ہدایہ شریف) اس کی شرح میں علامہ عینی لکھتے ہیں: والمثلة حرام اور مثلہ حرام ہے۔

(بنایہ شرح ھدایہ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں: داڑھی کو کاٹ کر مشت بھر سے کم کر دینا جیسا کہ بعض مغرب زدہ یعنی انگریزوں کی تقلید کرنے والے زنانہ وضع اپنانے والے مرد کرتے ہیں، کسی کو بھی جائز نہیں اور داڑھی سرے سے ختم کر دینا، یہ ہندوستان کے یہودیوں اور مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ (در مختار باب ما یفسد الصوم ج 2ص 418)

داڑھی منڈانے یا حد شرع سے کم کرنے والا شرعاً فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ فقیہ اعظم محمد نوراللہ نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: داڑھی منڈانے والا فاسق اور گنہگار ہے، منصب امامت کے لائق نہیں۔ (فتاوٰی نوریہ کتاب الصلوٰۃ، باب الا مامہ)

فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''داڑھی بڑھانا سنن انبیاء سابقین ہے، منڈانا یا ایک بالشت سے کم کرنا حرام ہے۔ لہٰذا جو حفاظ ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کے عادی ہیں وہ فاسق ہیں، ایسے حفاظ کو امامت کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ لوگ امامت سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو امامت سے روکیں۔ اسلئے کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ جو نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئی ہیں۔ خواہ فرض ہوں یا سنت، ان کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر دوبارہ نہیں پڑھیں گے تو گنہگار رہوں گے۔''

(فتاوی فیض الرسول کتاب الصلاۃ، باب الا مامہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: داڑھی منڈانا حرام ہے اور انگریزوں، ہندوؤں اور قلندریوں کا طریقہ ہے اور داڑھی کو ایک مشت تک بڑھانا واجب ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج، ص ...)

اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا خاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''داڑھی منڈانا یا حد شرع سے کم کرنے والا فاسق ہے۔ اسے امام بنانا، اس کے پیچھے نماز (خواہ فرض ہو یا سنت یا نفل) ادا کرنی مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاوی رضویہ)

الغرض ایسے آدمی کو امام مقرر کرنا جائز نہیں۔ اگر مقرر کر دیا تو معزول کرنا لازم ہے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲: جو حفاظ وغیرہ سارا سال داڑھیاں منڈاتے یا حد شرع سے کم رکھتے ہیں۔ رمضان مبارک کے قریب داڑھیاں بڑھا لیتے ہیں، ایسے حفاظ دوہرے مجرم ہیں۔ ایک تو داڑھی کٹوانے کی وجہ سے فاسق معلن، دوسرے غرضِ فاسد کے پیش نظر داڑھیاں بڑھانے کی وجہ سے دھوکہ باز۔ یہ وہ لوگ ہیں جو چند روپوں کی خاطر لوگوں کی نماز اور اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں

(مسلہ ۱۰۱) ایسے حفاظ اگر تائب ہو کر داڑھی بقدرِ سنت بڑھالیں اور ان کی توبہ خوب ظاہر ہوجائے، وہ یوں کہ اس حال میں ان پر ایک زمانہ گزر جائے، تو انہیں امام بنانے میں حرج نہیں۔ ان کی توبہ پر فوراً اعتماد نہ کیا جائے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''فاسق آدمی جب اپنے فسق سے توبہ کرلے تو اس کی گواہی اس وقت تک قبول نہ کی جائے جب تک اس پر ایک مدت نہ گزر جائے جس میں توبہ کا اثر خوب ظاہر ہو۔'' لہٰذا مذکورہ حافظ کو امام مقرر نہ کیا جائے۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مفتی عبدالسلام ہاشمی و مفتی محمد اشرف القادری محدث نیک آبادی۔

(ماھنامہ اھل سنت اکتوبر 2007)

فتویٰ مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ

بلاشبہ داڑھی کترے حافظ فاسق ہیں، ان کے پیچھے نماز خواہ فرض ہو یا سنت یا یا تراویح ادا کرنی ہو، مکروہ تحریمی ہے۔ اگر بامر مجبوری ان کے پیچھے پڑھ لی یا پڑھنے کے بعد حال کھلا تو نماز پھیر لے (دوبارہ پڑھے) اگرچہ وقت جارہا ہو اور مدت گزر چکی ہو (کذا فی الشامی) داڑھی کترے آدمی سید، قاری، حافظ، عالم، فاضل ہونے سے مستحق امامت نہیں ہوسکتے۔ اگر کسی مسجد میں امام داڑھی کتراتا ہے تو وہ مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے۔

ابوالبرکات سید احمد حزب الاحناف، لاہور

مسئلہ سیاہ خضاب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ کا فتویٰ۔

سوال: کیا حکم ہے علمائے اہل سنت کا کہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں۔ بعض علماء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سرخ یا زرد خضاب اچھا ہے اور زرد بہتر اور سیاہ خضاب کو حدیث میں فرمایا: کافر کا خضاب ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کا منہ کالا کرے گا۔

(طبرانی، مجمع الزوائد ج 5 ص 163)

یہ حرام ہے، جواز کا فتویٰ باطل و مردود ہے۔ ہمارا مفصل فتویٰ اس بارے مدت کا شائع ہو

پہلے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت ص 139 مسئلہ نمبر 43)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن کا خضاب زردی ہے اور مسلمان کا خضاب سرخی ہے اور کافر کا خضاب سیاہی ہے۔

(طبرانی کبیر، مستدرک للحاکم ج 3 ص 202)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اس سیاہی سے خضاب کیا کرے گی کبوتروں کے پوٹوں کی طرح وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائیں گے۔

(ابو داؤد 4212 نسائی مشکوۃ کتاب اللباس باب الترجل 4452)

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اس سے صراحتاً معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب حرام ہے۔ خواہ سر میں لگائے یا داڑھی میں، مرد لگائے یا عورت۔ اس سے معذوری کی حالت مستثنیٰ ہے۔ علاج کے لئے یا غزوہ کے لئے سیاہ خضاب جائز ہے۔

(مرقات، مراۃ ج 6 ص 140)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا جس نے مہندی کا خضاب لگایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہی اچھا ہے پھر دوسرا گزرا جس نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا تھا۔ فرمایا: یہ اس سے اچھا ہے پھر ایک اور آدمی گزرا جس نے زردی سے خضاب کیا تھا۔ فرمایا: یہ ان سب سے اچھا ہے۔

(ابو داؤد 4211، ابن ماجہ 3627 مشکوۃ کتاب اللباس باب الترجل 4454)

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: دوسرے آدمی نے مہندی میں تھوڑا سا وسمہ لگایا تھا جس سے خضاب کا رنگ پختہ سرخ ہو گیا تھا سیاہ کی حد کو نہ پہنچا تھا۔ (مرقات) لہٰذا اس سے سیاہ خضاب کی حلت ثابت نہ ہوئی۔ سیاہ خضاب کی حلت کی ایک حدیث بھی نہیں حرمت کی بہت احادیث ہیں۔ معلوم ہوا کہ زرد خضاب حضور ﷺ کو بہت پسند تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو پیش کیا گیا، ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ (سفید پھولوں) کی طرح سفید تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَيْءٍ وَ اجْتَنِبُوا السَّوَادَ ان کو کسی چیز سے تبدیل کرو اور سیاہ رنگ سے بچو۔
(مسلم 2102 مشکوٰۃ حدیث 4424)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں: چونکہ احادیث میں سیاہ خضاب پر وعید آئی ہے۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ غیر حالتِ جنگ میں سیاہ خضاب لگانا مکروہ تحریمی ہے۔ بعض صحابہ اور تابعین سے جو سیاہ خضاب لگانا منقول ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس اس کی کوئی توجیہ اور تاویل ہو، بہر حال ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مقدم ہیں، امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ جب احادیث رسول ﷺ اور آثار صحابہ میں تعارض ہو تو احادیث کو آثار پر ترجیح دی جائے گی۔ (شرح مسلم ج 6ص 423)

علامہ مفتی محمد اشرف القادری آف نیک آبادی گجرات کا فتویٰ۔

ہمارے فقہاء کرام کا اتفاق ہے، اس بات پر کہ سیاہ خضاب سر کو لگایا جائے یا داڑھی کو شرعاً ناجائز وحرام ہے۔ ایک بار لگایا تو گناہِ صغیرہ اگر بار بار لگایا جائے تو گناہِ کبیرہ اور مکروہ ہے۔ جو یہ کام کرتا ہے وہ فاسق مُعلن ہے یعنی جو اعلانیہ گناہ کرتا ہے اس کا گناہ لوگوں کو دکھائی دے رہا ہو۔ فسق کہتے ہیں۔ شرع شریف کی نافرمانی کو تو اس نے خضاب لگایا ہوا ہے اور وہ سب کو نظر بھی آرہا ہے تو یہ اعلانیہ فسق ہے اور فاسق مُعلن کی اقتداء میں جو نماز پڑھی جائے وہ واجب الاعادہ ہوتی ہے، اسے لوٹانا ضروری ہوتا ہے۔ تو ایسے شخص کو امام بنانا شرع شریف کے اندر حرام و ناجائز ہے۔ اگر کسی شخص کے اختیار میں ہو کہ وہ امام مقرر کرسکتا ہو اور معزول کرسکتا ہو تو اسے ایسے امام کو معزول کر دینا چاہئے۔ یا اگر ایسا شخص امام بننا چاہتا ہو تو ایسے با اختیار شخص کو اس کے امام بننے کے درمیان رکاوٹ کھڑی کرنا چاہئے اور اگر اس کے بس میں نہیں اور کہیں مجبوراً ایسے آدمی کے پیچھے نماز پڑھنی پڑ جائے تو اس نماز کا اعادہ کرے۔ اس کو کوشش کرکے کسی ایسے امام کے پیچھے نماز ادا کرنی چاہئے جو کالا خضاب نہیں لگاتا۔ اگر کسی نے اپنی نفسانی خواہش پوری کرنی ہے تو اسے کوئی حق نہیں کہ لوگوں کی نمازیں برباد کرے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اس سیاہی سے

خضاب کیا کرے گی کبوتروں کے پوٹوں کی طرح وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائی گی۔

(ابو داؤد 4212 نسائی مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل 4452)

اگر وہ جہنم میں جانا چاہتا ہے تو علیحدہ ہو کر جائے یہ نہیں کہ وہ اپنے مقتدیوں کو بھی ساتھ لے کر جائے۔ حدیث وفقہ کی رو سے ہر رنگ جائز ہے سوائے سیاہ رنگ کے یا وہ رنگ سرخ ہو یا سبز لیکن دیکھنے والے کو سیاہ نظر آتا ہے جیسے ڈارک براؤن کہ عام طور پر دیکھنے سے یا فاصلے سے دیکھنے سے یہ سیاہ نظر آتا ہے، یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ یہ سیاہ نظر آرہا ہے اس کا بھی وہی حکم ہے۔

(مفتی صاحب کی یہ وڈیو CD میرے پاس موجود ہے)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسی بات کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اس بات کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ (ترمذی، مشکوٰۃ 2773)

☆☆☆

تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادات کی جان ہے

صحابہ کرام عین حالتِ نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

حدیث : حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بیماری میں نماز پڑھایا کرتے تھے جس میں آپ نے وصال فرمایا یہاں تک کہ جب پیر کا دن آیا اور صحابہ نماز میں صف بستہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ہماری طرف دیکھنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے تھے اور آپ کا چہرۂ انور گویا قرآن کا ورق تھا پھر تبسم ریزی فرمائی ہم نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ازراہِ مسرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرتے رہیں پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے کہ صف میں مل جائیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید نماز کے لئے تشریف لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ اپنی نمازیں پوری کرو اور پردہ گرا دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی روز وصال فرمایا۔

(بخاری حدیث_680639 مسلم _419636)

مدینہ والوں کا قبلہ جنوب کی جانب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان قبلہ کی طرف نہیں تھا بلکہ مشرق کی طرف تھا یعنی نمازیوں کی بائیں طرف، تمام صحابہ نے عین حالتِ نماز میں قبلہ سے رخ موڑ لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کرنے لگے گویا زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

اذان ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز فقط تیرے نظارے کا اک بہانہ بنی

آج توحید بچانے والوں کو فکر ہے کہ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے ایک صحابہ کی نماز تھی کہ قبلہ کا رخ چھوڑ کر رخ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں مگن ہو گئے۔ عقل کا مفتی بولا، ادھر چہرے نہ کرو نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ کعبہ ادھر ہے، عشق کا امام بولا

پس اگر کعبہ ادھر ہے تو کعبے کا کعبہ ادھر ہے، حضرت ابو بکر صدیق ﷛ نماز میں حضور ﷺ کی تعظیم کرتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگے، یہاں سے ہمیں سبق ملا کہ عبادت خدا کی ہے، ادب مصطفی ﷺ کا اور جس عبادت میں ادب نہ ہو وہ عبادت نہیں، شرارت ہے اور نماز میں نبی ﷺ کی تعظیم کرنے سے یا، نبی ﷺ کا خیال دل میں لانے سے نماز ٹوٹتی نہیں بلکہ پکی ہوتی ہے۔ اگر نماز ٹوٹ جاتی تو حضور ﷺ فرماتے دوبارہ پڑھ لو لیکن حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی نمازیں پوری کرو۔ ہمارا ابھی وہی عقیدہ ہے جو صحابہ کرام کا تھا۔

سجدہ کرنا ہے تو یوں کر
سر خدا کے واسطے دل مصطفی کے واسطے
پیش نظر ہے وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
ہاں روکئے سر کو روکئے یہی امتحان ہے

رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کی اہمیت۔

حدیث: حضرت ابو جحیفہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بطحاء مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو سرخ چمڑے کے ایک خیمے میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ حضرت بلال ﷛ نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کا بچا ہوا پانی لیا اور میں نے دیکھا کہ لوگ اس پانی کی طرف جھپٹ رہے تھے۔ جس نے اس میں سے کچھ پالیا، اسے اپنے منہ پر مل لیا اور جس نے نہ پایا، اس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ سے تری لے لی پھر میں نے حضرت بلال ﷛ کو دیکھا، انہوں نے ایک نیزہ لیا اور اسے گاڑ دیا اور نبی کریم ﷺ سرخ جوڑے میں دامن سمیٹے تشریف لائے نیزے کی طرف کھڑے ہو کر لوگوں کو دو رکعتیں پڑھائیں اور میں نے لوگوں اور جانوروں کو نیزے کے آگے سے گزرتے دیکھا۔ (بخاری حدیث _376 363 مسلم _503777 مشکوۃ 773)

اس سے معلوم ہوا کہ امام کا سترہ ساری جماعت کا سترہ ہوتا ہے اس کے آگے سے گزرنا جائز ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے غسالہ سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ صلح حدیبہ کے موقع پر عروہ جب حضور ﷺ کے پاس سے ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس جاتے ہیں تو آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 533:اے قوم! واللہ میں بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی بادشاہ ایسا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد (ﷺ) کے صحابہ محمد (ﷺ) کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ اگر وہ ناک صاف کرتے ہیں تو کوئی نہ کوئی صحابی ہاتھ آگے بڑھا کر اس رطوبت کو اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے۔ حضور ﷺ جب کوئی حکم دیتے ہیں تو سب اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے ہیں اور جب آپ ﷺ وضو کرتے تو آپ کے وضو کا مستعمل پانی حاصل کرنے کے لئے صحابہ اس طرح جھپٹ پڑتے گویا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپ کلام فرماتے ہیں تو سب لوگ چپ ہو جاتے ہیں اور غایت تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ نہیں سکتے۔

(بخاری حدیث_2529 2731 کتاب الشروط)

وہ پانی حضور ﷺ کے جسم پاک سے لگ کر نورانی بھی ہو گیا اور نور گر بھی، پھول سے لگی ہوئی ہوا دماغ مہکا دیتی ہے حضور ﷺ کے جسم سے لگا ہوا پانی روح وایمان مہکا دے گا۔

اس حدیث سے ایک طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ دوسری طرف یہ پتا چلتا ہے کہ بزرگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ ان کو منع کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ ناک بھی صاف کرتے تو اس رینٹ کو کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ہاتھ پر لے لیتا اور اس کو اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا۔ رینٹ طبعاً مکروہ اور گھناؤنی ہوتی ہے اگر رسول اللہ ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ہوتے اور آپ ﷺ کی رینٹ عام آدمیوں کی طرح ہوتی تو کیوں صحابہ اس کے حصول کے لئے اس قدر بے تاب ہوتے اور جب وہ رینٹ برف سے زیادہ شفاف ہو، مشک وعنبر سے بہتر خوشبودار ہو، شہد سے زیادہ میٹھی ہو تو کون بدبخت ہو گا جو اس کے حصول کی خواہش نہ رکھتا ہو گا۔

رینٹ تو دور کی بات ہے، رسول پاک ﷺ کا پیشاب مبارک بھی طیب وطاہر تھا۔ صحابہ کرام اس کو پی لیتے، اگر کوئی شخص پچھنے لگا کر علاج کی خاطر آپ کی رگ کاٹتا تو آپ کا جو خون نکلتا اس کو پی لیا جاتا تا امت کے حق میں آپ کے تمام فضلات کریمہ طاہر ہیں۔

علامہ سیوطی مسند ابو یعلی، حاتم، دار قطنی اور ابو نعیم کے حوالہ سے
صحیح ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات مبارکہ میں بھی شفاء ہیں۔

حدیث: حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات کو اٹھ کر گھر کی ایک جانب رکھے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا پھر میں رات کو اٹھی کہ میں پیاسی تھی، میں نے اس پیشاب کو پی لیا، صبح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے اور فرمایا: آج کے بعد تمہیں کبھی پیٹ کی بیماری نہیں ہوگی۔

(خصائص کبری 122/1 باب الاستشفاء ببوله ، شفاء شریف 65/1)

قاضی عیاض فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہی: معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول مبارک بھی دافع البلاء والوباء وشافع الامراض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل کہنے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول مبارک کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات طاہر ہیں جس طرح بغوی اور ان کے علاوہ علماء نے بیان کیا ہے اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ اُمّ ایمن برکہ حبشیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیشاب پی لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارا پیٹ کبھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ اس حدیث کو دار قطنی نے صحیح قرار دیا ہے اور ابو جعفر ترمذی نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون پاک ہے کیونکہ ابوطیبہ نے اس کو پیا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رگ سے نکلوایا ہوا خون ابن زبیر کو دفن کرنے کے لئے دیا۔ انہوں نے اس کو پی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے خون کے ساتھ میرا خون مل گیا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ یہ روایات احادیث کی کتب میں موجود ہیں اور ان کو ہمارے فقہاء نے ذکر کیا ہے اور شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات سے جہنم سے نجات ملتی ہے تو (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ) جن کے خون اور گوشت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ہوئی اور جن کے پیٹ میں آپ رہے اور آپ کے تمام آباؤ اجداد جو آپ کی خلقت کی اصل ہیں وہ کیسے جہنم میں جائیں گے۔

(الفتاوی حامدیہ از علامہ شامی 365/1 طبع مصر)

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فضلات کی طہارت پر بہ کثرت دلائل قائم ہیں اور ائمہ نے اس بات کو حضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

(فتح الباری 283/1 طبع مصر)

علامہ بدر الدین حنفی حضور ﷺ کے وضو والے پانی سے تبرک کی بحث میں فرماتے ہیں: (باوجود اس بات کے کہ امام ابو حنیفہ ؒ مستعمل پانی کی نجاست کے قائل ہیں) جو پانی حضور ﷺ کے جسم سے لگ کر گرتا ہے اس کو وہ نجس نہیں کہتے، وہ اس قول سے بالکل بری ہیں اور وہ اس پانی کی نجاست کا قول کیسے کر سکتے ہیں جب کہ وہ حضور ﷺ کے پیشاب اور تمام فضلات کو پاک قرار دیتے ہیں۔ (عمدۃ القاری 79/3)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: اس وجہ سے ہمارے کثیر علماء نے رسول اللہ ﷺ کے فضلات کی طہارت کا قول کیا ہے۔ (مرقات 53/2 مکتبہ امدادیہ ملتان)

ان تمام عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ تمام علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی بشریت مبارکہ عام بشری غلاظتوں سے پاک، صاف، منزہ اور طیب و طاہر ہے۔ حضور ﷺ کے فضلات ایسے خوشبودار اور خوش ذائقہ ہوتے تھے کہ جس صحابی کو موقع ملتا وہ ان فضلات کو حاصل کر لیتا اور ان فضلات کی برکت سے دنیا اور آخرت کی فلاح حاصل کرتا، علامہ شامی نے جس طرح نبی کریم علیہ السلام کے خون کے مس سے حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد کا جہنم سے نجات یافتہ ہونا ثابت کیا ہے، اسی پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی نسل جو حضور ﷺ کے خون سے ہے۔ ان شاء اللہ وہ بھی جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گی۔

(شرح مسلم سعیدی 1329/2-1326)

اولیاء کرام کے آثار سے تبرک حاصل کرنا۔

امام شافعی جب مصر تشریف لے گئے، خواب میں سرکار مدینہ ﷺ نے فرمایا: ''احمد بن حنبل کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے بارے میں ان کو آزمائش میں ڈالے گا''۔ ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے ایک خط لکھ کر میرے حوالے کیا اور مجھ سے فرمایا کہ فوراً عراق جا کر اس خط کو امام احمد کو دے دو۔ مجھے خط پڑھنے کی ممانعت فرمائی۔ میں نے خط لیا اور

عراق پہنچا اور مسجد میں فجر کے وقت امام احمد رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ نماز کے بعد امام شافعی کا خط پیش کیا۔ خط پاتے ہی امام احمد امام شافعی کے متعلق مجھ سے پوچھنے لگے اور دریافت کیا کہ کیا تم نے خط کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ خط کی مہر توڑی اور پڑھنا شروع کیا اور آبدیدہ ہو کر کہنے لگے: ''میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ امام شافعی کے قول کو سچا کر دکھائے گا''۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ خط میں کیا لکھا ہے؟ فرمایا: امام شافعی نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں یہ فرماتے ہوئے سنا: کہ اس نوجوان ابوعبداللہ احمد بن حنبل کو بشارت دو کہ اللہ تعالیٰ دین کے بارے میں ان کو آزمائش میں ڈالے گا اور اس کو مجبور کیا جائے گا کہ قرآن مجید کو مخلوق تسلیم کرے مگر اس کو چاہئے کہ ایسا نہ کرے جس پر اس کے تازیانے لگائے جائیں گے آخر اللہ تعالیٰ اس کا ایسا علم (جھنڈا) بلند کرے گا جو قیامت تک لپیٹا نہیں جائے گا۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد علیہ الرحمہ سے عرض کیا کہ اس بشارت کی خوشی میں جناب مجھے کیا انعام دیتے ہیں؟ حضرت امام کے جسم پر اس وقت دو کپڑے تھے۔ ایک کپڑا مجھے عطا فرمایا۔ خط کا جواب لے کر میں امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام واقعہ بیان کیا۔ امام شافعی نے پوچھا وہ کپڑا کہاں ہے؟ میں نے پیش کیا۔ امام شافعی نے فرمایا: کہ میں نہ تو اس کو تم سے قیمتاً طلب کرتا ہوں، نہ ھدیۃً، البتہ اتنا چاہتا ہوں کہ تم اس کپڑے کو پانی میں تر کر کے اس کا متبرک پانی مجھے دے دو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کو ایک برتن میں رکھ لیا اور روزانہ اپنے رخسار پر اس کو تبرکاً لگا لیتے تھے۔

(المقریزی۔ کتاب الصلاۃ از امام احمد مترجم شیخ علی جواد کا مقدمہ ص 22-23
مطبوعہ تاج کمپنی)

یہ حوالہ مجھے مدینہ منورہ کے ایک بزرگ آلِ رسول سید عبدالحمید گیلانی صاحب نے بتایا اور ہم نے انہی کی کتاب سے یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ اس کے لئے میں ان کا بہت شکر گزار ہوں۔ جزاہ اللہ خیراً

☆☆☆

سجدہ کے احکام

سات اعضاء پر سجدہ کرنا۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور نماز کی حالت میں بالوں کو سنوارنے اور کپڑے سمیٹنے سے منع کیا گیا (اور وہ سات ہڈیاں یہ ہیں) دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں قدم اور پیشانی۔

(مسلم حدیث_755 490- بخاری 767- 809 مشکوٰۃ887، ابو داؤد 892 ترمذی272 ، نسائی 1093، ابن ماجہ 885)

اعضاءِ سجدہ کے بیان میں مذاہب۔

امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تمام ائمہ حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مشروع ہے، جن میں پیشانی، دو ہاتھ، دو گھٹنے اور دو قدم شامل ہیں البتہ ناک کے بارے میں اختلاف ہے۔ (المغنی 303/1)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیشانی یا ناک میں سے کسی ایک پر سجدہ کرنا فرض ہے اور پیشانی کے ساتھ ناک بھی لگانا سنت یا مستحب ہے۔ اگر ناک نہ لگی تب بھی سجدہ ہو جائے گا کیونکہ مسلم شریف کے اس باب کی پہلی حدیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے اگر واجب ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر فرماتے، فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک بلا عذر ناک پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے اور اگر عذر ہو اور ناک نہ لگے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔

(فتح القدیر 263/1)

امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ اگر پیشانی پر سجدہ کیا اور ناک نہ لگی تو کوئی حرج نہیں اور اگر ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی نہیں لگی تو سجدہ نہیں ہوگا ان کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے جس

ے امام اعظم کا استدلال ہے۔(بداية المجتهد 100/1)

امام شافعی کے نزدیک سجدہ میں ناک اور پیشانی دونوں کا لگانا واجب ہے ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کے ساتھ ناک کا بھی ذکر کیا ہے اور وہ ناک اور پیشانی کو ملا کر ایک عضو قرار دیتے ہیں تاکہ اعضاء کی تعداد سات سے متجاوز نہ ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، پیشانی پر اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا اور دونوں ہاتھوں دونوں گھٹنوں اور دونوں قدموں کی انگلیوں پر اور یہ حکم دیا گیا کہ نہ بالوں کو سنواروں اور نہ کپڑوں کو موڑوں۔(مسلم حدیث 755-490 بخاری 812 770 مشکوۃ 887)

تاہم ان کا ایک قول امام اعظم کے موافق بھی ہے اور یہی مختار ہے کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور ناک نہیں لگائی۔ (المهذب 83/1)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پیشانی کے ساتھ ناک پر سجدہ کو بھی واجب قرار دیتے ہیں۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی پیشانی کے ساتھ ناک (سجدہ میں) نہیں لگتی اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (دارقطنی 348/1) ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے۔(المغنی 403/1)

فقہاء احناف کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ نفی کمال پر محمول ہے، اسی طرح جن احادیث میں ناک کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی استحباب پر محمول ہیں۔ امام اعظم کے مسلک کی تائید میں وہ احادیث ہیں جن کو ائمہ صحاح ستہ نے روایت کیا۔

بخاری باب السجود علی سبعة اعظم ابو داؤد والنسائی باب السجود
علی الیدین، ترمذی باب السجود علی سبعة أعضاء، ابن ماجه
باب السجود (مسلم حدیث 490 بخاری 809 مشکوۃ 887،
ابو داود 892 ترمذی 272 نسائی 1093 ابن ماجه 885)

ان تمام احادیث میں ناک کا ذکر نہیں ہے۔ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی کے اوپر والے حصہ پر سجدہ کر رہے تھے۔(دارقطنی 349/1)

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سجدہ میں پیشانی کا لگانا فرض ہے اور اس کے ساتھ ناک لگانا سنت یا مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی کا مختار قول یہی ہے، البتہ امام احمد ناک اور پیشانی دونوں کو سجدہ میں لگانا واجب قرار دیتے ہیں۔

سجدہ میں پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے۔

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد کا مشہور مسلک یہ ہے کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت پہلے زمین پر گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر چہرہ اور امام مالک کا مسلک اور امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ پھر گھٹنے رکھے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔

(ابو داؤد حدیث _714 840 ترمذی حدیث_249 269 مشکوۃ 899)

جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت وائل بن حجر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، آپ نے ہاتھوں سے پہلے گھٹنوں کو رکھا اور جب سجدہ سے اٹھے تو گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھائے۔

(ابو داؤد _713 838 نسائی 2/206 ترمذی 248- 268 دارمی_1286 1320
ابن ماجہ حدیث 882 مشکوۃ 898)

ابوسلیمان خطابی نے بیان کیا کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے اور حضرت ابوسعید ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم (سجدہ میں) گھٹنوں سے پہلے ہاتھ رکھا کرتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے رکھیں اور یہ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے، اثرم نے حضرت ابوہریرہ ؓ سے ہی روایت کی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو ہاتھوں سے پہلے (زمین پر) گھٹنے رکھے اور اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔ (المغنی 1/304)

اثرم کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت مضطرب ہے اور حضرت ابوسعید ؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت منسوخ ہے۔ اس لئے

منسوخ اور مضطرب روایت کو چھوڑ کر حضرت وائل بن حجر کی روایت پر عمل کرنا چاہئے کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ پھر چہرہ رکھے اور جب سجدہ سے اٹھے تو پہلے چہرہ پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے اُٹھائے۔

امام طحاوی فرماتے ہیں: قیاس سے بھی دوسرے مسلک کو تقویت وتائید حاصل ہوتی ہے وہ یوں کہ اعضائے سجدہ سات ہیں، لہٰذا جن اعضاء کے رکھنے میں اتفاق ہے ان پر ہاتھ اور گھٹنوں کے رکھنے کو قیاس کرلیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کے بعد سر کو زمین پر رکھا جاتا ہے اور اُٹھتے وقت پہلے سر اُٹھایا جاتا ہے پھر ہاتھ اور اس کے بعد گھٹنے اٹھائے جاتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہے، لہٰذا رکھنے میں اس کے اُلٹ ترتیب ہوگی یعنی پہلے گھٹنے اس کے بعد ہاتھ اور اس کے بعد سر رکھا جائے اور یہ حدیث وائل بن حجر کے مطابق ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

(طحاوی باب ما یبدا بوضعه فی السجود 254-256/1)

سجدہ میں پیر زمین پر رکھنے کی تحقیق

سجدہ میں دونوں پاؤں کی دسوں انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا سنت ہے اور ہر پاؤں کی تین تین انگلیوں کے پیٹ زمین پر لگنا واجب اور دسوں کا قبلہ رو ہونا سنت ہے۔

نماز میں کپڑا موڑنے یا اڑسنے اور بال سنوارنے کا شرعی حکم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور مجھے نماز کی حالت میں بالوں کو سنوارنے اور کپڑے سمیٹنے سے منع کیا گیا۔

(مسلم حدیث _ 755 490- بخاری_ 770 812 مشکوۃ 887)

ان احادیث میں نماز کی حالت میں کپڑے موڑنے یا بالوں کا جوڑا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور جس شخص نے کپڑے موڑ کر نماز پڑھی اس کی نماز ہوجائے گی۔ ان کی دلیل مسلم شریف کے اس باب کی آخری حدیث ہے جس میں ہے کہ عبداللہ بن حارث بالوں کا جوڑا بنائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے بالوں کو کھول دیا (مسلم حدیث 492) اور

نماز دُہرانے کا حکم نہیں دیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔ (المغنی 670/1)

احناف کی کتب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کا کپڑا موڑنے میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک اگر کہنیوں تک آستین چڑھائے تو مکروہ ہے اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائے تو مکروہ نہیں ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے۔ (البحر الرائق 24/2)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن فقہاء نے نمازی کے کپڑا موڑنے کو مکروہ قرار دیا ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی ہے اور جنہوں نے کراہت کی نفی کی ہے اس سے مراد بھی مکروہ تحریمی کی نفی ہے اور مکروہ تنزیہی ان کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ اسی طرح نماز میں کپڑا لٹکانے میں فقہاء کا اختلاف ہے اور علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ کراہیت ثابت کرنے والوں کی مراد کراہتِ تحریمہ ہے اور نفی کرنے والے بھی کراہتِ تحریمہ کی نفی کرتے ہیں، کراہتِ تنزیہی ان کے نزدیک بھی ثابت ہے۔ (منحة الخالق علی حاشیه البحر الرائق 24/1)

کپڑا موڑنے میں آستیوں کو چڑھانا، پائنچوں کو موڑنا اور ٹخنے کے قریب شلوار یا پاجامہ کو اڑس لینا یہ سب شامل ہیں اور یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے: جس شخص نے نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو ترک کیا یا کسی مکروہ تحریمی کا ارتکاب کیا اس پر واجب ہے کہ وقت میں نماز کا اعادہ کرے اور اگر وقت نکل گیا تو وہ گنہگار ہوگا اور وقت نکلنے کے بعد اعادہ کرنا افضل ہے، اعادہ کے وجوب میں اختلاف ہے۔ (رد المحتار 677/1)

نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرنے میں ائمہ مذاہب کی آراء

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرنا فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کی کنجی، پاکیزگی ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے اور اس کی تحلیل (نماز کو ختم کرنا) سلام پھیرنا ہے۔ (ابوداؤد رقم الحدیث 6156- ترمذی 3 مشکوۃ 312)

چونکہ پاکیزگی اور تکبیر تحریمہ دونوں فرض ہیں اس لئے ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں: سلام پھیرنا بھی فرض ہے جب ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں تو سلام پھیرنا بھی فرض ہونا چاہئے لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ قران فی الذکر قران فی الحکم کو مستلزم نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

احناف کے نزدیک سلام فرض نہیں ہے کیونکہ ابوداؤد میں ہے کہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی اور اشهد أن محمداً عبدهٗ ورسوله کے بعد فرمایا: اذا قُلْتَ هٰذَا اَوْ قَضَيْتَ هذا فَقَدْ قَضَيْتَ صَلٰوتَكَ اِنْ شِئْتَ اَنْ تَقُوْمَ فَقُمْ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ جب تم نے تشہد پڑھ لیا یا یہ کرلیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔ اب اگر تم کھڑا ہونا چاہتے ہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر بیٹھنا چاہتے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ (ابوداؤد حدیث 825- 970)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں بلکہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے تشہد پڑھ لیا یا یہ کرلیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی اور نہ سلام کا ذکر فرمایا نہ اختتام نماز کو سلام پر موقوف کیا بلکہ قعدۂ اخیرہ پر اختتام کو موقوف کیا اور وہ احناف کے نزدیک

فرض ہے۔ سلام کے فرض نہ ہونے پر دوسری دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اعرابی کو نماز کی تعلیم دی جس نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی تھی اور فرمایا تھا صَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ۔ (بخاری-793-751 مسلم-397602 مشکوۃ790) اس میں سلام کا ذکر نہیں ہے حالانکہ باقی فرائض ذکر کئے ہیں، اگر سلام فرض ہوتا تو اس کا بھی ذکر فرماتے۔ البتہ احتیاطاً احناف نے سلام کو واجب قرار دیا ہے۔ نماز سے باہر آنے کے لئے احناف کے نزدیک نماز کو ختم کرنا فرض ہے اور اس کی فرضیت پر دلیل یہ ہے کہ مثلاً عصر کی نماز کا شروع کرنا فرض ہے اور عصر اس وقت شروع ہوگی جب ظہر ختم ہو اور اگر کوئی شخص ظہر اور عصر کا سارا وقت تمام کردے تو عصر کی نماز کیسے شروع ہوگی اس لئے مثلاً ظہر کا ختم کرنا فرض ہے تاکہ عصر شروع ہو اور یہ ضروری ہے کہ نماز کو قصداً کسی ایسے فعل کے ساتھ ختم کیا جائے جو از قبیل عبادت ہو ایسے فعل کے ساتھ نماز کو ختم نہ کیا جائے جو نماز کے منافی ہو (مثلاً کسی سے بات کرنا یا قہقہہ لگانا) ورنہ نماز باطل ہوجائیگی۔

خروجِ نماز کی تحقیق

عام طور پر مشہور ہے کہ اگر نمازی تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد عمداً نماز کے منافی کوئی کام کرے تو نماز پوری ہوجائے گی اور سلام نہ کرنے کی بناء پر سجدہ سہو لازم آئے گا اور اگر قعدہ سے پہلے نماز کے منافی کوئی عمل بلاقصد سرزد ہوگیا تو بالاتفاق نماز باطل ہوجائے گی، (کیونکہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے جو متروک ہوگیا) اگر قعدۂ اخیرہ کے بعد فعل منافی سرزد ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہوجائے گی (کیونکہ اس نے قصداً نماز کو ختم نہیں کیا) اور صاحبین کے نزدیک ہوجائے گی۔ علامہ کرخی لکھتے ہیں: کہ امام اعظم اور صاحبین کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ خروج نماز فرض نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نے تشہد پڑھ لیا یا یہ کرلیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔ اب اگر تم کھڑا ہونا چاہتے ہو تو کھڑے ہوجاؤ اور اگر بیٹھنا چاہتے ہو تو بیٹھ جاؤ۔ (ابوداؤد حدیث-970825)

اور امام اعظم نے خروجِ نماز کی تصریح نہیں کی ہے۔ یہ صرف علامہ بروعی نے بارہ مسائل

ہے استخراج کیا ہے اور یہ ان کی غلطی ہے اور اگر بالفرض خروجِ نماز فرض ہو تو کسی عبادت مثلاً لفظ سلام کے ساتھ مختص ہوگا اور ان بارہ مسائل میں فرض کی تغییر ہے بخلاف نماز میں کلام کرنے کے کیونکہ یہ قاطع نماز ہے اور عمداً وضو توڑ دینا اور قہقہہ لگانا نماز کو باطل کر دیتا ہے نہ کہ تغییر کرتا ہے مجتبیٰ میں ہے: ہمارے محققین نے علامہ کرخی کے قول کو اختیار کیا ہے۔ معراج الدرایہ میں ہے کہ شمس الائمہ الحلوانی نے فرمایا: صحیح وہی ہے جو علامہ کرخی کا قول ہے۔

(البحر الرائق 376/1 مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

علامہ کرخی، شمس الائمہ الحلوانی، ابن نجیم، علامہ زیلعی، صاحب تنویر الابصار، صاحب مجتبیٰ اور علامہ شامی کی تصریحات کے مطابق خروج بصنعہ فرض نہیں ہے اور یہی قول روایت اور درایت کے موافق ہے، مذاہب ثلاثہ کے علماء نے خروج بصنعہ کی بناء پر فقہاء احناف کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ علامہ ابن قدامہ حنبلی اور علامہ نووی شافعی اور علامہ دشتانی مالکی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو توڑ دینے سے بھی نماز کا پورا کرنا جائز ہے اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا کہ ابوحنیفہ کے نزدیک گوز مارنے سے بھی نماز پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں نے یہ ضروری سمجھا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ظاہر کر کے حق کے چہرے سے حجاب اُٹھاؤں۔ (شرح مسلم سعیدی 178/2 --- 1313/1)

علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

خروج بصنعہ یعنی قعدہ اخیرہ کے بعد سلام وکلام وغیرہ کوئی ایسا فعل جو منافی نماز ہو بقصد کرنا۔ مگر سلام کے علاوہ کوئی دوسرا منافی قصداً پایا گیا تو نماز واجب الاعادہ ہوئی اور بلا قصد کوئی منافی پایا گیا تو نماز باطل مثلاً بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد تیمم والا پانی پر قادر ہو گیا وغیرہ (بہار شریعت)

☆☆☆

جماعت کی فضیلت کا بیان

حدیث : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا گھر اور بازار میں نماز پڑھنے کی بہ نسبت بیس سے زیادہ درجہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص صرف نماز پڑھنے کے لئے اچھی طرح وضو کر کے مسجد جاتا ہے تو مسجد میں پہنچنے تک اس کے ہر قدم کے بدلہ میں ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے اور مسجد میں داخل ہونے کے بعد وہ جتنی دیر نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اس کو نماز میں شمار کیا جاتا ہے اور فرشتے تمہارے لئے اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک تم میں سے کوئی شخص نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے جب تک وہ شخص وضو توڑ کر فرشتوں کو ایذاء نہ دے۔ فرشتے کہتے رہتے ہیں: یا اللہ! اس پر رحم فرما، یا اللہ اس کو بخش دے، یا اللہ اس کی توبہ قبول فرما۔ (مسلم رقم الحدیث _1058 661 :بخاری _611 647 مشکوۃ 702)

جماعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی مسلمانوں کو ایک امام کی اقتداء میں جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا ہے کہ ایک گروہ دشمن کے سامنے کھڑا رہے اور ایک گروہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھے۔ (سورۃ النساء:102)

جب میدانِ جنگ اور حالتِ خوف میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم ہے تو حالت امن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کس قدر اہم ہوگا۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں کہ جس شخص کی جماعت کسی گناہ کی وجہ سے فوت ہو جاتی تھی، سلف صالحین اس شخص کی تین دن تک تعزیت کرتے تھے اور جس کی تکبیر اُولیٰ فوت ہو جاتی تھی اور جس کی جماعت رہ جاتی تھی اس کی سات دن تک تعزیت کرتے تھے۔ (مغنی المحتاج 288/1)

حسن نیت کی بنا پر جماعت کا ثواب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر چلا اور لوگوں کو پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ اسے اس کی طرح ثواب دیگا جس نے با جماعت نماز پڑھی، یہ ان کے ثواب سے کچھ کم نہیں کرے گا۔

(ابو داؤد 477-564 مشکوۃ 1145)

کیونکہ اس نے جماعت کی نیت و کوشش تو کی اتفاقاً نہ پا سکا بلکہ جماعت چھوٹ جانے پر مومن کو جو حسرت اور افسوس ہوتا ہے اس کا ثواب بہت ہے، یہ سب کچھ اس کے لئے ہے جس نے کوتاہی نہ کی ہو، وقت کے اندازے میں غلطی ہوگئی ہو۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔

(مسلم رقم الحدیث _ 650 1038 بخاری _ 609 645 مشکوۃ 1052)

حدیث: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے عشاء کی نماز با جماعت پڑھی، گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز با جماعت پڑھی، گویا اس نے تمام رات قیام کیا (یعنی نوافل پڑھتے ہوئے رات گزاری)۔ (مسلم رقم الحدیث _ 1038 656)

حدیث: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بستی یا جنگل میں تین شخص ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھیں وہ لوگ شیطان سے مغلوب ہیں پس تم جماعت (سے نماز) کو لازم کرلو کیونکہ تنہا بھیڑ کو بھیڑیا کھا جاتا ہے۔ (ابو داؤد-460 547 مشکوۃ 1067) اسی وجہ سے احناف اور شوافع کے نزدیک اگر بستی کے لوگ با جماعت نماز نہ پڑھیں تو ان سے قتال کیا جائے گا۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: جس شخص نے اذان سنی اور بغیر عذر کے جماعت سے نماز نہ پڑھی اس کی پڑھی ہوئی نماز قبول نہ ہوگی۔ صحابہ نے پوچھا عذر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خوف اور مرض۔
(ابوداؤد-551464 مشکوۃ 1068)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے سامنے کھانا رکھا جائے اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو کھانے سے ابتداء کرو اور کھانے سے فارغ ہونے تک جلدی نہ کرو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور نماز کی تکبیر ہوتی، کھانے سے بغیر فارغ ہوئے بغیر نماز کو نہ آتے حالانکہ آپ امام کی قراءت سن رہے ہوتے۔

(بخاری رقم الحدیث _673633 مسلم _559868 مشکوۃ 1056)

نوٹ: یہ حکم اس صورت میں ہے جب بھوک تیز ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش ہو

جماعت میں مذاہب۔

امام احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کے نزدیک جماعت فرض عین ہے اور بغیر جماعت کے نماز جائز نہیں۔ (مغنی ابن قدامہ 3/2)

ان کی دلیل (بخاری-644608 اور مسلم-6511040) کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کا گھر جلانے کا ارادہ فرمایا اور ابن ماجہ اور ابو داؤد کی حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: بلاعذر جماعت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوگی۔ یہ دلیل اوّلاً اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس میں خبر واحد سے فرضیت پر استدلال کیا گیا ہے اور وہ ظنی الثبوت ہوتی ہیں اور فرضیت کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ بخاری اور مسلم کی جس حدیث میں جماعت سے نماز نہ پڑھنے والوں کے گھر جلانے کا ارادہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کی لزوم اور فرضیت پر دلالت کئی وجوہ سے مخدوش ہے۔

اولاً: اس لئے کہ یہ قصد منافقین کے بارے میں تھا۔

ثانیاً: اس لئے کہ اگر جماعت سے نماز پڑھنا فرض عین ہوتا تو آپ کسی اور کو امام بنا کر خود

جماعت ترک نہ فرماتے۔

ثالثاً: اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے: ''جماعت سے نماز کا ثواب تنہا پڑھنے کی بہ نسبت ستائیس درجہ زیادہ ہے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہا پڑھنے سے بھی نماز ادا ہو جاتی ہے اگر جماعت فرض عین ہوتی تو تنہا نماز پڑھنا جائز ہی نہ ہوتا۔

(مسلم رقم الحدیث _1038 650 بخاری _611 654 مشکوۃ 1052)

رابعاً: حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف میں صبح کی نماز پڑھی۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے قوم کے آخر میں دو شخصوں کو دیکھا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ آپ نے فرمایا: انہیں بلا کر لاؤ۔ انہیں لایا گیا درآں حالیکہ خوف کی وجہ سے ان کی گردن کی رگیں لرز رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کیا چیز مانع ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم نے اپنی قیام گاہ میں پہلے نماز پڑھ لی تھی۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو، جب تم نے اپنی قیامگاہ میں نماز پڑھ لی ہو اور پھر مسجد میں جماعت کو پاؤ تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو وہ تمہارے لئے نفل ہو جائے گی۔

(ترمذی حدیث-219203 ابوداود-575 488 نسائی 112/2 مشکوۃ 1152)

اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ فرمادیتے تمہاری نماز نہیں ہوئی۔ دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم استحبابی ہے نہ کہ وجوبی اور اس میں وہ نمازیں مراد ہیں جن کے بعد نوافل جائز ہیں ہر نماز مراد نہیں اگر ہر نماز مراد ہو تو یہ حدیث منسوخ ہے۔ ان احادیث سے جن میں فرمایا گیا کہ فجر اور عصر کے بعد نوافل نہ پڑھو۔ مشکوۃ کی حدیث نمبر 1158 میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو مغرب یا فجر پڑھ لے پھر انہیں امام کے ساتھ پالے تو دوبارہ نہ پڑھے۔ (رواہ مالک 133)

خامساً: حدیث: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میری نظر کمزور ہے اور وہ نالہ جو میرے اور میری قوم کے درمیان ہے، جب بارشیں آتی ہیں تو بہنے لگتا ہے اور میرے لئے (مسجد) پہنچنا دشوار

ہوجاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ تشریف لائیں اور میرے غریب خانہ میں نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز کی جگہ بنالوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایسا کردونگا۔ اگلے روز رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دن چڑھے تشریف لائے، رسول اللہ ﷺ نے اجازت مانگی، میں نے آپ کو اجازت دے دی۔ آپ بیٹھے نہیں بلکہ فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کہاں چاہتے ہو کہ میں نماز پڑھوں؟ پس میں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کردیا جو مجھے پسند تھی کہ آپ اس میں نماز پڑھیں، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی، آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیر دیا، آپ کے ساتھ ہم نے بھی سلام پھیر دیا۔ (بخاری-1186 1113 مسلم-1052 657-33) اس طرح آپ نے انہیں بلا جماعت نماز پڑھنے کی اجازت دیدی۔

سادساً: اگر جماعت فرض ہوتی تو جمعہ کی طرح عام نمازوں کے لئے بھی جماعت کو شرط قرار دیا جاتا۔

سابعاً: جماعت کو فرضِ عین ماننا قرآن مجید پر زیادتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے مطلقاً نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جماعت کا ذکر نہیں کیا۔

امام احمد کی دوسری دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: بلا عذر جماعت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قبول کامل کی نفی ہے۔ علاوہ ازیں یہ خبر واحد ہے اور ان دلائل سے معارض ہے جو ابھی گزرے۔ امام محمد بن ادریس شافعی کے نزدیک جماعت فرض کفایہ ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بستی یا جنگل میں تین شخص ہوں اور جماعت سے نماز نہ پڑھیں وہ لوگ شیطان سے مغلوب ہیں، پس تم جماعت (سے نماز) کو لازم کرلو کیونکہ تنہا بھیڑ کو بھیڑیا کھاجاتا ہے۔ (ابوداؤد-547 460 مشکوٰۃ-1067)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سنن کی حدیث ہے اور صحیحین کے مقابلہ میں مجروح ہے جس سے فرض کفایہ کی نفی ہوتی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جماعت کھڑی کرانے کے بعد ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ فرمایا جنہوں نے نماز جماعت سے نہیں پڑھی تھی اور فرض کفایہ کا

مقصد یہ ہے کہ بعض کے ادا کرنے سے اس کی فرضیت دوسروں سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر جماعت فرض کفایہ ہوتی تو جب بعض لوگوں نے جماعت سے نماز پڑھ لی تھی تو آپ ان دوسرے لوگوں کے گھر جلانے کا ارادہ نہ فرماتے جنہوں نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی تھی کیونکہ بعض لوگوں کے جماعت سے نماز پڑھ لینے سے ان کی فرضیت ساقط ہو گئی تھی۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک بن انس کے نزدیک جماعت سنتِ مؤکدہ ہے اور انکی دلیل یہ حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں: جس شخص کو کل اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہو، اس پر لازم ہے کہ جس جگہ اذان دی جاتی ہے وہاں ان نمازوں کی حفاظت کرے اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لئے سنن ہدیٰ مشروع فرمائی ہے اور یہ (جماعت سے نماز پڑھنا) سنن ہدی (سنت مؤکدہ) ہے اور اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھ لی جیسا کہ یہ تارکِ جماعت پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی (ﷺ) کی سنت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی (ﷺ) کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ (مسلم حدیث 1045- 654 مشکوٰۃ 1072)

اس حدیث میں اس بات پر واضح دلالت ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

(شرح مسلم سعیدی 284/2)

بدمذہب کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: بدعقیدہ امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: بدعقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال تب پیدا ہوتا جب اس کی اپنی ہو جاتی جب اس کی اپنی نماز نہیں ہوتی تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال: ان کی اپنی نماز کیوں نہیں ہوتی؟

جواب: کیونکہ نماز کی کچھ شرائط ہیں، ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی جیسے وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی اسی طرح جس کے ایمان کا وضو ٹوٹ جائے اس کی بھی نماز نہیں ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کی بے ادبی کی وجہ سے جن کے ایمان کا وضو ہی ٹوٹ گیا ہو ان کی نماز کیسے ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق اس امت میں شرک نہیں ہوگا۔ وَاللّٰهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي۔ (بخاری 1344 مشکوۃ 5958)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان خالق کا فرمان ہے کیونکہ آپ اپنی مرضی سے نہیں بولتے ان کا بولنا خدا کا بولنا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس امت میں شرک نہیں ہوگا تو شرک کا فتویٰ مسلمانوں پر لگا اور جو مسلمان کو مشرک کہے وہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق خود مشرک ہو جائے گا اور جو مسلمان کو کافر کہے وہ خود کافر ہو جائے گا۔

سوال: ان دونوں حدیثوں کا حوالہ دے دیجئے۔

جواب: حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (إِنَّ مَمَّا أَتَخَوَّفُ عَلَيْكُمْ رَجُلٌ قَرَأَ الْقُرْآنَ حَتَّى إِذَا رُؤِيَتْ بَهْجَتُهُ عَلَيْهِ وَكَانَ رِدَاءُهُ الإِسْلَامَ اغْتَرَاهُ إِلَى مَاشَاءَ اللهُ انْسَلَخَ مِنْهُ وَنَبَذَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ وَسَعَى عَلَى جَارِهِ بِالسَّيْفِ وَرَمَاهُ بِالشِّرْكِ)، قَالَ: قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ أَيُّهُمَا أَوْلَى بِالشِّرْكِ الْمَرْمِيُّ أَوِ الرَّامِي؟ قَالَ: (بَلِ الرَّامِي)۔ بیشک مجھے تم پر ایک ایسے شخص کا خوف ہے جو اتنا قرآن پڑھے گا کہ اس کے چہرے پر قرآن کی رونق بھی نظر آنے لگے گی۔ اُس کا اوڑھنا بچھونا بھی

اسلام بن جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا اس کو یہ حالت لاحق رہے گی پھر اس سے یہ حالت چھن جائے گی اور وہ شخص قرآن حکیم اور اسلام کو پس پشت ڈال کر اپنے پڑوسیوں پر شرک کا فتویٰ صادر کر کے اُن سے جنگ کرے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) اِن دونوں میں سے شرک کا حق دار کون ہوگا جن پر شرک کا فتویٰ لگے گا وہ، یا شرک کا فتویٰ صادر کرنے والا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ شرک کا فتویٰ صادر کرنے والا ہی شرک کا حق دار ہوگا۔ مسند ابو یعلیٰ، امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین نے اس کی توثیق کی۔

(تفسیر ابن کثیر سورۃ الاعراف آیت (۱۷۵) ج ۲ ص ۲۶۵) (اس حدیث کو ناصر الدین البانی غیرمقلدنے صحیح قرار دیا ھے ،دیکھیے : سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ: 3201)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ اَوْ قَالَ عَدُوَّ اللهِ وَلَيْسَ كَذٰلِكَ اِلَّا حَارَ عَلَيْهِ۔ جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا اور وہ ایسا نہ ہو تو کہنے والے کا قول خود اسی پر لوٹ آئے گا۔ (مسلم 61 مشکوۃ 4817) ویسے تو وہابیوں کی ہر کتاب میں مسلمانوں کو مشرک کہا گیا ہے بالخصوص امام الوہابیہ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے تو حد ہی کر دی۔ بطورِ نمونہ ایک دو حوالے ملاحظہ ہوں۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتا ہے: جو اپنے اور اللہ کے درمیان کسی کو وسیلہ بنائے اور ان سے شفاعت طلب کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (دس نواقض الاسلام)

دیکھو کس طرح قرآنی حکم پر عمل کرنے والوں کو کافر کہا جا رہا ہے، کیا قرآن میں وسیلہ کا حکم نہیں ہے (دیکھو: سورہ المائدہ آیت: ۳۵ پارہ نمبر ۶) جو قرآن کے کسی حکم کا انکار کرے وہ مؤمن کیسے ہو سکتا ہے اس کے پیچھے نماز کیسے ہو سکتی ہے۔

بھولے بھالے سنیو! پیرو! مولویو! اپنی نمازیں ان کے پیچھے برباد کرنے والو! یا ان گستاخوں کو مسلمان سمجھنے والو! ہوش کرو اور میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔ آخر تمہاری آنکھیں کب کھلیں گی تم ہوش کب کرو گے۔ کل قیامت کو نہ کہنا کہ ہمیں کسی نے سمجھایا نہیں تھا۔ تم روزِ قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ وسیلہ کو شرک کہنے والے خود انبیاء کرام کا وسیلہ تلاش کر

رہے ہوں گے جیسا کہ (بخاری شریف کی حدیث نمبر 4712 میں ہے) لیکن اس وقت ان کو وسیلہ کوئی فائدہ نہیں دے گا کیونکہ اس وقت تو کافر بھی مانیں گے۔ ماننا ہے تو آج مان تا کہ قیامت کو تجھے کوئی فائدہ حاصل ہو۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے ☆ پھر نہ مانیں گے قیامت میں گر مان گیا

اور تم پر میرے آقا کی عنایت نہ سہی ☆ نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

(اعلیٰ حضرت)

محمد بن عبدالوہاب نجدی لکھتا ہے: **فاعلم أَنَّ شِرْكَ الأَوَّلِينَ أَخَفُّ مِنْ شِرْكِ أَهْلِ زَمَانِنَا**۔ ترجمہ: پہلے مشرکین کا شرک ہمارے زمانہ کے مشرکین سے ہلکا تھا۔ (کشف الشبہات ص ۱۱) یعنی ابوجہل اور ابولہب اتنے بڑے مشرک نہیں جتنے بڑے مشرک یہ ''یارسول اللہ'' کا نعرہ لگانے والے ہیں۔ ہندوستان میں وہابیت کے پہلے بانی اسماعیل قتیل دہلوی نے اپنے نجدی استاد کی پیروی میں یہی کچھ لکھا ہے: کہ جو کسی (نبی، ولی) کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھے اور نذر ونیاز کرے، گو اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے، ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہیں۔ (تقویۃ الایمان ص ۷)

اب بتاؤ! جو تمام مسلمانوں کو ابوجہل کہے بلکہ اس سے بڑا مشرک کہے اس کا اپنا ایمان بچے گا؟ جب ایمان ہی نہیں تو نماز کیسے ہوگی جب اس کی اپنی نماز محل نظر ہے تو اس کے مقتدیوں کی کیسے ہوگی۔

ع: ہے یہ بات سوچنے کی اسے بار بار سوچ

یہ بات بھی یاد رہے کہ تمام دیوبندی اور غیر مقلد وہابی اسماعیل دہلوی اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کو اپنا امام سمجھتے ہیں۔ آزمائش کے لئے آپ کسی بھی وہابی سے پوچھ لیں کہ یہ دونوں آدمی کیسے تھے تو وہ کہیں گے کہ یہ بہت بڑے موحد تھے اور شرک کا رد کرتے تھے۔ آپ ان کی توحید دیکھ چکے ہیں کہ جنہوں نے نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہستیوں تک کو مشرک کہا۔

سنیوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا جائز ہے۔

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: بارھویں صدی ہجری میں محمد بن عبد الوہاب نجدی کا ظہور ہوا۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے توسل کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا شرک ہے اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے، وہ کافر ہے اور اس کو قتل کرنا مباح ہے۔

چنانچہ محمد بن عبد الوہاب نجدی لکھتے ہیں: وعرفت ان اقرارھم بتوحید الربوبیة لم یدخلھم فی الاسلام وان قصدھم الملائکة أوالانبیاء أو الأولیاء، یریدون شفاعتھم ، والتقرب إلی الله بذالك : ھوالذی احل دمائھم واموالھم

ترجمہ: تم یہ جان چکے ہو کہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے باوجود اسلام میں داخل نہیں ہوتے اور فرشتوں اور نبیوں سے شفاعت کا ارادہ کرنے سے اور ان کے توسل سے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی وجہ سے ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا حلال ہو گیا ہے۔

(کشف الشبہات ص ۰، شرح مسلم سعیدی جلد ۱ ص ۰۰، تبیان القرآن جلد ۰ ص ۰۰)

انبیاء کرام علیہم السلام پر شرک کا فتویٰ (نعوذ باللہ)

ابن عبد الوہاب نے کتاب التوحید میں ایک باب قائم کیا جس کا نام رکھا ہے: من الشرك أن یستغیث بغیرالله أویدعو غیره۔ ترجمہ: غیر اللہ کو پکارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے فریاد کرنا شرک ہے۔ (کتاب التوحید ص ۵۰)

اس میں تمام آیات وہی پیش کی گئی ہیں جو بتوں کے متعلق ہیں اور ایک حدیث سے استدلال کیا ہے جو ضعیف اور باطل ہے۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام نے غیر اللہ سے مدد طلب کی ہے مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت لانے کے لئے اپنے درباریوں سے مدد طلب کی۔ (سورۃ النمل پارہ نمبر ۱۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے مدد طلب کی ہے۔

(سورۃ الصف پارہ نمبر ۲۸)

حضرت آدم علیہ السلام پر شرک کا فتویٰ (نعوذ باللہ)

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے کتاب التوحید میں یہ موضوع روایت درج کی کہ: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فلما اتھما صالحا جعلا لہ شرکاء کی تفسیر میں کہا: کہ حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام آپس میں ملے، حضرت حوا حاملہ ہوگئیں، شیطان ان دونوں کے پاس آیا اور کہا: میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکالا تھا، تم میری بات مان کر اپنے بچے کا نام عبدالحارث رکھو ورنہ اس کے سر پر بارہ سنگا کے دو سینگ بنا دوں گا جس کے ذریعہ وہ تمہارا پیٹ چیر کر باہر نکلے گا، انہوں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ بچہ مردہ حالت میں پیدا ہوا۔ دوسری مرتبہ پھر آپ حاملہ ہوئیں۔ شیطان نے پھر اسی طرح کہا لیکن انہوں نے بات نہ مانی تو بچہ مردہ پیدا ہوا۔ تیسری مرتبہ پھر حاملہ ہوئیں شیطان نے پھر آ کر بہکانا شروع کیا اس مرتبہ وہ شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور بچے کی محبت ان پر غالب آ گئی اور اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔ (ابن ابی حاتم) محمد بن عبدالوہاب نے کتاب التوحید میں قتادہ تابعی کی طرف یہ قول منسوب کیا۔ (شرکاء فی طاعتہ ولم یکن فی عبادتہ) ان دونوں، حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام نے اطاعت میں شرک کیا عبادت میں شرک نہیں کیا۔ (نعوذ باللہ)

(کتاب التوحید عربی ص:۱۱۱، باب: فلما اتھما صالحا جعلا لہ شرکاء)

اس روایت کے متعلق حافظ ابن کثیر کا تبصرہ:

یہ روایت اہل کتاب بنی اسرائیل کے آثار سے ہے اور اہل کتاب کی روایات تین قسم کی ہیں: بعض وہ ہیں جن کا صحیح ہونا ہمیں کتاب وسنت سے معلوم ہے اور بعض وہ ہیں جن کا کذب ہمیں کتاب وسنت سے معلوم ہے اور بعض وہ ہیں جن کا کذب یا صدق متعین نہیں ہے اور اس روایت کا کذب ہمیں معلوم ہے کیونکہ اگر دونوں میاں بیوی سے مراد حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام ہوں تو لازم آئے گا کہ وہ دونوں مشرک ہوں اور حضرت آدم علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور معصوم ہیں ان کا شرک کرنا عادتاً محال ہے اور امام عبدالرزاق کی روایت کلبی سے ہے اور

ں کا حال سب کو معلوم ہے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد ،ص ،،، مطبوعہ دار الاندلس بیروت)

بدعقیدہ کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق ترجمان اہل سنت مناظر اسلام استاذِ محترم حضرت علامہ غلام مرتضیٰ ساقی مجددی مدظلہ العالی نے اپنی کتاب ''بدمذہب کے پیچھے نماز کا حکم'' میں کافی مواد جمع کر دیا ہے اور علماء اہل سنت کے بہت سے فتاویٰ جات جمع کر کے لوگوں کی نمازیں اوران کے ایمان بچانے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ استاذِ محترم محسن اہل سنت کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کتاب کو ''اُویسی بک سٹال گوجرانوالہ'' فون نمبر 03338173630 سے حاصل کر کے ضرور مطالعہ کریں۔ حضرت صاحب کی ہر کتاب ہی علمی، مدلل اور لاجواب ہوتی ہے لیکن یہ کتاب متلاشیانِ حق کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ ایک مرتبہ ایک مناظر اہل سنت صاحب نے مدینہ منورہ میں حاضری دی تو میں نے ان نجدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا تو کہنے لگے: میں نے اس کے متعلق کسی عالم کا فتویٰ نہیں دیکھا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ کیسے ہوسکتا ہے ان کے متعلق کسی عالم کا فتویٰ نہ ہو۔ یقیناً یہ ان کے مطالعہ کی کمی تھی۔ اب میں انشاء اللہ استاذِ محترم کی یہ کتاب فیصل آباد جا کر ان کی خدمت میں پیش کروں گا۔ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں حاضری کے دوران حضرت مولانا ضیاء اللہ قادری علیہ الرحمہ نے مجھے بتایا کہ ایک بہت بڑے سنی مولوی صاحب نے مجھے کہا کہ تم ان نجدیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو، میں تو پڑھ لیتا ہوں تو میں حیران رہ گیا کہ یہ لوگ کیسا دوہرا معیار رکھتے ہیں دنیا کی خاطر اپنا ایمان کیوں بیچ رہے ہیں؟

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھ میں ہے دل یا شکم

مذکورہ کتاب میں استاذِ محترم نے تقریباً 34 چونتیس علماء ومشائخ کے فتاویٰ جات درج کئے ہیں کہ بدعقیدہ چاہے وہ مقلد ہو یا غیر مقلد اسی طرح سعودیوں نجدیوں کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔

اسمائے گرامی مفتیانِ کرام:

قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاءُ الدین رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ منورہ	حضرت علامہ مفتی غلام سرور قادری رحمۃ اللہ علیہ، لاہور
مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ، انڈیا	حضرت علامہ مفتی بشیر احمد دار العلوم اشرف المدارس رحمۃ اللہ علیہ، اکاڑہ
امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ، ضلع نارووال	حضرت علامہ مفتی ابو النصر منظور احمد فریدی رحمۃ اللہ علیہ، ساہیوال
حضرت علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ، بہاولپور	حضرت علامہ مفتی عبد العلیم سیالوی، جامعہ نعیمہ لاہور
حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ، کراچی	حضرت علامہ مفتی سید جلال الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ، بھکھی شریف منڈی بہاؤالدین
حضرت علامہ عبد الستار خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ، میانوالی	حضرت علامہ ابو الخلیل رحمۃ اللہ علیہ جامعہ رضویہ فیصل آباد
حضرت علامہ میاں جمیل احمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ، ضلع شیخوپورہ	حضرت علامہ مفتی غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ، جامعہ رضویہ فیصل آباد
حضرت علامہ شاہ فرید الحق رحمۃ اللہ علیہ، کراچی	حضرت علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، لاہور
حضرت علامہ سعید احمد کاظمی رحمۃ اللہ علیہ، ملتان	حضرت علامہ مفتی ابوداود محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ، گوجرانوالہ
حضرت علامہ منظور احمد فیضی رحمۃ اللہ علیہ، بہاولپور	حضرت علامہ صوفی اللہ دتہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ، لاہور

حضرت علامہ مفتی شریف الحق رحمۃ اللہ علیہ، انڈیا	حضرت علامہ محدث اعظم پاکستان مفتی سردار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، فیصل باد
سید غلام محی الدین قدس سرہٗ گولڑہ شریف ضلع اسلام آباد	حضرت علامہ مفتی ابوالریان محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ، حزب الاحناف لاہور
حضرت علامہ ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ مفتی وقار احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ، کراچی
حضرت علامہ مفتی سید شجاعت علی رحمۃ اللہ علیہ کراچی	حضرت علامہ مفتی اقتدار احمد نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، گجرات
حضرت علامہ مفتی محمد رحمت علی رحمۃ اللہ علیہ چشتیاں	حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم خاں منہاج القرآن، لاہور
حضرت علامہ مفتی مختار احمد گجراتی رحمۃ اللہ علیہ	حضرت علامہ مفتی احمد میاں برکاتی
حضرت علامہ مفتی گل احمد عتیقی	لاہور

اس کے علاوہ بہت سے علمائے کرام جن کے فتاویٰ جات اس کتاب میں درج نہیں کیے جا سکے مثلاً

- ☆ استاد محترم شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مفتی محمد عالم محدث سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ بانی ومہتمم جامعہ حنفیہ دودروازہ سیالکوٹ
- ☆ پیر طریقت رہبر شریعت مرشد کامل مفکر اسلام حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ شکر گڑھ
- ☆ پیر طریقت رہبر شریعت مرشد کامل فاتح نجدیت حضرت علامہ پیر سید کرامت علی شاہ صاحب آستانہ عالیہ علی پور شریف ضلع نارووال
- ☆ مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، وزیر آباد
- ☆ مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ، لاہور

☆ مناظر اہل سنت حضرت علامہ عنایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ، سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ

☆ مناظر اہل سنت حضرت علامہ حضرت علامہ ضیاء اللہ قادری سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مناظر اہل سنت حضرت علامہ ابوالنور محمد بشیر رحمہ اللہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

☆ خطیب پاکستان مناظر اہل سنت فاتح نجدیت مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ شفیع اوکاڑوی رحمہ اللہ، کراچی

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مولانا غلام علی اوکاڑوی رحمہ اللہ، اوکاڑہ

☆ مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد اشرف القادری آف نیک آباد، گجرات

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر ☆ محمد اشرف آصف جلالی فاضل بغداد یونیورسٹی بانی ادارہ صراط مستقیم لاہور

☆ پیر طریقت حضرت علامہ مفتی تراب الحق قادری کراچی

☆ حضرت علامہ مفتی ابوحذیفہ محمد کاشف اقبال مدنی صاحب

☆ بانی دعوتِ اسلامی پیر طریقت حضرت علامہ مولانا الیاس قادری مدظلہ العالی، کراچی

☆ حضرت علامہ خاور حسین نقشبندی ناظم اعلیٰ جامعہ نعمانیہ سیالکوٹ

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ توقیر الحسن قادری خطیب چھاؤنی سلہریاں سیالکوٹ

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ ابوسلطان قاری خواجہ سلیمان عثمانی بانی فکر ہیومن رائٹس اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن سیالکوٹ

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ یوسف رضوی المعروف ٹوکے والی سرکار

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ غلام رسول قاسمی، سرگودھا

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ پیر حکیم عبدالرزاق رضوی صاحب نور کوٹ شکر گڑھ

☆ مناظر اہل سنت فاتح نجدیت حضرت علامہ محمد عباس رضوی ریسرچ آفیسر محکمہ اوقاف

ابوظہبی متحدہ عرب امارات

☆ مناظر اہل سنت فاتح مجدیت حضرت علامہ پروفیسر حافظ محمد نصیر القادری وائس پرنسپل آف پنجاب کالج سیالکوٹ، وغیرہ وغیرہ ان میں سے بعض علماء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں۔

حضرت مولانا ضیاء الدین کا فتویٰ۔

قطب مدینہ (آپ سے اگر) نماز کے متعلق سوال کیا جاتا کہ آیا وہابی (نجدی سعودی) امام کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ تو فرماتے: اگر امام، رسول اللہ ﷺ کا گستاخ ہو اور مقتدی کو اس پر پوری طرح اطلاع بھی ہو تو پھر میرے نزدیک ''پیچھے اس امام کے کہنا'' کفر ہے...... یہ چوتھا دور (محمد بن عبدالوہاب) نجدی کا ہے۔ یہ (نجدی لوگ) اعمال کے برے اور عقیدے کے بھی گندے ہیں اور یہ مجبور بھی کرتے ہیں کہ ہمارے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھو جو ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ان کو طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں حالانکہ نماز کا تعلق دل سے ہے اگر کسی کا دل ہی امام کی طرف سے مطمئن نہ ہو تو اس کی نماز اس امام کے پیچھے کیسے ہوگی؟ جو ان کے عقائد پر اطلاع رکھتے ہیں ان کی نماز تو بالکل ہی نہیں ہوگی۔

(سیدی ضیاء الدین احمد القادری ص 402 از محمد عارف قادری ضیائی)

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

(قطب مدینہ نے) ایک مرتبہ فرمایا: حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدثِ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کو گورنر مدینہ منورہ عبدالعزیز بن ابراہیم نجدی نے بلایا جو بڑا ظالم اور متشدد تھا حضرت پیر صاحب قبلہ پر طرح طرح کے سوال کرتا رہا۔ پیر صاحب بے خوف جواب دیتے رہے، آخر میں اس نے پوچھا کہ تم ہمارے امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ حضرت نے بے خوف اپنے سر مبارک کو اُٹھایا اور اپنی گردن پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا: نجدیا! یہ گردن کٹ تو سکتی ہے مگر نجدی (امام) کے ساتھ مل کر جھک نہیں سکتی۔

(سیدی ضیاء الدین احمد القادری ص 398 از محمد عارف قادری ضیائی)

اللہ اکبر! حضرت امیر ملت کی جرأت اور غیرتِ ایمانی کو ہمارا سلام ہو، آپ کی لحد پر

کروڑوں رحمتیں نازل ہوں۔ آمین۔ (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۳۰)

مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن عباسی قادری رحمۃ اللہ علیہ، انڈیا

قطب مدینہ ارشاد فرماتے ہیں: پھر پیر صاحب (سید غلام محی الدین قدس سرہ گولڑہ شریف) نے فرمایا: حضرت ایک مرتبہ نماز کے سلسلہ میں جو آپ کا وہابی ملاؤں سے مناظرہ ہوا تھا میرے ساتھیوں کو بیان فرمائیں (تا کہ وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے بچیں) حضرت مجاہد ملت نے پورا واقعہ سنایا کہ کس طرح انہیں علیحدہ جماعت کرانے پر پکڑ لیا گیا۔ پھر سید غلام محی الدین قدس سرہٗ آف گولڑہ شریف نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ان کی اتباع کرو اور وہابیوں کے پیچھے نماز مت پڑھو۔ (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۳۰)

(سیدی ضیاء الدین احمد القادری ص 397 از محمد عارف قادری ضیائی)

امامِ اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی کا فتویٰ۔

مسئلہ: 52: 21 محرم الحرام 1339ھ کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ امامت کس کس شخص کی جائز ہے اور کس کس کی ناجائز اور مکروہ اور سب سے بہتر امامت کس شخص کی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: جو قرأت غلط پڑھتا ہو جس سے معنی فاسد ہوں یا وضو یا غسل صحیح نہ کرتا ہو یا ضروریات میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہو۔ جیسے وہابی، رافضی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور جس کی گمراہی حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ کہ مولیٰ علی کو شیخین سے افضل بتاتے ہیں یا تفسیقیہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن عاص و ابو موسیٰ اشعری اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں، ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے کہ انہیں امام بنانا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا دوبارہ پڑھنا (لوٹانا) واجب ہے۔...... نہ ان کی نماز نماز ہے نہ ان کے پیچھے نماز نماز ہے۔ بالفرض ان میں سے ہی جمعہ یا عیدین کا امام ہو اور کوئی مسلمان امامت

کے لئے نہ مل سکے تو جمعہ و عیدین کا ترک فرض ہے، جمعہ کے بدلے ظہر پڑھے اور عیدین کا کچھ عوض نہیں۔ (احکام شریعت از امام احمد رضا ص ۱۱۱)

ابوالبیان علامہ محمد سعید احمد مجددی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے ہفتہ وار درسِ مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پروگرام کے اختتام پر سوالات کے جوابات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: چونکہ سعودی عرب میں رہنے والے نجدی لوگوں کے عقائد وہی ہیں جو پاکستانی وہابیوں کے ہیں تو جس طرح یہاں کے وہابیوں کے پیچھے نماز ہرگز نہیں ہوتی، اسی طرح سعودی وہابیوں کے پیچھے بھی نماز ہرگز نہیں ہوتی۔ ہمارا اپنا معمول ہے کہ ان کے پیچھے نماز ہرگز نہیں پڑھتے۔ اوّل تو اوقاتِ نماز کے موقع پر اپنے حجروں یا خیموں میں رہتے ہیں، یا آتے آتے اتنی تاخیر کر دیتے ہیں کہ جماعت نکل جائے پھر بعد میں اپنی الگ نماز پڑھ لیتے ہیں اور اگر کسی وقت جماعت کے وقت مسجد میں ہی موجود ہوں تو پھر ان کے پیچھے بغیر اقتداء کی نیت کے ویسے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ (آپ کے جواب کی کیسٹ محفوظ ہے) (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۳۳)

مفسر قرآن علامہ فیض احمد اویسی صاحب رحمہ اللہ، بہاولپور

حرمین (مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ) کے امام ہمارے دور میں وہابی عقائد سے منسلک ہیں۔ اس لئے برے عقیدے والے کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی۔ ہمارے اسلاف رحمہم اللہ نے کبھی گندے عقیدے والے کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھی۔ سیدنا علی المرتضیٰ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عثمان ﷺ کے باغی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی۔ ایسے ہی یزید کے لشکر نے جب حرم نبوی پر قبضہ کیا تو بعض صحابہ نے امام حرم کی اقتداء میں نماز نہ پڑھی۔ ایسے خوارج کی اقتداء میں کسی مسلمان نے نماز نہیں پڑھی، وہابی مذہب بھی خوارج کی شاخ ہیں (شامی) اور نجدی وہابی کو حرم پر قبضہ کئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا، ورنہ اس سے پہلے ترکوں کے دور میں سنی حنفی امام حرم تھے۔ ہمارے اسلاف ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے مگر اس وقت وہابی نہیں پڑھتے تھے۔ اب امامِ حرم چونکہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے نہ صرف پیروکار بلکہ عاشق زار ہیں، اس

لئے ان کے برے عقائد کی وجہ سے ان کی اقتداء میں نماز نا جائز ہے۔ جس نے بھول کر پڑھ لی، اُس کیلئے اِعادہ (لوٹانا) ضروری ہے ورنہ قیامت میں ان نمازوں کا مواخذہ ہوگا، جس کو ضبط کلیت کی بیماری ہو، اس کا علاج ہمارے پاس نہیں ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب ہے کہ صرف نمازوں کا حکم فرمایا کہ چالیس نمازیں پڑھی جائیں لیکن اس حدیث میں باجماعت نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھا کہ حکومتیں بدلتی رہیں گی، اس لئے صرف نماز کا حکم ہے باجماعت نماز کا حکم نہیں۔

(امام حرم اور ہم ص 34-32) (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۳۲)

مفتی مختار احمد گجراتی، گجرات

صورتِ مسئولہ میں میری رائے کے مطابق اور بزرگانِ اہل سنت فاضل بریلوی اور مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی تصنیفات کی روشنی میں آپ جیسے مضبوط عقیدہ سنیوں کے لئے جواب یہ ہے کہ کسی گستاخِ نبی، گستاخِ صحابہ، گستاخِ اہل بیت کے پیچھے آپ کی نماز تو کیا خود پڑھانے والے کی نماز، نماز نہیں ہے۔ (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴۰)

مفتی شجاعت علی قادری، کراچی

اگر یہ امام صاحب وہابی تھے تو ان کے پیچھے بلکہ کسی بھی وہابی امام کے پیچھے اہل سنت کی نماز نہ تو پاکستان میں درست ہوگی نہ کسی اور جگہ۔ اگر نماز پڑھ لی گئی ہو تو اعادہ ضروری ہے۔

(امام حرم اور ہم ص 21-18) (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۳۸)

مفتی محمد عبد العلیم سیالوی جامعہ نعیمیہ لاہور

اہل نجد محمد بن عبد الوہاب کے ان عقائدِ فاسدہ پر اعتقاد رکھتے ہیں جو توہین رسالت پر مشتمل ہیں۔ یہ لوگ ہمیں مشرک کہتے ہیں بلکہ مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ اس لئے ان حضرات کی اقتداء میں نماز فاسد بلکہ باطل ہوگی۔ (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴۳)

مفتی غلام رسول رضوی جامعہ رضویہ فیصل آباد

ان کے عقائد ہم سے مختلف ہیں وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستعانت جائز نہیں سمجھتے جبکہ

ہم جائز کہتے ہیں وہ اس کو شرک کہتے ہیں جو ہمیں مشرک کہے، اس کے پیچھے ہماری نماز کیسے ہو سکتی ہے؟ (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴۴)

مفتی عبدالقیوم ہزاروی جامعہ نظامیہ لاہور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی شانِ اقدس میں گستاخی و بے ادبی کرنے والے اور عوام مسلمین کو کافر و مشرک قرار دینے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی وہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ اس لئے ہر جگہ اور ہر ممکن طریقہ سے اپنی نماز کی حفاظت کریں۔

(بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴۵)

مفتی ادارہ منہاج القرآن، لاہور

مفتی عبدالقیوم صاحب نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: چونکہ حرمین شریفین کی موجودہ حکومت اپنے سوا تمام اہل اسلام کو بالعموم اور اہل سنت (بریلوی) مسلمانوں کو بالخصوص مشرک قرار دیتی ہے اور ہمارے معمولات کو شرک و کفر سے تعبیر کرتی ہے۔ لہٰذا ارشادِ نبوی کے مطابق (جب ایک شخص دوسرے کو کافر کہے اور دوسرا شخص فی الواقع کافر نہ ہو تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے) کسی صحیح العقیدہ کی نماز نجدی عقائد کے کسی شخص کے پیچھے جائز نہیں۔ پس جہاں تک ہو سکے اس سے بچیں اور کبھی کسی وجہ سے پڑھنی ہی پڑ جائے تو وقت ملنے پر اس کا اعادہ لازمی ہے ورنہ ترکِ نماز کا گناہ سر پر رہے گا۔ خانہ کعبہ کے امام صاحب خود ہی اپنے آپ کو اہل حدیثوں (وہابیوں) سے منسلک کرتے ہیں اور دوسرے مکاتبِ فکر کو غلط گردانتے ہیں۔ جب وہ اہل سنت کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں تو پھر وہ اس بات کے متمنی کیوں ہیں کہ ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں (منہاج الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۲۶) لہٰذا آپ ایسے بدبخت انسان کے پیچھے اپنی نمازیں ضائع نہ کریں۔ (منہاج الفتاوٰی ج ۲ ص ۱۰۳)

حجازِ مقدس پر یہودی ایجنٹوں (نجدی سعودی) کا قبضہ ہے۔...... حرمین شریفین پر یہودی ایجنٹوں کا قبضہ ان کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ (منہاج الفتاوٰی ج ۱ ص ۵۳) جو ابن تیمیہ یا محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اپنے مسلک و فرقہ کے مولویوں کی تقلید کرے وہ غیر مقلد کہلاتا ہے۔ (منہاج الفتاوٰی ج ۱ ص ۵۰۷)

محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق آپ اِن کتابوں کا مطالعہ فرمائیں: ''تاریخ نجد وحجاز'' مفتی عبدالقیوم، ''گنبدِ خضریٰ'' از مولانا محمد معراج الاسلام (ہمفرے کے اِعترافات) چونکہ یہ (نجدی، وہابی، سعودی) لوگ اہل سنت کو مشرک، واجب القتل سمجھتے ہیں اور گستاخ رسول ہیں۔لہٰذا ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا فائدہ۔

(منہاج الفتاویٰ ج ا ص ۴۶۰) (بدمذہب امام کے پیچھے نماز کا حکم ص ۱۴۸)

میں کہاں تک لکھوں، عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے بہتر یہ ہے کہ علامہ ساقی صاحب کی یہ کتاب خرید کر پڑھی جائے۔

فاسق کی امامت کی تحقیق

جو شخص علی الاعلان گناہِ کبیرہ مثلاً شراب نوشی، زنا کاری اور سود خوری کا مرتکب ہو یا خلق خدا پر ظلم کرتا ہو، ایسا شخص اِصطلاحِ فقہ میں فاسق معلن کہلاتا ہے، ایسے شخص کو امام بنانا حرام ہے کیونکہ فاسق کی تعظیم شرعاً حرام ہے لیکن اگر ایسا شخص جبراً امام بن جائے تو اس کی اقتداء میں جمعہ پڑھنا جائز ہے اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ شہر میں صرف ایک جگہ جمعہ ہوتا ہو اور اگر متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہو تو پھر فاسق کی اقتداء میں جمعہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔امام احمد بن حنبل اور امام مالک کے نزدیک فاسق معلن کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے بعض احناف کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور امام شافعی اور اکثر احناف کے نزدیک جائز ہے۔علامہ ابن قدامہ، امام احمد کا مذہب بیان کرتے ہیں: ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا جب امام نشہ کرتا ہو تو؟ فرمایا اس کی اقتداء میں نماز نہ پڑھو، ایک اور شخص نے سوال کیا کہ میں نے ایک شخص کی اقتداء میں نماز پڑھی پھر مجھے علم ہوا کہ وہ امام نشہ کرتا ہے کیا میں نماز دُوہراؤں؟ فرمایا ہاں۔

(مغنی ابن قدامہ 9/2)

علامہ بابرتی امام مالک کا مذہب بیان کرتے ہیں: امام مالک کہتے ہیں کہ فاسق کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے کیونکہ جب اس سے اُمورِ دینیہ میں خیانت ظاہر ہوگئی تو ان سے زیادہ اہم امر میں اس پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔(عنایہ علی ھامش فتح القدیر 304/1)

بعض احناف فاسق کی امامت اور اقتداء کو ناجائز اور مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔علامہ

مالکی فرماتے ہیں: فاسق معلن مثلاً شرابی یازانی کے بارے میں ابن الحبیب کہتے ہیں: جو
شخص اس کی اقتداء میں نماز پڑھے وہ ہمیشہ نماز دوہرائے الا یہ کہ امام حاکم ہو۔ علامہ حلبی
فرماتے ہیں کہ اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو گناہگار ہوں گے کیونکہ اس کو امام بنانا مکروہ
تحریمی ہے۔ (غنية المستملی 479)

بعض صحابہ کرام نے جو ظالم یا فاسق حکام کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے وہ خوف اور ضرر پر
محمول ہے۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: صحابہ (ظالم حکمرانوں کی اقتداء میں) نماز اس وجہ سے
پڑھتے تھے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کی بناء پر انہیں ضرر کا اندیشہ تھا کیونکہ عطاء اور سعید
بن جبیر سے مروی ہے کہ حجاج کے خطبہ کے دوران وہ اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ
اگر وہ علی الاعلان نماز پڑھتے تو انہیں اپنی جان کا خوف تھا۔ (مغنی ابن قدامہ 10/2) اور یہ بھی
ثابت ہے کہ فساق کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد صحابہ کرام نماز دوہرالیا کرتے تھے۔ ملا علی قاری
فرماتے ہیں: حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷜ وغیرہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کی اقتداء میں نماز
پڑھتے تھے۔ وہ شراب پیتا تھا حتیٰ کہ ایک دن اس نے صبح کی نماز چار رکعات پڑھادی پھر کہنے لگا:
کیا اور زیادہ پڑھاؤں؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷜ نے فرمایا: ہم تمہارے ساتھ ہمیشہ زیادہ نماز
پڑھتے ہیں یعنی نماز پڑھ کر دوہراتے ہیں۔ (شرح فقہ اکبر ص:76)

جمہور کے نزدیک فاسق معلن کی اقتداء میں بلا جبر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے جب کہ وہ
فسق قطعی اور غیر مؤول کا مرتکب ہو اس کی دلیل یہ ہے: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ظالموں کی طرف میلان نہ رکھو ورنہ تم کو بھی
جہنم کی آگ جلائے گی۔ (سورہ ہود: 113) جب ظالموں سے میل جول پر جہنم کی وعید ہے تو ان
کو نماز میں امام بنانا یا بلا حرج ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ اس وعید کا مصداق ہے۔
(معاذ باللہ) نیز فرمایا: فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ معلوم ہونے کے
بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (سورۃ الانعام: 68) جو شخص اعلانیہ اللہ تعالیٰ کے فرائض اور
واجبات کے خلاف کرے، محرماتِ قطعیہ کا ارتکاب کرے اور خلق خدا پر ظلم کرے اس کے ظالم
ہونے میں کیا شک ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے پاس بیٹھنے سے بھی منع فرمایا ہے تو

ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔

حدیث : حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سنو کوئی عورت مرد کی امامت نہ کرے، نہ دیہاتی مہاجر کی امامت کرے، نہ فاسق مومن کی امامت کرے سوا اس کے کہ وہ حاکم کی تلوار اور اس کے کوڑوں سے ڈرتا ہو۔

(ابن ماجہ رقم الحدیث _ 1081 1071)

یہ حدیث جمہور کے مسلک پر واضح نص ہے کہ اضطرار، مجبوری اور جان کے خوف کے سوا فاسق کی اقتداء میں نماز جائز نہیں ہے بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:
حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امیر کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو۔ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا تم پر واجب ہے۔ خواہ وہ نیک ہو یا بد اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو اور ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا تم پر واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد اگرچہ وہ گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو۔

(ابو داؤد رقم الحدیث _ 2533 2171 مشکوٰۃ 1125)

اس حدیث سے استدلال کا ایک جواب یہ ہے کہ حدیث جس قدر اسانید سے مروی ہے وہ سب ضعیف ہیں حتیٰ کہ اس کو ناصر الدین البانی نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھو ضعیف ابوداؤد۔ علامہ ذیلعی فرماتے ہیں: اس حدیث کو ابوداؤد نے **عن مکحول عن ابی ھریرۃ** سے روایت کی ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ مکحول کا ابوہریرہ سے سماع ثابت نہیں ہے لہذا یہ منقطع ہے، اس کی پوری تفصیل نصب الرایہ 27/2 اور **المقاصد الحسنہ** ص 267 میں دیکھیں۔ بر سبیل تنزل اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں جس فاسق کی اقتداء کا ذکر ہے اس فاسق سے مراد وہ فاسق ہے جس کا فسق ظنی اور مؤول ہو تا کہ یہ حدیث قرآنِ کریم اور دیگر احادیث کے معارض نہ ہو۔ رہا وہ فاسق جس کا فسق مستور (چھپا ہوا) ہو، اس پر کراہت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے اور اس کا فسق ظاہر نہیں ہے۔

بد عقیدہ کے پیچھے نماز نا جائز ہے۔

حدیث : حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا

تَسُبُّوْا أَصْحَابِي فَإِنَّهُ يَجِيءُ قَوْمٌ فِي آخِرِ الزَّمَانِ يَسُبُّوْنَ أَصْحَابِي فَلَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِمْ ولا تُصَلُّوْا مَعَهُمْ ولا تُنَاكِحُوْهُمْ ولا تُجَالِسُوْهُمْ وَإِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ ، وفي رواية ابن ماجة: وَإِنْ لَقِيْتُمُوْهُمْ فَلَا تُسَلِّمُوْا عَلَيْهِمْ ، ترجمہ: میرے صحابہ کو گالی نہ دی جائے آخر زمانہ میں ایک قوم آئے گی جو میرے صحابہ کو گالی دے گی تم ان کی نماز (جنازہ) نہ پڑھنا اور نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا (یعنی انکو امام نہ بنانا) ان سے شادی بیاہ نہ کرنا اور نہ اُن کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت بھی نہ کرنا اور یہی حدیث ابن ماجہ کی روایت میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اگر ملیں تو سلام نہ کرو۔

1:(کتابُ الشفا عربی جلد ، ص[illegible]) 2:(شرح شفا ملا علی قاری ص: 555) 3:(کتاب الکبائر امام ذہبی کبیرہ نمبر [illegible] ص[illegible]) 4: الصواعق المحرقہ ص ، مطبوعة مكتبہ القاهرہ مصر 5:(غنیة الطالبین ص [illegible]) 6:(السنة للخلال جلد ، ص [illegible] حدیث [illegible]) 7:ابن ماجہ حدیث: [illegible])

شیخ علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں: اور ان کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی امامت میں نماز نہ پڑھنا کیونکہ یہ بد مذہب ہیں۔ (ان صلوا اماما فانهم اهل بدعة)۔ (احکام شریعت از امام احمد رضا ص 150)

کعبہ کا بے ادب اِمامت کے لائق نہیں۔

حدیث: عنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ ص قَالَ: أَنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حِيْنَ فَرَغَ: لا يُصَلِّي لَكُمْ، فَأَرَادَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ وَأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: نَعَمْ، وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: إِنَّكَ آذَيْتَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ، ترجمہ: حضرت سائب بن خلاد ﷺ سے روایت ہے ایک شخص نے قوم کی امامت کی اور قبلہ کی طرف تھوک دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فراغت پر فرمایا: آئندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے۔ اس کے بعد اُس نے نماز پڑھانی چاہی تو لوگوں نے روک دیا اور

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے اُسے آگاہ کیا اس نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں! میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: تو نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دی۔

(ابوداؤد حدیث_407 (۴۸۱) کتاب الصلوٰۃ باب فی کراھیۃ البزاق فی المسجد

(مشکوٰۃ حدیث: ۷۴۷، مراۃ شرح مشکوٰۃ ۱/ ص_۴۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ جو کعبہ کا بے ادب ہو امامت کے لائق نہیں تو جو اولیاء کرام کا بے ادب ہو جن کی شان کعبہ سے بھی زیادہ ہے امامت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟؟؟

☆☆☆

عورتوں پر جمعہ اور جماعت فرض نہیں

حدیث : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
عورتوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔
(ابوداؤد -567480 مشکوٰۃ 1062)

اُس زمانہ میں بھی عورتوں کے لئے گھر میں ہی نماز افضل قرار دی گئی تھی، اگر چہ مسجدوں میں آنا جائز تھا اس حکم سے حج اور عمرہ کا طواف مستثنیٰ تھا۔

جماعت کی طرح جمعہ بھی عورتوں پر فرض نہیں۔

حدیث : حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جمعہ ہر مسلمان پر با جماعت حق ہے، فرض ہے، سوائے چار شخصوں کے: مملوک یعنی غلام، عورت، بچہ اور بیمار۔ (ابوداؤد -1067901 مشکوٰۃ 1377)

خیال رہے کہ یہ حصر اضافی ہے ورنہ مجنون، مسافر، نابینا اور گاؤں والوں پر بھی جمعہ فرض نہیں لیکن یہ لوگ جمعہ پڑھ لیں تو ان کا فرض ادا ہو جائے گا اور ظہر واجب نہ ہوگی۔ خیال رہے کہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے یعنی امام کے علاوہ تین آدمی۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ 332/2)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نماز جمعہ پڑھنا فرض قطعی ہے اس کی فرضیت کتاب وسنت اور اجماع اُمت سے ثابت ہے اور اس کی فرضیت کا انکار کفر ہے۔
(فتح القدیر 21/2 شرح مسلم سعیدی 621/2)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: نماز جمعہ کے وجوب کی شرائط یہ ہیں: آزادی، مرد ہونا، مقیم ہونا (یعنی مسافر نہ ہو) تندرست ہونا، آنکھوں اور ٹانگوں کا سلامت ہونا، شہر، جماعت، خطبہ، سلطان (عالم دین سلطان کا قائم مقام ہے) جمعہ کا وقت اور اذنِ عام۔ (فتح القدیر 21/2)

شہر کی شرط پر دلائل۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نماز جمعہ کے لئے شہر ہونا شرط نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہر ہونا شرط ہے۔ (الفقه علی مذاهب الاربعة 379/1)

امام اعظم کی دلیل حسبِ ذیل احادیث ہیں۔

حدیث : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شہر اور بڑے قصبہ کے سوا جمعہ ہے نہ تشریق نہ عید الفطر نہ عید الاضحیٰ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 101/2)

حدیث : حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دیہات والوں پر جمعہ نہیں ہے جمعہ صرف شہر والوں پر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبه 101/2 مصنف عبدالرزاق 168/3)

بعض علماء کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو اثر منقول ہے اس کی سند میں حارث اعور ہے اور اس کا ضعف متفق علیہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے۔ مصنف عبدالرزاق 167/3 میں حارث سے مروی ہے اور مصنف عبدالرزاق 168/3 میں ابوعبدالرحمن سلمی سے مروی ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے درایہ میں لکھا ہے کہ یہ سند صحیح ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ 101/2 میں بھی یہ حدیث ابوعبدالرحمن سے مروی ہے۔ ثانیاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ اثر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسجد نبوی کے بعد جس مسجد میں سب سے پہلے جمعہ پڑھا گیا وہ جواثی میں تھا جو بحرین کا ایک قریہ ہے۔ (بخاری-892843 کتاب الجمعہ) مخالفین کہتے ہیں کہ قریہ دیہات کو کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ شہر جمعہ کے لئے شرط نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جواثی دیہات نہیں شہر تھا کیونکہ صحاح میں ہے کہ جواثی بحرین کا قلعہ تھا اور قلعہ میں حاکم اور عالم دونوں ہوتے ہیں اور قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالُو لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ اور کفار نے کہا کہ دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی عظیم شخص پر قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ (سورۃ زخرف: 31)

اس آیت میں مکہ اور طائف پر قریہ کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ شہر ہیں۔ نیز قرآن میں ہے:

بَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔ مظلوم مسلمان عرض کرتے ہیں: اے ے رب! ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ (سورۃ النساء: 75) یہاں مکہ کو قریہ کہا گیا ہے۔ نیز اس حدیث میں یہ نہیں کہ اس فعل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید حاصل تھی۔

شہر کی تعریف

علامہ شامی فرماتے ہیں: **تحفة الفقهاء** میں حضرت امام ابوحنیفہ سے یہ روایت منقول ہے کہ شہر اس بڑی جگہ کو کہتے ہیں جہاں گلیاں اور بازار ہوں، مضافاتی علاقہ ہو اور اس میں ایک یسا حاکم ہو جو اپنے یا اپنے غیر کے علم اور اپنی قدرت سے مظلوم کا حق ظالم سے دلوا سکے اور لوگ پنے معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔ یہی تعریف صحیح ہے۔ (فتح القدیر 25/2)

مفتی محمد شریف الحق صاحب فرماتے ہیں: اس خادم کا گمان یہ ہے کہ مصر (شہر) جامع کی جو بھی تعریف علماء نے کی ہے وہ حد نہیں بلکہ اُس زمانے کے لحاظ سے شہر کی جو خصوصیات تھیں ن کو سامنے رکھ کر فقہاء نے علامتیں بتائی ہیں۔ اس عہد میں آمد و رفت و اطلاع و اخبار کے ذرائع بہت ہی محدود تھے، اس لئے دستور یہ تھا کہ ہر بڑی آبادی میں ایک ایسا حاکم رہتا تھا جو مقدمات کے فیصلہ کرنے اور مجرموں کو سزا دینے کا اختیار رہتا تھا تا کہ امن عامہ برقرار ہے اور آج موٹر، ریل، گاڑی وغیرہ سے آمد و رفت تیز ہوگئی ہے، تار ٹیلی فون سے خبار و اطلاع بہت آسان ہوگئی ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں رہا کہ بڑی آبادی میں ضرور کوئی کوئی حاکم ہو۔ کسی بھی فتنہ و فساد کے وقت آناً فاناً صدر مقام پر اطلاع ہو جاتی ہے اور حکام پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے کسی مناسب جگہ کو ضلع کا صدر مقام قرار دیکر وہیں پورے ضلع کے حکام رہتے ہیں۔ اب صحتِ جمعہ کے لئے حاکم کا وجود ضروری قرار دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت سی بڑی بڑی آبادیوں میں جمعہ صحیح نہ ہو۔ اس لئے حاکم کے وجود کی شرط ختم کر کے بقیہ باتوں پر مدارِ حکم رکھا جائے۔ یا پھر امام ابو یوسف کے اس قول پر، جو روایت نادرہ ہے، فتویٰ دیا جائے۔

(نزهة القاري شرح بخاري 528/2)

جماعت کے پیچھے تنہا آدمی کا نماز پڑھنا

کیا کوئی شخص صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھ سکتا ہے؟

اس مسئلے میں دو مسلک ہیں: ایک جماعت کے نزدیک یوں نماز پڑھنا جائز نہیں جبکہ دوسرے گروہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

پہلا گروہ اس روایت سے استدلال کرتا ہے، حضرت وابصہ بن معبد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔ (ترمذی حدیث-231214 ابوداؤد-682584 مشکوٰۃ1105)

دوسرے گروہ کا استدلال

حدیث: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، وہ فرماتے ہیں: میں آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے میرا سانس پھول گیا تھا چنانچہ میں نے صف کے پیچھے ہی رکوع کیا پھر صف کی طرف بڑھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: تم میں سے کس نے صف کے پیچھے رکوع کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تمہاری حرص زیادہ کرے آئندہ ایسا نہ کرنا۔

(طحاوی 395/1 بخاری _ 783741 مشکوٰۃ:1110)

اس حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، اگر یہ نماز جائز نہ ہوتی تو آپ ان کو نماز لوٹانے کا حکم دیتے جہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''آئندہ ایسا نہ کرنا،، کا تعلق ہے تو اس میں دو باتوں کا احتمال ہے: ایک یہ کہ آئندہ صف کے پیچھے رکوع نہ کرنا بلکہ صف میں شامل ہونا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ آئندہ نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آنا کہ سانس پھول جائے۔ اس دوسرے احتمال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

جماعت کے حصول کے لئے دوڑنا منع ہے۔

حدیث : حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ جو مل جائے پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔

(بخاری حدیث_908 857 مسلم _944 602 مشکوۃ 689)

امام طحاوی فرماتے ہیں: قیاس بھی دوسرے گروہِ (احناف) کی تائید کرتا ہے کیونکہ جو شخص دوسری صف میں نماز پڑھ رہا ہو اور پہلی صف میں جگہ خالی دیکھے تو اسے آگے بڑھ جانا چاہیے۔ اب اس دوران جب وہ دو صفوں کے درمیان ہوگا تو تنہا ہوگا لیکن سب کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ بعض صحابہ کرام مثلاً زید بن ثابت ﷛ کا عمل بھی احناف کی تائید کرتا ہے۔

(طحاوی 393-398/1)

خیال رہے کہ اگر صفِ اوّل میں جگہ نہ ہو تو یہ آنے والا امام کے پیچھے والے کو ہاتھ لگادے۔ اگر وہ مسئلے سے واقف ہوگا تو پیچھے آ جائے گا ورنہ اس کی نماز کراہت سے بچ جائے گی۔ اس حکم سے جنازہ کی نماز مستثنٰی ہے وہاں اگر امام کے علاوہ پانچ آدمی ہوں تو دو دو آدمی دو صفیں بنائیں گے اور ایک آدمی تیسری صف میں کھڑا ہو جائے تاکہ صفوں کی بشارت میت کو حاصل ہو جائے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں اور اکیلے کھڑے ہونے والے کی نماز مکروہ ہے فاسد نہیں اور نماز لوٹانے کا حکم استحبابی ہے وجوبی نہیں۔ (مرآۃ شرح مشکوۃ 190/2)

فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا۔

حدیث : حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی فجر کی سنتیں پڑھ لے تو داہنی کروٹ لیٹ جائے۔

(ترمذی حدیث 385-420 -مشکوۃ 1206)

یہ حکم استحبابی ہے اور اس کے لئے ہے جو تہجد میں جاگتا رہا ہو، تاکہ کچھ آرام کر کے فرض بآسانی ادا کرے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ یہ عمل گھر میں کرے مسجد میں نہ کرے تاکہ

لوگوں کو اپنی تہجد پر مطلع نہ کرے مگر خیال رہے کہ اس طرح لیٹے کہ نیند یا اونگھ نہ آنے پائے ورنہ وضو ٹوٹ جائیگا اور سنت یہ ہے کہ فجر کی سنتیں اور فرض ایک وضو سے پڑھے۔ اگر تہجد نہ پڑھنے والا بھی سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اس وقت کچھ لیٹ جائے تو حرج نہیں۔

(مراۃ شرح مشکوٰۃ 244/2)

اگر کوئی شخص اس کو سنت مقصودہ سمجھ کر کرتا ہے یا مسجد میں کرتا ہے تو یہ اتباع سنت نہیں ہے۔ احناف نے جو اس کو سنتِ عادیہ قرار دیا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب فجر کی سنتیں پڑھ لیتے، اگر میں جاگ رہی ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے۔

(مسلم۔ 1227 743 مشکوٰۃ 1189)

یہ بات بھی یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ کا مسجد میں آکر لیٹنے کا معمول نہیں تھا۔ اس لئے اس وقت مسجد میں آکر لیٹنا اور اس کو عادت بنا لینا۔ اس کو سنت یا واجب سمجھنا اور اس طرح نہ کرنے والوں کو تارکِ حدیث کہنا اتباع سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

رکوع وسجود ادا کرنے کی صحیح کیفیت

حدیث : حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ ﷺ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَإِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ نبی کریم ﷺ کا رکوع اور آپ کا سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ) اور جب رکوع سے سر اٹھاتے (یعنی قومہ) برابر تھے سوائے قیام اور قعدہ کے۔ (بخاری 750-792 مسلم 724-471 مشکوٰۃ 869) یعنی قیام تو تلاوت کی وجہ سے اور قعود، التحیات اور درود وغیرہ کی وجہ سے دراز ہوتے تھے، ان کے سوا باقی ارکان رکوع، سجدہ، جلسہ اور قومہ برابر ہوتے تھے نہ بہت دراز نہ بہت مختصر بلکہ درمیانہ لیکن اس کے برعکس آج لوگوں نے جلسہ (دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا) اور قومہ (یعنی رکوع کے بعد کھڑا ہونے) کو نہ ہونے کے برابر کر دیا ہے جس سے ان کی نمازیں خلافِ سنت ہو گئی ہیں۔

حدیث: حضرت طلق بن علی ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لاینظر اللہ الی صلاۃ عبد لا یقیم فیھا صُلْبَهُ بین رکوعھا وسجودھا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز کی طرف نہیں دیکھتا کہ جس نماز میں رکوع اور سجود کے درمیان اس کی صلب (پشت) سیدھی نہیں ہوتی۔ (طبرانی، ترغیب حدیث 737)

رکوع و سجود میں اعتدال

حدیث: حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ مسجد میں داخل ہوئے اور پھر ایک آدمی نے داخل ہو کر نماز پڑھی پھر آیا اور نبی کریم ﷺ کو سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: واپس لوٹ جا اور نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے دوبارہ پڑھی پھر آ کر نبی کریم ﷺ کو سلام کیا آپ نے فرمایا: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ واپس لوٹ جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی تین مرتبہ ایسا ہوا تو اس نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں اس سے اچھی نماز ادا نہیں کر سکتا آپ مجھے تعلیم دیں۔ فرمایا: جب تم نماز کی طرف اٹھو تو وضو پورا کرو پھر کعبہ کی طرف منہ کرو پھر تکبیر کہو۔ پھر جس قدر قرآن آسان ہو پڑھو پھر رکوع کرو حتیٰ کہ رکوع میں مطمئن ہو جاؤ پھر اٹھو حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ پھر اٹھو حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ سجدے میں مطمئن ہو جاؤ پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح کرو۔

(بخاری حدیث_5782 6251-793 مسلم_602 397 مشکوٰۃ790 ترمذی 302)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں تعدیل ارکان یعنی نماز کے ارکان کو اطمینان سے ادا کرنا واجب ہے۔ ہر رکن میں تین تسبیح کی مقدار ٹھہرنا یہ تعدیل ارکان امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک فرض ہے اور امام اعظم کے نزدیک فرض نہیں واجب ہے کہ جس کے رہ جانے سے نماز ناقص واجب الاعادہ ہوتی ہے لیکن فرض ادا ہو جاتا ہے، حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی واجب بغیر سہو کے چھوڑ دیا جائے تو ایسی نماز ناقص ہوتی ہے اور اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ میں کمال نماز کی نفی ہے یعنی تم نے کامل نماز نہیں پڑھی کیونکہ فَإِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ وَإِنِ انْتَقَصْتَ مِنْهُ شَيْئًا انْتَقَصْتَ

من صلوٰتِك۔ (ترمذی- 302278) یعنی اگر تم ان کاموں کو پورا کرو گے تو تمہاری نماز پوری ہوگی اور اگر ان میں سے کچھ کم کرو گے تو نماز ناقص ہوگی۔ معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز ناقص ہوگی، باطل نہیں ہوگی لہٰذا یہ واجب ہے فرض نہیں ہے۔

حدیث: ایک روایت میں ہے: جب تم رکوع کرو تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھو اور اپنے رکوع کو مضبوطی سے کرو اور اپنی پشت دراز کرو جب اپنے سر کو اٹھاؤ تو اپنی پیٹھ سیدھی کرو حتیٰ کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں تک لوٹ آئیں پھر جب سجدہ کرو تو سجدہ مضبوطی سے کرو جب اٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔ (ابوداؤد- 859-861730 مشکوٰۃ804)

جب نماز میں بیٹھو تو بائیں ران پر اس طرح کہ داہنا قدم کھڑا ہو معلوم ہوا کہ نماز کے دونوں سجدوں کے درمیان میں نشست یکساں ہے یعنی بائیں ران پر بیٹھنا۔

رکوع میں اتنا جھکنا چاہئے کہ اگر پشت پر پانی کا پیالہ رکھا جائے تو پانی نہ گرے۔

حدیث: حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع میں جاتے تو (اس قدر جھکتے کہ) اگر پشت مبارک پر پانی گرایا جاتا تو ٹھہر جاتا۔ (رواہ الطبرانی)

رکوع کے وقت سر اور پشت برابر ہونی چاہئے۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے اور قراءت الحمدللہ سے شروع کرتے تھے۔ وکان إذا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلَكِنْ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۔اور جب رکوع کرتے تو اپنا سر نہ اونچا رکھتے نہ نیچا لیکن اس کے درمیان اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ نہ کرتے یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو دوسرا سجدہ نہ کرتے حتیٰ کہ سیدھے بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے تھے۔وکان يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى اور اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۔

(مسلم حدیث- 498768- مشکوٰۃ791)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں قعدوں میں اپنا بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھتے تھے اور داہنا پاؤں

کھڑا کرتے تھے۔ یہ حدیث حنفیوں کی قوی دلیل ہے کہ ہر التحیات میں یونہی بیٹھے۔ جن احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری التحیات میں پاؤں شریف داہنی جانب نکال دیتے تھے اور زمین پر بیٹھتے تھے۔) بخاری (785- 828 وہ بڑھاپے یا بیماری کا حال ہے جب زیادہ دیر تک بائیں پاؤں پر نہ بیٹھ سکتے تھے لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں۔

(مرآۃ شرح مشکوٰۃ 14/2 شرح مسلم سعیدی 1309/1)

اس حدیث سے تعدیل ارکان ثابت ہو رہا ہے۔ بعض لوگ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اچھی طرح کھڑے بھی نہیں ہوتے اور سجدے میں چلے جاتے ہیں اور اسی طرح دوسرے سجدے سے سر اٹھا کر اچھی طرح بیٹھتے بھی نہیں اور دوسرا سجدہ کر دیتے ہیں۔ یہ سب باتیں خلاف سنت ہیں۔ رکوع کے بعد اور اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا واجب ہے اور جو جان بوجھ کر اس واجب کو ترک کرے گا، اس کی نماز نہیں ہوگی اور اگر بھول سے ایسا ہو گیا تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا ورنہ نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحالت امامت تلاوتِ قرآن پاک بلند آواز سے الحمد سے شروع کرتے تھے یعنی بسم اللہ بلند آواز سے نہیں پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزء نہیں ہے نہ اسے امام آواز سے پڑھے، بخاری و مسلم وغیرہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلی وحی اقرا باسم ربك الذی خلق آئی تو اس کے ساتھ بسم اللہ نہیں آئی۔

حدیث: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا تُجْزِئُ صلوٰة الرجلِ حتی یُقِیْمَ ظَهْرَهُ فی الركوع والسجود. انسان کی نماز درست نہیں ہوتی حتیٰ کہ رکوع اور سجدے میں اپنی پیٹھ سیدھی کرے

(ابو داؤد 729_855 ترمذی 245- 265 مشکوٰۃ 878)

تعدیل ارکان کے بغیر نماز ناقص ہے اور رکوع و سجود کو اطمینان سے ادا کرنا اور رکوع کے بعد قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ اطمینان سے ادا کرنا ضروری ہے۔

ناکمل رکوع اور سجود کرنے سے ساٹھ سالہ عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔

حدیث : حضرت ابوہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّي سِتِّيْنَ سَنَةً وما تُقْبَلُ له صَلاَةٌ لَعَلَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوعَ ولا يُتِمُّ السجودَ ويُتِمُّ السُّجُودَ ولا يُتِمُّ الرُّكُوعَ۔ آدمی ساٹھ سال نماز پڑھتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی شاید وہ رکوع صحیح ادا کرتا ہے اور سجدہ صحیح ادا نہیں کرتا اور سجدہ صحیح کرتا ہے اور رکوع صحیح نہیں کرتا (ترغیب وترھیب حدیث 739 ابو القاسم اصبھانی)

حدیث : حضرت ابوقتادہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً اَلَّذِيْ يَسْرِقُ مِنْ صَلاتِه قِيْلَ يارسُولَ اللهِ كيفَ يَسْرِقُ مِنَ الصَّلاةِ قال :لا يُتِمُّ ركوعَهَا و سُجُودَهَا وَاَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلامِ۔

ترجمہ: لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے، لوگ بولے: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) اپنی نماز میں چوری کیسے کریگا فرمایا کہ وہ اپنا رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے اور سب لوگوں سے زیادہ بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرے۔

(احمد _ 2213621591 مشکوٰۃ 885، ترغیب حدیث 734)

مال کے چور سے نماز کا چور بدتر ہے کیونکہ مال کا چور سزا پاتا ہے تو کچھ نفع بھی اٹھالیتا ہے مگر نماز کا چور سزا پوری پائے گا نفع کچھ حاصل نہ کرے گا نیز مال کا چور بندے کا حق مارتا ہے نماز کا چور اللہ کا حق مارتا ہے نیز بعض صورتوں میں مال کے چور کو مالک معاف کرسکتا ہے لیکن نماز کے چور کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔ خیال کرو جب نماز ناقص پڑھنے والوں کا یہ حال ہے تو جو سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں ان کا کیا حال ہوگا۔

حدیث : حضرت عبدالرحمن بن شبل ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوے کی طرح ٹھونگیں مارنے سے اور درندے کی طرح ہاتھ بچھانے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرے جیسے اونٹ مقرر کرلیتا ہے۔

(ابوداؤد-862731 مشکوٰۃ 902)

ساجد سجدہ میں ایسی جلدی نہ کرے جیسے کوا زمین پر چونچ مار کر فوراً اُٹھالیتا ہے اور سجدے میں گھٹنیاں زمین سے نہ لگائے جیسے کتا بھیڑیا وغیرہ بیٹھتے وقت لگا لیتے ہیں اور یہ حکم خاص مردوں کے لئے ہے عورتیں اپنے بازو زمین پر بچھا دیں گی کیونکہ اس میں زیادہ پردہ ہے اور یہ علم حدیث سے ثابت ہے۔ مسجد میں اپنے لئے کوئی خاص جگہ مقرر کر لینا کہ اور جگہ نماز میں دل ہی نہ لگے مکروہ ہے۔ ہاں شرعی ضرورت کے لئے جگہ مقرر کر لینا جائز ہے جیسے امام کیلئے محراب۔

رکوع سے سر اُٹھا کر یہ دعا پڑھنا باعثِ اجر ہے۔

حدیث: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا اور فرمایا: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ تو آپ کے پیچھے ایک شخص نے کہا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ جب فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی کس نے یہ کلمات کہے ہیں وہ بولا میں نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے چند اور تیس فرشتوں کو دیکھا ان میں جلدی کر رہے ہیں کہ پہلے کون لکھے۔ (بخاری 757- 799 مشکوۃ 877) ہر فرشتہ چاہتا تھا کہ پہلے میں لکھ کر بارگاہِ الٰہی میں پیش کروں تا کہ قربِ الٰہی مجھے زیادہ ملے ان کلمات کی کرامت کے اظہار کے لئے۔ ورنہ فرشتوں کو سب کچھ لکھنے میں ایک سیکنڈ بھی نہیں لگتا معلوم ہوا کہ فرشتوں کو بعض نیکیاں لے جانے میں خصوصی انعام ملتے ہیں اور فرائض کے قومہ میں یہ کلمات کہنا جائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پوچھنا کہ کس نے یہ کلمات کہے ہیں اپنے علم کے لئے نہیں بلکہ لوگوں پر ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ (مراۃ 73/2)

جلسہ یعنی دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر یہ دعا پڑھنا سنت ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ۔

(ابو داؤد-850724 مشکوۃ 900)

نماز میں سدل اور ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانا

نماز میں سدل ممنوع ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں کپڑا لٹکانے اور مرد کو منہ ڈھکنے سے منع کیا۔

(ابو داؤد حدیث _548 643 ،ترمذی حدیث _345 378 مشکوٰۃ 764)

سدل کہتے ہیں کپڑا سر یا کندھے پر ڈالنا اور اس کے دونوں کنارے یونہی لٹکتے چھوڑ دینا۔ اچکن یا کوٹ بغیر بٹن لگائے پہننا بھی سدل میں داخل ہے۔ سدل نماز میں مکروہ ہے، اگر نیچے کوئی اور کپڑا نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے ورنہ تنزیہی ہے کیونکہ اس میں کپڑا سنبھالنے میں دل لگا رہتا ہے نماز میں یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ کرتہ وغیرہ بازو داخل کئے بغیر صرف گلے میں لٹکا لینا۔ بعض حضرات نے کہا لباس کا ہر وہ طریقہ جو ھئیت معروفہ کے خلاف ہو، سدل میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ اس سے حضور ﷺ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو، وہ گیا وضو کیا پھر آیا آپ ﷺ نے پھر فرمایا: جاؤ وضو کرو، وہ گیا وضو کیا پھر آیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے اس کو وضو کرنے کا کیوں حکم دیا پھر آپ اس سے خاموش ہو گئے اور ارشاد فرمایا: کہ وہ تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهٗ۔ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جو تہبند لٹکائے ہوئے ہو۔

(ابوداؤد حدیث-638543 مشکوٰۃ 761)

اس حدیث کی وجہ سے غیر مقلدین کہتے ہیں کہ کپڑا لٹکانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اسکی حالت میں نماز بھی نہیں ہوتی اسی لئے وہ اپنی شلواریں ہمیشہ اونچی رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ میں وہ بہت شدت کا شکار ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث کی وجہ سے وضو واجب نہیں ہوتا

کیونکہ اس کو ناصر الدین البانی غیر مقلد نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اگر اس حدیث کو حسن تسلیم کیا جائے تو پھر جواب یہ ہے کہ اس کو وضو کا حکم دینا اس لئے تھا کہ اس کی وجہ سے اس کو یہ واقعہ یاد رہے اور آئندہ کبھی نیچا تہبند نہ پہنے کیونکہ قدرے سزا دینے سے بات یاد رہتی ہے یا اس لئے کہ اس کے دل میں فیشن اور تکبر تھا ظاہری طہارت کے ذریعہ باطنی طہارت نصیب ہو ہاتھ پاؤں دھونے سے دل غرور و تکبر سے ڈھل جاتا ہے۔ تکبر کے طور پر تہبند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے۔ (ریاض الصالحین، کتاب اللباس)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو کپڑا فخر سے گھسیٹے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا۔

(بخاری حدیث-36653392 مسلم-20853887 مشکوٰۃ 4312)

ملا علی قاری فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ بلا قصد تہبند لٹکانا مضر نہیں ہے خاص طور پر اس شخص کی خصلت میں تکبر نہ ہو، البتہ نبی کریم ﷺ کی پیروی کرنا افضل ہے، اسلیئے یہ واضح ہوگیا کہ چادر گھسیٹ کر چلنے کی حرمت کا سبب تکبر ہے۔ ابن الملک نے کہا کہ بغیر تکبر کے تہبند گھسیٹ کر چلنا حرام نہیں ہے لیکن یہ مکروہ تنزیہی ہے۔

(مرقات 238-264/8)

فتویٰ

دارالافتاء جامعہ نعیمیہ

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ قمیض کے بازو حالت نماز میں کلائی تک موڑ لئے جائیں اور پینٹ، پاجامہ یا شلوار وغیرہ ٹخنوں تک موڑ لئے جائیں تو نماز بلا کراہت تنزیہی ہو جائے گی جبکہ پینٹ، پاجامہ یا شلوار وغیرہ کی وضع تو ٹخنوں تک ہے۔ اور پینٹ، پاجامہ وغیرہ کو اس کی اصل وضع تک لانا بھی مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے۔ اسی طرح قمیض کے بازو بہت لمبے ہوں اور ان کو ان کی اصل وضع یعنی ساتھ کی کلائیوں تک لانا جائز ہے کیا ہمارا قول پینٹ شلوار وغیرہ کی ہمارے معاشرے ہندوستان میں وضع اور اصل ٹخنوں تک ہے۔ یہ قول صحیح ہے؟ شرعی رہنمائی فرمائیں۔

سائل: حافظ محمد خرم شہزاد فاروقی سیالوی، خطیب جامع مسجد غوثیہ حنفیہ میاں میر کالونی لاہور۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوهاب اللهم هداية الحق والصواب

صورت مسئولہ میں تہبند یا شلوار کی اصل وضع یہ ہے کہ ٹخنوں سے اوپر ہو اور اگر ٹخنوں سے نیچے ہو تو اصل وضع (ٹخنون سے اوپر) پر لانے کے لیے فولڈ کرنا جائز ہے اگر شلوار پہلے ہی سے اصل وضع پر ہے تو اب اسے اڑسیں گے تو ممنوع کف ثوب میں آئے گا لہذا یہ صورت منع مکروہ ہے اور اصل وضع سے مراد یہ سنت سے ثابت ہو، اور شلوار اور تہبند کا ٹخنوں سے اوپر ہونا سنت سے ثابت ہے۔۔۔۔ واللہ اعلم بالصواب

کتبہ (مفتی) محمد عمران حنفی غفرلہ

كِتَابُ الصَّلٰوةِ الْاِسْتِخَارَةِ وَ الْحَاجَةِ وَالتَّسْبِيْح

نمازاستخارہ

استخارہ کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا۔

حدیث: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تمام امور میں استخارہ کی تعلیم فرماتے تھے جیسے قرآن کی سورت کی تعلیم فرماتے تھے، جب کوئی کسی کام کا قصد کرے تو دو رکعت نفل پڑھے پھر کہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۤ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ یا کہے عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ. وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ یا کہے عَاجِلِ اَمْرِیْ وَآجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ اور اپنی حاجت کا ذکر کرے۔

(بخاری 1096- 1166-- مشکوۃ 1323 بہار شریعت 17/4)

ھٰذَا الْاَمْرَ پر اپنی حاجت کا نام لے یا دل میں نیت کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اس دعا کے اول آخر الحمد اور درود شریف پڑھے۔ سات بار استخارہ کرے یا تین بار۔ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ دعائے استخارہ پڑھ کر قبلہ ہو کر سو رہے، اگر خواب میں سفیدی یا سبزی دیکھے تو وہ کام بہتر ہے اور اگر سیاہی یا سرخی دیکھے تو برا ہے اس سے بچے۔

نماز استخارہ اور صلوٰۃ التسبیح سوائے مکروہ وقت کے کسی وقت بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ نماز فجر کے بعد آفتاب نکلنے تک اور نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نفل نماز جائز نہیں اسی طرح زوال کے وقت نماز ممنوع ہے۔

صلوٰۃ التسبیح

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے چچا! کیا میں تم کو

عطا نہ کروں، کیا میں تم کو بخشش نہ دوں، کیا میں تم کو نہ دوں، کیا تمہارے ساتھ احسان نہ کروں، دس خصلتیں ہیں کہ جب تم کرو تو اللہ تعالٰی تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اگلے پچھلے پرانے اور نئے جو بھول کر کئے اور جو قصداً کئے، صغیرہ اور کبیرہ گناہ، پوشیدہ اور ظاہر گناہ اس کے بعد صلوٰۃ التسبیح کی ترکیب تعلیم فرمائی پھر فرمایا: اگر ہو سکے تو ہر روز ایک بار پڑھو تو ایسا ہی کرو اگر روزانہ نہ پڑھ سکو تو ہر جمعہ کو ایک بار، اگر یہ بھی نہ کرو تو ہر مہینہ میں ایک بار، اگر یہ بھی نہ کرو تو ہر سال میں ایک بار، اگر یہ بھی نہ کرو تو عمر میں ایک بار۔ طریقہ ہمارے ہاں اس کی ترکیب وہ ہے جو سنن ترمذی میں عبداللہ بن مبارک ﷺ سے مذکور ہے۔

فرماتے ہیں: اللہ اکبر کہہ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ پڑھے پھر: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پندرہ بار پڑھے پھر اعوذ باللہ، بسم اللہ، اور الحمد للہ اور کوئی سورت پڑھ کر دس بار یہی تسبیح پڑھے پھر رکوع کرے اور رکوع میں دس بار پھر رکوع سے سر اٹھائے اور بعد تسمیع و تحمید کے دس بار کہے پھر سجدہ کو جائے اور اس میں دس بار کہے پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار کہے پھر سجدہ کو جائے اور اس میں دس بار کہے۔ یونہی چار رکعات پڑھے ہر رکعت میں 75 بار تسبیح اور چاروں میں تین سو ہوئیں اور رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد پڑھے۔

(ترمذی 444- 482 -ابو داود 1105-1297 مشکوٰۃ 1328 بہار شریعت 18/4)

صلوٰۃ الحاجت۔

حدیث: حضرت عبد اللہ بن اوفی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اللہ سے یا کسی انسان سے حاجت ہو، وہ اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھے۔ پھر اللہ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے پھر یہ دعا مانگے: لا إله إلا الله الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ الحمدُ لله رب العالمين أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لا تَدَعْ لِي ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ ولا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(ترمذی حدیث _ 479441 ابن ماجہ _ 1374 1384 مشکوٰۃ 1326)

خیال رہے کہ حقیقتاً حاجت روا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن بعض حاجتیں براہِ راست اس سے مانگی جاتی ہیں اور بعض کسی مخلوق کے ذریعہ سے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض بندے حاجت روا ہوتے ہیں اور انہیں مجازی حاجت روا جان کر مشکل کشائی کے لئے ان کے پاس جانا شرک نہیں، مرقاۃ نے یہاں فرمایا: کہ حاجت سے مراد تمام دینی و دنیاوی ساری حاجتیں ہیں۔ (مراۃ 304/2)

شارح مسلم امام نووی شافعی نے کتاب الاذکار میں یہ دونوں حدیثیں عبداللہ بن اوفی والی اور عثمان بن حنیف ﷺ والی باب اذکار فی صلوٰۃ الحاجت ص: 166 میں ایک ساتھ ذکر کی ہیں جس سے ثابت ہو گیا کہ امام نووی کا یہ عقیدہ تھا کہ اب بھی نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا جائز ہے۔

صلوٰۃ الحاجت اور نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا۔

حدیث: حضرت عثمان بن حنیف ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے آرام دے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کر دوں اور چاہے تو صبر کر اور یہ صبر تیرے لئے اچھا ہے۔ وہ بولا حضور رب سے دعا کر دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور یہ دعا مانگے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ . یا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّھْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ:

الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف رحمت والے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں۔ یا رسول اللہ! (ﷺ) میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کرے۔ الٰہی میرے بارے میں ان کی شفاعت قبول فرما۔ راوی کہتے ہیں: فدعا بھذ الدعاء فقام وقد أبصَرَ: اس نے یہ دعا کی۔ جب وہ کھڑا ہوا تو اس کی بینائی لوٹ آئی تھی۔

(ابن ماجہ :1375-1385 ترمذی :3502- 3578 حاکم 707/1، ابن خزیمہ 1219، مشکوٰۃ 2495 رواہ البخاری فی التاریخ 2192 ص 209/6)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بیماریوں کی شکایات رسول اللہ ﷺ سے کرتے تھے تا کہ الفاظ کے ساتھ زبان کی برکت و تاثیر بھی حاصل ہو، یہ ہے توسل کا عقیدہ، رب کی کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں ملتی۔

صحابی کا مطلب یہ تھا کہ مجھے آنکھیں بھی مل جائیں اور آخرت کی بھلائی بھی، آپ ﷺ کے پاس کس چیز کی کمی ہے۔

جھولیاں کھول کے بے سمجھے نہیں دوڑے آئے
ہمیں معلوم ہے دولت تیری عادت تیری

یا یہ مطلب تھا کہ حضور ﷺ کے صدقہ مجھے آخرت کی نیکیاں تو مل ہی گئی ہیں کہ مجھے رب نے ایمان بخشا، آپ کی صحابیت نصیب ہوئی، میری یہ ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ اس موقع پر سرکار نے انہیں خود دعا نہ دی بلکہ دعا اور اپنے وسیلے کے الفاظ انہیں سکھائے تا کہ قیامت تک کے مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر سرکار خود ہی دعا فرما دیتے تو بعد والے لوگ یہ فیض کیسے پاتے۔

غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اختیار کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس اعتقاد کے ساتھ کہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، وہی عطا کرنے والا اور روکنے والا ہے۔

(تحفة الذاکرین ص:50 مطبوعه بیروت لبنان الطبعة الاولی 1408ھ)

ولی کے وسیلہ سے دعا۔

غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: صالحین اولیاء کرام کے وسیلہ کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جس میں صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور یہ کہتے: اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا رسول الله ﷺ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ

نبینا فاسقنا قال فیسقون۔ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ لے کر آتے تو ہمیں سیراب کرتا اور اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں ہم پر مینہ برساتو ہی مینہ برساتا ہے۔

(بخاری حدیث _954 :1010 کتاب الاستسقاء مشکوۃ:1509 تحفۃ الذاکرین ص:50مطبوعہ بیروت لبنان الطبعۃ الاولی 1408ھ)

اس حدیث کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صالح اور دین دار لوگوں سے اور اہل بیت سے خدا کی بارگاہ میں سفارش طلب کرنا مستحب ہے۔

بزرگوں کے نام کی نماز۔

عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ قَالَ: انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ لَنَا إِلَى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الأُبُلَّةُ؟ قُلْنَا نَعَمْ. قَالَ: مَنْ يَضْمَنُ لِيْ مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّيَ لِيْ فِي الْمَسْجِدِ الْعَشَّارِ رَكْعَتَيْنِ أَوْ أَرْبَعًا وَيَقُوْلُ:

هٰذِهٖ لِأَبِيْ هُرَيْرَةَ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ أَبَا الْقَاسِمِ رسول الله ﷺ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مِنْ مَسْجِدِ الْعَشَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ۔ حضرت صالح بن درہم تابعی فرماتے ہیں کہ ہم حج کرنے جا رہے تھے کہ ہمیں ایک شخص ملا اور کہا: تمہارے قریب ایک بستی ہے جسے اُبُلَّہ کہا جاتا ہے۔ ہم بولے ہاں۔ اس نے کہا تم میں سے کون اس کا ضامن بنتا ہے کہ مسجد عشار میں میرے لئے دو یا چار رکعتیں پڑھ دے اور کہہ دے کہ یہ نماز ابو ہریرہ ﷺ کی ہے میں نے اپنے محبوب ابو القاسم رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے شہید اٹھائے گا کہ شہدائے بدر کے ساتھ ان کے سوا کوئی کھڑا نہ ہوگا۔ اُبُلَّہ بصرہ کے پاس مشہور بستی ہے۔

(ابو دائود حدیث...، مشکوۃ حدیث ....کتاب الفتن باب الملاحم)

اس حدیث سے حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا عقیدہ معلوم ہوا کہ اگرچہ ساری مسجدیں اللہ کا گھر ہیں مگر جس مسجد یا جس شہر میں اللہ کے مقبول بندے رہ چکے ہوں، اب رہتے ہوں یا آئندہ رہنے

والے ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے، اُس سے برکت حاصل کرنا صحابی اور رسول ﷺ کی سنت ہے، جن مقامات پر رسول اللہ ﷺ نے قدم رکھا ہے وہ مقام اللہ کو محبوب ہے اور اُس جگہ کو تبرک بنالینا سنتِ صحابہ ہے اور ان تبرکات کو شہید کرنا بدترین بدعت ہے۔

مفتی احمد یار خاں صاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اس حدیث سے چند مسائل معلوم ہوئے: ایک یہ کہ متبرک ومقدس مسجد میں نماز ادا کرنا دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ مسجد نبوی کی ایک نیکی دوسری جگہ کی پچاس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔

دوسرے یہ کہ نماز کا ثواب دوسرے کو بخش دینا درست ہے، ہاں کسی کی طرف سے نماز فرض نہیں پڑھی جاسکتی وہ تو خود ہی پڑھنا پڑھے گی۔

تیسرے یہ کہ کوئی نیکی کر کے کسی دوسرے کو اس طرح بخشنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو ملے بالکل جائز اور سنتِ صحابہ ہے۔ لہٰذا فاتحہ، مروجہ ختم شریف وغیرہ بالکل درست ہے دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ثواب بخشنے کے الفاظ بتارہے ہیں۔

چوتھے یہ کہ اپنے سے بڑے کو ثواب بخشنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ کیسی ہی شان والا ہو دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور تابعین کو اپنے لئے ایصالِ ثواب کا حکم دے رہے ہیں۔

(مرآۃ ج۲، ص: ۲۵۶)

صلوٰۃِ غوثیہ

اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ گیارھویں شریف کے کھانے پر حضور غوث پاک کا نام لینا جائز ہے اور اسی طرح ایصالِ ثواب کے کھانے وغیرہ پر میت کا اور بزرگانِ دین کا نام لینا درست ہے کیونکہ نماز کھانے سے افضل ہے اور جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام لینے سے نماز حرام نہیں ہوتی تو گیارھویں شریف کا کھانا حرام کیسے ہوگا حالانکہ نماز کھانے سے افضل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود نماز اور روزوں کو غیر کی طرف منسوب کیا ہے فرمایا: اَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلٰوۃُ داودَ وَاَحَبُّ الصیامِ الی اللّٰہِ صیامُ داود: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محبوب ترین نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور اللہ کی بارگاہ میں محبوب ترین روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔

(بخاری حدیث:[illegible]، مسلم :[illegible]، مشکوٰۃ :[illegible] کتاب الصلوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز روزے کی نسبت نبیوں ولیوں کی طرف ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو نماز حضور غوثِ پاک کو ایصالِ ثواب کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہے، اُسے صلوٰۃ غوثیہ کہہ سکتے ہیں۔ یہ غوثِ پاک کی عبادت نہیں ہوتی، عبادت اللہ کی ہوتی ہے ثواب اُن کی روح کو پہنچایا جاتا ہے۔ اس نماز کو شرک کہنا جہالت ہے۔ اس نماز کی ترکیب خود حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادَانِیْ بِاسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فُرِجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ إِلَی اللهِ فِیْ حَاجَةٍ قُضِيَتْ۔ یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت رفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی پھر اسی جگہ فرماتے ہیں دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد ۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلے میرا نام لے اور اپنی حاجت کا ذکر کرے اللہ کے اذن سے اُس کی حاجت پوری ہوگی پھر یہ شعر پڑھے۔

أَيُدْرِكُنِیْ ضَيْمٌ وَأَنْتَ ذَخِيْرَتِیْ
وَأُظْلَمُ فِی الدُّنْيَا وَأَنْتَ نَصِيْرِیْ
وَعَارٌ عَلَی حَامِی الْحَمٰی وَهُوَ مُنْجِدِیْ
إِذَا ضَاعَ فِی الْبَيْدَاءِ عِقَالُ بَعِيْرِیْ

اس نماز کو امام شمس الدین ذہبی اور امام جزری کے استاذ علامہ علی بن یوسف الشطنوفی نے بھجۃ الاسرار میں اور علامہ محمد بن یحییٰ التاذفی نے قلائد الجواہر میں اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے زبدۃ الأسرار میں اور شارح مشکوٰۃ محدث کبیر مولانا علی قاری نے اپنی کتاب ''نزھۃ الخاطر الفاتر فی سیدی الشریف عبد القادر'' میں نقل کیا ہے پھر مولانا علی قاری فرماتے ہیں: وَقَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ مِرَارًا فَصَحَّ بارہا اس نمازِ غوثیہ کا تجربہ کیا گیا تو درست نکلا۔

قاری عبدالباسط صاحب دیوبندی مقیم جدہ نے اخبار اُردو نیوز جمعہ ۲۸ جون ۲۰۰۲ء میں صلوٰۃِ غوثیہ کو شرک قرار دیا ہے۔ اگر قاری صاحب کی منطق کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو پھر روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں رہتا حتیٰ کہ دیوبندی اور اہل حدیث بھی اور ان سب کے استاذ شاہ ولی اللہ محدث دھلوی بھی مسلمان نہیں رہتے کیونکہ اسی طرح کی ایک نماز امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی کے دادا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بتائی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''پہلے دو رکعت نوافل ادا کریں پھر اُس کے بعد ایک سو گیارہ بار درود شریف، اُس کے بعد ایک سو گیارہ بار کلمہ تمجید، اُس کے بعد ایک سو گیارہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی،، پڑھے۔ (انتباہ فی سلاسل اولیاء) اگر یہ نماز شرک ہوتی تو محدثین اور اولیاء کرام اس نماز کی تعلیم ہرگز نہ دیتے۔

صلوٰۃِ غوثیہ علماء اہل حدیث کے نزدیک بھی جائز ہے۔

اہل حدیثوں کے زبدۃ المحدثین نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں: پہلے دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں سورہ اخلاص گیارہ بار پھر بعد سلام کے یہ درود ایک سو گیارہ بار پڑھے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ)
پھر شیرینی پر فاتحہ شیخ جیلی ﷺ پڑھ کر تقسیم کرے۔ (کتاب التعویذات ص ۵۵)

اب نواب صاحب پر کیا فتویٰ لگے گا جو اپنے مریدوں کو صلوٰۃِ غوثیہ اور ختم قادریہ بتارہے ہیں، کیا ان پر بھی شرک کا فتویٰ لگ سکتا ہے یا شرک کے تمام فتوے صرف سنیوں کے لئے ہیں؟

احسان الٰہی ظہیر نے کتاب بریلوی عقائد میں صلوٰۃِ غوثیہ کو بھی شمار کیا ہے، اس طرح اُس نے تمام اولیاء کرام ومحدثین کو اور تمام علمائے دیوبند کو اور علمائے اہل حدیث کو بریلوی ثابت کردیا۔ (البریلویت ص ۵۵)

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

صلوٰۃِ غوثیہ کی طرح ایک عمل فقہاء احناف نے بھی لکھا ہے۔

جس کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز واپس دلادے تو کسی اونچی جگہ

پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد بن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے۔ اے میرے آقا! اے احمد بن علوان! اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لونگا۔ پس خدا تعالیٰ اُس کی گم شدہ چیز اُن کی برکت سے واپس دلا دے گا۔ (در مختار جلد سوم باب اللقطہ کا آخر)

صلوٰۃ غوثیہ میں بھی حضور غوث پاک سے مدد مانگی گئی ہے اور اس دعا میں سیدی احمد بن علوان سے مدد مانگی گئی ہے۔ اب صاحب درمختار کے متعلق کیا فتویٰ ہے کیا فقہاء احناف بریلوی تھے؟ قاری عبدالباسط کیسے حنفی ہیں فقہاء احناف پر شرک کا فتویٰ لگا رہے ہیں؟ فتویٰ لگانے سے پہلے کچھ مطالعہ کر لیتے تو اس فتویٰ کی نوبت ہی نہ آتی۔

رسول اللہ ﷺ نے بالکل برحق فرمایا ہے کہ جاہل لوگ مفتی بن جائیں گے جو خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرینگے۔ (بخاری :100 مسلم :2673 مشکوۃ:206)

☆☆☆

كِتَابُ الْجَنَائِز

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ

☆ نماز جنازہ کو نماز کہنا مجازاً ہے کیونکہ اس میں نماز کی شرائط ستر عورت اور استقبالِ قبلہ وغیرہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ نماز نہیں بلکہ ایک مخصوص طریقہ سے میت کے لئے دعا و استغفار ہے۔ ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں: ترجمہ: نماز جنازہ سے مقصود میت کے لئے دعا کرنا ہے۔ اور اسی طرح نبی کریم علیہ السلام سے جنازہ کی دعائیں اس کثرت سے نقل کی گئیں کہ فاتحہ یا درود شریف کا پڑھنا اس طرح نقل نہیں کیا گیا۔
(زاد المعاد 141/1)

☆ چونکہ نماز جنازہ اپنی اصل کے اعتبار سے دعا ہے اور دعا کے آداب میں سے ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے اور رسول اللہ پر درود پڑھا جائے۔ اس لئے نماز جنازہ میں بھی یہی ترتیب رکھی گئی ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھا جاتا ہے اور پھر میت کے لئے دعا ہوتی ہے۔

☆ کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہو۔ ابن قیم لکھتے ہیں: ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ کا حکم دیا: **ولا یصح اسنادہ** مگر اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ (زاد المعاد 141/1)

☆ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کی سب سے صحیح حدیث وہ ہے جسے امام بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ترجمہ: حضرت طلحہ بن عوف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔ انہوں نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: (میں نے اسے اس لئے پڑھا) کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔
(بخاری حدیث :1249- 1335 مشکوۃ :1654 نسائی :1961 ترمذی 948)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت نہیں جانتے تھے اور نہ پڑھتے تھے اس لئے جب آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی تو صحابہ کو تعجب ہوا تب آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے اسے اس لئے پڑھا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے اور آپ نے یہ نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلکہ سنت لغوی فرمایا کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے ثناء اور دعاء کے یہ پڑھ لی جائے۔ احناف بھی کہتے ہیں کہ یہ بہ نیت دعا یا ثناء الحمد پڑھنا جائز ہے بہ نیت تلاوت منع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ صحابہ کرام بھی جنازہ میں فاتحہ نہ پڑھتے تھے۔

حدیث: امام مالک سعید مقبری سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جنازہ کی نماز کیسے پڑھی جاتی ہے؟ انہوں نے فرمایا: بخدا میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ میں جنازہ کے گھر سے اس کے ساتھ ہو لیتا ہوں۔ جب جنازہ نماز کے لئے رکھا جائے تو میں تکبیر کہہ کر اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا ہوں : اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ عبدُ كَ وَابْنُ عَبْدِكَ وابنُ أَمَتِكَ كان يشهد أن لا إله إلا أنت وأنَّ محمدًا عبدُكَ ورسولُكَ وأنت أعلَمُ به اَللّٰهُمَّ إِنْ كا ن مُحْسِنًا فَزِدْ فِى إِحْسَانِهِ وإن كان مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْ سَيِّئَاتِهِ اَللّٰهُمَّ لا تَحْرِمْنَا أَجْرَه ولا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ:

(موطا امام مالك كتاب الجنائز باب ما يقول المصلي على الجنائز حديث 479 موطا امام محمد كتاب الجنائز باب الصلوٰة على الميت والدعاء له حديث :311)

قال محمد وبهذا نأخذ، لا قراءة على الجنازة وهو قول أبي حنيفة

امام محمد فرماتے ہیں: کہ ہمارا اس پر عمل ہے، جنازہ میں قراءت نہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا بھی قول ہے۔

حدیث: اور امام مالک نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

(موطا امام امالك كتاب الجنائز باب ما يقول المصلي على الجنائز حديث 479)

ابن وہب کہتے ہیں کہ بہت سے اہل علم مثلاً (صحابہ کرام میں سے) حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت واثلہ بن اسقع۔ (اور تابعین میں سے) قاسم بن محمد سالم بن عبداللہ، سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، یحیٰ بن سعید ﷺ نماز جنازہ میں قراءت نہیں کرتے تھے۔

ابن وہب کہتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا: ہمارے شہر میں اس پر عمل نہیں، نماز جنازہ صرف دعا ہے۔ میں نے اپنے شہر (مدینہ منورہ) کے اہل علم کو اسی پر پایا ہے۔

(مدونہ کبریٰ 158/1)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے دلائل کا تجزیہ۔

علامہ شیرازی شافعی لکھتے ہیں: چونکہ باقی فرض نمازوں میں قراءت فرض ہے اور نماز جنازہ بھی فرض ہے اس لئے اس میں بھی قراءت فرض ہے۔ (المهذب مع المجموع :232/5)

لیکن یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ نماز جنازہ دیگر فرض نمازوں سے اپنے ارکان کے اعتبار سے مختلف ہے۔ مثلاً باقی نمازوں میں رکوع اور سجود بھی فرض ہے جبکہ اس میں رکوع و سجود فرض نہیں ہے۔ امام نووی اس مسئلہ پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا: (میں نے اسے اس لئے پڑھا) کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: جب صحابی کسی مسئلہ میں کہیں کہ یہ سنت ہے تو مذہب صحیح یہ ہے کہ وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث اس مسئلہ میں دیگر دلائل سے بے پرواہ کر دیتی ہے۔ (شرح المهذب 432/5)

علامہ نووی کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ جس خبر واحد میں کسی مسئلہ کے مسنون ہونے کی تصریح ہو اس خبر واحد سے اس مسئلہ کی فرضیت پر استدلال کس طرح درست ہو سکتا ہے! جبکہ یہ امر بھی قطعی نہیں ہے کہ اس سے مراد سنت رسول ﷺ ہے یا سنت صحابہ اور چونکہ دیگر دلائل سے نماز جنازہ میں قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ثابت ہے، اس لئے یہ حدیث اس پر محمول

ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جنازہ میں سورہ فاتحہ کو تکبیر اولیٰ کے بعد بطور دعا اور ثناء پڑھا تھا کیونکہ سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور اس سے دعا کا مفہوم ہے اور پہلی تکبیر کے بعد نماز جنازہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی اعتبار سے سورہ فاتحہ پڑھی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: افضل دعا الحمدللہ ہے۔ (ترمذی 3305) اس حدیث کے علاوہ نماز جنازہ میں قرآن مجید پڑھنے کے سلسلے میں جتنی روایات پیش کی جاتی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ علامہ نووی نے بھی ''شرح المهذب'' میں اس کا اعتراف کیا ہے اور صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورۃ الصدر روایت کو لائق استدلال قرار دیا ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے والی احادیث کا ضعف۔

☆ ابن ماجہ نے اُمّ شریک سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز جنازہ میں فاتحۃ الکتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ (ابن ماجہ حدیث: 1496-1485)

حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے اور ناصر الدین البانی نے بھی اس کو ابن ماجہ کی تحقیق میں ضعیف قرار دیا ہے۔ اس میں شہر بن حوشب راوی ہے اس کو بیہقی اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی۔

(ابن ماجہ_1484 1495،ترمذی:947- 1026 مشکوۃ1673)

اس کی سند میں ابراہیم بن عثمان اور ابو شیبہ ہے جو انتہائی ضعیف راوی ہے۔ اس حدیث کو صادق سیالکوٹی نے اپنی کتاب ''صلوۃ الرسول'' کے صفحہ 434 پر درج کیا ہے، وہابی ایسی ہی ضعیف حدیثوں سے کام چلا رہے ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اور عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں، اگر سچے ہوتے تو حدیث کی سند بیان کرتے، اس کی جرح و تعدیل بیان کرتے، جس کا دل چاہتا عمل کرتا، نہ دل چاہتا تو عمل نہ کرتا، کسی کو دھوکے میں تو نہیں رکھنا چاہئے، فضائل اعمال میں تو ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے؛

احکام میں جائز نہیں اور فضائل اعمال میں حدیث کے ضعف کا بیان بھی ضروری نہیں ہوتا۔ ہم فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کریں تو یہ شور مچاتے ہیں لیکن خود احکام میں بھی ضعیف بلکہ موضوع (من گھڑت) حدیثیں بیان کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اللہ ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

☆ طبرانی نے اُمّ عفیف سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو فاتحہ الکتاب پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کی سند میں عبد المنعم ابوسعید نام کا ضعیف راوی ہے۔

☆ طبرانی نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز جنازہ پڑھو تو فاتحہ الکتاب پڑھو۔ اس میں معلّٰی بن حمران ہے جو کہ ضعیف ہے۔

☆ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں چار مرتبہ پڑھا: الحمد للہ ربّ العالمین۔ اس کی سند میں ناهض بن قاسم مجھول ہے۔

☆ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے آگے بڑھ کر نماز جنازہ پر بلند آواز سے سورہ فاتحہ پڑھی پھر دوسری تکبیر کے بعد دعا کی۔ اس حدیث کی سند میں یحیٰی بن یزید بن عبد الملک نوفل نام کا ضعیف راوی ہے۔

☆ امام شافعی نے کتاب الام میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں چار تکبیرات پڑھیں اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی۔ اسی سند سے اس حدیث کو امام حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ابراہیم بن ابو یحیٰی ہے جو کہ متروک ہے اور عبد اللہ بن محمد عقیل ہے جو انتہائی ضعیف ہے۔

نماز جنازہ میں قرآن پڑھنے کی ممانعت۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ میں کسی چیز کے پڑھنے کو معین نہیں فرمایا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ :294/3)

حدیث: عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس صحابہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز جنازہ میں کسی معین چیز کے ساتھ قیام نہیں کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ :294/3)

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھتے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے پھر دعا کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ :295/3)

نماز جنازہ میں اگر فاتحہ بہ نیت دعا پڑھی جائے تو بھی آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

اوپر والے مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ نماز جنازہ میں قراءت نہیں ہے۔ اگر سورہ فاتحہ بہ نیت دعا پڑھی جائے تو بھی آہستہ پڑھنا سنت ہے کیونکہ دعا میں اخفاء بہتر ہے اور نماز جنازہ بھی دعا ہے اس کو فرض پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اب بھی حرمین شریفین میں نماز جنازہ میں بلند آواز سے نہیں پڑھا جاتا۔

حدیث: حضرت ابی امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ امام تکبیر کہے پھر پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ (بہ نیت دعا) دل میں آہستہ پڑھے پھر (دوسری تکبیر میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے پھر (تیسری تکبیر میں) خلوصِ دل سے میت کے لئے دعا کرے اور ان تکبیرات کے دوران قراءت نہیں پھر آہستہ سلام پھیرے۔

(رواہ الشافعی رقم 581 فی صلاۃ الجنائز واحکامھا باب 23، نیل الاوطار 101/1)

نماز جنازہ پڑھنے کے طریقے میں احناف کا موقف۔

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں قیام اور چار تکبیریں فرض ہیں اور ان کی فرضیت اجماع اُمت سے ثابت ہے اور پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری کے بعد درود شریف اور تیسری کے بعد میت کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ ثناء، درود شریف اور استغفار کے لئے منقولہ کلمات میں سے جو کلمات بھی پڑھ لئے جائیں، جائز ہے۔ تاہم برصغیر میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ کہ ثناء کے لئے وہ کلمات پڑھتے ہیں جن میں وَ جلَّ ثناؤک کے کلمات بھی ہیں۔ اور درود شریف کے

لئے وہ کلمات پڑھتے ہیں جن میں تو تحمت بھی ہے اور میت کے لئے دعا اور استغفار کے لئے یہ کلمات ہیں۔

حدیث: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وشَاهِدِنَا وغَآئِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا. اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ. وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ. اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔

(ابن ماجه 1487-:1498 مشکوٰۃ:1675)

ہر چند یہ کلمات احادیثِ شریفہ سے ثابت ہیں لیکن ان کلمات کا پڑھنا ضروری اور لازمی نہیں ہے۔ ثناء، درود شریف اور دعاءِ میت کے لئے حدیث میں متعدد طریقوں سے کلمات اور صیغے منقول ہیں۔ ان میں سے جو کلمات بھی پڑھ لیے جائیں یہ امر مستحب ادا ہو جائے گا۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض مسلمانوں کو یہ مخصوص کلمات یاد نہیں ہوتے، وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے بغیر نماز جنازہ ادا نہیں ہوگی جبکہ صرف تکبیرات پڑھ لینے سے بھی نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے اور جن کلمات کے ساتھ عام نمازوں میں ثناء پڑھی جاتی ہے۔ اس کے پڑھ لینے سے بھی نماز جنازہ اپنے فرائض اور مُستحبّات کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ مثلاً پہلی تکبیر کے بعد سبحانك اَللّٰهُم دوسری تکبیر کے بعد نماز والا درودِ ابراہیمی اَللّٰهُم صلی علی محمد اور تیسری تکبیر کے بعد ربنا اغفرلی ولوالدی البتہ بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مروجہ مخصوص کلمات خلافِ سنت اور بدعت ہیں کیونکہ ان کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔

ثناء کا ثبوت۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کلام ایہ ہے کہ بندہ کہے۔ سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك وجل ثناءك ولا إله غيرك۔

(رواه ابن ابی شیبه وابن مردویه فی کتاب الدعاء ورواه الحافظ ابو شجاع فی کتاب الفردوس فتح القدیر 252/1)

درود شریف

مروجہ نماز جنازہ میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس میں رحم کے الفاظ بھی ہیں اس کے ثبوت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں ۔ وارحم محمد وآل محمد کما رحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم إنك حمید مجید۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول ہیں: وارحم محمد وآل محمد کما صلیت وبارکت و ترحمت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم إنك حمید مجید۔

(سعادة الدارین علامہ نبہانی 231-230)

نماز جنازہ میں بھی رفع یدین کرنا منسوخ ہے۔

حدیث: روی أن بن عباس رضی الله عنهما کان یرفع یدیه فی تکبیرة الاولی ثم لایرفع بعد وروی ذلك عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق باب رفع الیدین فی التکبیر)

نماز جنازہ میں رفع یدین کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل ہے اور وہ بھی صحاح ستہ کی کسی کتاب میں مذکور نہیں صرف بیہقی شریف میں ہے اور وہ بھی اس وقت کا عمل ہے جب رفع یدین منسوخ نہیں ہوا تھا۔ جب رفع یدین منسوخ ہو گیا تو آپ نے تمام نمازوں میں رفع یدین کرنا چھوڑ دیا جیسا کہ میں اوپر باحوالہ تفصیلی بیان کر چکا ہوں۔ یہاں تک کہ خود وہابیوں کے ہیڈ غیر مقلد وحید الزماں لکھتے ہیں: ولا یرفع یدیه إلا فی التکبیرة الأولی۔ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھائے جائیں بعد میں نہیں۔ (نزل الابرار ۱/ ۱۷۰)

نماز جنازہ میں رفع یدین والی احادیث ضعیف ہیں۔

کان یرفع یدیه عند التکبیر فی کل صلاة وعلی الجنائز۔

(رواه الطبرانی "ضعیف جدا" سلسله احادیث الضعیفه ناصر الدین البانی حدیث نمبر :1044)

كان إذا صلى على الجنازة رفع يديه في كل تكبيرة وإذا انصرف سلم۔

(نصب الرايه 285/2 "شاذ" سلسله احاديث الضعيفه

ناصر الدين البانی حدیث نمبر :1044)

نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرا جائے۔

حدیث : علقمہ اور اسود بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا: تین چیزیں رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا ہے۔ ان میں سے ایک نماز جنازہ میں سلام ہے، نماز کے سلام کی طرح۔ (بیهقی 43/4)

اس سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی نماز جنازہ میں بھی فرض نماز کی طرح دائیں بائیں سلام پھیریں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

جنازہ کے ساتھ کلمہ کا وِرد۔

حضرت انس ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَكْثِرُوا فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لا اله الا الله۔ جنازہ میں کلمہ شریف کثرت سے پڑھو۔

(جامع صغیر از علامہ سیوطی)

نماز جنازہ کے بعد دعائے مغفرت۔

حدیث : حضرت ابو ہریرہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اس کے لئے خلوصِ دل سے دعا کرو۔

(ابوداود حدیث:[illegible] کتاب الجنائز ابن ماجه حدیث:[illegible]، مشکوٰۃ حدیث :[illegible] کتاب الروح _ المسالة السادسة عشرة ص:[illegible] _ از شیخ ابن قیم شاگرد ابن تیمیه)

وضاحت : فا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جائے بلا تاخیر، جو لوگ اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ فا کے معنی سے غفلت کرتے ہیں، صَلَّيْتُمْ شرط ہے اور فَأَخْلِصُوا اس کی جزا، شرط اور جزا میں تغایر چاہئے نہ یہ کہ اُس

میں داخل ہو پھر صَلَّیۡتُمۡ ماضی ہے اور فَاَخۡلِصُوا امر ہے جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے قرآن پاک میں آتا ہے: فَاِذَا طَعِمۡتُمۡ فَانۡتَشِرُوۡا، جب تم کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے درمیان ہی منتشر ہو جاؤ بلکہ کھانا کھانے کے بعد منتشر ہو جاؤ یا جیسے نماز جمعہ کے متعلق حکم ہوا: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ، جب نماز جمعہ پڑھ لو تو زمین میں پھیل جاؤ اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (سورۃ الجمعہ) اب نماز پڑھنے کے بعد زمین میں منتشر ہونا ہے یا نماز کے اندر۔ اسی طرح حکم ہوا جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو اُس کے لئے خلوصِ دل سے دعا کرو۔ خیال رہے کہ دعا بعد از نمازِ جنازہ سنتِ رسول اللہ ﷺ بھی ہے اور سنتِ صحابہ بھی چنانچہ نبی کریم ﷺ نے شاہِ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور بعد میں دعا مانگی۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد ، ص: 27-، باب غسل المیت میں روایت ہے کہ: حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایک جنازہ پر نماز کے بعد پہنچے اور فرمایا: اِنۡ سَبَقۡتُمُوۡنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ عَلَیۡہِ فلا تَسۡبِقُوۡنِیۡ بِالدُّعَاءِ ، اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی ہے تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرو۔

(بدائع الصنائع ج ، ص ، جاء الحق ص: ، مراۃ جلد ، ص)

حضرت نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ کے لئے آتے اور نماز جنازہ پڑھی جا چکی ہوتی تو دعا کرتے اور واپس ہو جاتے دوبارہ نماز نہ پڑھاتے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ، ص 519 حدیث 6545)

حضرت مستظل بن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی جانے کے بعد اس پر دعا مانگی۔ (اخرجہ ابن عبد البر فی التمہید ج ، ص لاہور)

حضرت حصین بن وحوح بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور نماز جنازہ پڑھائی پھر ثُمَّ رَفَعَ یَدَیۡہِ فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ اَلۡقِ طَلۡحَۃَ یَضۡحَکُ اِلَیۡکَ وَتَضۡحَکُ اِلَیۡہِ اور اس کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی: اے اللہ! طلحہ تیرے

پاس ہنستا جائے اور تو ہنس کر اس کا استقبال فرما یعنی تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔

(زرقانی علی الموطا ج، ص،، طبرانی ج، ص 28-29 حدیث 3554،
فتح الباری، عمدۃ القاری، المستند ص،،)

اس حدیث مبارکہ سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ مبارک اٹھا کر دعا کی اس سے یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ نماز جنازہ خود دعا ہے اور اس کے بعد دعا کی ضرورت نہیں کیونکہ نماز جنازہ کے اندر تو ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کی جاتی پس اس روایت سے نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی واضح ہے۔

بعد از دفن دعائے مغفرت۔

حدیث: عَن عثمان بن عفان رضی اللہُ عنہ قال:کانَ النَّبِیُّ رسول اللہ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَسَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میت کے دفن سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ دیر ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو پھر اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کہ اس سے اب سوالات ہو رہے ہیں۔

(ابو داؤد حدیث ،،،، کتاب الجنائز، مشکوۃ حدیث : ،،، کتاب الایمان باب اثبات عذاب القبر، کتاب الروح _ المسالۃ الأولی ص:_ ،،،،، از شیخ ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ زندوں کی دعا سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے ایسے ہی ان کے صدقات، خیرات ان کو مفید ہیں اور بعد از دفن قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
شارح مسلم امام نووی نے اس حدیث کو ریاض الصالحین حدیث نمبر ۹۴۶ میں درج کرنے کے بعد لکھا: امام شافعی نے فرمایا ہے: میت کے پاس کچھ قرآن پڑھنا مستحب ہے اور اگر پورا قرآن ختم کیا جائے تو بہت بہتر ہے۔

ریاض الصالحین حدیثوں کا وہ مجموعہ ہے جسے مشکوۃ شریف کی طرح بہت قبولیت حاصل ہوئی۔ ادیب عربی کے نصاب میں اس کتاب کا باب الادب شامل ہے اور سعودی عرب کی

تقریباً تمام مساجد میں نمازِ عصر کے بعد اسی کتاب سے درسِ حدیث دیا جاتا ہے۔

قبر پر اذان دینے کی تحقیق۔

قبر پر بعد از دفن اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ حدیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مگر وہابی اس کو بلا دلیل بدعت و حرام کہتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس پر مٹی ڈال چکو تو تم میں سے ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر "یا فلاں بن فلاں بن فلانہ" وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا، پھر کہے "یا فلاں بن فلانہ" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر کہے "یا فلاں بن فلانہ" وہ کہے گا: ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی پھر کہے: اُذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شهادةً ان لا اله الا اللهُ وأنَّ محمدً ﷺ وَأَنَّكَ رَضِيْتَ باللهِ رَبًّا وبالاسلام دِيْنًا وبمحمد ﷺ نَبِيًّا وبالقرآن إمامًا۔ نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے: چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے اس پر کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا اگر اس کے باپ کا نام معلوم نہ ہو؟ فرمایا: حوا علیہا السلام کی طرف اس کی نسبت کرے۔

(اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میںنے روایت کیا ھے. ج 8 ص250 حدیث 7979)

بعض اجلہ تابعین فرماتے ہیں: جب قبر پر مٹی برابر کر چکیں اور لوگ واپس چلے جائیں تو مستحب سمجھا جاتا ہے کہ میت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جائے "یا فلاں بن فلاں" قُلْ لا اله الا الله تین بار، پھر کہا جائے قُلْ ربی اللہ ونبی محمد ﷺ

(بھار شریعت حصہ چھارم ص 348)

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لا اله الا الله اپنے مردوں کو کلمہ کی تلقین کرو۔ (مسلم حدیث916 مشکوۃ1616)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ دفنِ میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے اس لئے یہ اذان بھی

تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے۔قبر کے سرہانے قبلہ رو کھڑے ہو کر اذان دیں۔ دفن کے بعد قبر کے سرہانے الم تا مفلحون اور قدموں کی طرف آمن الرسول سے ختم سورۃ بقرہ تک پڑھنا مستحب ہے۔

اذان کے سات فائدے ہیں:

1: تلقین میت **لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لا اله الا الله۔**

2: اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ **اذا نُوْدِيَ للصلوٰۃ اَدْبَرَ الشيطان۔**

(بخاری 608 مشکوٰۃ 655)

3: اذان دل کی وحشت دور کرتی ہے۔ ابونعیم اور ابن عساکر میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اُترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے، سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا اور جوابات درست دے گا۔

4: اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کرنے والی ہے۔ (**مسند الفردوس**) اب مردے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

5: اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جب تم لگی ہوئی آگ دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ بجھاتی ہے۔ اور اذان میں تکبیر بھی ہے اگر قبر میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے بجھا دے۔

6: اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذابِ قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے۔ - تنگی قبر سے نجات ملتی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے سعد بن معاذ کو دفن کرنے کے بعد بہت دیر تک سبحان اللہ کہتے رہے اور ہم بھی سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی اور ہم بھی تکبیر کہتے رہے، پھر ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے تسبیح اور تکبیر کیوں کہی؟ فرمایا: اس صالح بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی حتیٰ کہ اللہ نے اس کو کشادہ کر دیا۔

(احمد 14459، مشکوٰۃ 135)

۷: اذان میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہماری تھوڑی سی زبان کی جنبش سے میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جائیں تو کیا حرج ہے۔؟ ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعث ثواب وفائدہ ہے۔

(جاء الحق ص 254-251)

نماز جنازہ کے مسائل۔

سوال: نماز جنازہ میں کتنے رُکن ہیں؟

جواب: نماز جنازہ میں دو رکن ہیں۔(۱) چار بار ''اللہ اکبر'' کہنا (۲) قیام کرنا: بغیر عذر بیٹھ کر یا سواری پر نماز جنازہ پڑھی تو نہ ہوئی (در مختار)

سوال: نماز جنازہ میں کتنی چیزیں سنت مؤکدہ ہیں؟

جواب: تین چیزیں:(۱) اللہ عزوجل کی حمد وثناء کرنا (۲) رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنا (۳) میت کے لئے دعا کرنا۔

سوال: جنازہ کی پوری جماعت نہ ملے تو کیا کرے؟

جواب: مسبوق (یعنی جس کی بعض تکبیریں فوت ہوگئیں وہ) اپنی باقی تکبیریں امام کے سلام پھیرنے کے بعد کہے اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ دعا وغیرہ پڑھے گا تو پوری کرنے سے قبل لوگ جنازہ کو کندھے تک اُٹھالیں گے تو صرف تکبیریں کہہ کر دعائیں چھوڑ دے (غنیۃ المستملی ص 537) چوتھی تکبیر کے بعد جو شخص آیا وہ (جب تک امام نے سلام نہیں پھیرا) شامل ہو جائے اور امام کے سلام کے بعد تین بار ''اللہ اکبر'' کہہ لے (در مختار ج 3 ص 136) پھر سلام پھیرے۔

سوال: بعض لوگ جوتا پہنے اور بہت سے لوگ جوتے پر کھڑے ہوکر نماز جنازہ پڑھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر جوتا پہنے نماز پڑھی تو جوتا اور اس کے نیچے کی زمین کا پاک ہونا ضروری ہے اور اگر جوتے پر کھڑے ہوکر پڑھی تو بھی جوتے کا پاک ہونا ضروری ہے۔ احتیاط اسی میں ہے کہ جوتے پر کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھی جائے، فرش پر کھڑے ہونا چاہیے۔

(حاشیہ الطحطاوی ص 582)

سوال: جو شخص میت کو غسل دے کیا اس کے لئے نہانا ضروری ہے؟

جواب: میت کو نہلا کر غسل کر لینا بہتر ہے ضروری نہیں کیونکہ میت کے غسالہ کے چھینٹے جسم پر پڑنے کا احتمال ہے۔ جامع اُصول میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زوجہ اسماء رضی اللہ عنہا نے آپ کو غسل دیا پھر صحابہ سے بولیں کہ میں روزے دار ہوں اور ٹھنڈک بہت ہے کیا مجھے غسل کرنا ضروری ہے سب نے کہا نہیں۔ (مراۃ شرح مشکوٰۃ ج 1 ص 334)

سوال: کیا شوہر بیوی کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے؟

جواب: شوہر اپنی بیوی کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے، قبر میں بھی اُتار سکتا ہے اور چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے۔ صرف غسل دینے اور بلا حائل بدن کو چھونے کی ممانعت ہے۔ عورت بھی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔ (در مختار ج 3 ص 107) (در مختار ج 3 ص 105)

سوال: کافر کا نماز جنازہ پڑھنا اور کفن و دفن میں شرکت کا شرعی حکم بیان کریں؟

جواب: کافر، منافق اور مرتد کی نماز جنازہ پڑھنا اور ان لوگوں کے دفن میں شریک ہونا حرام و ناجائز ہے اور گناہِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ترجمہ: اور ان (منافقین) میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا۔ (سورہ توبہ آیت :۸۴)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: اگر اس اعتقاد سے جائے گا کہ اس کا جنازہ شرکت کے لائق ہے تو کافر ہو جائے گا اور اگر یہ نہیں تو حرام ہے۔ (ملفوظات حصہ چہارم ص 359)

دنیاوی طمع سے کسی مرتد یا کافر کی نمازِ جنازہ پڑھنا حرامِ قطعی اور شدید حرام ہے اور دینی طور پر اسے کارِ ثواب اور مرتد یا کافر کو نمازِ جنازہ اور دعائے مغفرت کا مستحق سمجھ اور جان کر ایسا کیا تو

یہ خود مسلمان نہ رہا اور اس کا نکاح بھی ٹوٹ گیا، اسے تجدیدِ اسلام وتجدیدِ نکاح کرنا چاہئے۔ (نیز کسی پیر کا مرید تھا تو تجدیدِ بیعت بھی کرے)۔ (فتاویٰ رضویہ ج، ص173)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی ارشاد فرماتے ہیں: قادیانی، تبرائی رافضی (یعنی صحابہ کرام کو گالیاں دینے و بکنے والے شیعہ)، توہین رسالت کرنے والے وہابی (دیوبندی) سب کافر ومرتد ہیں اور ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ اور ان لوگوں کے دفن میں شریک ہونا حرام سخت حرام ہے۔
(مسائل القرآن ص ۱۱۱)

سوال: تجدیدِ ایمان کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: دل کی تصدیق کے ساتھ توبہ ہونی ضروری ہے۔ صرف زبانی توبہ کافی نہیں اگر معاذ اللہ کئی کفریات بکے ہوں اور یاد نہ ہو کہ کیا کیا بکا ہے تو یوں کہے "یا اللہ عزوجل! مجھ سے جو جو کفریات صادر ہوئے ہیں میں ان سب سے توبہ کرتا ہوں" پھر کلمہ شریف پڑھ لے۔ اگر یہ معلوم ہی نہیں کہ کفر بکا بھی ہے یا نہیں تب بھی اگر احتیاطاً توبہ کرنا چاہے تو اس طرح کہے "یا اللہ عزوجل! مجھ سے اگر کوئی کفر ہو گیا ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں" پھر کلمہ شریف پڑھ لے۔ مدنی مشورہ: روزانہ ہی سونے سے قبل احتیاطی توبہ وتجدیدِ ایمان کر لینا چاہئے۔ یاد رکھئے! معاذ اللہ جس کا کفر پر خاتمہ ہوا وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم کی آگ میں جلتا رہے گا۔

سوال: تجدیدِ نکاح کا طریقہ۔

جواب: تجدیدِ نکاح کا معنیٰ ہے "نئے مہر سے نیا نکاح کرنا" اس کے لئے لوگوں کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں۔ نکاح نام ہے، ایجاب وقبول کا۔ ہاں بوقتِ نکاح بطورِ گواہ کم از کم دو مرد مسلمان یا ایک مرد مسلمان اور دو مسلمان عورتوں کا حاضر ہونا ضروری ہے۔ خطبہ نکاح شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔ خطبہ یاد نہ ہو تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ شریف کے بعد سورہ فاتحہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کم از کم دس درہم یعنی دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اس کی رقم مہر واجب ہے۔ تو اب مذکورہ گواہوں کی موجودگی میں آپ "ایجاب" کریں یعنی عورت سے کہیں "میں نے اتنے حق مہر کے بدلے آپ سے نکاح کیا" عورت کہے "میں نے قبول کیا" نکاح ہو گیا۔ بعد نکاح اگر عورت چاہے تو مہر معاف بھی کر سکتی ہے مگر مرد بلا حاجتِ شرعی عورت سے مہر معاف کرنے کا

سوال نہ کرے۔

سوال: حالتِ ارتداد میں نکاح کا مسئلہ۔

جواب: مرتد ہو جانے کے بعد کوئی شخص اگرچہ بظاہر نیک راستے پر آ گیا، داڑھی، زلفوں، عمامے اور سنتوں بھرے لباس سے بھی آراستہ ہو گیا مگر اس نے اپنے کفر سے توبہ وتجدید ایمان نہ کی تو وہ بدستور مرتد ہے۔ توبہ وتجدید ایمان سے پہلے جو بھی عمل کیا وہ مقبول نہیں۔ بیعت کی تو نہ ہوئی، یہاں تک کہ اگر نکاح بھی کیا تو نہ ہوا۔ امام اہل سنت امام احمد رضا محدث ہند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معاذ اللہ! اگر مرد یا عورت نے پیش از نکاح کفرِ صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے توبہ و نئے سرے سے قبولِ اسلام ان کا نکاح کیا گیا تو قطعاً نکاح باطل اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الزنا ہوگی، اسی طرح اگر بعد نکاح ان میں کوئی معاذ اللہ مرتد ہو گیا اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ حرامی ہوگی۔ لہٰذا اگر کسی نے ارتداد کے بعد نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد اگرچہ توبہ وتجدید ایمان کر چکا ہو تو بھی اب نئے سرے سے نکاح کرنا ہوگا۔ اس کے لئے دھوم دھام شرط نہیں، گھر کی چار دیواری میں بھی نکاح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر لوگوں کے سامنے مرتد ہوا تھا اور پھر اسی حال میں نکاح کیا تھا تو پھر سب کے سامنے توبہ وتجدید ایمان وتجدید نکاح کرنا ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی گناہ کرو تو اس سے توبہ کرلو: اَلسِّرُّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِيَةُ بِالْعَلَانِيَةِ، یعنی پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ۔

(المعجم الکبیر ج 20 ص 159) (گانوں کے 35 کفریہ اشعار از مولانا الیاس قادری)

سوال: احتیاطی تجدید ایمان کب کب کریں؟

جواب: مدنی مشورہ: روزانہ کم از کم ایک بار سونے سے قبل (یا جب چاہیں) احتیاطی توبہ وتجدید ایمان کر لیجئے اور اگر بآسانی گواہ دستیاب ہوں تو میاں بیوی توبہ کر کے گھر کے اندر ہی کبھی کبھی احتیاطاً تجدید نکاح کی ترکیب بھی کر لیا کریں۔ ماں باپ، بہن، بھائی اور اولاد وغیرہ عاقل و بالغ مسلمان مرد وعورت نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں۔ احتیاطی تجدید نکاح بالکل مفت ہے اس کے لئے مہر کی بھی ضرورت نہیں۔

غائبانہ نماز جنازہ کے متعلق ائمہ اربعہ کا نظریہ۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو نجاشی کے فوت ہوجانے کی خبر دی پھر باہر نکل کر صف بندی کی اور چار تکبیریں کہہ کر نماز پڑھی۔

(بخاری حدیث _1245 1168)

رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اس کی روشنی میں امام شافعی اور امام احمد کہتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کہتے ہیں کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی اور عام مسلمانوں کے لئے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو میت شہر سے غائب ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ عام ازیں کہ وہ میت قبلہ کی جانب ہو یا نہ ہو، خواہ دونوں شہر کے درمیان مسافت قریب ہو یا بعید لیکن نمازی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو۔

(شرح المهذب مع المجموع 523/5)

علامہ قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: جو کسی شہر میں غائب ہو، اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، نمازی اس کی نیت کرے اور منہ قبلہ کی جانب کرے اور اس پر اسی طرح نماز پڑھے جس طرح حاضر پر پڑھتے ہیں، عام ازیں کہ میت قبلہ کی جانب ہو یا نہ ہو اور عام ازیں کہ دونوں شہروں میں مسافت کم ہو یا زیادہ۔ (المغنی 195/2)

قاضی ابوالولید مالکی لکھتے ہیں: اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ نماز جنازہ صرف حاضر کی پڑھی جائے گی۔ بعض علماء نے حدیثِ نجاشی کی بناء پر کہا کہ غائب کی نماز جنازہ بھی جائز ہے اور جمہور اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ واقعہ صرف نجاشی کے ساتھ خاص تھا۔

(بداية المجتهد 176/1)

حدیثِ نجاشی کے جوابات۔

شوافع اور حنابلہ حدیثِ نجاشی سے غائبانہ نماز جنازہ کے جواز پر استدلال کرتے ہیں۔ فقہاء احناف اس واقعہ کو رسول اللہ ﷺ یا نجاشی کی خصوصیت پر محمول کرتے ہیں۔ علامہ

ذیلعی لکھتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے نجاشی کا تخت اُٹھالیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے اس کو دیکھ لیا تھا اور آپ ﷺ کا اس پر نماز جنازہ پڑھنا ایسا تھا جیسے امام کے سامنے میت ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور باقی نمازی نہ دیکھ رہے ہوں۔ شیخ تقی الدین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ بغیر ثبوت نقل کے محض احتمال کی بناء پر یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ علامہ ذیلعی فرماتے ہیں: کہ صحیح ابن حبان کی قسم خامس کی اکتالیسویں نوع میں ہے کہ حضرت عمران بن حصین ؓ بیان کرتے ہیں: کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ پس کھڑے ہو کر اس پر نماز جنازہ پڑھو۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھ لیں۔ آپ ﷺ نے چار تکبیریں کہیں اور ان کو یقین تھا کہ جنازہ آپ کے سامنے ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات ضروریاتِ دین میں سے ہے کیونکہ نجاشی ایسی جگہ فوت ہوئے تھے کہ وہاں ان کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان نہ تھا۔ لہٰذا ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا فرض متعین ہو گیا تھا اور پہلے جواب کی تائید میں علامہ ذیلعی طبرانی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کرتے ہیں:

حدیث: حضرت ابو امامہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تبوک میں تھے، آپ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) معاویہ بن معاویہ مزنی مدینہ میں فوت ہو گئے ہیں، کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے لئے زمین لپیٹ دی جائے اور آپ ان پر نماز جنازہ پڑھیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنے پروں کو زمین پر مارا اور آپ کے لئے ان کا تخت اٹھا لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جبریل سے پوچھا ایسا کس وجہ سے ہوا؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا یہ سورہ قل ھو اللہ احد سے محبت کرتا تھا اور اس کو آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے اور ہر حال میں پڑھتا رہتا تھا۔

(نصب الرایہ 283/2) اس واقعہ کو امام بیہقی سنن کبریٰ 50/4 میں اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد 38/3 بھی ذکر کیا ھے۔

غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر احناف کے دلائل۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: کہ خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ ماسوا ان لوگوں اور نجاشی کے رسول اللہ ﷺ نے کسی اور صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی حالانکہ سفر میں بہت سے مسلمان فوت ہوئے تھے، جیسے حبشہ کی سرزمین میں اور بہت سے غزوات میں مسلمان شہید ہوئے اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ آپ ﷺ کو بئر معونہ کے قاری عزیز تھے اور ان میں سے کسی کے بارے میں منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز پڑھی ہو حالانکہ جو صحابی فوت ہو جاتے تھے آپ ﷺ ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے بہت خواہشمند ہوتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص بھی فوت ہو، مجھے اس کی اطلاع ضرور دیا کرو کیونکہ اس کے حق میں میری نماز رحمت ہے۔

(فتح القدیر 81/2، شرح مسلم سعیدی 806/2)

بڑی عجیب بات ہے کہ یہ لوگ مرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب سے انکار کرتے ہیں جو کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے لیکن غائبانہ نماز جنازہ پر اصرار کرتے ہیں جو کہ خلافِ سنت ہے۔

ابن تیمیہ اور ابن قیم کا فیصلہ۔

صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں فوت ہو جہاں اس کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی چونکہ نجاشی کفار کے علاقہ میں فوت ہوئے جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ البتہ جس شخص کا جنازہ پڑھا جا چکا ہو اس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا چونکہ ایک جنازہ سے فرض پورا ہو گیا۔ (زاد المعاد 520/1)

میت کے بعض اجزاء پر نماز جنازہ۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے اور ان کو آفات، بلیات، حوادث اور مصائب سے محفوظ رکھے۔ آج کل ایسی صورتیں بکثرت پیش آتی ہیں کہ ہوائی جہاز، ریل، بس یا کار کے حادثہ

سے مسلمان جان بحق ہو جاتے ہیں اور ان کے جسم کے صرف بعض اجزاء باقی بچتے ہیں اور باقی اجزاء حادثہ میں ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اس صورت میں ان بعض اجزاء پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

علامہ سرخسی لکھتے ہیں: امام محمد فرماتے ہیں کہ جب انسانی اجزاء مثلاً ہاتھ پاؤں میں سے کوئی عضو پایا جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا، نہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ نماز میت کے لئے مشروع کی گئی ہے اور میت مکمل بدن کو کہتے ہیں اس کے کسی عضو کو نہیں کہتے اور اس وجہ سے بھی کہ جس شخص کا کوئی عضو ملا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ ہو اور زندہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی اور اس لئے بھی کہ اگر اعضاء پر نماز جنازہ ہو تو اگر میت کے متعدد اعضاء ملیں تو ایک میت پر متعدد نمازیں پڑھی جائیں گی حالانکہ ہمارے نزدیک نماز جنازہ کا تکرار جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر بدن کا اکثر حصہ ملا یا نصف حصہ ملا جس کے ساتھ سر بھی تھا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی کیونکہ اکثر اجزاء کل کے حکم میں ہوتے ہیں اور اس صورت میں نماز جنازہ کی تکرار کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (المبسوط 54/2)

دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب۔

بعض دفعہ ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن میں نماز جنازہ کے تعدد کے جواز اور عدم جواز کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شہر میں کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے وہاں کے لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں بعد میں اس کی میت کو اس کے وطن لے جاتے ہیں۔ وہاں لوگ دوبارہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ ولی کے پڑھنے کے بعد دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ مالکیہ کا مسلک بظاہر اس کے موافق ہے۔ شوافع اور حنابلہ البتہ نماز جنازہ کی تکرار کو جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں: نماز جنازہ پڑھنے کے بعد اگر کچھ لوگ جنازے پر آ جائیں اور نماز پڑھنا چاہیں تو ان کی نماز بھی فرض کفایہ ہوگی۔ (شرح المهذب 245/5)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل کے نزدیک دفن سے ایک دن پہلے ایک شخص یا کئی اشخاص دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ (المغنی :195/2)

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: نماز پڑھی جانے کے بعد اگر کچھ لوگ جنازے پر آئیں تو وہ انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھیں نہ جماعت کے ساتھ۔ البتہ اگر پہلے ولی کی اجازت کے بغیر اجنبی لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی ہو تو بعد میں ولی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک نئی قبر کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں سوال کیا، بتایا گیا کہ یہ فلاں عورت کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے مجھے نماز پڑھانے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟ کہا گیا اسے رات میں دفن کیا گیا تھا۔ ہم نے حشرات الارض کے خوف سے آپ کو خبر نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ نیز جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہ کرام نے آپ کے جنازہ شریفہ پر فوج درفوج نماز پڑھی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار ان سے نماز جنازہ رہ گئی۔ جب وہ جنازے پر آئے تو انہوں نے صرف میت کے لئے استغفار کیا اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ رہ گئی جب وہ جنازے پر آئے تو انہوں نے کہا کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نماز پڑھنے میں اگرچہ تم نے مجھ پر سبقت کر لی ہے لیکن ان کے لئے دعا میں مجھ سے پہل نہ کرنا" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میت کا حق فریق اوّل کے فعل سے ادا ہو جاتا ہے۔ اب اگر فریق ثانی بھی یہ فعل کرے تو اس کے حق میں نماز جنازہ نفل ہو جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اگر نماز جنازہ نفلی طور پر جائز ہوتی، جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی قبر کی زیارت عطا فرماتا ہے انہیں آپ ﷺ کی قبر پر نماز جنازہ بطریق اولیٰ پڑھنی چاہئے تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ اب بھی اپنی قبر میں اسی طرح تشریف فرما ہیں جس طرح روزِ اوّل آپ تشریف فرما تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے گوشت کھانے کو حرام کر دیا ہے حالانکہ آپ کی قبر پر کوئی مسلمان آپ ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھتا اور مسلمانوں کا یہ اجتماعی ترک اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ میت پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ سوا اس صورت کے کہ میت کے ولی نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اور جنازہ پڑھ لیا جائے تو وہ دوبارہ اس کی

نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ نماز جنازہ پڑھنا اس کا حق ہے اور دوسرا کوئی شخص اس کے حق کو ساقط نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اس عورت کی قبر پر نماز پڑھی اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ﷺ ہر مسلمان کے ولی ہیں اور ولی کے بغیر اگر نماز پڑھ لی جائے تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ صحابہ کرام نے جوفوج درفوج آپ کی نماز جنازہ پڑھی تھی اس کا بھی یہی جواب ہے کیونکہ آپ ﷺ کے شرعی ولی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور وہ معاملات کی درستگی اور فتنوں کے دبانے میں مشغول تھے۔ اس لئے ان کے پڑھنے سے پہلے صحابہ کرام نماز جنازہ پڑھتے رہے حالانکہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے یہ ان کا حق تھا اور جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھ لی تو پھر کسی شخص نے آپ کے بعد نماز نہیں پڑھی۔ اسی وجہ سے ہمارے علماء یہ کہتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہی نہیں اور امام شافعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے روئے زمین کو سمیٹ دیا گیا تھا اور رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر ولی ہیں اور یہ بات کسی دوسرے کے لئے متصور نہیں۔ (المبسوط 67/2)

قبر پر نماز جنازہ۔

علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: امام محمد نے فرمایا: اگر میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور میت کو قبر سے نکالا نہیں جائے گا کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا گیا اور وہ لوگوں کے پاس سے جا چکا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے لیکن چونکہ مسلمانوں نے اس پر نماز پڑھنے کا حق ادا نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کا قبر پر نماز پڑھنا ثابت ہے اس لئے اس وقت تک قبر پر نماز پڑھی جا سکتی ہے جب تک یہ گمان ہو کہ اس کا جسم پھٹ نہیں گیا ہوگا کیونکہ نماز جنازہ میت پر مشروع ہے اس کے اجزاء پر نہیں۔ (المبسوط 69/2)

اگر میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا یا ولی کے نماز پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تو مدت مذکور کے لحاظ سے احناف کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: قاضی عیاض نے فرمایا: امام مسلم نے رسول اللہ ﷺ کے کفن اور آپ کی قبر کے بارے میں احادیث ذکر کی ہیں اور آپ کے غسل اور نماز جنازہ کے بارے میں احادیث ذکر نہیں کیں۔ آپ کے غسل کے بارے میں سب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کو غسل دیا گیا اور نماز جنازہ پڑھے جانے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: آپ کی نماز جنازہ بالکل نہیں پڑھی گئی لوگ فرداً فرداً جا کر دعا کر کے لوٹ آتے تھے اور اس کی وجہ میں پھر اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا آپ اپنی فضیلت کی وجہ سے نماز سے مستغنی تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر آپ ﷺ کو غسل بھی نہ دیا جاتا۔

بعض علماء نے کہا: اس وقت کوئی امام مقرر نہیں تھا اور یہ بھی غلط ہے کیونکہ نمازیں پڑھی جاتی تھیں اور نماز با جماعت معطل نہیں ہوئی تھی اور حضرت ابوبکر ؓ کی بیعت آپ کے دفن سے پہلے مکمل ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر ؓ دفن سے پہلے مسلمانوں کے امام اور خلیفہ مقرر ہو چکے تھے۔ صحیح نظریہ جس پر جمہور قائم ہیں وہ یہ ہے: کہ آپ کی نماز جنازہ فرداً فرداً پڑھی گئی۔ ایک جماعت جاتی اور سب اکیلے اکیلے نماز جنازہ پڑھتے۔ پھر وہ جماعت باہر آجاتی اور دوسری جماعت چلی جاتی۔ مردوں کے بعد عورتوں نے نماز جنازہ پڑھی پھر بچوں نے پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ کے دفن کو پیر سے بدھ تک مؤخر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ بیعت مکمل ہو جائے اور مسلمانوں کا ایک امیر مقرر ہو جائے تاکہ کسی نزاع اور اختلاف کے وقت اس کی اطاعت کی جا سکے۔ (شرح مسلم 312/1)

حدیث: شمائل ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ کی نماز جنازہ میں تکبیرات، ثناء اور درود شریف پڑھا گیا۔ (حدیث نمبر :379)

☆☆☆

كِتَابُ الدُّعَاء

روزمرہ پڑھی جانے والی 40 ضروری دُعائیں

نظر بد کی دُعا۔

حدیث 1: حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو اِن کلمات کے ساتھ تعویذ کرتے اور فرماتے: تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحٰق علیہما السلام کو اِنہی (کلمات) کے ساتھ تعویذ کیا کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں: أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ ٭ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ ٭ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔ ترجمہ: میں اللہ کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں، ہر شیطان وزہریلے جانور سے، اور ہر بیمار کرنے والی نظر سے۔

(بخاری حدیث :3120-3371 مشکوٰۃ 1535 کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض)

نظر لگنا برحق ہے نظر اپنی بھی لگ جاتی ہے اور دوسروں کی بھی اگر کوئی چیز اچھی لگے تو فوراً ''ماشاء اللہ'' کہہ لیا جائے تو نظر نہیں لگتی اگر نظر لگ جائے تو مذکورہ بالا دُعا پڑھ کر دم کیا جائے اور اس کے علاوہ آخری تین قل سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ ناس اور سورۃ فاتحہ'' پڑھی جائے۔ اِن شاء اللہ ہر بیماری سے شفا حاصل ہوگی۔

شام کے وقت یہ دعا پڑھنے سے زہریلے جانور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

حدیث 2: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آج رات مجھے بچھو کے کاٹنے سے بہت تکلیف پہنچی۔ آپ نے فرمایا: اگر شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیتے تو تم کو یہ بچھو ضرر نہ دیتا۔ أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔ ترجمہ: میں اللہ کے کلماتِ تامہ کی پناہ میں آتا ہوں ہر مخلوق کے شر سے۔

(مسلم حدیث :4883-2709 : مشکوٰۃ حدیث :2423 کتاب الدعوات)

اس دعا کو تین بار پڑھا جائے۔

صبح وشام یہ دُعا تین بار پڑھنے سے انسان آفات وبلیات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

حدیث 3: (دُعا) بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (ترمذی 3310- 3388 مشکوٰۃ 2391)

حدیث 4: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کے وقت تین بار یہ کہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ ترجمہ: میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو سننے والا جاننے والا ہے، شیطان مردود سے۔ پھر پارہ ۲۸ کی سورۃ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس پر ستر ہزار (۷۰,۰۰۰) فرشتے مقرر فرمادیگا جو شام تک اُسے دعائیں دیں گے اور اگر یہ اُس دن مرجائے تو اُس کو شہادت کا رتبہ حاصل ہوگا اور جو یہ چیزیں شام کے وقت پڑھے تو اسی درجہ میں ہوگا۔

(ترمذی_2846 2922 : مشکوٰۃ:2157)

سورت حشر کی تین آیات یہ ہیں:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ * هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ * هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ *

ایک سنت پر عمل کرنے سے تین اِنعامات

حدیث 5: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی صبح وشام یہ دعا تین بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کو راضی کرے گا اور اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے اور میں اس کا ضامن ہوں کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کردوں گا۔

(دُعا) رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ابو دائود_1306 1529 احمد_18199 18488

مشکوٰۃ 2399 سلسلہ احادیث الصحیحہ البانی 2686)

صبح وشام اِن تینوں سورتوں کو تین تین مرتبہ پڑھنے سے آدمی ہر شر اور جادو وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے۔

حدیث 6: سورۃ الاخلاص سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یعنی قرآنِ پاک کی آخری تین سورتیں۔ یہ وظیفہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ کو تعلیم فرمایا تھا اور فرمایا: یہ سورتیں تیرے لئے ہر چیز سے کفایت کریں گی۔

(ترمذی_3575-3499 ابوداؤد_5082 4419 مشکوٰۃ 2163)

حدیث 7: نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر سونے کے لئے جاتے تو انہی تین سورتوں کو پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک کر ہاتھوں کو پورے جسم پر پھیرتے اور یہ عمل تین مرتبہ کرتے۔ (بخاری _5017 4630 مشکوٰۃ 2132) یہ تینوں سورتیں ہر نماز کے بعد ایک ایک مرتبہ پڑھنی سنت ہیں۔ (جامع صغیر)

حدیث 8: بازار میں یہ دعا پڑھنے سے دس لاکھ نیکیاں ملتی ہیں، دس لاکھ گناہ معاف ہوتے ہیں، دس لاکھ درجے بلند ہوتے ہیں اور جنت میں گھر بنتا ہے۔ لا إله إلا اللهُ وَحْدَهٗ لاشريكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (ترمذی_3350 3428 مشکوٰۃ 2431)

بازار میں یہ دعا پڑھنے سے خرید و فروخت میں نقصان نہیں ہوتا۔

حدیث 9: بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَخَيْرَ ما فِيْهَا وأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ أَنْ أُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً او يَمِيْنًا فَاجِرَةً۔ (بیہقی فی الدعوات الکبیر مشکوٰۃ حدیث 2456 جامع صغیر)

ہر بیماری سے محفوظ رہنے کی دعا۔

حدیث 10: جب بھی کسی جسمانی یا روحانی بیمار کو دیکھ کر آدمی یہ دعا پڑھ لے تو وہ ان شاء اللہ ان بیماریوں سے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح ایکسیڈنٹ دیکھ کر یہ دعا پڑھنے سے آدمی ایکسیڈنٹ سے محفوظ رہے گا اور کسی کو گانا سنتے ہوئے یا فلم دیکھتے ہوئے دیکھ کر یہ دعا پڑھنے سے

اس بُرے عمل سے محفوظ رہے گا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ عَافَانِىْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِىْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيْلًا۔ (ترمذی 3353- 3431 مشکوۃ 2429)

سواری پر بیٹھنے کی دعا۔

حدیث 11: جب سواری پر قدم رکھیں تو پڑھیں ''بسم اللہ'' جب اچھی طرح بیٹھ جائیں تو یہ دعا پڑھیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ سُبْحَانَ الَّذِىْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ اس کے بعد تین بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تین بار اَللّٰهُ اَكْبَر اور ایک بار یہ دعا پڑھ کر تھوڑا سا ہنسیں: سُبْحَانَكَ اِنِّىْ قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔ (ابوداؤد _2602 3235 ترمذی _3368 3446 مشکوۃ 2434)

حدیث 12: کسی بھی مصیبت کے وقت یہ دعا پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اجر کے ساتھ اس کا نعم البدل بھی عطا فرماتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَأَخْلِفْ لِىْ خَيْرًا مِّنْهَا۔ (مسلم_1525 918 مشکوۃ 1618)

عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دعا صرف کسی کے مرنے پر پڑھی جاتی ہے مگر کسی دوسری مصیبت پر نہیں، اس غلط فہمی کو دور کرلیں کیونکہ اس دعا کو ہر چھوٹی بڑی مصیبت میں پڑھنا سنت ہے۔ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے یا لائٹ چلی جائے تو بھی اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنا سنت ہے۔ اگر کوئی چیز گم ہوجائے تو مذکورہ دعا پڑھنے سے وہ چیز مل جاتی ہے۔

عالم باعمل بننے کی دعا۔

حدیث 13: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِىْ بِمَا عَلَّمْتَنِىْ وَعَلِّمْنِىْ مَا يَنْفَعُنِىْ وَزِدْنِىْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔

ترجمہ: الٰہی مجھے نفع دے اس سے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے نافع چیزیں سکھا اور میرا علم بڑھا۔ اللہ کا شکر ہے ہر حال میں، میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں دوزخیوں کے حال سے۔

(ترمذی حدیث:3523- 3599 ابن ماجہ حدیث:3823- 3833 مشکوۃ حدیث:2493)

ایک جامع دعا۔

حدیث 14: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی دعائیں مانگیں جن میں سے ہمیں کچھ بھی یاد نہ رہا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے بہت سی دعائیں مانگیں، جن میں سے ہمیں کچھ بھی یاد نہ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں تمام دعاؤں کی جامع دعا نہ بتاؤں پھر فرمایا تم یہ پڑھ لیا کرو: اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ ترجمہ: اے اللہ! ہم تجھ سے اُس بہتر چیز کا سوال کرتے ہیں جو تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی اور اُس بُری چیز سے پناہ چاہتے ہیں جس سے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی اور تو ہی حقیقی مددگار ہے اور تجھ ہی پر پہنچانا ہے اور گناہوں سے باز رہنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ (ترمذی حدیث:3443-3521)

قرض کی ادائیگی کے لئے۔

حدیث 15: اگر پہاڑ کی مثل بھی قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے ادا کرنے کی توفیق دے گا۔ اَللّٰھُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَأَغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔ (ترمذی حدیث _3486 3563 مشکوۃ 2449)

حدیث 16: یہ دعا صبح و شام پڑھنے سے قرض بھی ادا ہو جاتا ہے اور پریشانیاں بھی دور ہو جاتی ہیں: اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وأَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ۔ (ابو داؤد حدیث _1330 1555 مشکوۃ 2448)

رزق میں زیادتی کے لئے نماز فجر کے بعد ایک سو مرتبہ پڑھیں۔

حدیث 17: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! دنیا نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم فرشتوں کی نماز اور مخلوق کی تسبیح سے کیوں غافل ہو اور اس کے سبب سے رزق ملتا ہے پھر آپ نے اس کو یہ تسبیح بتائی کہ اس کو طلوع فجر کے بعد ایک سو مرتبہ پڑھو دنیا تمہارے پاس ذلیل ہو کر آئے گی پھر وہ آدمی چلا گیا اور کچھ مدت ٹھہرا رہا پھر حضور ﷺ کی خدمت حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرے پاس اتنی دنیا آ گئی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اسے کہاں رکھوں۔ (خصائص کبریٰ، سیوطی 299/2)

حدیث 18: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزانہ ایک سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگر چہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

(بخاری _ 6405 5926 مسلم _ 2691 4857 مشکوۃ 2296)

گھر میں داخل ہونے کے وقت درود شریف اور قرآن پڑھنے سے تنگ دستی دور ہوتی ہے۔

حدیث 19: عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَقْرَ وَضِيْقَ الْعَيْشِ فَقَالَ لَهُ رسولُ اللهِ ﷺ: إِذَا دَخَلْتَ مَنْزِلَكَ فَسَلِّمْ إِنْ كَانَ فِيْهِ أَحَدٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ أَحَدٌ ثُمَّ سَلِّمْ عَلَيَّ وَاقْرَأْ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" مَرَّةً وَاحِدَةً ۔ فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَأَدَارَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الرِّزْقَ حَتّٰى أَفَاضَ عَلَىٰ جِيْرَانِهِ وَقَرَابَاتِهِ۔ حضرت سہل بن سعد ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر فقر وفاقہ اور تنگیء معاش کی شکایت کی، اُس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو السلام علیکم کہو، چاہے کوئی گھر میں ہو یا نہ ہو پھر مجھ پر سلام عرض کرو (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ) اور ایک مرتبہ، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھو۔ اُس شخص نے ایسا ہی کیا۔ اُس پر اللہ تعالیٰ نے رزق کا دروازہ کھول دیا حتیٰ کہ اُس کے ہمسایوں اور رشتہ داروں کو بھی اُس رزق سے حصہ پہنچا۔

(القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع ص ۱۰۰، الباب الثانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی مشکل کشا ہیں، اُن کے پاس جانے سے مشکلیں حل ہو جاتی ہیں اور صحابہ کرام اپنی مشکلیں اور پریشانیاں حضور ﷺ سے عرض کیا کرتے تھے۔

دوسرا یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔ اسی لئے ہر گھر میں داخلہ کے وقت آپ پر درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا "پھر جب تم کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو"۔ (سورۃ النور: ۶۱)

قاضی عیاض فرماتے ہیں: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو (السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته) اس کے تحت محدث ملاں علی قاری فرماتے ہیں۔ لأنَّ رُوْحَهُ حَاضِرٌ فِی بیوتِ أهلِ الإسلام۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر و موجود ہے۔ (شرح شفا شریف جلد ۲ ص: ۱۱۷)

جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ حاضر و ناظر نہیں وہ بھی سچے ہیں اور جن کا عقیدہ یہ ہے:

ع: لامکاں تک اُجالا ہے جس کا ☆ وہ ہے ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی ﷺ

وہ بھی سچے ہیں، اس لئے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر و موجود ہے۔ یعنی حضور ﷺ کی روحانیت اور نورانیت صرف مسلمانوں کے گھروں میں جلوہ گر ہے، بے دینوں کے گھر میں نہیں۔

گھر سے نکلنے کی دعا۔

حدیث 20: بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إلَّا بِاللهِ۔

(ابو داؤد_5095 4431 مشکوۃ 2443)

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے گھر سے کبھی بھی باہر تشریف نہ لائے مگر آسمان کی طرف دیکھ کر یہ دُعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔ (ابوداؤد 4430)

گھر میں داخل ہونے کی دعا۔

حدیث 21: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلَجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ بِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَ بِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰہِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے۔

(ابو داؤد_5096 4432 مشکوۃ 2444)

چھینک مارنے کی دعا۔

حدیث 22: چھینک مارنے والا بلند آواز سے کہے الحمدُ للہ اور سننے والا کہے یَرْحَمُكَ اللّٰہُ پھر چھینک مارنے والا کہے یَھْدِیْكُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ

(بخاری _6224-5756 مشکوۃ 4733)

اگر چھینک مارنے والا الحمدُ للہ نہ کہے تو یَرْحَمُكَ اللّٰہُ بھی نہ کہا جائے۔

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

حدیث 23: کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے سے شیطان کھانے میں شریک نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو بسم اللہ کہہ لے اور اگر شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے تو کھانا ختم ہونے سے پہلے جب بھی یاد آئے اس طرح کہے: بِسْمِ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِہٖ وَآخِرِہٖ۔(ترمذی_1781 1858 مشکوۃ 4202)

دودھ پینے کی دعا۔

حدیث 24: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو اللہ کھانا کھلائے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْہِ وَاَطْعِمْنَا خَیْرًا مِنْہُ اور جس کو اللہ دودھ پلائے وہ یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ

(ترمذی _3377 3455، ابن ماجہ :3313 مشکوۃ 4283)

اس حدیث سے اہل سنت کا عقیدہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ اللہ کے بندوں کا کام اللہ کا کام ہوتا ہے کیونکہ اللہ ڈائریکٹ کسی کو کھانا کھلاتا ہے اور نہ دودھ پلاتا ہے اسی اسلوب پر ہم کہہ سکتے ہیں ؎

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

واہ کیا جود و کرم ہے شاہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم کوئی علیحدہ چیز نہیں اللہ ہی کا کرم ہے جو لوگ یہ شعر سن کر فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں وہ اس حدیث میں غور کریں کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کے کھانا کھلانے کو اپنا کھلانا کہہ رہا ہے "کہ جس کو اللہ کھانا کھلائے"

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے تیرے
دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

(علامہ اقبال)

کھانے پر آیت الکرسی پڑھنے سے کھانے میں برکت۔

حدیث 25: عن عائشة رضی الله عنها أنَّ رُجلًا أتَی النَّبِیَّ ﷺ فشکا إلیهِ أنَّ ما فی بَیْتِهِ مَمْحُوْقٌ مِنَ الْبَرَکَةِ فَقَالَ أین أنت مِنْ آیةِ الکرسی ما تُلِیَتْ عَلَی طَعامٍ ولا إدامٍ إلَّا أنْمَی اللهُ بَرَکَةَ ذلك الطعامِ والإدامِ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) گھر میں جو کچھ ہے اس میں برکت ختم ہو گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آیت الکرسی کی تلاوت سے کیوں غافل ہو۔ یہ جس بھی کھانے یا سالن پر پڑھی جائے، اللہ تعالیٰ اُس کھانے اور سالن میں برکت زیادہ کر دیتا ہے۔

(تفسیر دُرِّ منثور: از علامہ سیوطی آیت الکرسی کی تفسیر پارہ نمبر ۳)

کھانا کھانے کے بعد دُعا کرنا۔

حدیث 26: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنے سے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ

(ابو داؤد _ 4023 3505 مشکوۃ 4343)

لباس پہننے کی دعا۔

حدیث 27: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی کپڑا پہنا اور یہ دعا پڑھی تو پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔

(ابو داؤد_3505 4023 مشکوٰۃ 4343)

اِس حدیث میں نیا لباس پہننے کی قید نہیں ہے۔لہٰذا جب بھی لباس پہنا جائے، یہ دعا پڑھنے سے اِن شاء اللہ گناہ معاف ہوں گے۔

نیا لباس پہننے کی دعا۔

حدیث 28: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی نیا لباس پہنے پھر یہ دعا پڑھے اور اپنے پرانے کپڑوں کو خیرات کر دے تو وہ اللہ کی پناہ اور اللہ کی حفاظت اور اللہ کی پردہ پوشی میں ہوگا، زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ

(ترمذی حدیث_ 3560 3483 مشکوٰۃ 4374)

شیشہ دیکھنے کی دعا۔

حدیث 29: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ حَسَّنَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ وَزَانَ مِنِّیْ مَا شَانَ مِنْ غَیْرِیْ۔(بیہقی مشکوٰۃ حدیث 5098) اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ۔

(احمد-23256 23871 مشکوٰۃ 5099)

کفارہ مجلس

حدیث 30: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کسی ایسی جگہ بیٹھے جہاں شور و شغب زیادہ ہو (یعنی بے فائدہ گفتگو جس میں وقت ضائع ہو) تو اُٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے، اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو اس مجلس میں ہوئے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ

(ترمذی_3355 3433 ابوداؤد_4217 4859 مشکوٰۃ2433)

مسجد میں داخل اور خارج ہونے کی دُعا۔

حدیث 31: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِي اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ اور جب باہر نکلے تو یہ کہے۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

(مسلم_1165 713 ابو داؤد:393 مشکوٰۃ703)

بیت الخلاء (باتھ روم) جانے کی دعا

حدیث 32: اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَائِثِ۔

(بخاری 139-142 مسلم 563-375مشکوٰۃ 337)

لیٹرین میں بلاضرورت کلام کرنا سخت منع ہے اور اندر جانے سے پہلے اگر بِسْمِ اللّٰهِ پڑھ لیا جائے تو انسانوں کی شرمگاہ اور جنوں کی آنکھوں کے درمیان پردہ ہو جاتا ہے۔

(ترمذی 551-606مشکوٰۃ 358)

بیت الخلاء سے نکلنے کی دعا۔

حدیث 33: غُفْرَانَكَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّي الاَذٰى وَ عَافَانِي۔

(ترمذی: 7ابن ماجہ: 297-301مشکوٰۃ359-374)

عمل زوجیت کی دُعا۔

حدیث 34: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جانا چاہے تو یہ دعا پڑھ لے، اگر اس صحبت میں ان کے نصیب میں بچہ ہوا تو اسے شیطان کبھی نقصان نہ دے سکے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

(بخاری_5909 6388 مسلم_2591 1434 مشکوٰۃ2416)

سونے کی دعا۔

حدیث 35: سونے کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹیں اور دایاں ہاتھ اپنے رُخسار کے نیچے رکھیں اور یہ دعا تین بار پڑھیں: اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

(ابو داؤد_4388 5045 مشکوۃ2402)

حدیث 36: نبی کریم ﷺ جب رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔ اور جب بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

(بخاری -63145839 مشکوۃ:2382)

رات کو سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے سے ایک فرشتہ حفاظت کرتا ہے اور صبح تک شیطان اس کے قریب نہیں جا سکتا۔

حدیث 37: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے صدقہ فطر کی حفاظت پر مقرر فرمایا: رات کو ایک شخص آیا، غلے سے لپ بھرنے لگا میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جاؤں گا، وہ بولا محتاج ہوں، عیال دار ہوں اور مجھے سخت حاجت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اُسے چھوڑ دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! آج رات تمہارے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم۔ اس نے سخت حاجت اور بال بچوں کا عذر کیا میں نے اُس پر رحم کر کے رہا کر دیا۔ آپ نے فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا وہ پھر آئیگا۔ مجھے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے یقین ہو گیا کہ وہ پھر آئیگا۔ میں اُس کی تاک میں رہا، وہ پھر آیا اور اناج میں سے لے جانے لگا۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ضرور لے جاؤں گا وہ بولا مجھے چھوڑ دیجیے میں محتاج ہوں، عیال دار ہوں اور مجھے سخت حاجت ہے، پھر نہیں آؤنگا۔ فرماتے ہیں: مجھے رحم آ گیا میں نے اُسے چھوڑ دیا جب صبح ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تمہارے قیدی کا کیا بنا۔ میں نے عرض کیا:

یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس نے سخت محتاجی اور بال بچوں کا عذر کیا مجھے اُس پر رحم آ گیا تو میں نے اُسے رہا کر دیا فرمایا وہ تم سے جھوٹ بول گیا وہ پھر آئیگا پس میں تیسری رات اُس کا منتظر رہا تو وہ آ کر اناج لینے لگا۔ پس میں نے اُسے پکڑ لیا اور کہا کہ آج میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ضرور لے جاؤں گا کیونکہ آج آخری اور تیسری رات ہے۔ ہر دفعہ تو کہہ جاتا ہے کہ اب نہیں آؤنگا مگر پھر آ جاتا ہے وہ بولا مجھے چھوڑ دیجیے۔ میں آپ کو چند ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن کی برکت سے اللہ آپ کو نفع دیگا میں نے کہا وہ کیا ہیں؟ کہا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی آخر تک پڑھ لیا کرو۔ ساری رات تم اللہ کی حفاظت میں رہو گے اور صبح تک شیطان تمہارے نزدیک نہیں آ سکے گا۔ پس میں نے اُسے چھوڑ دیا صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: تمہارے رات کے قیدی کا کیا بنا؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اس نے مجھے ایسے کلمات سکھانے کا دعویٰ کیا جن سے اللہ مجھے نفع دیگا تو میں نے اُسے چھوڑ دیا فرمایا: وہ کیا ہیں؟ عرض گزار ہوا اُس نے کہا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی اوّل سے آخر تک پڑھ لیا کرو تو ساری رات تم اللہ کی حفاظت میں رہو گے اور صبح تک شیطان تمہارے نزدیک نہیں آ سکے گا اور وہ حضرات نیک کاموں کے بڑے حریص تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ ہے تو جھوٹا مگر تم سے سچ بول گیا۔ اے ابو ہریرہ! جانتے ہو کہ تم تین دن سے کس سے گفتگو کر رہے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا: وہ شیطان تھا۔

(بخاری کتاب الوکالہ حدیث :2144- ؛؛؛؛ مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن حدیث:_ ؛؛؛؛ مرآۃ شرح مشکوٰۃ _ ؛؛؛ / ؛)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ما کان وما یکون کا علم عطا فرمایا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان حضور کی بارگاہ میں حاضری دینے سے بھاگتا ہے، ڈائریکٹ اللہ کی توحید کو ماننا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائے یا جانے سے روکے وہ شیطان کا ایجنٹ ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در ☆ نہیں اور کوئی مفر مقر

جو وہاں سے ہو یہی آ کے ہو ☆ جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی فضیلت۔

حدیث 38: مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعاً وَعِشْرِیْنَ

مَرَّةً كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ يُسْتَجَابُ لَهُمْ وَيُرْزَقُ بِهِمْ أَهْلُ الارْضِ۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہر روز (۲۷) بار سب مسلمانوں مردوں اور عورتوں کیلئے استغفار کرے وہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی دعا قبول ہوتی ہے اور اُن کی برکت سے تمام اہل زمین کو رزق ملتا ہے۔

(رواہ الطبرانی بسند جید (الامن والعلی ص:..)

رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابِ۔ اس کی بجائے یہ بھی پڑھ سکتے ہیں: اَللّٰهُمَّ اغْفِرِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ والمؤمناتِ۔

حدیث 39: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ ومؤمنةٍ حسنةً

جو مؤمنین اور مؤمنات کے لئے بخشش کی دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے تمام مومنین اور مومنات کی تعداد کے برابر نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ (جامع صغیر 8419)

سنت پر عمل کر کے شہادت کا ثواب حاصل کریں۔

حدیث 40: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہر روز (25) بار یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا ثواب عطا فرماتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِي فِي الْمَوْتِ وَفِيْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ (طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد 301/5)

غموں اور پریشانیوں کا روحانی علاج۔

حافظہ تیز کرنے کا عمل

بسم اللہ۔ سات دن بلا ناغہ (۷۸۶) بار اوّل آخر ایک ایک بار درود شریف پڑھنے سے حاجت پوری ہوتی ہے۔ (شمس المعارف)

کند ذہن (۷۸۶) بار بسم اللہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لے تو اس کا حافظہ مضبوط ہو اور جو بات سنے یاد رہے۔ (شمس المعارف) جس مرض یا درد پر تین روز تک (۱۰۰)

مرتبہ بسم اللہ حضورِ دل سے پڑھ کر دم کیا جائے ان شاء اللہ اس سے آرام آجائے گا۔

(جنتی زیور ص ۵۷۹)

آفات وبلیات دور کرنے کا آسان وِرد۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! (کرم اللہ وجہہ) جب تم کسی مشکل میں پھنس جاؤ تو اس طرح پڑھو۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ولاحول ولا قوۃ الا باللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اللہ اس کی برکت سے بلاؤں کو دور فرمادے گا۔ (عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی)

سورہ فاتحہ کے فضائل۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے۔ (دارمی) مسند دارمی میں ہے کہ (۱۰۰) سو بار سورہ فاتحہ پڑھ کر جو دعا مانگی جائے اس کو اللہ قبول فرماتا ہے۔

(جنتی زیور ص ۵۸۷)

غریبوں کا صدقہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس مال نہ ہو تو وہ یہ درود پڑھے اس کو صدقہ کا ثواب ملے گا۔ (ابن حبان) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ صاحب روح البیان فرماتے ہیں جو اس درود کو پڑھے گا اس کا مال و دولت بڑھتا رہے گا۔

(تفسیر روح البیان سورۃ الاحزاب ۵۶)

رزق میں برکت اور پریشانیوں سے نجات۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے استغفار کو اپنے اوپر لازم کرلیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر غم سے نجات دے گا اور ایسی جگہ سے اُسے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ مشکوۃ کتاب الدعوات باب الاستغفار حدیث نمبر ۲۳۳۹)

استغفار کیسے پڑھنا ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کم از کم روزانہ ایک تسبیح پڑھی جائے اور ہر نماز کے فرضوں کے بعد تین بار پڑھنا سنت ہے۔

کثرتِ رزق اور حصولِ اولاد کے لئے قرآنی عمل۔

مفتی نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ سورہ ہود کی آیت نمبر (۵۲) باون کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کثرتِ رزق اور حصولِ اولاد کیلئے استغفار کا بکثرت پڑھنا قرآنی عمل ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ بہت مالدار ہوں لیکن اولاد کی نعمت سے محروم ہوں مجھے کوئی ایسی چیز بتایئے جس سے اللہ مجھے صاحبِ اولاد کر دے۔ آپ نے فرمایا استغفار پڑھا کرو۔ اس نے استغفار کی یہاں تک کثرت کی کہ روزانہ سات سو بار پڑھنے لگا اس کی برکت سے اس شخص کے دس بیٹے ہوئے۔

بے اولاد کے لئے ایک مدنی وظیفہ۔

اگر کسی کے اولاد نہ ہو یا صرف لڑکیاں ہوتی ہوں تو وہ ہر جمعرات کو مغرب کی نماز کے بعد ایک ہزار بار پہلا کلمہ پڑھے، اوّل آخر ایک ایک تسبیح درود شریف اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے: الٰہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نیک صالح بچہ عطا فرما۔ آرزو پوری ہونے تک پڑھتا ہے مرد اور عورت دونوں پڑھیں لیکن عورت ناغہ کے دنوں میں بغیر نفل پڑھے ، دعا مانگ لے۔ یہ وظیفہ مجھے مدینہ منورہ سے عطا ہوا اور اس کے ذریعہ سے بہت سے لوگوں کو اولاد کی نعمت حاصل ہوئی۔

دستِ غیب

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اسے اختیار کر لیں تو وہ انہیں کافی ہو۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ (ابن ماجہ ، دارمی مشکوۃ کتاب الرقاق باب التوکل حدیث (....)

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص اس آیتِ کریمہ کو ورد میں رکھے اسے دستِ غیب نصیب ہو جاتا ہے۔

ایک سال کے اندر دولت مند بننا۔

جو شخص طلوع آفتاب کے وقت سورج کی طرف رُخ کر کے "بسم اللہ......" ۳۰۰ بار اور درود شریف ۳۰۰ بار پڑھے اللہ اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا اور روزانہ پڑھنے سے ان شاء اللہ ایک سال کے اندر اندر امیر ہو جائے گا۔

(شمس المعارف ص ،، فیضانِ بسم اللہ ص ۱۳۵)

وسعتِ رزق اور بے روزگاری کے خاتمہ کے لئے۔

وسعتِ رزق کے لئے ۵۰۰ سو بار پڑھا جائے: یا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ اوّل آخر درود شریف گیارہ گیارہ بار عشاء کی نماز کے بعد قبلہ رو باوضو ننگے سر ایسی جگہ کہ سر اور آسمان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو یہاں تک کہ سر پر ٹوپی بھی نہ ہو۔ (مدنی پنج سورہ ص ۲۳۱)

تلاشِ معاش

تلاش معاش کے لئے سورت اخلاص کو بسم اللہ کے ساتھ (۱۰۰۱) ایک ہزار ایک بار اوّل و آخر سو سو مرتبہ درود شریف عروجِ ماہ یعنی چاند کی پہلی سے چودھویں تک کے زمانہ میں پڑھنا نہایت موثر ہے۔ (مدنی پنج سورہ ص ۲۳۱)

یا رَحِیْمُ روزانہ (۵۰۰) مرتبہ پڑھنے سے انشاء اللہ دولت پائے گا اور مخلوق اس پر مہربان ہوگی۔

یا رَزَّاقُ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان (۴۱) دن تک (۵۵۰) بار پڑھنے سے، ان شاء اللہ دولت مند ہوگا۔

یَا وَھَّابُ روزانہ سات بار پڑھنے والا مستجاب الدعوات ہوگا۔

یا مَانِعُ (۲۰) بار بیوی ناراض ہو تو شوہر اور اگر شوہر ناراض ہو تو بیوی سونے سے قبل بستر پر بیٹھ کر پڑھے، ان شاء اللہ صلح ہو جائے گی۔

ہر قسم کی بیماری سے شفا۔

اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے باوضو اور بے وضو **یا سلامُ** کا ورد کرتے رہیں، اِن شاءاللہ ہر قسم کی بیماری اور مصیبت سے نجات ملے گی اور روزی میں برکت ہوگی۔

یا سلامُ ۳۳ بار پڑھ کر پانی پر دم کر کے ہر قسم کے مریض کو پلائیں اور اس پر دم بھی کریں۔

شادی کا مجرب عمل۔

جس مرد یا عورت کی شادی نہ ہوتی ہو، وہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد دو رکعت نماز نفل شادی کی نیت سے پڑھے اور سلام کے بعد (۱۱) مرتبہ درودِ ابراہیمی پڑھے اور (۴۱) بار سورۃ اخلاص پھر (۱۱) بار درودِ ابراہیمی اور صرف شادی کے لئے دعا کرے۔ ان شاءاللہ مقصد پورا ہوگا۔ عمل کی مدت (۹۰) دن ہے اس عرصہ میں اگر منگنی یا شادی ہو جائے تب بھی (۹۰) دن پورے کرے، عورت ناغہ (حیض) کے دن شمار کر کے بعد میں پورا کرے۔

لڑکی کی شادی میں رُکاوٹ۔

اگر کسی لڑکی کی شادی میں رکاوٹ ہو یا کسی نامعلوم وجہ سے کہیں شادی نہ ہوتی ہو تو وہ سورۃ الممتحنہ، روزانہ پانچ بار باوضو پڑھے، اِن شاءاللہ اس کی شادی کسی نیک بخت نوجوان سے ہو جائے گی۔

☆☆☆

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل

امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ

آپ کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہے اور لقب امام اعظم و امام المسلمین ہے۔ فارس کے بادشاہ نوشیرواں کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے دادا مشرف با اسلام ہوکر کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہیں آپ 80 ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب ''حضرت ثابت'' اپنے بچپن کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے اور ان کی اولاد میں خیر و برکت کی دُعا فرمائی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تقریباً تیس صحابہ زندہ تھے جن میں سات صحابہ کرام سے آپ کی ملاقات ثابت ہے خصوصاً حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفی، حضرت معقل بن یسار اور حضرت واثلہ بن الا سقع رضی اللہ عنہم اور حضرت انس، حضرت جابر اور حضرت واثلہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے آپ نے حدیثیں روایت کی ہیں۔

حدیث شریف میں آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق بشارت دی گئی ہے جیسا کہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ والرضوان تحریر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضور سید عالم نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں اس حدیث شریف میں بشارت دی ہے جسے ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَوْ کَانَ الْعِلْمُ بِالثُّرَیَّا لَتَنَاوَلَهُ رِجَالٌ مِنْ اَبْنَاءِ فَارِس یعنی اگر علم ثریا پر پہنچ جائے تو فارس کے جواں مردوں میں سے ایک جواں مرد ضرور اس تک پہنچ جائے گا۔

(تبیض الصحیفه فی مناقب ابی حنیفه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ وہ حدیث ہے جس کے اصل الفاظ بخاری اور مسلم میں ہیں: وَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَدَهٗ عَلٰی سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ: لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَهٗ

رِجَالٌ أَوْ رَجُلٌ مِنْ هَؤُلَاءِ۔

(بخاری_4518 4897مسلم 4618- 2546مشکوٰۃ 6212)

معجم طبرانی کے الفاظ جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہیں وہ یہ ہیں:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالثُّرَيَّا لَتَنَاوَلَهُ نَاسٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ۔

(تبیض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ ان احادیث کریمہ میں رِجَالٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ سے مراد حضرت امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

آپ نے چار ہزار مشائخ تابعین وتبع تابعین سے حدیث وفقہ حاصل کی۔ بعض حضرات کے نام یہ ہیں: حضرت امام جعفر صادق، نافع مولیٰ ابن عمر، موسیٰ بن ابی عائشہ، سالم بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب، سعید بن مسروق، سلمہ بن کہیل، سلیمان بن مہران اعمش، طاؤس بن کیسان، عبداللہ بن دینار، عبدالرحمن بن ہرمز، اعرج، عطاء بن ابی رباح، عطاء بن یسار، محمد بن علی بن حسین بن علی المرتضیٰ، محمد بن عمرو بن الحسن بن علی المرتضیٰ، ولید بن سریع مولیٰ عمر بن الخطاب اور ہشام بن عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم۔

آپ نے تمام علوم میں کامل ہونے کے بعد گوشہ نشینی کا ارادہ فرمایا تو ایک رات آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ابو حنیفہ! آپ کو اللہ تعالیٰ نے میری سنت کو زندہ کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ آپ گوشہ نشینی کا ارادہ ہرگز نہ کریں ۔ اس بشارت کے بعد آپ درس وتدریس اور مسائل شرعیہ کے اجتہاد واستنباط میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ آپ کا مذہب ساری دنیا میں پھیل گیا۔ آپ کے شاگرد بے شمار ہوئے جن میں ساٹھ شاگردوں کا ذکر بعض محدثین نے تفصیل سے کیا ہے۔ ان میں سے چند بزرگوں کے اسمائے گرامی یہ ہیں: امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد، ابو مطیع بلخی، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث نخعی، رئیس الصوفیہ داؤد طائی، یوسف بن خالد، اسد بن عمرو اور نوح بن مریم وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

حضرت امام اعظم کو مسائل کے اجتہاد اور احکام کے استنباط کی مشغولیت کے سبب روایت حدیث کا بہت کم موقع ملا جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو اُمورِ خلافت کی مشغولیت کے سبب حدیث کی روایت کا اتفاق کم ہوا مگر اس کے باوجود حضرت امام اعظم کی روایت کردہ حدیثوں کی پندرہ مسانید جمع کی گئی ہیں اور آپ کے شاگرد اکابر محدثین کے شیوخ میں شمار کئے گئے ہیں جیسے یحیٰ بن معین، وکیع بن جراح، مسعر بن کدام، عبداللہ بن مبارک، امام ابو یوسف، احمد بن حنبل اور بالواسطہ اصحابِ ستہ یعنی امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ بھی امام اعظم کی شاگردی سے باہر نہیں ہیں۔

زرقانی شارح موطا نے امام اعظم کی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد میں کئی قول نقل کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ آپ کی مرویات کی تعداد پانچ سو ہے۔ دوسرے یہ کہ سات سو، تیسرے یہ کہ ایک ہزار سے کچھ زائد اور چوتھے یہ کہ ایک ہزار سات سو ہیں۔

غیر مقلدین جو یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں پہنچی ہیں اور ثبوت میں ابن خلدون کا حوالہ پیش کرتے ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ ابن خلدون کا عقیدہ یہ نہیں ہے اور نہ اس کا یہ قول ہے بلکہ اس نے دوسرے کا قول حکایتاً نقل کیا ہے اور اغلب یہ ہے کہ اس نے سبع مائۃ (700) لکھا تھا کاتب کی غلطی سے سبعۃ عشرہ ہو گیا یا ازراہِ حسد قصداً ایسا کیا گیا۔ اس لئے بقول ملا علی قاری حضرت امام اعظم نے تراسی ہزار مسائل حل فرمائے ہیں جن میں سے اڑتیس ہزار مسائل عبادات کے متعلق ہیں اور باقی مسائل معاملات کے بارے میں ہیں۔ اگر آپ کو صرف سترہ حدیثیں پہنچی ہوتیں تو اتنے زیادہ مسائل آپ ہرگز نہ حل کر سکتے، نہ علامہ ذہبی شافعی تذکرۃ الحفاظ میں آپ کا ذکر حفاظِ حدیث میں کرتے، نہ اکابر علماء حدیث آپ کو اپنا شیخ بناتے، نہ آپ کے لئے امام کا لقب تسلیم کرتے، نہ محدثِ زمانہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی شافعی اور دیگر علمائے سلف آپ کے فضائل و مناقب میں بڑی بڑی کتابیں لکھتے۔ غرضیکہ غیر مقلدوں کا یہ پروپگنڈہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں پہنچی ہیں بالکل جھوٹ ہے۔ اسے وہی شخص صحیح مان سکتا ہے جس کو آپ کے علم سے حسد ہوگا اور یا تو وہ آپ کے علم سے جاہل ہوگا۔ جو آپ کی مرویات دیکھنا چاہے وہ موطا امام محمد، کتاب الآثار،

کتاب الحج، سیر کبیر اور امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، کتاب الامالی محمد بن زیاد وغیرہا کا مطالعہ کرے۔ ان میں امام اعظم کی روایت کردہ کئی سو حدیثیں صحیح اور حسن ملیں گی۔

آپ کا وصال

آپ کا وِصال 150 ھ ماہ رجب یا شعبان میں ستر (۷۰) سال کی عمر میں ہوا جب کہ آپ بغداد کی جیل میں تھے۔ خلیفہ منصور نے آپ کو خفیہ طور پر زہر دیا جب زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو گئے اور سجدہ کی حالت میں ہی روح پرواز کر گئی اور آپ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ مزار اقدس بغداد شریف کے خیزراں قبرستان میں زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ابو حنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں۔ جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی نے فرمایا ہے۔ ترجمہ: جان لے کہ علماء واصحابِ حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لئے آپ کا وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے۔ ان علماء میں امام شافعی بھی ہیں۔

(خیرات الحسان ص69 تبیض الصحیفه، خیرات الحسان، حدائق الحنفیه، مفید المفتی، بزرگوں کے عقیدے از مفتی جلال الدین احمد امجدی ص 363-359:
نُزهة القاری شرح بخاری مقدمه)

تصانیف امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ

1: فقہ اکبر: اہل سنت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو بہت متداول اور متعارف ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی جا چکی ہیں مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح ملا علی قاری کی ہے۔

2: العالم والمتعلم۔ 3: کتاب السیر۔ 4: کتاب الاوسط۔

5: الفقه الابسط۔ 6: کتاب الرد علی القدریہ۔

7: رسالہ الامام ابی عثمان التیمی فی الارجاء۔ 8: کتاب الرائ۔
9: کتاب اختلاف الصحابہ۔ 10: کتاب الجامع۔ 11: کتاب الوصیة
12: کتاب المفقود وغیرہ ہیں
تانیب الخطیب میں علامہ کوثری نے امام اعظم کی مسانید کی تعداد اکیس (21) بتائی ہے جن کی سندیں متصل ہیں۔ (نزھة القاری شرح بخاری 184/1 بزرگوں کے عقیدے از مفتی جلال الدین احمد امجدی ص: 363-359)
امام اعظم نے صحابہ سے احادیث سنی ہیں اور ان کو روایت بھی کیا ہے مثلاً علامہ موفق نے اپنے مناقب میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الدال علی الخیر کفاعله والله یحب إعانة اللهفان۔ نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی، سب سے روشن اور سب سے قوی دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات و جزئیات کو دیکھو اور دوسری طرف حدیث کی کتابیں دیکھو۔ جن جن ابواب جن جن مسائل میں صحیح غیر مؤول غیر منسوخ کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی شرح معانی الآثار چار جلدوں میں، علامہ عینی کی بخاری کی شرح عمدة القاری، علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرو اور اگر کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرو۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے اس کی حرف بحرف تصدیق ہوجائے گی۔ اگر معاندین کی بات مان لی جائے کہ امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب حدیث کے مطابق کیسے ہے۔
شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں احادیث کے صحائف تھے۔ جنہیں امام صاحب نے سنا تھا۔ آپ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا۔ آپ کے حدیث کے شیوخ کی

تعداد چار ہزار تھی۔ امام بخاری ومسلم کے استاد یحیی بن معین نے فرمایا: امام حدیث ابوحنیفہ ثقہ تھے۔ (تهذيب التهذيب 50/10، نزهة القاري 179/1)

امام اوزاعی نے فرمایا: امام ابوحنیفہ عظیم شخص ہیں۔

امام اوزاعی ابتداءً حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت امام اوزاعی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ کون ہے؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہ دیا، واپس چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے۔ سرورق لکھا تھا: قال نعمان بن ثابت ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے۔ پھر ان سے پوچھا یہ نعمان کون ہیں؟ انہوں نے کہا عراق کے ایک صاحب ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا: یہ عظیم شخص ہے۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ جب حج پر گئے تو مکہ معظمہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی اور انہی مسائل کا ذکر آیا۔ امام اعظم نے ان مسائل کی ایسی عمدہ توضیح کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے۔ امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا: ان کے فضل وکمال نے ان کو محسود بنادیا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا ہے میری بدگمانی غلط تھی جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

امام محمد باقر ﷺ سے ملاقات۔

حضرت امام اعظم کے اساتذہ میں حضرت امام محمد باقر ﷺ بھی ہیں۔ ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب امام صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں! امام محمد باقر نے امام اعظم سے کہا: وہ تمہی ہو جو قیاس سے میرے جد کریم ﷺ کی احادیث کا رد کرتے ہو۔ امام اعظم نے کہا: معاذ اللہ۔ حدیث کو کون رد کرسکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت ملنے کے بعد امام اعظم نے عرض کیا: حضور مرد ضعیف

یا عورت ؟ امام محمد باقر نے ارشاد فرمایا: عورت۔ عرض کیا، وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا ؟ فرمایا: مرد کا۔ عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا۔

پھر عرض کیا: نماز افضل ہے یا روزہ ؟ ارشاد فرمایا: نماز۔ عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضاء بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا ضرور کرے! اس پر امام محمد باقر ﷺ اتنے خوش ہوئے کہ اُٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔ حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام محمد باقر ﷺ کی خدمت میں رہ کر فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح ان کے خلف ارشد حضرت امام جعفر صادق ﷺ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ (نزھۃ القاری 177/1)

امام المسلمین

امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ جب روضہ رسول ﷺ پر حاضر ہوئے اور عرض کی: السلام علیک یاسید المرسلین تو روضہ رسول ﷺ سے آواز آئی: وعلیک السلام یا امام المسلمین۔

(تذکرۃ الاولیاء) سچی حکایات (۲/۳۶۰) از علامہ ابوالنور محمد بشیر صاحب)

جب رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امام المسلمین فرمادیا ہے تو کس کو انکار کی مجال ہے۔

مقدس بوڑھا

حضرت شیخ بوعلی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا کہ ایک روز میں حضرت بلال ﷺ کے مزار شریف پر سو گیا۔ میں نے خواب دیکھا کہ میں مکہ شریف میں ہوں اور حضور ﷺ باب بنی شیبہ سے تشریف لا رہے ہیں اور آپ ایک بوڑھے شخص کو بڑی شفقت سے اپنی گود مبارک میں لیے ہوئے اور اپنے سہارے چلا رہے ہیں۔ میں نے دوڑ کر حضور ﷺ کے مبارک قدموں کو بوسہ دیا اور میرے دل میں یہ سوال اُٹھ رہا تھا کہ یہ بوڑھے کون ہیں جنہیں حضور علیہ السلام اتنی شفقت سے اپنی گود میں سنبھالے اور اپنے سہارے چلا رہے تھے۔ حضور ﷺ نے میرے اس سوال کو جان لیا اور فرمایا: یہ مسلمانوں کا امام ابوحنیفہ ہے۔

(تذکرۃ الاولیاء) سچی حکایات (۲/۳۶۱) از علامہ ابوالنور محمد بشیر صاحب)

تمام مسلمانوں نے آپ کو امام تسلیم کیا علماء نے آپ کی شان میں کتابیں لکھیں بلکہ تمام ائمہ اربعہ نے ان کی شان کے قصیدے پڑھے ہیں۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی ﷺ (م ۲۰۴ھ) کو کہتے سنا: (مَنْ اَرَادَ الْفِقْهَ فَلْيَلْزَمْ اَبَا حَنِيْفَةَ واصحابه فان النَّاسَ كُلُّهُمْ عِيَالٌ عَلَيْهِ فِي الْفِقْهِ) تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ جو فقہ کی معرفت چاہتا ہے اس کے لیے ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بغیر چارہ نہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ص ۳۴۶) تبیض الصحیفہ للسیوطی ص (۱۱۲)

امام مالک بن انس ﷺ (م ۱۷۹ھ) نے حضرت امام ابوحنیفہ ﷺ کے بارے میں فرمایا ''سبحان اللہ! میں نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا'' نیز فرمایا ''اگر وہ اس ستون کے بارے میں دعویٰ کریں کہ سونے کا ہے تو اسے دلیل سے ثابت کردیں گے''۔ (الخیرات الحسان)

امام احمد بن محمد بن حنبل ﷺ (م ۲۴۱) نے فرمایا: سبحان اللہ! وہ علم، ورع زُہد اور ایثار آخرت میں ایسے مقام پر فائز تھے جس پر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ (مناقب ذہبی)

شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''فیوض الحرمین'' میں لکھتے ہیں: تین باتیں میرے عندیہ اور میلانِ طبع کے قطعاً خلاف تھیں مگر نبی پاک ﷺ نے میرے میلانِ طبع کے علی الرغم مجھے ان کی تاکید و وصیت فرمائی۔ ان تین اُمور میں سے دوسری بات ان مذاہب اربعہ کی تقلید کی وصیت تھی کہ میں ان سے خروج نہ کروں اور جہاں تک ممکن ہو تطبیق کی کوشش کروں، نبی پاک ﷺ نے مجھے پہچان کرائی کہ مذہبِ حنفی میں ایک بہت ہی عمدہ طریقہ ہے جو اس سنت سے قریب تر ہے جو امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں جمع اور منقح کی گئی ہے۔ (فیوض الحرمین)

امام بخاری کے استاد امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت امام ابوحنیفہ ﷺ نے خواب دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ پاک پر حاضر ہوئے ہیں اور قبر شریف کو انہوں نے کھودا ہے، چنانچہ اس کی خبر اُنہوں نے اپنے استاد کو دی اور اس وقت امام صاحب

بچے تھے اور طالب علم تھے۔ ان کے استاد نے ان کے خواب کی تعبیر اس طرح دی: اے فرزند! اگر تیرا خواب سچا ہے تو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تحقیق میں لگے گا اور ان کی شریعت میں جستجو کریگا، چنانچہ جس طرح ان کے استاد نے تعبیر دی تھی اسی طرح واقعہ ہوا، امام صاحب کی وہ کرامات ظاہر ہوئیں جن کی حد نہیں۔ (تعبیر الرؤیا، ص ۱۱۳)

اگر کوئی امام صاحب کو امام نہیں مانتا تو نہ مانے لیکن ان کی شان میں بے ادبی نہ کرے اور امام کے حاسدین کا امام بن کر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دے کیونکہ وہ تو اللہ کے ولی تھے اور مسلمانوں کے رہنما اور عامل بالحدیث تھے آپ نے خود فرمایا ہے: (إذا صَحَّ حديثٌ فَهُوَ مَذْهَبِي) میں نے صحیح احادیث کو اپنا مذہب بنایا ہے۔ نیز فرمایا: سب سے پہلے میں قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہوں جو چیز قرآن میں نہ ملے اس کو سنت سے اور اُن آثار سے لیتا ہوں جو سند صحیح کے ساتھ منقول ہوں پھر خلفاء اربعہ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر پھر بھی مطلوبہ حکم نہ ملے تو پھر بقیہ صحابہ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اور جب تابعین کی باری آتی ہے تو مجھے بھی اختیار ہے کہ میں بھی اجتہاد کروں جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔ (الشعرانی۔ المیزان ج، ص ۰۱)

نیز فرمایا: (مَا جَاءَ نَا عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِأَبِي وَأُمِّي۔ فَعَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ وَ مَا جَاءَ عَنِ الصَّحَابَةِ إِخْتَرْنَا وَمَا كَانَ مِنْ غَيْرِ ذَلِكَ فَهُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ) (مناقب ذھبی) تبیض الصحیفه للسیوطی ص(۱۱۷)

جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ وہ سر آنکھوں پر اور جو بات صحابہ کرام سے منقول ہو (تو اختلاف کی صورت میں) ہم اس میں سے ایک قول کو اختیار کرتے ہیں اور جو چیز تابعین سے منقول ہو تو وہ بھی ہم جیسے آدمی ہیں (کیونکہ حضرت امام اعظم بھی تابعی ہیں) اسکے باوجود اگر کوئی قلیل الادب حضرت امام اعظم کی شان میں زبانِ طعن دراز کرے اور کہے کہ امام صاحب کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں یا امام صاحب حدیث میں ضعیف تھے تو اس کے جواب میں ہم صرف اتنا ہی کہیں گے۔ لعنةُ الله عَلَى الكاذبين۔

حدیثِ قدسی میں ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جس نے میرے ولی سے عداوت رکھی میں اس کو اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ امام صاحب کے شاگردوں نے احادیث کی پندرہ مسانید مرتب کی ہیں جن میں خاص طور پر امام صاحب کی مرویات احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس مجموعہ کا نام (جامع المسانید) ہے۔ امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار ہے۔ اگر ہر اُستاد سے ایک ایک حدیث بھی حاصل کی ہو تو آپ کی مرویات احادیث کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ (الخیرات الحسان) کوفہ کے علاوہ آپ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے بھی استفادہ کیا خصوصاً سفرِ حج میں اور آپ نے (۵۵) بار حج کیا۔ کوفہ میں پندرہ سو صحابہ کرام تشریف لائے جن کے علوم کوفہ میں پھیلے۔ ابن سعد نے طبقات میں جن مشہور صحابہ کرام کے نام ذکر کئے ہیں۔ ان میں حضرت علی، سعد بن ابی وقاص، سعد بن زید، عمار بن یاسر، ابو موسیٰ انصاری، ابو موسیٰ اشعری، سلمان فارسی، براء بن عازب، زید بن ارقم، وائل بن حجر اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم اجمعین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب حضرات کے علوم کوفہ اور گرد و نواح میں پھیلے جب کہ اہل کوفہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علمی رنگ خوب چڑھا کہ کوفہ کے سات بڑے علماء و فقہاء آپ ہی کے شاگرد تھے جن میں حضرت علقمہ بن قیس نخعی رضی اللہ عنہ المتوفی ۶۲ھ سب سے نمایاں ہیں۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کے بعد یہ علمی قیادت حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔ ان کے بعد حضرت حماد رضی اللہ عنہ اس منصب پر فائز ہوئے تا آنکہ ۱۵۰ھ میں امام اعظم ابو حنیفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس علمی اسلوب کو عروج پر پہنچا دیا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تمام فقہ کا دار و مدار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث مبارکہ پر ہے۔ ہمارے امام اعظم امام ابو حنیفہ ہیں اور امام ابو حنیفہ کے امام حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ فیض براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیا، اس لحاظ سے تمام احناف دراصل مسعودی اور محمدی ہیں۔

فقہ حنفی حقیقت میں قرآن و حدیث و سنت صحابہ کا دوسرا نام ہے۔

روی ابو عبد الله الحسين بن محمد خسرو البلخی فی مقدمة مسنده ان

محمد بن سلمة قال: قال خلف بن ایوب: صَارَ الْعِلْمُ مِنَ اللّٰهِ اِلَى مُحَمَّدٍ ﷺ، ثُمَّ صَارَ اِلَى اَصْحَابِهٖ، ثُمَّ صَارَ اِلَى التَّابِعِيْنَ ثُمَّ صَارَ اِلَى اَبِي حَنِيْفَةَ۔

(تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۳۳۰) تبییض الصحیفہ للسیوطی ص (۱۱۱)

حضرت امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ابوعبداللہ حسین اپنی ''مسند'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں: محمد بن سلمہ نے کہا کہ خلف بن ایوب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم حضرت محمد ﷺ کی طرف آیا پھر آپ کے صحابہ کی طرف اور صحابہ سے تابعین کی طرف پھر تابعین سے امام ابوحنیفہ کی طرف آیا۔ ہمارے اور تمام صحابہ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام اور سردار رسول اللہ ﷺ ہیں یعنی امام اعظم ہیں۔ آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ آپ جس کو چاہیں امامِ وقت بنادیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکر ؓ کو تمام صحابہ کا امام بنایا۔ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نماز کے بھی امام اعظم ہیں اور تاقیامت رحم دل لوگوں کے بھی امام اعظم ہیں۔ حضرت فاروق اعظم ؓ کو اللہ کی راہ میں کفار ومنافقین پر سخت لوگوں کا امام بنایا اور حضرت عثمان غنی ؓ کو حیادار لوگوں کا امام بنایا اور حضرت علی ؓ کو تمام قضاء کا امام بنایا اور حضرت زید بن ثابت ؓ کو علم فرائض (میراث) کا امام بنایا۔ اسی طرح آپ کو خلفاء راشدین نے قرآن جمع کرنے والی کمیٹی کا امام بنایا اور حضرت ابی بن کعب ؓ کو رسول اللہ ﷺ نے علم تجوید اور قراءت کا امام بنایا اور آپ کو سید الانصار کا لقب عطا کیا اور حضرت معاذ بن جبل ؓ کو حلال وحرام کے علم کا امام بنادیا حضرت ابوعبیدہ ؓ کو تمام امانت داروں کا امام بنادیا۔

(ترمذی حدیث _3724 (۳۷۹۱) مشکوٰۃ کتاب المناقب (۶۱۲۵)

حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کو مفسرین کا امام بنایا اور فرمایا: یا الٰہی! اس کو کتاب سکھادے۔ (بخاری کتاب العلم حدیث (73-۷۵) مشکوٰۃ کتاب المناقب (۶۱۳۸)

حضرت سیدنا حمزہ ؓ کو تمام شہداء کا امام بنادیا۔ حضرت امام حسین ؓ کو تمام صابرین کا امام بنادیا اور ان دونوں شہزادوں کو تمام جنتی نوجوانوں کا امام بنادیا۔ حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو تمام پختہ عمر والے جنتیوں کا امام بنادیا۔ (مشکوٰۃ مناقب ابی بکر وعمر حدیث (۶۰۵۹) حضرت بلال ؓ کو تمام مؤذنین کا امام بنادیا۔ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی ؓ

کو غوثِ اعظم بنادیا۔ حضرت نعمان بن ثابت ﷺ کو ان کے وقت سے لیکر تمام بعد میں آنے والوں کا امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ بنادیا۔ امام احمد رضا کو اعلیٰ حضرت مجددِ وقت بنادیا ﷺ۔ یہ تو سرکار کی عطائیں ہیں، کسی کو جلنے سے کیا حاصل ہوگا۔ حضرت امیر معاویہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کا فقیہ بناتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں، اللہ دیتا ہے۔ (بخاری حدیث ٦٩)

لا و ربّ العرش جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی ﷺ
نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشیء رحمت کا قلمدان گیا

☆☆☆

كتاب المآخذ

اُصولِ فقہ چار ہیں

۱: قرآن ۲: حدیث ۳: اِجماع ۴: قیاس

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ (سورۃ النساء آیت:59)

اس آیت کے ذیل میں امام رازی فرماتے ہیں کہ دین کی سمجھ رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شریعت کی چار بنیادیں ہیں:

۱: قرآن کریم ۲: سنتِ مطہرہ ۳: اجماع ۴: قیاس

أَطِيعُوا اللّٰهَ سے مراد قرآن کریم ہے۔ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ سے سنتِ مطہرہ ہے وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ سے معلوم ہوا کہ اجماع حجت ہے۔ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ سے معلوم ہوا کہ قیاس حجت شرعیہ ہے۔ (تفسیر کبیر رازی 143-147/10)

دوسری بنیاد حدیث شریف

اقسامِ حدیث (باعتبارِ ثبوت)

ثبوت کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں:

۱: حدیثِ متواتر ۲: حدیثِ مشہور ۳: خبرِ واحد

حدیثِ متواتر:

متواتر وہ حدیث ہے جسے ایک جماعت سے دوسری جماعت نقل کرے اور وہ جماعت اتنی بڑی ہو کہ ان کا کسی جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو اور یہ سلسلہ ہم تک اسی طرح چلا آتا ہو، اس کی مثال قرآن پاک کا منقل ہونا، رکعات کی تعداد اور زکوۃ کی مقدار ہے۔

حدیثِ مشہور:

مشہور وہ حدیث ہے جو پہلے دور یعنی عصر صحابہ میں خبر واحد کی طرح ہو لیکن دوسرے اور تیسرے دور میں مشہور ہو جائے اور اُمتِ مسلمہ اسے قبول کرلے حتیٰ کہ وہ متواتر کی طرح ہم تک پہنچے۔ اس کی مثال موزوں پر مسح اور (شادی شدہ) زانی کو سنگسار کرنا ہے۔

خبر واحد:

خبر واحد اس حدیث کو کہا جاتا ہے جسے ایک راوی سے ایک یا جماعت سے ایک یا ایک سے جماعت نقل کرے۔ اس میں تعداد کا کوئی اعتبار نہیں جب تک مشہور کی حد کو نہ پہنچے۔

ان احادیث کا حکم:

حدیثِ متواتر سے علم قطعی واجب حاصل ہوتا ہے اور اس کا رد کفر ہے۔

حدیثِ مشہور سے اطمینان بخش علم حاصل ہوتا ہے اور اس کا رد بدعت ہے۔

خبر واحد سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا اگرچہ احکام شرعیہ میں اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے بشرطیکہ اس کا راوی مسلمان، عادل اور حافظہ نیز عقل کے اعتبار سے صحیح ہو اور اس کی سند بھی متصل ہو۔

خبر واحد پر عمل کرنا:

خبر واحد پر عمل کے لئے تین شرائط ہیں:

(۱) قرآن پاک کے خلاف نہ ہو۔ (۲) حدیثِ مشہور کے خلاف نہ ہو۔

(۳) ظاہر کے خلاف نہ ہو۔

خبر واحد کی حجت:

خبر واحد چار مقامات پر حجت ہے:

(۱) خالص اللہ تعالیٰ کا حق جس کا تعلق سزا سے نہ ہو مثلاً رمضان کے چاند کی گواہی۔

(۲) خالص بندے کا حق جس میں کسی دوسرے پر کوئی چیز لازم کی جاتی ہے مثلاً مال وغیرہ کے جھگڑے۔

(۳) خالص بندے کا حق جس میں کسی پر کچھ لازم نہ کیا جائے مثلاً معاملات۔

(۴) خالص بندے کا حق جس میں کسی وجہ سے کچھ لازم کرنا ہو مثلاً کسی کو معزول کرنا یا کسی پر پابندی لگانا۔

تیسری بنیاد اجماعِ اُمت:

اجماع کا لغوی معنی پختہ ارادہ اور اتفاق ہے اور اصطلاحِ شرع میں اس کا معنی یہ ہے:

اتفاقُ عُلماءِ کلِّ عصرٍ من اھل السنۃِ ذوِی العدالۃِ والاجتھادِ علی حکمٍ۔

ہر زمانہ کے عادل و مجتہد علماء اہل سنت کا کسی حکم پر متفق ہونا۔

علماء و فقہاء کا کسی مسئلہ میں متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔ واضح رہے کہ اجماع کا مرتبہ قرآن و سنت کے بعد ہے۔ اجماع کا تعلق ایسے نئے مسائل سے ہے جن کے اصول و قواعد قرآن و سنت میں ذکر ہوں لیکن تفصیلات اور کیفیت کا تعین نہ ہو پھر ایک ہی مسئلہ کی کیفیت میں مختلف قسم کے نصوص وارد ہوں اور ناسخ و منسوخ کا تعین نہ ہو تو شواہد و قرائن کی روشنی میں علمائے امت ایک جانب کو متعین کر دیتے ہیں جیسے تکبیراتِ جنازہ کی تعداد میں اختلاف تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں چار تکبیروں پر حضرات صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

اجماع کی حجیت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ اور جو شخص ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف

چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کردینگے اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے۔ (سورۃ النساء آیت:115)

یہ آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے، امام شافعی سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے؟ آپ نے کہا: میں نے قرآن مجید کو تین سو بار پڑھا، میں نے اس آیت (مذکورہ) کو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پایا۔ (تفسیر کبیر 313/3)

ان کی دلیل کا بیان یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑنا حرام ہے، لہٰذا تمام مسلمانوں کے طریقہ پر عمل کرنا واجب ہوا۔

حدیث سے استدلال:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ** یقیناً اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دستِ کرم ہے جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہی جائے گا۔ (ترمذی حدیث 2093-2167)

یہاں اُمت سے مراد اُمتِ اجابت ہے یعنی حضور پر ایمان لانے والے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اجماع برحق ہے جس پر علماء و اولیاء متفق ہو جائیں وہ مسئلہ ایسا ہی لازم **العمل** ہے جیسے قرآن کی آیت۔ اجماع کا حجت ہونا، یہ بھی اس امت کی خصوصیت ہے۔ معلوم ہوا کہ خلافتِ شیخین برحق ہے کیونکہ وہ اجماع سے منعقد ہوئی ہے۔

غیر مقلدین کے امام وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں: **والإجماع القطعي حجة ومنكره كافر۔** کہ اجماع قطعی حجت ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔ (نزل الابرار 1/6)

رسولِ اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس اُمت کا فروغِ دین میں اجماع حجت ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے اور یہ اس امت کی شرافت و کرامت کی وجہ سے ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ** یقیناً

میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی جب تم اختلاف دیکھوتو بڑے گروہ کی پیروی کرو۔

(ابن ماجہ3940-3950 مشکوٰۃ 173)

مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: ہمیشہ وہ عقیدہ اختیار کرو جو مسلمانوں کی بڑی جماعت کا ہو۔ یہ حدیث منصوص اور غیر منصوص سارے احکام کو شامل ہے۔ آیات وحدیث کے جو معنی بڑی جماعت نے سمجھے وہی حق ہیں۔ خیال رہے کہ بڑی جماعت سارے مسلمانوں کی معتبر ہے نہ کہ کسی خاص جگہ اور خاص وقت کی لہٰذا اگر کسی بستی میں ایک سنی ہے سب بدمذہب تو وہ ایک ہی سوادِ اعظم ہوگا کیونکہ وہ صحابہ سے اب تک کی جماعت کے ساتھ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اجتہادی مسائل میں سوادِ اعظم کا اعتبار نہیں ایک مجتہد جمہور مجتہدین کی مخالفت کرسکتا ہے اور اس کی اتباع جائز ہے۔ بعض بدعملیوں میں عام مسلمان پھنس جاتے ہیں جیسے موجودہ زمانہ میں داڑھی منڈانا لیکن وہ سبھی اسے برائی سمجھتے ہیں اور وہ گناہ سمجھ کر اس کو کرتے ہیں لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ داڑھی منڈانا جماعت کا عمل ہے۔

اقسام اجماع

بنیادی طور پر اجماع کی دو قسمیں ہیں: (۱) سندی اجماع (۲) مذہبی اجماع

سندی اجماع

رسول اکرم ﷺ کی امت میں ایک زمانے کے علماء کا اجماع سندی اجماع کہلاتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صحابہ کرام کا کسی نئے حکم پر واضح اجماع اور یہ کلام اللہ کی کسی آیت کی طرح ہے۔

(۲) کسی نئے حکم پر بعض صحابہ کرام کی طرف سے صراحت اور باقی کا خاموشی اختیار کرنا اور یہ حدیثِ متواتر کی طرح ہے۔

(۳) جس حکم کے بارے میں صحابہ کرام کا قول نہ پایا جاتا ہو اس پر تابعین کا اجماع اور یہ حدیث مشہور کی طرح ہے۔

(۴) صحابہ کرام کے اقوال میں سے کسی ایک قول پر تابعین کا اجماع اور یہ خبر واحد کی طرح ہے۔

مذہبی اجماع

کسی حکم پر بعض مجتہدین کا اجماع مذہبی اجماع کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اجماع مرکب (۲) اجماع غیر مرکب

اجماعِ مرکب

کسی نو پید مسئلے کے حکم پر مجتہدین متفق ہو جائیں لیکن حکم کی علت میں اختلاف ہو مثلاً کسی شخص کو منہ بھر کر قے آئی اور اس نے عورت کو ہاتھ بھی لگایا تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی دونوں کے نزدیک اس کا وضو ٹوٹ جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی علت قے ہے اور امام شافعی کے نزدیک اس کی علت عورت کو ہاتھ لگانا ہے۔

اجماعِ غیر مرکب

جب کسی نو پید مسئلے میں مجتہدین متفق ہو جائیں اور اس حکم کی علت میں بھی اختلاف نہ ہو تو اسے اجماع غیر مرکب کہتے ہیں مثلاً دادی اور نانی سے نکاح کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ ان کی تعظیم واجب ہے۔

چوتھی بنیاد، قیاس

دو چیزوں میں ظاہری یا معنوی برابری کو قیاس کہتے ہیں۔ قیاس کا لغوی معنی اندازہ لگانا ہے اور اِصطلاحِ شرع میں قیاس یہ ہے کہ منصوص علیہ (جس کے بارے میں قرآن پاک یا حدیث شریف کا واضح حکم ہو) کے حکم کو اس معنی کی بنیاد پر جو اس حکم کے لئے علت بنتا ہے، غیر منصوص کے لئے ثابت کیا جائے۔ جیسے نص سے ثابت ہے کہ غلاموں کو گھروں میں آنے جانے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ اس سے حرج پیدا ہوتا ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے بلی کے جھوٹے کو ناپاک قرار نہیں دیا بلکہ مکروہ کہا کیونکہ اس کا بھی گھروں میں آنا جانا ہے اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی نئے حکم کو ثابت کرنے کا نام قیاس نہیں بلکہ قرآن و سنت میں پہلے سے موجود حکم کو ظاہر کرنے کا نام قیاس ہے۔ حضرات فقہاء کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ "قیاس مظہرِ حکم ہے مثبت حکم نہیں ہے"۔

صحتِ قیاس کی شرائط

صحتِ قیاس کے لئے پانچ شرائط ہیں:

(۱) قیاس نص (قرآن وسنت) کے مقابلے میں نہ ہو۔

(۲) قیاس سے نص کا کوئی حکم بدل نہ جائے۔

(۳) اصل سے فرع کی طرف جانے والا حکم عقل کے خلاف نہ ہو۔

(۴) تعلیل کسی شرعی حکم کے لئے ہو لغوی بات کے لئے نہ ہو۔

(۵) فرع کے لئے کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔

حجیتِ قیاس

ایسے مسائل جن کے بارے میں قرآن وسنت سے واضح حکم معلوم نہ ہو انہیں قیاس کے ذریعے حل کیا جاتا ہے۔ اگر قیاس حجت نہ ہوتا یا اس کی اجازت نہ ہوتی تو اُمتِ مسلمہ نو پید مسائل کا شرعی حل کیسے حاصل کرتی۔

قرآن سے اجتہاد اور قیاس پر دلائل

ارشادِ خداوندی ہے: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ "پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اُٹھے تو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حضور رجوع کرو۔"

امام رازی فرماتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ نئے پیش آنے والے مسئلہ کو قرآن سے ثابت شدہ مسئلہ کی طرف لوٹانا، جب دونوں میں مشابہت ومناسبت ہو، لہذا ثابت ہوا کہ قیاس حجت شرعیہ ہے۔ (تفسیر کبیر رازی 146/10)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْاَبْصَارِ۔ اے صاحبانِ عقل! قیاس کرو۔

(سورہ حشر آیت: ۲)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اس آیت سے قیاسِ شرعی کی مشروعیت پر استدلال بہت مشہور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے ایک چیز

سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا اور یہ معنی قیاس میں بھی متحقق ہے کیونکہ قیاس میں اصل کے حکم کو فرع کی طرف منتقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دانتوں کو انگلیوں پر قیاس کیا ہے یعنی چونکہ انگلیوں کی دیت مساوی ہے اس لئے انہوں نے دانتوں کی دیت بھی مساوی قرار دی ہے۔ (تفسیر روح المعانی 41/28)

علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ہمیں اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے اور اعتبار کا معنی ہے کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، بایں طور کہ اس شئے پر اس کی نظیر کا حکم عائد کیا جائے اور یہ اعتبار نصیحت حاصل کرنے، قیاسِ شرعی اور قیاسِ لغوی دونوں کو شامل ہے اور یہ آیت نصیحت حاصل کرنے پر عبارۃً اور قیاس پر اشارۃً دلالت کرتی ہے۔ (عناية القاضي 176/8)

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں: اس آیت سے قیاس کی حجت پر استدلال کیا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف تجاوز کا حکم بیان کیا گیا ہے اور دو چیزوں میں جو مشارکت ہے اس کی وجہ سے ایک کا حکم دوسرے پر لاگو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہی قیاس ہے۔ (انوار التنزيل على حاشية الشهاب 176/8)

حدیث سے اِجتہاد اور قیاس پر دلائل۔

حدیث: ایک سرد رات میں حضرت عمرو بن العاص ﷺ جنبی ہو گئے انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی: وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (اپنے آپ کو قتل نہ کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا ہے) نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ملامت نہیں کی۔ (بخاری كتاب التيمم باب اذا خاف الجنب على نفسه المرض باب نمبر ما قبل حديث _332)

تیمم کے بارے میں قرآن مجید کی آیت ہے: اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آیا ہو یا تم نے اپنی بیویوں سے عمل زوجیت کیا ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ (سورہ النساء:٦)

قرآن مجید نے سفر میں یا مرض کی حالت میں پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کی

اجازت دی ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سفر میں تھے نہ بیمار تھے البتہ انہیں سردرات میں غسل کرنے سے بیماری کا ظن غالب تھا۔ اس آیت تیمم میں بیماری کے خدشہ کی بناء پر تیمم کی اجازت نہیں ہے لیکن انہوں نے قرآن مجید کی دوسری آیت ولا تقتلوا انفسکم سے یہ مسئلہ استنباط اور اجتہاد کیا کہ سردرات میں غسل کرنے سے بیمار پڑ جانے کا خدشہ اور خطرہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ خود کو ہلاک کریں۔ اس لئے انہوں نے غسل کی بجائے تیمم کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن عاص کے اجتہاد کو مقرر اور ثابت رکھا اور انہیں ملامت نہیں کی۔

علامہ عینی بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملامت نہ کرنے اور ان کے نماز نہ دہرانے سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے اور یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا کہ جس شخص کو پانی کے استعمال سے ہلاکت (یا مرض) کا خطرہ ہو وہ تیمم کرسکتا ہے خواہ یہ خطرہ سردی کی وجہ سے ہو یا کوئی اور سبب ہو خواہ وہ سفر میں ہو یا مقیم ہو اور وہ شخص جنبی یا بے وضو ہو اور اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی اجتہاد ہوتا تھا۔ (عمدۃ القاری 34/4)

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا جب کہ جنگ احزاب سے لوٹے کہ لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ کوئی نماز عصر نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں۔ ہم میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو وہیں پہنچ کر نماز پڑھیں گے جب کہ دوسرے حضرات نے کہا: ہم تو نماز پڑھیں گے کیونکہ آپ کا منشاء یہ نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے کسی کو ملامت نہ کی۔ (بخاری کتاب الجمعہ حدیث: 894- ،،،،مسلم کتاب الجہاد حدیث: 3317-1770 شرح مسلم سعیدی حدیث :،،،، ص 491/5-322/3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظۃ بنو قریظہ میں پہنچ کر ہی نماز پڑھنا'' اس حدیث میں ہے کہ صحابہ کے ایک گروہ نے حدیث کے ظاہر پر عمل کیا اور عصر کی نماز راستہ میں نہیں پڑھی اور موخر کر کے بنو قریظہ میں پڑھی اور

دوسرے گروہ نے اجتہاد کیا اور کہا کہ اس فرمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منشاء بنو قریظہ میں جلد پہنچنا تھا حتیٰ کہ عصر کے وقت وہاں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھی جائے۔ آپ کا منشاء یہ نہیں تھا کہ عصر کی نماز موخر کر کے پڑھی جائے۔ اب اگر ہمیں دیر ہو گئی ہے اور بنو قریظہ کی بجائے راستہ میں عصر کا وقت آ گیا ہے تو ہم عصر کو موخر نہیں کریں گے بلکہ نماز پڑھ کر روانہ ہوں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں گروہوں میں سے کسی کو ملامت نہیں کی۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ جنہوں نے حدیث کے ظاہر مفہوم پر عمل کیا انہوں نے بھی درست کیا اور جنہوں نے اجتہاد کر کے منشاء رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کیا انہوں نے بھی صحیح کیا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں صحابہ کے اختلاف کا سبب یہ تھا کہ ان کے نزدیک دلائل متعارض ہو گئے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تھا ''کوئی نماز عصر نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں'' دوسری طرف نماز کو اپنے وقت پر پڑھنے کا بھی حکم ہے۔ بعض صحابہ نے اس کو جلد پہنچنے پر محمول کیا اور عصر کی نماز پڑھ لی اور بعض نے الفاظ کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا اور راستہ میں نماز نہیں پڑھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے کسی کو ملامت نہیں کی کیونکہ دونوں نے اجتہاد کیا تھا۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری 265/6)

حدیث: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص سفر میں گئے نماز کا وقت آ گیا ان کے پاس پانی نہ تھا، انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر لیا پھر نماز پڑھ لی پھر وقت ہی میں پانی پا لیا، اُن میں سے ایک نے وضو کر کے نماز لوٹائی دوسرے نے نہ لوٹائی پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ماجرا عرض کیا تو جس نے نماز نہ لوٹائی تھی اُس سے فرمایا: کہ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَ اَتْكَ صَلَاتُكَ تو نے سنت پالی اور تیری نماز کافی ہو گئی اور جس نے وضو کر کے لوٹائی تھی اُس سے فرمایا کہ لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ تجھے ڈبل ثواب ہے۔

(ابو داؤد کتاب الطهارہ حدیث: 286- ،،، مشکاۃ کتاب الطهارہ حدیث: ،،،)

یہ ہوا اجتہاد کا اختلاف، ان میں سے ایک صاحب ہی حق پر تھے مگر کسی نے کسی پر اعتراض نہیں کیا ہم جو کہا کرتے ہیں کہ چاروں مذہب حق پر ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ کسی پر ملامت یا اعتراض نہیں اس کا ماخذ یہ حدیث ہے۔ اور جس نے وضو کر کے نماز لوٹائی تھی اُس

ے فرمایا کہ تجھے ڈبل ثواب ہے۔ اس لئے کہ فرض پہلے ادا ہو چکا تھا، دوسری نماز نفل بن گئی اور نفل کا ثواب بھی ملتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اجتہاد کا دگنا ثواب ملا یہ تو پہلے کو ملا ہوگا کہ اس کا اجتہاد درست تھا خطاء اجتہادی پر بھی ایک ثواب ملتا ہے اور صحیح اجتہاد پر دوہرا۔

(مرآۃ شرح مشکوۃ-۱/ ۳۴۳)

مسائل فرعیہ اجتہادیہ میں اختلاف ہونا، یہ ایک فطری اور ناگزیر چیز ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رحمت فرمایا ہے اور مجتہد اجر کا بھی مستحق ہوتا ہے۔ یہ اختلاف صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین کے درمیان رونما ہوا اور جو آج حنفی شافعی مالکی حنبلی اختلاف کے نام سے مشہور ہے بلکہ بعض اوقات انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی اختلاف ہو جاتا تھا۔ اُس کی مثال قرآن پاک میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو یاد کرو جب کھیت کا ایک جھگڑا چکاتے تھے۔ جب رات کو کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں اور ہم ان کے حکم کے وقت حاضر تھے ☆ ہم نے وہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔" (سورۃ الانبیاء-۷۸-۷۹ پارہ-۱۷ رکوع ۶)

شانِ نزول:

کسی آدمی کی بکریاں کھیت میں چر گئیں بکریوں والا ساتھ نہ تھا۔ یہ مقدمہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے تجویز کی کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ بکریوں کی قیمت کھیتی کے نقصان کے برابر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا آپ نے فرمایا: کہ فریقین کے لیے اس سے زیادہ آسانی کی شکل بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی عمر گیارہ سال تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے آپ پر لازم کیا کہ وہ صورت بیان فرمائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تجویز پیش کی کہ بکری والا کاشت کرے اور جب تک کھیتی اس حالت کو پہنچے۔ جس حالت میں بکریوں نے کھائی ہے اس وقت تک کھیتی والا بکریوں کے دودھ وغیرہ سے نفع اُٹھائے اور کھیتی اس حالت پر پہنچ جانے کے بعد کھیتی والے کو کھیتی دیدی جائے اور بکری والے کو اس کی بکریاں واپس کر دی جائیں۔ یہ تجویز حضرت داؤد علیہ السلام نے پسند فرمائی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ فقہی اصطلاح میں حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے استحسان کے مقابلہ میں اپنے قیاس سے رجوع فرما لیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اصول شرع کے مطابق اپنی رائے دینا اجتہاد ہے اور کبھی ایک مسئلہ میں اجتہاد سے دو حل معلوم ہوتے ہیں۔ ایک حل ظاہر اور دوسرا مخفی ہوتا ہے۔ ظاہر کو قیاس اور مخفی کو استحسان کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اس معاملہ میں یہ دونوں حکم اجتہادی تھے اور اُس شریعت کے مطابق تھے۔ ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ اگر چرانے والا ساتھ نہ ہو تو جانور جو نقصان کریں اس کا ضمان لازم نہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس مسئلہ کا حکم تھا حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو تجویز فرمائی وہ صلح کی ایک صورت تھی۔

(تفسیر خزائن العرفان ص ۵۷۴-۶۷۴) شرح مسلم سعیدی 320/3)

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ اُن کے بچے تھے بھیڑیا آیا ایک کا بچہ لے گیا اُس کی سہیلی بولی کہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے اور دوسری نے کہا کہ تیرا بچہ لے گیا ہے، چنانچہ وہ دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئیں۔ آپ نے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا پھر وہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں اُنھیں یہ خبر دی آپ نے فرمایا چھری لاؤ میں تم دونوں کے درمیان بچے کے دو ٹکڑے کر کے تقسیم کر دوں تو چھوٹی بولی اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کرو، یہ اس بڑی کا بچہ ہے تب آپ نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

(بخاری کتاب الفرائض حدیث:6272-۶۲۷۲، مسلم کتاب الاقضیہ حدیث:3245-۳۲۴۵
، مشکوۃ صفۃ القیامہ حدیث:_۵۵۰۰، مرآۃ شرح مشکوۃ_۷/ ۵۵۰)

حضرت داؤد علیہ السلام نے غالباً بچہ کی مشابہت بڑی عورت کے ساتھ دیکھی یا بچہ کو بڑی عورت کی گود میں دیکھا اور اس وجہ سے اجتہاد کر کے بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے برخلاف حضرت سلیمان علیہ السلام نے حیلہ سے کام لیا اور آزمائش کر کے امر باطنی معلوم کیا اور چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا بہر حال قرآن مجید اور حدیث صحیح کی ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ کسی پیش آمدہ مسئلہ میں قواعدِ شرعیہ کے مطابق غور وفکر کر کے کوئی حل بیان کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔ جب کتاب وسنت میں کسی مسئلہ کی تصریح نہ ہو تو اس وقت اجتہاد کرنے کا حکم ہے اور

حسب ذیل احادیث اس کی واضح دلیل ہے:

حدیث: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما: أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ، جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ، فَلَمْ تَحُجَّ حَتَّى مَاتَتْ، أَفَأَحُجُّ عَنْهَا؟ ـ قَالَ: (نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَتَهُ؟ ـ اقْضُوا اللَّهَ، فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئی کہ میری والدہ نے حج کرنے کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج نہ کر سکیں یہاں تک کہ فوت ہو گئیں۔ کیا میں اُن کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں تم اُن کی طرف سے حج کرو۔ یہ بتاؤ اگر تمہاری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اُس کا قرض ادا کیا جائے۔

(بخاری حدیث: 1720-1852، مشکوۃ حدیث: 2512 کتاب المناسك کتاب الروح _ المسالة السادسة عشرة ص: 106 _ از شیخ ابن قیم شاگرد ابن تیمیه)

اس مثال میں آپ ﷺ نے حج بدل کی ادائیگی کو قرض کی ادائیگی پر قیاس کیا باہمی مشابہت کی وجہ سے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقہی قیاس برحق ہے کہ حضور ﷺ نے حق اللہ کو حق العبد پر قیاس فرمایا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی (ﷺ) بھی قیاس کر سکتے ہیں۔

حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا میں کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں بھی تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد اور قیاس کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا (تھپکی دی) اور فرمایا: الحمدُ للهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللهِ ﷺ اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو اس بات کی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں۔

(ابو داود 3119-3592 ترمذی 1249-1327 دارمی 168 احمد 21000-21502-21556/6 مشکوۃ 3737)

علامہ خطابی نے کہا اس حدیث میں قیاس کا ثبوت ہے۔ فیصلہ کی ترتیب یہ ہے کہ اولا قرآن سے مسئلہ نکالا جائے مگر حدیث کی روشنی میں۔ اگر حدیث قرآن کے مخالف معلوم ہوتی ہو تو تاویل کر کے ان دونوں میں موافقت کی جائے اگر موافقت ناممکن ہو تو اگر حدیث متواتر ہو اور نزول آیت کے بعد کی ہو تو آیت کو منسوخ مان کر حدیث پر عمل کیا جائے گا جیسے تعظیمی سجدہ کی اباحت قرآن سے ثابت ہے مگر حرمت حدیث سے ثابت ہے تو حدیث پر عمل ہے اور تعظیمی سجدہ حرام ہے اور اگر یہ شرائط نہ ہوں حدیث چھوڑ دی جائے گی قرآن پر عمل کیا جائے گا جیسے قرآن سے ثابت ہے کہ بالغہ لڑکی اپنے نفس کی مختار ہے خود نکاح کر سکتی ہے فلا تعضلوھن أن ینکحن ازواجھن۔ مگر حدیث سے ثابت ہے کہ بغیر ولی نکاح نہیں کر سکتی احناف نے قرآن پر عمل کیا عورت کو اپنے نفس کا مختار مانا۔ قیاس شرعی کے معنی ہیں علت مشترکہ کی وجہ سے منصوص حکم کو غیر منصوص میں جاری کرنا ہم سے کسی نے پوچھا باجرے، جوار، چاول میں سود کیسا ہے؟ ہم نے کہا کہ گندم اور جو میں سود کی ممانعت حدیث میں ہے اور چاول وغیرہ بھی گندم کی طرح وزن اور جنس میں ایک ہیں لہٰذا ان میں بھی سود حرام ہے۔

(مرآۃ شرح مشکوۃ 379/5)

مسئلہ جن علماء کو اجتہاد کی اہلیت حاصل ہو، انہیں اُن امور میں اجتہاد کا حق ہے جس میں وہ کتاب وسنت کا حکم نہ پائیں اور اگر اجتہاد میں خطا بھی ہو جائے تو ان میں مواخذہ نہیں۔ جب مجتہد کسی پیش آمدہ مسئلہ میں اپنی تمام علمی صلاحیتوں کو صرف کر کے کوئی حکم مستنبط کرتا ہے اور وہ حکم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہوتا ہے تو اس پر دو اجر ملتے ہیں اور اگر وہ حکم عند اللہ غلط ہوتا ہے تو مجتہد کو اپنے اجتہاد پر پھر بھی اجر ملتا ہے۔

حدیث:۔ حضرت عمرو بن العاص ﷺ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: إذا حَكَمَ الحاكمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أصابَ فَلَهُ أجْرَانِ وإذا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أخْطأَ فَلَهُ أجْرٌ۔ جب حکم کرنے والا اجتہاد کے ساتھ حکم کرے اور اُس کا حکم درست ہو تو اُس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا واقع ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (بخاری حدیث_6805 7352 ومسلم_3240 1716 مشکوٰۃ 3732)

فقہ اور فقیہ کی فضیلت

حدیث: حضرت معاویہ ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کا فقیہ بناتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں اللہ دیتا ہے۔

(بخاری کتاب العلم الحدیث:۷۱-69)(مسلم کتاب الزکوٰۃ الحدیث:1721- ۱۰۳۸)(مشکوٰۃ کتاب العلم)

تشریح حدیث: اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ قرآن وحدیث کے ترجے اور الفاظ رٹ لینا علم دین نہیں بلکہ ان کا سمجھنا علم دین ہے، یہی مشکل ہے اسی لئے فقہاء کی تقلید کی جاتی ہے، اسی وجہ سے تمام مفسرین ومحدثین ائمہ مجتہدین کے مقلد ہوئے اپنی حدیث دانی پر نازاں نہ ہوئے ، رب تعالیٰ فرماتا ہے ''جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا کیا گیا''۔ (سورہ بقرہ-۲۶۹) وہاں حکمت سے مراد فقہ ہی ہے قرآن وحدیث کے ترجے تو ابوجہل بھی جانتا تھا دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث کا علم کمال نہیں بلکہ ان کا سمجھنا کمال ہے عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ ورسول کا فرمان ہو اور دل میں ان کا فیضان، فیضان کے بغیر فرمان بیکار ہے جیسے بجلی کی پاور کے بغیر فٹنگ بیکار۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ اُو نرسیدی تمام بولہبی ست

رسول اللہ ﷺ فقہاء کی مجلس میں۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مسجد میں دو مجلسوں پر گزرے تو فرمایا: کہ یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ایک مجلس دوسری سے بہتر ہے لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں اس کی طرف راغب ہیں اگر چاہے تو انہیں دے ،چاہے تو نہ دے لیکن وہ لوگ علم وفقہ خود سیکھ رہے ہیں اور ناواقفوں کو سکھا رہے ہیں۔وہ ہی افضل ہیں۔میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں پھر آپ اُنہی میں تشریف فرما ہوئے۔

(دارمی فی المقدمہ حدیث:352-349 مشکوٰۃ کتاب العلم حدیث:۲۵۷-مرآۃ شرح مشکوٰۃ:۱/۲۲۰)

اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنا چاہے تو وہ فقہاء کرام کی مجلس میں بیٹھے کیونکہ آپ کو ان سے محبت ہے اور یہ فقہاء وارثانِ انبیاء کرام ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث فقہ کی تعلیم ہے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بازار مدینہ سے گزرے، فرمایا:

اے بازار والو! تمہیں کس چیز نے عاجز (کمزور و ناتواں) کر دیا ہے؟ انہوں نے کہا: ابو ہریرہ! کیا بات ہے؟ کہا: اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو اور تم وہاں کیوں نہیں جاتے تاکہ اپنا حصہ حاصل کر سکو؟ انہوں نے کہا: کہاں؟ آپ نے کہا: مسجد میں، وہ جلدی جلدی چلے گئے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اُن کے واپس آنے تک وہیں کھڑے رہے۔ جب وہ واپس آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: کیا بات ہے کہنے لگے: اے ابو ہریرہ! ہم مسجد میں گئے تھے ہم نے تو وہاں کچھ بھی تقسیم ہوتا ہوا نہیں دیکھا۔ آپ نے کہا تم نے وہاں کسی کو نہیں دیکھا انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم نے دیکھا کہ وہاں کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ قرآن پڑھ رہے تھے۔ کچھ لوگ حلال وحرام کا تذکرہ کر رہے تھے (یعنی مسائل فقہ پڑھ رہے تھے) فرمایا تمہاری خرابی ہو یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث ہے۔

(الترغیب والترہیب حدیث: ۱۳۰۸ – ج ۱ ص ۵۸)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث صرف سنی حنفیوں کو ملی جو کہ فقیہ ہیں اور منافق کبھی فقیہ نہیں بن سکتا۔

منافقین میں فقیہ نہیں ہو سکتے۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خَصلَتَانِ لا تَجْتَمِعَانِ فی مُنافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ ولا فِقْهٌ فِی الدِّیْنِ۔

دو خصلتیں منافق میں جمع نہیں ہوتیں اچھے اخلاق اور دین کی فقہ۔

(ترمذی حدیث –2684 2608 مشکوٰۃ 219)

معلوم ہوا کہ منافقین میں فقہاء نہیں ہو سکتے اور جس جماعت میں فقہاء ہوں وہ منافق نہیں

ہو سکتی۔ فقہاء صرف سنیوں میں ہوں گے جو لوگ فقہاء کا انکار کرتے ہیں، در پردہ وہ اپنے منافق ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔

حدیث کی فقہ اور تقلید کی حکمت۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم امام صاحب کے قول پر عمل کرتے ہو اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان چھوڑ دیتے ہو حالانکہ یہ ہم پر افتراء ہے، ہم اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کو چھوڑ کر اُمتی کے حکم پر عمل کیا جائے۔ اصل میں یہ لوگ حدیث کی حکمت اور رسول اللہ ﷺ کے منشاء کو نہیں سمجھتے اور نہ ناسخ و منسوخ کو سمجھتے ہیں مثلاً ایک حدیث پیش کرتا ہوں غیر مقلدین اس کا جواب دیں۔

پہلی مثال:

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بخار جہنم کے جوش سے ہے، اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔

(بخاری حدیث_3024،،،،) مسلم حدیث_4097،،،،) مشکوٰۃ حدیث(،،،،)

اب کسی کو بخار ہو جائے تو ڈاکٹر کہے کہ پانی سے نہانا نہیں اس سے تمہاری جان کو خطرہ ہے تمہیں فالج ہو سکتا ہے تم کہو ہم ضرور نہائیں گے، ہم اہل حدیث ہیں نبی کریم (ﷺ) کا فرمان چھوڑ کر ہم ڈاکٹر کی بات کیوں مانیں ہم یہ شرک نہیں کریں گے، جان قربان کر کے شہادت کا درجہ حاصل کر لیں گے، حقیقت میں یہ شہادت نہیں ہو گی خودکشی ہو گی اور حدیث پر عمل کے زعم میں قرآن کی نافرمانی ہو گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اپنی جانوں کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے''۔ (سورہ النساء آیت (۲۹) لیکن اس وقت کوئی بھی اہل حدیث اس حدیث پر عمل نہیں کریگا بے چون و چرا ڈاکٹر کی بات پر عمل کریگا ڈاکٹر کی اندھی تقلید کریگا۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں: چاول نہ کھانا گوشت نہ کھانا ٹھنڈا پانی نہ پینا۔ بہت اچھا جی! اُس وقت کوئی نہیں کہتا ڈاکٹر صاحب! قرآن و حدیث میں کہاں لکھا ہے کہ گوشت وغیرہ نہ کھاؤ میں اہل قرآن ہوں قرآن کو چھوڑ کر آپ کی بات پر عمل کر کے میں شرک کیوں کروں قرآن تو کہتا ہے (زمین کی حلال

پاکیزہ چیزیں کھاؤ) (سورہ بقرۃ آیت (۱۶۸) میں آپ کی تقلید نہیں کر سکتا تو ڈاکٹر صاحب کہیں گے: اگر تقلید نہیں کر سکتا تو گھر جا اور کفن و دفن کا بندوبست کر، چاروناچار اُس کو ڈاکٹر کی اندھی تقلید کرنا پڑے گی اور اُس کی توحید میں بھی کوئی فرق نہیں آئیگا۔ بات دراصل یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن وحدیث کی مخالفت نہیں کی انہوں نے اپنے علم اور تجربہ کی بناء پر حدیث کی حکمت کو سمجھا ہے کہ حضور ﷺ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن یہ حکم تمام بخاروں کے لئے نہیں ہے بلکہ خاص بخاروں کے لئے ہے یعنی گرمی والے بخاروں کا کیونکہ عموماً عرب میں گرمی کا بخار ہوتا تھا ہمارے ہاں بھی بعض ڈاکٹر سر پر تر کپڑا بلکہ برف رکھواتے ہیں یعنی ہر بخار کا الگ حکم ہے اگر تمام بخاروں کا ایک ہی علاج کرتے جاؤ تو "نیم ملاں خطرۂ ایمان اور نیم حکیم خطرۂ جان" والا معاملہ ہو جائے گا۔ جس طرح مذکورہ حدیث ہر بخار کے لئے نہیں اسی طرح ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث (**لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب**) جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز کامل نہیں۔ ہر نمازی کے لئے نہیں بلکہ خاص نمازیوں کے لئے ہے۔ دوسری احادیث کے پیش نظر یہ حدیث امام یا تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے۔ دوسری احادیث مقتدی کو اس عام حکم سے خاص کر دیتی ہیں۔ اگر اس کو ہر قسم کے نمازی کے لئے سمجھا جائے تو قرآن کی مخالفت ہوگی کیونکہ قرآن فرماتا ہے "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم ہو" (سورۃ الاعراف آیت ۲۰۴) حتیٰ کہ ترمذی شریف میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا (**اذا کان وحدہ**) یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے لئے ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے براہِ راست شاگرد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے استدلال کیا "جو سورہ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھے اُس کی نماز نہیں مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو" امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ نبی کریم ﷺ کے صحابی ہیں جو آپ ﷺ کے فرمان کی تاویل کر رہے ہیں اور اُسے تنہا نماز پڑھنے پر محمول کر رہے ہیں۔ (ترمذی حدیث-287 ۳۱۲) اس حدیث کو البانی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

دوسری مثال:

حدیث: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جب تم قضائے حاجت کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ کرو نہ پیٹھ البتہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ (بخاری حدیث 380-394 ،مشکوٰۃ 334)

پاکستان میں قبلہ مغرب کی طرف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مغرب یا مشرق کی طرف منہ کرو لیکن قبلہ کو منہ ہو اور نہ پشت، حدیث میں کسی ملک کا استثناء نہیں اب اگر مغرب کو منہ کیا تو پھر بھی گنہگار کیونکہ قبلہ کی طرف منہ ہو گیا اگر نہ کرے تو پھر بھی گنہگار کہ حدیث پر عمل نہ ہو سکا اب جو لوگ فقہاء اور تقلید کے منکر ہیں وہ فقہاء اور محدثین کی مدد کے بغیر ذرا اس حدیث پر عمل کرکے دکھائیں۔ پاکستان کے اہل حدیث اگر اس حدیث پر عمل کریں تو اُن کے پیشاب بند ہو جائیں غیر مقلدین حضرات کو فقہاء کا شکر گزار ہونا چاہئے، اگر یہ نہ ہوتے تو ان کا پاخانہ پیشاب بند ہو جاتا، فقہاء کرام کی فراست اور برکت سے بہت بڑی مشکل حل ہو گئی۔ فقہاء کرام نے فرمایا کہ یہ حدیث تمام ملکوں کے لئے نہیں ہے صرف اُن ممالک کیلئے ہے جن کا قبلہ جنوب یا شمال میں ہے مثلاً مدینہ منورہ کا قبلہ جنوب میں ہے اور قبلہ اوّل بیت المقدس جانب شمال۔ وہاں کے لحاظ سے فرمایا گیا کہ شرق یا غرب کو منہ کرلو ہمارے ہاں قبلہ جانب مغرب ہے۔ لہٰذا ہم لوگ جنوب یا شمال کو منہ کریں۔

جس طرح مذکورہ حدیث ہر ملک کے لئے نہیں اسی طرح ہمارے امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ حدیث (لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب) "جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اُس کی نماز کامل نہیں"۔ ہر نمازی کے لئے نہیں بلکہ خاص نمازیوں کے لئے ہے دوسری احادیث کے پیش نظر یہ حدیث امام یا تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے مقتدی اس حدیث کے عموم میں داخل نہیں مقتدی کی اس حدیث سے تخصیص کرلی جائے گی کیونکہ قرآن نے اُس کو انصات کا حکم دیا ہے۔

☆☆☆

كِتَابُ التَّقْلِيدُ

تقلید

تقلید کا لغوی معنی:

تقلید کا معنی ہے گردن میں ہار ڈالنا، پانی پلانا۔ کسی چیز کے احاطہ کو بھی تقلید کہتے ہیں۔ کسی شخص پر کسی منصب کی ذِمّہ داری ڈالنے کو بھی تقلید کہتے ہیں۔

تقلید کا اصطلاحی معنی:

علامہ نووی لکھتے ہیں: اَلتَّقْلِیْدُ قبول قول المجتهد والعمل به۔ تقلید مجتہد کے قول کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ قفال نے کہا کہ یہ جانے بغیر کہ قائل نے یہ بات کہاں سے کہی اس کے قول کو قبول کرنا تقلید ہے۔ گویا کہ مقلد نے امام کے قول کا قلادہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ شیخ ابو اسحاق نے کہا بلا دلیل قول کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تقلید ہے۔

(تهذيب اسماء واللغات 101/4)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: (اَلتَّقْلِیْد عبارة عن العمل بقول الغير من غير حجة ملزمة) عمل کو واجب کرنے والی دلیل جانے بغیر کسی کے قول پر عمل کرنا تقلید ہے۔ جیسے عام آدمی کسی مجتہد کے قول پر عمل کرے تو یہ تقلید ہے۔

(الاحكام فی اصول الاحكام 166/3 فواتح الرحموت 400/2)

امام غزالی نے لکھا ہے: اَلتَّقْلِیْد هو قبول قول بلا حجة۔ تقلید کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرنا ہے۔ تقلید کا معنی ہے، عالم اور مفتی کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ عالم اور مفتی کتاب وسنت کے مقابلہ میں اپنا قول پیش کرتا ہے جیسا کہ غیر مقلدین یہ تاثر دیتے ہیں بلکہ سوال کرنے والے اسی شخص سے سوال کرتے ہیں جس کے متعلق انہیں یہ اعتماد ہوتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کا ماہر ہے اور وہ اس مسئلہ کا جو جواب دے گا وہ کتاب وسنت کے مخالف نہیں ہوگا جس طرح تابعین اور تبع تابعین اسی اعتماد کے ساتھ صحابہ اور تابعین سے سوال کرتے تھے۔

تقلید اور علماءِ راسخین کی موافقت

تقلید کی جتنی تعریفات کی گئی ہیں ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ دلیل جانے بغیر کسی کے قول پر عمل کرنا تقلید ہے۔ اس تعریف کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ دلیل کا علم حاصل کرنا تقلید کے منافی ہے اور یہ کہ جو شخص جتنا دلیل سے ناواقف ہوگا اتنا پکا مقلد ہوگا بلکہ اس تعریف کا منشاء یہ ہے کہ تقلید کے لئے دلائل کا علم ضروری نہیں ہے کیونکہ جو شخص دلائل کے حصول پر قادر ہوگا وہ ویسے ہی تقلید سے مستغنی ہوگا، تقلید تو عام لوگوں کے لئے ہے، جو اپنے معاش، کاروبار اور روزگار حیات کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے اتنا وقت نہیں نکال سکتے کہ قرآن وحدیث سے براہ راست احکام حاصل کرسکیں۔ ائمہ اربعہ کے متبعین میں ہزاروں سے متجاوز علماء ایسے ہیں جو اپنے ائمہ کے اقوال کے اصل ماخذ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور ائمہ کے اقوال کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں بلکہ ان میں بہت سے ایسے علماء ہیں جو خود منصبِ اجتہاد کے اہل ہیں اور براہ راست قرآن وحدیث سے احکام حاصل کرسکتے ہیں، اس لئے عام مقلدین میں اور ان علماء مجتہدین میں فرق کرنا ضروری ہے اور اگر یہ کہا جائے تو کچھ بعید نہ ہوگا کہ عام لوگ جنہیں احکام شرعیہ کے اصل ماخذ کا مطلقاً علم نہیں ہوتا وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور علماءِ راسخین جو احکام شرعیہ کے اصل ماخذ پر نظر رکھتے ہیں اور مذاہب اربعہ کے دلائل سے واقف ہوتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ کس دلیل کی بناء پر ان کے امام کا قول باقی ائمہ کے اقوال پر راجح ہے وہ مقلد محض نہیں ہوتے بلکہ اپنے امام کی احکام شرعیہ میں موافقت کرتے ہیں اور یہ چیز اس امام کی اصابتِ رائے پر زیادہ روشن دلیل ہے کہ بڑے بڑے علماءِ راسخین ان کی رائے سے موافقت کرتے ہیں اور ان علماء کی بھی عظمت ہے کہ وہ بایں ہمہ اپنے آپ کو مقلد گردانتے ہیں۔

قرآن کریم سے تقلید پر استدلال۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر

گروہ میں سے ایک جماعت علم دین کے حصول کے لئے نکلتی تا کہ جب وہ واپس آتی تو اپنے گروہ کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراتی تا کہ وہ گناہوں سے بچتے۔ (سورۃ التوبہ 122)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف بعض مسلمانوں پر یہ ذِمہ داری ڈالی ہے کہ وہ علم حاصل کرنے کے بعد اپنی پوری قوم کو احکام پہنچائیں یعنی صرف بعض مسلمان دین کا علم اور فقہ کو حاصل کریں اور ان کی قوم کے باقی مسلمان ان کے اقوال پر عمل کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقہاء کے اقوال کو واجب العمل قرار دیا ہے کیوں کہ ان پر عمل کر کے اللہ کے عذاب سے بچا جا سکتا ہے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ. وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ۔

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا اپنے صاحبانِ علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ کرنے والے ضرور اس کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے۔ (سورۃ النساء آیت:83)

اس آیت میں استنباط کا لفظ ہے، استنباط کا معنی ہے کسی چیز سے کسی چیز کو نکالنا اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ عالم اپنی عقل اور علم سے کسی خبر میں غور وفکر کر کے اس سے صحیح نتیجہ نکالے، قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے ان سے احکام شرعیہ اخذ کرنے کو بھی استنباط کہتے ہیں۔

قیاس اور تقلید کے حجت ہونے کا بیان۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں قیاس بھی حجت اور دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ خبر کے ظاہر پر عمل نہ کیا جائے بلکہ غور وفکر کر کے اس خبر سے صحیح نتیجہ اخذ کیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام ظاہر نص سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ ظاہر نص سے جو حکم مستنبط کیا جائے اس پر عمل کرنا واجب ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں ان میں عوام پر واجب ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں جاہل ہونے کے باوجود خود ہی مسائل نکالنا شروع نہ کر دیں، علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کریں جو اس میدان کے ماہر ہیں جیسے طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہوا ہے لیکن جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو حکیم یا ڈاکٹر کی

طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ وہ علم کے ساتھ تجربہ کار اور ماہر بھی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ بھی مسائل شرعیہ میں استنباط کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے بعد پیش آمدہ واقعات اور مسائل حاضرہ میں اصحابِ علم کو قرآن و حدیث سے استنباط اور اجتہاد کرنا چاہئے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ جس چیز کو تم نہیں جانتے اس کا جاننے والوں سے سوال کرو۔

(سورۃ النحل آیت: 43، سورۃ الانبیاء آیت: 7)

اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عام آدمی جو احکام شرعیہ کو بذاتِ خود حاصل نہیں کر سکتا اس پر لازم ہے کہ وہ عمل کے لئے اہل ذکر اور اہل علم یعنی ائمہ مجتہدین سے سوال کرے کیونکہ وہی براہِ راست تمام احکام شرعیہ اصل ماخذ سے حاصل کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: علامہ سیوطی نے ''اکلیل'' میں اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عام آدمی کے لئے مسائل فرعیہ میں مجتہد کی تقلید ضروری ہے۔ (تفسیر روح المعانی 148/14)

یہ آیت عام ہے اور سوال کرنے کی علت جہل ہے اور اس پر اجماع ہے کہ ہمیشہ سے عام لوگ علماء کی تقلید کرتے رہے ہیں نیز اگر کہا جائے کہ ہر آدمی کے لئے اتنا علم حاصل کرنا فرض ہے کہ وہ کتاب وسنت، آثارِ صحابہ اور اجماع سے براہِ راست مسائل نکال سکے تو اس سے لازم آئے گا کہ لوگ ذریعہ ءمعاش اور صنعت وحرفت سے معطل ہو جائیں اور توحید ورسالت اور آخرت کے عقائد میں یہ لازم نہیں آتا۔ اس لئے امام مالک نے یہ کہا ہے کہ عوام پر واجب ہے کہ وہ احکام شرعیہ میں مجتہدین کے اقوال پر عمل کریں۔ (لوامع الانوار البھیہ 364-363/2)

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے، یہ ائمہ پر جھوٹ ہے انہوں نے ہرگز اپنی تقلید سے منع نہیں کیا ہاں اپنے شاگردوں میں جو منصبِ اجتہاد پر پہنچے انہیں اجتہاد کا حکم دیا ہے جیسے امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر اور حسن بن زیاد وغیرہ۔ اور یہ ائمہ سے کیسے متصور ہے کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ اہل علم سے مسائل پوچھو تو جب لوگ ان کے پاس مسائل لیکر جائیں تو یہ ان کو مسائل نہ بتائیں بلکہ کہیں جاؤ خود جا کر تحقیق کرو علم حاصل کرو تمہیں خود بخود مسائل معلوم ہو جائیں گے۔ اگر ہم نے مسئلہ بتا دیا تو تم ہمارے مقلد بن جاؤ گے یہ تو

کتمانِ علم کے زمرہ میں آتا ہے۔ انہوں نے علم سیکھا کس لئے تھا اگر لوگوں کو مسائل نہیں بتانا تھے اور جن مسائل کا قرآن وحدیث میں صراحتاً تذکرہ نہیں تھا۔ اس کا حل عالم فقہاء پیش کر سکتے تھے یا جاہل لوگ۔ مثلاً باجرہ، جو اور چاول میں سود کا مسئلہ وغیرہ مثلاً آج کوئی آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو وہ ڈاکٹر کے پاس دوائی کے لئے جاتا ہے تو ڈاکٹر صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ بھئی میں پچیس سال پڑھا ہوں تب جا کر ڈاکٹر بنا ہوں تو آپ کو میرے پاس آنے کی اور میری تقلید کرنے کی ضرورت نہ تھی آپ بھی میری طرح تعلیم حاصل کریں اور انہی کتابوں سے اپنے لئے نسخہ تجویز کریں جہاں سے میں نے علم حاصل کیا ہے تو وہ مریض کہے گا عجیب بیوقوف ڈاکٹر ہے میری جان پر بنی ہے اور یہ مجھے پچیس سال پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ بلکہ مریض کہے گا ڈاکٹر صاحب! آپ میری جہالت کا مذاق اُڑا رہے ہیں آپ تعلیم حاصل کرنے کی تلقین نہیں کر رہے بلکہ آپ مجھے مارنا چاہتے ہیں۔ عقل مند ڈاکٹر فوراً اس کا علاج کرے گا اور اگر ڈاکٹر اس کا علاج نہ کرے اور مریض مرجائے تو ڈاکٹر اس کا ذمہ دار ہوگا کہ اس نے علم ہونے کے باوجود جان بوجھ کر دوائی نہ دی۔ اسی طرح اگر علماء کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آئے اور اس کو آج اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہو اور وہ عالم اس سے کہے خبردار! بھاگ جاؤ میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔ اگر میں نے مسئلہ بتادیا تو تم میرے مقلد بن جاؤ گے، جاؤ مدرسہ میں داخلہ لو دس سال تعلیم حاصل کرو تمہیں خود بخود مسئلہ کا پتا چل جائے گا اور وہیں سے مسئلہ نکالو جہاں سے میں نے نکالا ہے اور سائل کوئی کلمہ کفر کہہ بیٹھا ہے یا کوئی ایسا مسئلہ ہے جس کے نہ بتانے سے اس کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے اور یہ عالم اس کو مسئلہ نہیں بتا رہا بلکہ تعلیم حاصل کرنے کا کہہ رہا ہے اور اگر اسی دوران مسئلہ پوچھنے والا مر جاتا ہے تو اگر (نعوذ باللہ) اس کی موت کفر یا گمراہی پر آتی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے وہ عالم ہی اس کا ذمہ دار ہے جس نے مسئلہ نہیں بتایا۔ سائل اس عالم سے کہہ سکتا ہے کہ میں کاروباری آدمی ہوں اور آپ میری جہالت کا مذاق اڑا رہے ہیں اور آپ میری گمراہی یا جہالت کی زندگی پر خوش ہیں اور آپ یہ چاہتے کہ اسی گمراہی پر میرا دم نکل جائے، افسوس ہے آپ پر آپ نے یہ علم صرف اپنے لئے حاصل کیا تھا۔ سب سے بُرا عالم وہ ہے جس کے علم سے لوگوں کو فائدہ نہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس سے

کوئی علم کا سوال کیا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو اسے روز قیامت آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ (ترمذی حدیث-26492573 مشکوۃ 223 کتاب العلم)

کسی عام عالم کے متعلق بھی یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگوں کو مسائل نہ بتائیں تو ائمہ اربعہ کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ عام آدمیوں کو کہ جن کے پاس علم نہیں اپنی تقلید سے منع کریں گے۔ ہاں ائمہ نے جو کہا کہ تم بھی وہاں سے احکام لو جہاں سے اگلے مجتہدین نے لئے یا میں نے لئے صاف دلیل ہے کہ خطاب مجتہد سے ہے زید بکر سے نہیں ہے۔ جو لوگ ائمہ کی تقلید سے منع کرتے ہیں وہ دراصل لوگوں کو اپنا مقلد بنانا چاہتے ہیں اور فی الواقع ایسا ہو بھی رہا ہے۔ اب غیر مقلدین کے فتاویٰ جات چھپے ہوئے ہیں جن میں ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بیان نہیں کی گئی یہی تو تقلید ہے۔ جو لوگ تقلید کو شرک کہتے ہیں تو میں ان سے پوچھتا ہوں، کیا ائمہ اربعہ کی تقلید ہی شرک ہے اپنے آپ کو اہل حدیث کہلانے والوں میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مولویوں کے فتاویٰ کی اندھی تقلید نہیں کرتے اور کیا یہ مولوی اپنے پیروکاروں کو بغیر دلیل کے مسائل بتا کر شرک کا درس دے رہے ہیں۔ اور یہ مولوی خود بھی اسماء الرجال کی کتابوں کی اندھی تقلید کر رہے ہیں مثلاً یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیوں ضعیف ہے؟ علامہ ذہبی نے کہا ہے، ابن معین نے کہا، دارقطنی نے کہا ہے، تو کیا ان محدثین کا قول حدیث ہے یا وہ معصوم ہیں کہ ان کی ہر بات بغیر دلیل ماننا تمہارے ایمان کا جز ہے۔ اگر اسنادِ حدیث کے متعلق محدثین کی تقلید جائز ہے تو ائمہ اربعہ کی تقلید بھی جائز ہے۔ اب دنیا میں کوئی بھی غیر مقلد نہیں ہے فرق صرف یہ ہے کہ بعض لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کرتے ہیں اور بعض صحاح کے مصنفین کی کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لہٰذا یہ صحیح ہے اس کو حسن کہا ہے یہ حسن ہے اور اس کو ضعیف کہہ دیا ہے، الہٰذا یہ ضعیف ہوگئی ہے اور ان محدثین نے انہی کتابوں میں حدیث کے جو اپنے اجتہادات یا کسی اور کے اقوال درج کئے ہیں ان کی بھی اندھی تقلید کرتے ہیں اور کچھ لوگ ناصر الدین البانی کی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ اس نے اس حدیث کو موضوع کہہ دیا ہے، الہٰذا یہ موضوع ہوگئی یا ضعیف ہوگئی تو کیا البانی کے کہنے سے احادیث کی تمام اسناد ضعیف ہو جائیں گی وہ ایک خاص سند کے اعتبار سے حدیث ضعیف کہلاتی ہے، حالانکہ جب سند بدل گئی تو حدیث بھی ضعیف نہ رہی، متن وہی ہے جب

سند کے اعتبار سے کبھی وہی حدیث حسن اور صحیح ہو جاتی ہے اس کی میرے پاس متعدد مثالیں ہیں کہ البانی نے ایک حدیث کو (سلسلہ احادیث الضعیفہ) میں ضعیف کہا اور اسی حدیث کو سلسلہ احادیث الصحیحہ میں حسن اور صحیح کہا ہے۔ بعض ائمہ اربعہ کی بجائے ابن تیمیہ، ابن حزم، ابن قیم اور قاضی شوکانی کی اندھی تقلید کرتے ہیں اور عام غیر مقلد علماء فتاوی نذیریہ، فتاوی ثنائیہ اور فتاوی اہل حدیث کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ جس کا دل چاہے ان فتاوی کو اٹھا کر دیکھے ان میں ہر جواب کے ساتھ دلائل نہیں لکھے گئے تو ثابت ہوا ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ کی تقلید کو شرک اور ناجائز کہہ کر در اصل اپنا مقلد بنا رہے ہیں۔

چند ایک مثالیں: غیر مقلد وہابی اپنے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں۔

سوال: جن گھڑوں اور برتنوں کی مٹی لید یا گوبر کے ساتھ گوندھی گئی ہو تو ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جن برتنوں اور گھڑوں کی مٹی لید اور گوبر سے گوندھی جائے تو وہ برتن پاک ہیں، اوّل تو پکنے سے وہ چیز جل جاتی ہے صرف مٹی رہ جاتی ہے دوسرے گوبر وغیرہ ماکول اللحم جانور کا پاک ہے۔ (فتاوی اہل حدیث حافظ روپڑی 590/1 مطبوعہ سرگودھا)

سوال: جو شخص مقروض ہو، کیا اس پر زکوۃ ہے؟

جواب: اگر جائداد زیادہ ہو جس سے قرض ادا ہو سکتا ہو تو زکوۃ دینی پڑے گی ورنہ نہیں۔

(فتاوی اہل حدیث حافظ روپڑی 190/1 مطبوعہ سرگودھا)

غیر مقلدین اہل حدیثوں کے کھانے۔

سوال: بیر بہوٹی، کچھوا، جونک، قضیب گاؤ (بیل کا آلہ تناسل) قضیب ریچھ، چربی، شیر مذکورہ بالا اشیاء کا استعمال بطورِ دوائی جائز ہے؟

جواب: بیر بہوٹی، کیچوے، جونکیں اور اسی قسم کی دوسری اشیاء جن میں دم سائل (وہ خون جو ذبح کے وقت بہہ جاتا ہے) نہیں، وہ سب پاک ہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مکھی برتن میں یا کھانے میں گر جائے تو اس کو ڈبو دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے

دوسرے میں بیماری ہے۔ (الی قولہ) سانڈھا گوہ کی قسم ہے، اس کا استعمال بھی ہر طرح جائز ہے، نیز کچھوے کا کھانے کے علاوہ استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، قضیب گاؤ (بیل کا آلہ تناسل) حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے بلکہ ماکول اللحم کا گوبر پیشاب تک پاک اور حلال ہے۔ ریچھ اور شیر چونکہ قطعاً حرام ہیں، اس لئے ریچھ کا قضیب اور شیر کی چربی وغیرہ بھی اسی حکم میں ہیں، ہاں کھانے کے علاوہ کسی اور طریقے سے استعمال منع نہیں کیا جاتا۔

(فتاویٰ اہل حدیث حافظ روپڑی 566/2 مطبوعہ سرگودھا)

فتاویٰ اہل حدیث سے جو جوابات نقل کئے گئے ہیں، ان جوابات پر کتاب وسنت سے تصریحات پیش نہیں کی گئیں اور نہ ان پر اجماعِ صحابہ سے استدلال کیا گیا ہے یہ محض غیر مقلدین علماء کے اقوال اور قیاسات ہیں۔ سو ان اقوال پر جو لوگ عمل کریں گے وہ بھی مقلد ہی ہوں گے، غیر مقلد نہیں ہوں گے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم ائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں اور یہ اس زمانہ کے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں جن کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی ائمہ اربعہ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں ہے اور کوئی صاحبِ انصاف اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکے گا۔

امام غزالی نے عام آدمی کی تقلید پر دو دلیلیں قائم کی ہیں۔

ایک یہ کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا کہ وہ عام آدمی کو مسائل بتاتے تھے اور اس کو یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ درجہء اجتہاد کا علم حاصل کرے اور دوسری دلیل یہ قائم کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عام آدمی احکامِ شرعیہ کا مکلف ہے اور اگر ہر آدمی درجہء اجتہاد کا علم حاصل کرنے کا مکلف ہو تو زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت بلکہ دنیا کے تمام کاروبار معطل ہو جائیں گے کیونکہ ہر شخص مجتہد بننے کے لئے رات دن حصولِ علم میں لگا رہے گا اور نہ کسی کے لئے کچھ کھانے کو ہوگا نہ پہننے کو اور دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور حرجِ عظیم واقع ہوگا اور یہ بداھۃً باطل ہے اور یا بطلان اس بات کے ماننے سے لازم آیا کہ عام آدمی درجہء اجتہاد کا مکلف ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ عام آدمی درجہء اجتہاد کا مکلف نہیں ہے اور عام آدمی پر مجتہدین کی تقلید لازم ہے۔ (المستصفی از امام غزالی 389/2)

احادیث سے تقلید پر استدلال۔

حدیث: ابو حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس ﷺ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض ادا کیا کرتا تھا، حضرت ابن عباس ﷺ نے کہا کہ عبد القیس کا وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کون سا وفد ہے یا فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس قوم کو یا اس وفد کو خوش آمدید ہو، یہ رُسوا ہوں گے نہ شرمندہ ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس بہت دور سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا قبیلہ مضر حائل ہے اور ہم سوا حرمت والے مہینوں کے آپ کے پاس آنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ ہمیں ایسے احکام بتائیں جن کی ہم ان کو خبر دیں جو ہمارے پیچھے ہیں اور اس وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں۔ سو آپ ﷺ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے روکا، آپ ﷺ نے ان کو صرف اللہ عز وجل پر ایمان لانے کا حکم دیا پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہٗ پر ایمان لانے کا کیا معنیٰ ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ ادا کرنا اور ان کو خشک کھوکھلے کدو، سبز گھڑے اور تارکول ملے ہوئے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا اور بسا اوقات آپ ﷺ نے ان کو کھوکھلی لکڑی کے برتن کے استعمال سے بھی منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِحْفَظُوْهُنَّ وَاَخْبِرُوْا بِهِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ ان احکام کو یاد کرو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو ان احکام کی خبر دو۔

(بخاری رقم الحدیث_87-53 مسلم 17 مشکوٰۃ 17)

حدیث: حضرت مالک بن الحویرث ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم سب نوجوان اور ہم عمر تھے، ہم آپ کے پاس بیس راتیں ٹھہرے پھر آپ نے یہ گمان فرمایا کہ ہمیں اپنے گھروں کی یاد آ رہی ہے، آپ نے ہم سے سوال کیا کہ

ہم اپنے گھروں میں کس کس کو چھوڑ کر آئے ہیں، ہم نے آپ کو بتایا کہ آپ بہت رفیق اور رحیم تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِرْجِعُوْا اِلٰی اَھْلِیْکُمْ فَعَلِّمُوْھُمْ وَمُرُوْھُمْ وَصَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ اور ان کو تعلیم دو اور ان کو (نیک کاموں کا) حکم دو، اور تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

(بخاری رقم الحدیث_ 6008 5549 مشکوٰۃ 682)

یہ صحابہ کرام جو نبی کریم ﷺ کے پاس دین سیکھ کر گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر تبلیغ کریں اور اپنی قوم کو دین کی تعلیم دیں اور نیک کاموں کا حکم دیں اور اب ان کے علاقہ کے لوگ ان کے اقوال پر عمل کریں گے اس اعتماد پر کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس سے دین سیکھ کر آئے ہیں اور جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ کتاب و سنت کے مطابق کہہ رہے ہیں اور کسی شخص کے قول پر اس اعتماد سے عمل کرنا کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق کہہ رہا ہے یہی تقلید ہے۔

اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی تقلید کرتے تھے۔

حدیث: عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ جس عورت نے طواف (زیارت) کر لیا ہو پھر اس کو حیض آجائے (تو آیا وہ طواف وداع کے بغیر واپس جاسکتی ہے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جاسکتی ہے، اہل مدینہ نے کہا: لا نا خذ بقولك وندع قول زید ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت کا قول نہیں چھوڑ سکتے۔ (حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کئے بغیر نہیں جاسکتی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا، جب وہ مدینہ گئے تو انہوں نے تحقیق کی اور حضرت اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا سے پوچھا انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی (کہ ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو طواف وداع کئے بغیر جانے کی اجازت دی تھی) جب اہل مدینہ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مل گئی تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے

پاس جا کر حق کا اعتراف کرلیا۔

(بخاری کتاب الحج حدیث _ 1639 1759- فتح الباری 586/3)

اس حدیث میں تقلیدِ شخصی کا ثبوت ہے کہ اہل مدینہ حضرت زید بن ثابت ﷺ کے فتویٰ کی تقلید کرتے تھے اور یہ بھی دلیل ہے کہ اگر امام کے قول کیخلاف دلیل مل جائے تو حدیث پر عمل کرنا تقلیدِ شخصی کے خلاف نہیں۔ صحابہ کرام حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ سے سوالات پوچھتے تھے ۔ایک مرتبہ آپ سے کسی مسئلہ میں خطائے اجتہادی ہوگئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے آپ کی اصلاح فرمائی ،آپ نے فرمایا: لَا تَسْئَلُوْنِي مَادَامَ هٰذَا الْحَبْرُ فِيْكُمْ۔ جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں مجھ سے سوالات مت پوچھا کرو۔

(بخاری 6239-6736 ترمذی 2019)

مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ۔ایک یہ کہ عالم کو چاہئے کہ اپنی غلطی معلوم ہونے پر ضد نہ کرے فوراً رجوع کرلے، رجوع میں اپنی توہین نہ جانے ،دوسرے یہ کہ بڑے عالم کے ہوتے ہوئے ماتحتوں کی تقلید نہ کرے۔ یہ حدیث تقلیدِ شخصی کی اصل ہے کہ ایک عالم مجتہد کا ہوکر رہے ہر جگہ نہ بھٹکتا پھرے۔ لوگوں نے صحابہ اور تابعین سے مختلف سوالات کئے اور انہوں نے ان کے جوابات میں قرآن مجید اور احادیث کی تصریحات کی بجائے اپنے اقوال پیش کئے ہر چند کہ ان کے اقوال قرآن وسنت پر مبنی تھے اور سائلین کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ یہ لوگ کتاب وسنت کے ماہر ہیں اور ہمیں اس کے خلاف نہیں بتائیں گے اور اسی کا نام تقلید ہے اور مقلدین بھی اپنے ائمہ کی اسی معنیٰ میں تقلید کرتے ہیں۔ یہ سوالات اور جوابات دیکھنا ہوں تو (تفسیر تبیان القرآن جلد 6ص 435 444-) کا مطالعہ کریں جہاں ایسے ایک سو سوالات درج ہیں۔ کہ لوگوں نے صحابہ وتابعین سے سوال کئے اور انہوں نے بغیر دلیل بتائے جوابات دیئے اور یہ نہیں کہا کہ تم خود علم دین حاصل کرو جیسے ہم نے کیا ہے پھر تمہیں مسئلہ کا پتا چلے گا۔ اس سے بھی تقلید ثابت ہوئی۔

تقلید کی ضرورت۔

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر تمام احکام بیان کردیئے ہیں لیکن ہر

شخص کے لئے عادۃً ممکن نہیں ہے کہ وہ بذاتِ خود تمام احکام شرعیہ قرآن مجید کی آیات سے مستنبط کر سکے کیونکہ اوّل تو قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے لغتِ عربی، صرف ونحو اور علم بلاغت کو حاصل کرنا ایک طویل اور صبر آزما کام ہے پھر قرآن مجید میں بعض احکام تو صراحتاً امر اور نہی کے صیغہ سے بیان کئے گئے ہیں اور بعض جگہ امر اور نہی کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا بلکہ مختلف اسالیب سے کسی چیز کا وجوب یا تحریم سمجھ میں آتی ہے، جس کو جاننے کے لئے بہت باریک بینی اور دقتِ نظری کی ضرورت ہے مثلاً قرآن مجید میں شراب اور جوئے کو صراحتاً حرام نہیں کیا گیا بلکہ ایک خاص اسلوب سے فرمایا: اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں پر جانوروں کی بھینٹ چڑھانا اور پانسے پھینکنا یہ سب محض ناپاک اور شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو، شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان بغض وعداوت پیدا کرے اور تم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکے، کیا اب تم باز آؤ گے۔ (سورۃ المائدہ آیت 91-90)

قرآن مجید بعض اوقات کسی مسئلہ کی لم اور علت بیان کر دیتا ہے اور اس کی شرائط اور موانع ذکر نہیں کرتا، نہ اس کی تمام جزئیات بیان کرتا ہے مثلاً خمر (انگور کی شراب) کے بیان میں اس کے نشہ آور ہونے کا ذکر فرمایا ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے نہ یہ بیان فرمایا کہ نشہ آور چیز کو مقدارِ نشہ تک پینا حرام ہے یا اس کا مطلقاً پینا حرام ہے، نشہ آور چیز پر حد ہے یا نہیں؟ اگر حد ہے تو کتنی ہے؟ ان تمام جزئیات اور تفصیلات کو جاننا ایک عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔

قرآن مجید میں کبھی کوئی حکم اجمالاً بیان کیا جاتا ہے جس کی تفصیل متعین کرنے کیلئے دلائل کی چھان بین کرنا عام آدمی کی استطاعت سے باہر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ اپنے سروں کا مسح کرو۔ (سورۃ مائدہ آیت ۶) اِس آیت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے یا چوتھائی سر کا یا ایک بال پر مسح کرنے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں ایک حکم کو مطلقاً بیان کیا جاتا ہے اور کہیں وہی حکم مقید اً ذکر کیا جاتا ہے مثلاً قرآن مجید میں ہے: إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما اهل به لغير الله تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، حرام کیا گیا ہے۔ (سورہ بقرہ 173) اس آیت میں مطلق خون کو حرام کیا گیا ہے

اور ایک جگہ یوں ہے إلا أن يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فإنه
رجس مگر یہ کہ بہنے والا خون ہو یا خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔(سورہ انعام آیت:145) اس
آیت میں مطلقاً خون نہیں بلکہ بہنے والا خون حرام فرمایا ہے۔اسی طرح کفارۂ ظہار میں غلام
آزاد کرنے اور دو ماہ کے مسلسل روزوں کے ساتھ قبل از مباشرت کی قید ہے اور کھانا کھلانے
کے ساتھ یہ قید نہیں ہے۔ان صورتوں میں کیا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا یا نہیں، یہ ایک
بہت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔

قرآن مجید کی بعض آیات کا حکم منسوخ ہوگیا مثلاً بیوہ عورت کی عدت اس آیت میں ایک
سال بیان کی گئی (اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی
بیویوں کیلئے نکالے بغیر ایک سال کی وصیت کر جائیں)(سورہ بقرہ:240)

لیکن اسی سورت کی آیت نمبر 234 میں بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔اب یہ
فیصلہ کرنا کہ ان میں سے کونسی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ ہے یہ عام آدمی کے بس سے
باہر ہے۔قرآن مجید میں ہے:"والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء" مطلقہ
عورتیں تین قروء تک عدت گزاریں"(سورہ بقرہ 228) اب قروء کے دو معنی ہیں حیض اور
طہر۔اب کونسا معنی مراد لیا جائے گا؟ الغرض اس قسم کی باریکیاں اور فقہی پیچیدگیاں بہت زیادہ
ہیں ان چند مثالوں سے باقی مشکلات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

احادیث سے احکام مستنبط کرنے میں ایک اور دشواری ہے کہ احادیث مختلف اسانید
سے مروی ہیں جن میں سند متواتر سے لے کر سند غریب تک اور سند صحیح سے لے کر سندِ ضعیف
تک احادیث، ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں بلکہ موضوع روایات بھی ہیں، جس طرح ایک جیسی
شیشیوں میں ایک جیسا سفید رنگ کا مائع مادہ ہو اور ہر مادہ کی تاثیر الگ الگ ہو، کوئی مادہ کسی
مرض میں مفید ہو اور دوسرا مادہ اس میں مضر ہو تو ان مادوں اور دواؤں کو باہم متمیز کرنے کے
لئے کیمسٹری کے کسی بہت بڑے ماہر کی ضرورت ہوگی جو مختلف کیمیائی تجربات کے بعد یہ فیصلہ
کرے گا کہ کونسی شیشی میں کونسی دواء ہے، اسی طرح جب کوئی شخص علم حدیث میں مہارت حاصل
کئے بغیر احادیث پر عمل کرے گا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ وہ صحیح کے مقابلے میں کسی ضعیف یا

منسوخ روایت پر عمل کر رہا ہے یا وہ ایسی حدیث پر عمل کر رہا ہے جو قرآن کے خلاف ہے۔

احادیث سے احکام مستنبط کرنے میں ایک اور ضرورت یہ ہے کہ احادیث سے احکام شرعیہ حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق تمام احادیث پر اس کو عبور ہو کیونکہ جس حدیث پر وہ عمل کر رہا ہے ہوسکتا ہے دوسری جگہ اس کے خلاف حدیث ہو جس سے وہ حکم منسوخ ہو گیا ہو، یا اس حدیث کی تفصیل دوسری حدیث میں موجود ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حدیث نہ ملنے کی بناء پر وہ قیاس کر رہا ہو حالانکہ اس مسئلہ میں حدیث موجود ہو، اس لئے احادیث سے احکام حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلقہ تمام احادیث اس کی نظر میں ہوں اور یہی حال قرآن مجید سے احکام حاصل کرنے کا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث سے احکام حاصل کرنے کے لئے جس وسعت علم اور دقت نظری کی ضرورت ہے یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے اور صرف ائمہ مجتہدین ہی اس پُر آشوب گھاٹی کے پار اُتر سکتے ہیں اس لئے عام آدمی کے لئے اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرے۔

تقلیدِ شخصی پر ابن تیمیہ کی تصریحات۔

ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید میں ناسخ ومنسوخ، احادیث متعارضہ میں وجہ ترجیح اور قرآن وحدیث میں ایک لفظ کے متعدد معانی میں سے کسی ایک معنیٰ کی دلیل شرعی سے تعیین نہ کر سکتا ہو، اس کے لئے مجتہدین میں سے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے اور کسی ایک امام کی تقلید کے بعد بغیر کسی عذرِ شرعی کے کسی اور امام کی کسی مسئلہ میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے اور اسی کو تقلیدِ شخصی کہتے ہیں۔ ابن تیمیہ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی مذہب معین کا التزام کر لیا اور پھر بغیر کسی شرعی عذر یا بغیر کسی دلیل مرجح کے کسی اور مذہب کے عالم کے فتویٰ پر عمل کیا تو وہ شخص اپنی خواہش نفس کا پیروکار ہے۔ وہ مجتہد ہے نہ مقلد اور وہ بغیر عذرِ شرعی کے ایک حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے اور یہ چیز لائق مذمت ہے۔ شیخ نجم الدین کے کلام کا یہی خلاصہ ہے۔

نیز لکھتے ہیں: امام احمد اور دیگر ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ پہلے کوئی شخص کسی چیز کو حرام یا واجب اعتقاد کرے اور پھر اس کو غیر حرام یا غیر واجب اعتقاد کرے تو یہ اصلاً جائز نہیں ہے مثلاً پہلے کوئی شخص پڑوس کی بناء پر شفعہ کا مطالبہ کرے (جیسا کہ حنفی مذہب میں ہے) اور جب اس پر پڑوس کی وجہ سے شفعہ ہو تو کہے یہ ثابت نہیں ہے (جیسا کہ شافعی مذہب میں ہے) اسی طرح نبیذ پینے، شطرنج کھیلنے، یا بھائی کے ساتھ دادا کی میراث کے تقسیم کرنے کے اختلافی مسائل میں کبھی ایک پہلو اختیار کرے اور کبھی محض اپنی خواہش سے دوسرا پہلو اختیار کرے، یہ شخص محض اپنی خواہش کا پیروکار ہے امام احمد اور دیگر ائمہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہی تقلید شخصی ہے۔ (مجموع الفتاویٰ 220-221/20)

جو لوگ قرآن وحدیث سے (براہ راست) احکام حاصل نہیں کر سکتے اور وہ ان مسائل میں ائمہ مجتہدین کی اتباع کرتے ہیں جن سے زیادہ کسی اور کے اقوال ان کے نزدیک راجح نہیں ہیں تو ان کا یہ فعل لائق ستائش اور موجب ثواب ہے (اور یہی تقلید شخصی ہے) اور جو لوگ قرآن وحدیث سے احکام حاصل کرنے پر قادر ہیں ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام احمد اور امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور امام محمد بن حسن نے لکھا ہے کہ اس کیلئے مطلقاً تقلید جائز ہے۔

(مجموع الفتاویٰ مطبوعہ سعودی عرب، بامر فهد بن عبد العزیز 225/20)

فقہ حنفی کی دس خصوصیات

فقہ حنفی کی پہلی خصوصیت۔

یہ ہے کہ اس فقہ میں احتیاط سب سے زیادہ ہے اور یہ خداخوفی کے سب سے زیادہ قریب ہے مثلاً امام ابوحنیفہ ﷫ فرماتے ہیں کہ شیر خوار بچہ ایک قطرہ بھی کسی عورت کا دودھ پی لے تو رضاعت ثابت ہو جائیگی جبکہ امام شافعی اور دیگر ائمہ پانچ قطرے پینے کے بعد رضاعت ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح امام شافعی نے چار دنوں تک قربانی کی اجازت دی ہے جبکہ امام ابوحنیفہ تین دن کے بعد قربانی کی اجازت نہیں دیتے اور اسی میں احتیاط ہے۔

دوسری خصوصیت۔

یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں متعدد اور مختلف احادیث وارد ہوں تو باقی ائمہ کسی ایک حدیث پر عمل کرتے ہیں اور باقی احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ ان مختلف احادیث میں تطبیق دیکر سب حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، مثلاً بعض احادیث میں آیا ہے کہ جس کو نماز کی رکعات میں تردّد اور شک ہو، وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ بعض میں ہے کہ غور کرے اور جس طرف ظن غالب ہو اس پر عمل کرے اور بعض میں ہے کہ جب مثلاً دو اور تین میں شک ہو تو ان کو دو رکعت (یعنی کم از کم رکعات جو یقینی ہیں) قرار دے۔ امام اوزاعی کہتے ہیں ایسا شخص ہمیشہ نماز دوبارہ پڑھے، ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ ہمیشہ کم والی جانب کو اختیار کرے۔ کسی امام نے ایک حدیث پر عمل کیا کسی نے دوسری پر کسی نے تیسری پر۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر پہلی بار شک واقع ہو تو دوبارہ نماز پڑھے اور اگر بار بار شک واقع ہوتا ہو تو غور کرے اگر غور کرنے سے کوئی جانب ترجیح پا جائے تو اس پر عمل کرے ورنہ جتنی رکعات کم از کم ہیں اتنی رکعات قرار دے۔

تیسری خصوصیت۔

یہ ہے کہ باقی ائمہ اقوالِ صحابہ کو اہمیت نہیں دیتے اور امام ابوحنیفہ ﷫ مختلف احادیث میں اقوالِ صحابہ کو فیصل مان کر ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

چوتھی خصوصیت۔

یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ درجات اور مراتب کا اعتبار کرتے ہیں۔ وہ قرآن کریم کے مقابلہ میں احادیث کو موخر کر دیتے ہیں اور اگر تطبیق دیں تو قرآن مجید پر عمل کو فرض اور حدیث پر عمل کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی نہی کو حرام اور حدیث کی نہی کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح احادیث کے مقابلہ میں اقوالِ صحابہ کو موخر کر دیتے ہیں۔

پانچویں خصوصیت۔

یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے احکام میں بہت زیادہ باریک بینی، دقت نظری، درجہ بندی اور وسعت

سے کام لیا ہے جو باقی ائمہ میں نہیں ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فرض اور واجب اور اسی طرح حرام اور مکروہ تحریمی الگ الگ حکم ہیں جبکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

چھٹی خصوصیت۔

یہ ہے کہ فقہ حنفی میں دستوری اساس بننے کی صلاحیت باقی ائمہ کی فقہ سے زیادہ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی صدیوں تک اسلامی مملکتوں کا قانون اور دستور بنی رہی مثلاً سلطنت بنوعباس جو دنیا کے تین براعظموں افریقہ، یورپ اور ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی اس کا دستور اور قانون یہی فقہ تھی، اس کے بعد صدیوں تک سلطنت عثمانیہ کا دستور یہی فقہ رہی۔ برصغیر میں افغانستان، ماوراء النہر اور ہندستان میں مسلمانوں کی ریاستوں میں اسی فقہ کا قانون چلتا رہا۔

ساتویں خصوصیت۔

یہ کہ فقہ حنفی کے پیروکار ہر عہد میں مسلمانوں کی دوتہائی سے زیادہ اور غالب اکثریت میں رہے ہیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے امتی باقی امتوں سے زیادہ ہیں اسی طرح امام ابو حنیفہ کے مقلدین باقی ائمہ کے مقلدین سے زیادہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی ایک سو بیس صفوں میں سے اسی (۸۰) صفیں میری امت کی ہوں گی۔

(ترمذی_2546 2469 ابن ماجہ 4289 مشکوۃ 5644)

ان اسی (۸۰) صفوں میں دوتہائی اکثریت ان شاء اللہ تعالیٰ احناف کی ہوگی۔

آٹھویں خصوصیت۔

یہ ہے کہ احناف میں جس قدر اولیاء اللہ کا ظہور ہوا کسی اور امام کے مقلدین میں اتنے اولیاء اللہ نہیں ہوئے، حضرت ابراہیم بن ادہم، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت علی ہجویری، حضرت بایزید بسطامی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت معین الدین چشتی اجمیری، حضرت بختیار کاکی وغیرہ رحمہم اللہ یہ سب حنفی تھے ان کے علاوہ بہت اولیاء اللہ ہیں جو حدود شمار سے باہر ہیں۔

نویں خصوصیت

یہ ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ کے فیض یافتہ ہیں۔ امام مالک نے فقہ کی تدوین میں

امام ابوحنیفہ سے فیض حاصل کیا۔ امام شافعی امام محمد کے شاگرد ہیں جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے بھی امام اعظم کے علوم سے فائدہ اٹھایا۔ اسی لئے امام شافعی نے فرمایا: الفقهاء كلهم عِيالُ ابى حنيفة تمام فقہاء ابوحنیفہ کے پروردہ ہیں۔

دسویں خصوصیت۔

یہ ہے کہ باقی ائمہ امام اعظم کے سامنے اپنے موقف کو ترک کر دیتے تھے چنانچہ امام شافعی، امام اعظم کے مزار پر جاتے تو نہ قنوتِ نازلہ پڑھتے اور نہ رفع یدین کرتے۔ مذہب احناف کی ترجیح مخالفین کو بھی مسلم ہے۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: وہ مذاہب مشہورہ جن کو تمام امت نے قبول کرلیا ہے اور اہل اسلام کا ان کی صحت پر اتفاق ہے۔ چار مذاہب ہیں جو چاروں اماموں کی طرف منسوب ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ اور ان مذاہب میں سب سے زیادہ حق اور صحیح امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب باقی مذاہب میں کتاب وسنت کی کثرتِ معرفت، علم الاحکام میں رائے کی صحت، استنباطِ مسائل میں رائے کی قوت اور پختگی کے لحاظ سے سب میں قوی ہے۔

(ابجد العلوم 402/2 مکتبہ قدوسیہ لاہور)

احناف کا عمل بالحدیث۔

احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے جامع المسانید کے مقدمہ میں لکھا ہے: امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعنہ وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہوگا جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہوگی اور وہ منصف ہوگا تو اس کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔

اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ا: امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے کہ وہ حدیث مرسل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲: امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف حدیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں جیسے نماز میں قہقہہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے مگر ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو ناقض وضو مانتے ہیں ۔ یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کئے ہیں اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان کا استحصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے۔ اس کی دوسری نظیر یہ ہے۔

۳: غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔

احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کے ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی وہ حدیث جو بخاری و مسلم میں ہے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی دھوتی تھی، دھونے کا نشان ہوتا تھا اور حضور ﷺ اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ (بخاری: 223- 230)

اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔ (مسلم-288434)

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور ﷺ نے انہیں دھونے کا حکم دیا ہو، یہ اُمّ المومنین کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔ اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔ کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔ ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے، اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلہ میں منی کی خصوصیت یہ ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے نجاست سے پاکی کیسے ہوگی یہ قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن ہمام نے دارِ قطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ:

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار سے فرمایا: کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے: پاخانہ، پیشاب، قے، خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک راوی ثابت بن حماد ضعیف ہے حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے واسطہ کے بغیر طبرانی میں مذکور ہے۔ جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہوگیا۔ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف رہی مگر احناف کا اس پر عمل ہے اور یہی ہمارا مقصد ہے کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں بھی قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ اعلام الموقعین میں ابن قیم حنبلی لکھتے ہیں: اصحاب ابوحنیفہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ مذہب ابوحنیفہ یہ ہے کہ "أن ضعيف الحديث عنده أولى من القياس والرأي وعلى ذلك بنى مذهبه" ضعیف حدیث بھی امام صاحب کے نزدیک قیاس اور رائے سے بہتر ہے اور اسی پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی۔ (اعلام الموقعین 77/1)

۴- جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں۔

احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں بخلاف غیر مقلدین کے کہ وہ ضعیف پر عمل کرتے ہیں۔

اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماءِ قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔ (بخاری کتاب الوضو حدیث نمبر_228 235 کا عنوان) امام بخاری کا یہی مذہب معلوم ہوتا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ اگر چوہا گھی میں مر جائے تو کیا کیا جائے؟ فرمایا چوہے اور چوہے کے اردگرد کو پھینک دو اور بقیہ گھی کھاؤ۔ اس حدیث سے ان کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے، یہ خود محل نظر ہے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے میں ہے۔ نیز چوہے کے اردگرد کے پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ

چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا۔ یہ لوگ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے چونکہ چوہے کا اردگرد چوہے سے متاثر ہوگا۔اس لئے اردگرد ناپاک ہوگیا لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ، بو یا مزہ کا گھی میں آجانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ یا مزہ یا بو گھی میں آجائے ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آسکتا ہے مگر پھر اردگرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک اثر پہنچے سب کو ناپاک ہونا چاہئے اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے تو ہمارا مدعا ثابت ہوا کہ نجاست کے گرتے ہی کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لیے رنگ یا مزہ یا بو کا سرایت کرنا ضروری نہیں۔ محض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک ہوجائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے اور پانی رقیق ہے تو منجمد کو رقیق پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے۔لہٰذا آپ نے قیاس پر عمل کیا۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو قلے ہے یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے۔ اس سے کم ہے تو ناپاک ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے: **إذا كان الماء قلتين لا يحمل الخبث** جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا۔

(ابو داؤد_58 63 مشکوٰۃ477)

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پھر مٹکے کی تعیین بہت مشکل ہے مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی، کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟ دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث ہے جسے امام بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِيْ لَايَجْرِيْ ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيْهِ**۔ اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو پیشاب مت کرو کہ پھر اسی سے غسل کرو۔ (بخاری 232- 239 مسلم 424- 282 مشکوٰۃ 474)

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ صحیح حدیث پر احناف عمل کررہے ہیں، امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس کیسے ہیں؟

امام بخاری نے بخاری شریف میں عجیب مسائل درج کئے ہیں، ایک طرف تو کہتے ہیں ''جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے'' (کتاب الوضو حدیث _228 235) کی ابتدا دیکھو اور دوسری طرف یہ حدیث درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈالے تو اس برتن کو سات مرتبہ دھوؤ۔

(بخاری حدیث _ 167 172)

اب اس اشکال کا حل کون کرے گا کہ کتے نے برتن میں منہ ڈالا ہے اب برتن ناپاک ہے لیکن پانی پاک ہے یا تو دونوں ناپاک مانو یا دونوں پاک یہ کونسی منطق ہے کہ باہر والا برتن ناپاک ہے لیکن پانی پاک۔

۵-دو متعارض حدیثیں۔

جب دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ (نزھۃ القاری شرح بخاری 197/1)

غیر مقلدین کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ براء بن عازب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

(دار قطنی 128/1 مشکوۃ 515)

اس حدیث کا جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ روایت قابل استدلال نہیں کیونکہ اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں یہ حدیث باطل موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں سوار بن مصعب ہے اور وہ جمیع اہل نقل کے نزدیک متروک ہے۔ (حاشیہ آثار السنن) اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرج سے مراد سخت حرج ہے یعنی جیسے حرام جانوروں کا پیشاب کہ نجاست غلیظہ ہوتا ہے کہ ایک درہم کی بقدر لگنے سے کپڑا نجس ہو جاتا ہے، ایسا حلال جانوروں کا پیشاب نہیں بلکہ وہ نجاست خفیفہ ہے کہ چہارم، کپڑا آلودہ ہو تو ناپاک ہوگا، لہٰذا یہ حدیث امام صاحب کے خلاف نہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک حلال جانوروں کا پیشاب بھی ناپاک ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِسْتَنْزِهُوْا مِنَ البول فإن عامة عذاب القبر منه بول سے بچو کہ عام عذابِ قبر اسی سے ہے۔

(رواہ البزار و الطبرانی، الترغیب حدیث :260)

طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ "اِتَّقُوا الْبَوْلَ فَإِنَّهُ اَوَّلُ ما يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ فِي الْقَبْرِ" بول سے بچو اس لئے کہ قبر میں بندہ سے پہلے اسی کا حساب ہوگا۔

(ترغیب حدیث :268)

اس میں بول مطلق ہے خواہ ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم یعنی اگرچہ حلال جانور کا ہو یا حرام کا۔

حدیث: عنِ ابْنِ عباسٍ رضی الله عنهما قَالَ:مَرَّ النبيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ:(إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيْرٍ. أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لايَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ). ثُمَّ أَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ، فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. قَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللهِ، لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا ؟ قَالَ: (لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جارہے ہیں اور کسی بڑی چیز میں عذاب نہیں دیئے جارہے،ان دونوں میں سے ایک تو پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا شخص چغلی کھایا کرتا تھا پھر آپ نے ایک سبز تر شاخ لی اور اُس کے دو ٹکڑے کئے پھر ہر قبر پر ایک ایک شاخ گاڑھ دی لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

(بخاری :211-٢١٨ کتاب الوضوء ، مسلم : 439-٢٩٢ کتاب الطهارہ
مشکوٰۃ :٣٣٨ کتاب الطهارہ باب آداب الخلاء)

معلوم ہوا کہ حلال جانوروں کا پیشاب نجس ہے جس سے بچنا واجب ، دیکھو اونٹوں کا چرواہا

اونٹ کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوا۔

علامہ طحاوی فرماتے ہیں:

بعض حضرات کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب پاک ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں آ کر بیمار ہو گئے ان کو رسول اللہ ﷺ نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔

(بخاری کتاب الوضوء باب ابوال الابل حدیث _233226)

ان حضرات کا کہنا ہے کہ: متعدد روایات کے مطابق حرام چیز میں شفا نہیں۔ اگر یہ پیشاب ناپاک ہوتا تو اس میں شفا بھی نہ ہوتی لیکن دوسرے حضرات کہتے ہیں: یہ پیشاب ناپاک اور حرام ہے اور ان کا وہی حکم ہے جو ان کے خون کا ہے جہاں تک قبیلہ عرینہ کے لوگوں سے متعلق واقعہ کا تعلق ہے تو وہ ضرورت کے تحت تھا اس سے اباحت ثابت نہیں ہوتی بعض اوقات ضرورت کے تحت کچھ حرام اشیاء کو مباح کیا گیا جیسے حضرت ابن زبیر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کیلئے رسول اللہ ﷺ نے ریشمی لباس پہننے کی اجازت دی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ریشم حلال ہو گیا۔

حدیث: عن انس رضی اللہ عنہ قال :رَخَّصَ النَّبِيُّ ﷺ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِي لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا۔ وفی روية لمسلم: إِنَّهُمَا شَكَوَا إِلَى رَسُولِ اللهِ الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِي قُمُصِ الْحَرِيْرِ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کو ریشم پہننے کی اجازت دی، ان کی خارش کی وجہ سے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ان دونوں نے جوں کی شکایت کی، ان کو ریشمی قمیص کی اجازت دی۔

(بخاری حدیث: 5391- ۵۸۳۹ کتاب اللّباس مسلم حدیث: 3869- ۲۰۷۶ کتاب اللباس مشکوۃ حدیث: ۴۳۲۶ کتابُ اللّباس)

جہاں تک شراب وغیرہ میں شفاء نہ ہونے کا تعلق ہے تو چونکہ وہ لوگ اسے عظیم سمجھتے تھے اور باعثِ شفاء خیال کرتے تھے، ان کے غلط عقیدے کا ازالہ کرنے کیلئے فرمایا گیا کہ حرام میں شفاء نہیں۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پیشاب ناپاک ہو کیونکہ انسان کے گوشت کے پاک

ہونے پر سب کا اتفاق ہے لیکن اس کا پیشاب ناپاک ہے کیونکہ اس کا وہی حکم ہے جو اس کے خون کا ہے، لہٰذا جس طرح اونٹوں وغیرہ کا خون ناپاک ہے پیشاب بھی ناپاک ہوگا۔ امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین ضعیف حدیث کے مطابق پیشاب کو پاک کہتے ہیں جبکہ ان کے مقابلہ میں احناف صحیح احادیث کے مطابق پیشاب کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ اگر غیر مقلدین پھر بھی بضد ہیں کہ پیشاب پاک ہے تو ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں بس اتنا کہہ دو: واقعی تمہارا عقیدہ ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے تو ذرا ایک کپ پیشاب نوش فرماؤ تا کہ پتہ چلے کہ تم صرف نام کے اہل حدیث نہیں ہو عملی اہل حدیث ہو۔ اسی طرح منی کو بھی وہ پاک کہتے ہیں اس کے متعلق بھی پوچھ لینا چاہیے۔

وہابیہ کے نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں: آدمی کی منی کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں آئی۔ (بدور الاھلہ ص ۱۱، دلیل الطالب ص ۱۱۱)

تقلید پر سوالات اور ان کے جوابات۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ ائمہ اربعہ سے علم وفضل میں صحابہ کرام بدرجہا افضل تھے تو پھر صحابہ کرام میں سے کسی کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے ایسے اصول وضع نہیں کئے جو تمام جزئیات اور حوادث کے لئے کافی ہوتے اور تمام مسائل فرعیہ کو محیط ہوتے اور تمام تفاصیل کو شامل ہوتے، کیونکہ انہوں نے قواعد کی اساس اور ان کے لئے اصول مہیا کئے اور تفریعات اور تفصیلات کے لئے انہیں موقع نہ مل سکا، یہی وجہ ہے کہ مسلمان بعض مسائل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے تھے اور بعض مسائل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصول تمام جزئیات کے لئے کافی تھے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور اس زمانہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب تمام جزئیات اور حوادث اور تمام تفریعات اور تفصیلات کے لئے کافی وافی ہیں اور جب بھی کوئی حادثہ یا واقعہ ہوگا، ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے مذہب میں اس کے لئے رہنما اصول موجود ہوں گے۔

دوسرا سوال۔

یہ کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے ایسے جامع اصول اور قواعد کیوں نہ وضع کئے اور تمام جزئیات اور تفریعات کے لئے احکام کیوں نہ مدوّن کئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو صحابہ کرام زیادہ اہم کاموں میں مشغول تھے مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو انہیں ملک کے اندر اور باہر فتنوں کا سامنا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلامی فتوحات کو وسیع کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ داخلی جنگوں میں مصروف رہے۔ ثانیاً صحابہ کرام کے زمانہ میں اس قدر کثرت سے مسائل پیدا نہیں ہوئے تھے، نہ نئی نئی جزئیات اور تفصیلات سامنے آئی تھیں۔ اس وجہ سے ان کے دَور میں شریعت کو مدوّن کرنے کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا۔ جیسے صحابہ کرام کے دور میں اسماء الرجال کا علم لکھنے کی ضرورت پیش نہ آئی، یعنی کونسی حدیث صحیح ہے اور کونسی ضعیف، یہ ہماری ضرورت ہے صحابہ کو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

تیسرا سوال۔

یہ اُٹھایا جاتا ہے کہ ائمہ اربعہ سے منقول ہے کہ انہوں نے تقلید سے منع کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے مطلقاً تقلید سے منع نہیں کیا ان کا تقلید سے منع کرنا حسب ذیل اُمور میں ہے:

۱: ضروریاتِ دینیہ یعنی دین کے بنیادی عقائد میں کسی کی تقلید نہیں ہے۔

۲: جو احکام شرعیہ تواتر اور بداہت سے ثابت ہوں ان میں کسی کی تقلید نہیں ہے۔

۳: قرآن مجید اور احادیثِ صریحہ کے وہ صریح احکام جو قطعی الدلالہ ہیں (مثلاً صوم وصلوٰۃ کی فرضیت، پانچ نمازیں، ایک ماہ کے روزے، مقدارِ نصاب زکوٰۃ، عددِ رکعات وغیرہ) جن کا کوئی معارض بھی نہیں ہے ان احکام میں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ تقلید صرف اس غرض سے کی جاتی ہے۔

۱: کہ قرآن وحدیث میں اگر ایک لفظ کے متعدد معانی ہوں تو کسی ایک معنی کے تعین کیلئے

اپنے ذہن کی بجائے کسی مجتہد کے فہم پر اعتماد کیا جائے۔

۲: اگر قرآن مجید کی آیات میں یا احادیث میں تعارض ہو تو کسی ایک آیت یا حدیث کو عمل کے لئے متعین کرنے میں اپنی عقل کی بجائے مجتہد پر اعتماد کیا جائے۔

۳: جب کسی پیش آمدہ مسئلہ کا قرآن وحدیث میں واضح حل نہ ہو تو قرآن وحدیث سے خود اس کا حل تلاش کرنے کی بجائے مجتہد کے استنباط کردہ حل کو قبول کر لیا جائے نیز یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ کسی کے نزدیک بھی مجتہد معصوم اور خطاؤں سے پاک نہیں ہے بلکہ اس کے ہر اجتہاد میں غلطی کا امکان موجود ہے اور اگر ایک متبحر عالم کو اپنے امام کے کسی قول کے خلاف کوئی صحیح، صریح اور غیر معارض حدیث علم یقینی کے ساتھ مل جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے امام کے قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے۔

عام مسلمانوں کا تقلید کے بغیر گزارہ نہیں ہے۔

جو حضرات تقلید کے مخالف ہیں عملاً وہ خود بھی تقلید کرتے ہیں کیونکہ غیر مقلد حضرات کا ہر فرد عالم اور مجتہد نہیں ہوتا اور جو عالم ہیں وہ بھی ہر مسئلہ قرآن وحدیث کے پورے ذخیرے کی طرف رجوع نہیں کرتے، ان میں سے جو عالم نہیں وہ غیر مقلد علماء سے پوچھ کر ان کی تقلید کرتے ہیں، اسی سبب سے غیر مقلد علماء کے فتاویٰ چھپے ہوئے ہیں جن میں ہر مسئلہ کی دلیل نہیں بیان کی گئی اور اگر ہو بھی تو عام آدمی اس کا کیسے فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان کی بیان کردہ دلیل صحیح ہے یا غلط، وہ تو صرف اپنے علماء کے علم وفہم پر اعتماد کر کے ان کے قول پر عمل کرتا ہے اور اسی کا نام تقلید ہے!

رہے غیر مقلد علماء تو وہ انصاف سے بتائیں کہ کیا وہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں قرآن وحدیث کے تمام ذخائر کو کھنگالتے ہیں یا اس کے بجائے وہ اپنے متقدمین علماء کی کتابوں کو دیکھتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ یہ لوگ حنفی شافعی مسلک کی کتابوں کی بجائے ابن تیمیہ، ابن حزم، ابن قیم اور قاضی شوکانی کی کتابوں کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی گنے چنے علماء غیر مقلدین کا کام ہے، ورنہ عام غیر مقلد علماء تو فتاویٰ نذیریہ اور فتاویٰ ثنائیہ سے ہی کام چلا لیتے ہیں۔

جو حضرات براہِ راست قرآن وحدیث سے مسائل نکالنے پر زور دیتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کی اہمیت اور خصوصیت کا انکار کرتے ہیں بلکہ تقلید کو شرک کہتے ہیں انہیں ابن تیمیہ کی یہ

عبارت بغور پڑھنی چاہئے: انسانوں اور جنوں میں سے ہر ایک پر ہر حال میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت واجب ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے حلال کردہ کو حلال جانے اور حرام کردہ کو حرام جانے اور ان کے واجب کردہ کو واجب مانے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بہت سے احکام ایسے ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے اسلئے لوگ اس معاملے میں ایسے عالم کی طرف رجوع کرتے ہیں جو انہیں اللہ اور رسول (ﷺ) کے احکام بتاسکے اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آپ کی منشاء اور مراد کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا مسلمان جن ائمہ کی اتباع کرتے ہیں وہ عام لوگوں اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان وسیلہ، راستہ اور راہنما ہیں۔ وہ عام لوگوں تک رسول اللہ ﷺ کی احادیث پہنچاتے ہیں اور اپنے اجتہاد سے بقدر استطاعت احادیث کا مفہوم اور مراد بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا علم اور فہم عطا فرمایا ہے جو دوسروں کو نہیں دیا اور بسا اوقات یہ علماء کسی مسئلہ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح دوسرے اس مسئلہ کو نہیں جانتے اور اس کے بعد ابن تیمیہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی مثال بیان کی ہے۔

(مجموع الفتاویٰ مطبوعہ بامر فہد بن عبد العزیز 223-224/20
شرح مسلم سعیدی 334-345/3)

ہر چند کہ ظاہریہ (غیر مقلدین یا اہل حدیث) اپنے آپ کو تقلید سے آزاد اور اصحاب حجت کہتے ہیں لیکن نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے: داؤد بن علی ظاہری فرقہ ظاہریہ کا امام ہے۔ (ابجد العلوم 144/3) لہٰذا وہ بھی ان کی آراء کے مقلد ہیں۔

تقلید واجب اور تقلید حرام۔

کسی بھی امام کی تقلید کرنے والے شخص کے پیش نظر یہ نکتہ رہنا ضروری ہے کہ ہم درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کر رہے ہیں اور امام کی تقلید صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اس نے احکام منظم اور منضبط طور پر مدوّن کرکے ہم کو دے دیئے ہیں اور امام دراصل صرف مبلغ کی حیثیت رکھتا ہے، حاکم اور شارع صرف اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہے، اگر بالفرض

تقاضائے بشریت سے امام کا کوئی ایسا قول ہو جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو ہم امام کے قول کو چھوڑ کر قرآن اور حدیث پر عمل کریں گے۔ عام آدمی کے لئے اس مفہوم میں تقلید کرنا واجب ہے کیونکہ وہ احکامِ شرعیہ کو براہِ راست اصل ماخذ سے حاصل نہیں کر سکتا اور اگر کوئی شخص اس نظریہ سے تقلید کرے کہ خواہ امام کا قول قرآن وحدیث کے خلاف ہو، وہ امام کے قول پر ہی عمل کرے گا تو یہ تقلید حرام ہے۔

کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے۔

شرعی مسائل تین طرح کے ہیں:

ا: عقائد

۲: وہ احکام جو صراحۃً قرآن وسنت سے ثابت ہوں، اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو۔

۳: وہ احکام جو قرآن وحدیث سے استنباط اور اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔ عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ صریح احکام میں بھی کسی کی تقلید جائز نہیں جیسے پانچ نمازیں تیس روزے وغیرہ۔

وہ احکام جو قرآن وحدیث سے یا اجماعِ اُمت سے اجتہاد کر کے نکالے جائیں ان میں غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے اور تقلید احکام میں ہوتی ہے خبر میں نہیں۔ (جاء الحق 17/1)

مجتہد کیلئے تقلید منع ہے مجتہد کے چھ طبقے ہیں، ان چھ طبقوں میں جو صاحب جس درجہ کے مجتہد ہوں گے وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف، امام محمد کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد ہیں، اس لئے ان میں مقلد نہیں۔ غیر مقلدین اگر یہ سوال کریں کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں پھر تم حنفی کیسے ہوئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض درجہ کے فقہاء اصحابِ ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لئے ہم کو ان فقہاء کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اسی پر فتویٰ دیا گیا۔ غیر

مقلدین اگر یہ سوال کریں کہ تم اپنے آپ کو حنفی کیوں کہتے ہو، یوسفی یا محمدی کہو کیونکہ بہت جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام صاحب کا قول چھوڑ کر۔

تو جواب یہ ہے کہ چونکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے تمام اقوال امام ابو حنیفہ کے اصول اور قوانین پر مبنی ہیں لہٰذا ان میں سے کسی کے بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب کے قول ہی کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے۔ مثلاً امام صاحب فرماتے ہیں کہ کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے اب اگر کوئی محقق فی المذھب کوئی حدیث صحیح پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا بلکہ حنفی ہی رہے گا کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا ہے۔ یہ خطاب صرف محقق فی المذاھب اور اپنے شاگردوں کو ہے، عام لوگوں کو نہیں، یا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب ہے یعنی ہر مسئلہ اور حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا۔ (جاء الحق ص ۲۰)

ڈاکٹر سباعی نے السنہ میں اور ابو زہرہ نے کتاب ''ابو حنیفہ'' میں اور ڈاکٹر مصطفی نے ''الائمہ الاربعہ'' میں بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے تدوین فقہ میں اپنے ذاتی علوم پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ چالیس چوٹی کے علماء پر مشتمل ایک مجلس قائم کی (جس کو آج کی اصطلاح میں قانون ساز اسمبلی کہہ لیں) جس میں ہر ہر مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوتی اور پھر آخر میں جو حکم دلائل سے ثابت ہو جاتا اس کو لکھا جاتا۔ حتیٰ کہ ایک ایک مسئلہ پر تین تین دن تک بحث و تمحیص ہوتی رہتی، نیز اس قدر احتیاط تھی کہ اگر ایک رکن بھی موجود نہ ہوتا تو اس کا انتظار کیا جاتا اور اس سے مشورہ کر کے مسئلہ کو آخری شکل دی جاتی۔ اس مجلس میں اس دور کے بڑے بڑے مفسرین، محدثین اور فقہاء شامل تھے۔

☆☆☆

فضائل درود وسلام پر
چالیس احادیث

صدائیں درودوں کی آتی رہیں گی
جنہیں سن کے میرا دل شاد ہوتا رہے گا
خدا آباد رکھے اہل سنت کو
محمد کا میلاد ہوتا رہے گا

اہل سنت کی علامت۔

حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں: عَلَامَۃُ اَھْلِ السُّنَۃِ کَثْرَۃُ الصَّلاۃِ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل سنت کی علامت رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنا ہے۔ (القول البدیع ص:... الباب الاول)

درود شریف کے بغیر دعا نامقبول۔

حدیث نمبر 1: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّكَ ﷺ۔ دعا آسمان و زمین کے درمیان ٹھہری رہتی ہے اس دعا سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتیٰ کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو۔ (ترمذی حدیث:... مشکوۃ حدیث:... کتاب الصلاۃ)

حدیث نمبر 2: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ ہر دعا رکی رہتی ہے حتیٰ کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو۔

(القول البدیع ص:...، جلاء الافہام ص:...، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ البانی حدیث:...)

نماز میں درود شریف۔

حدیث نمبر 3: عن فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ

رَجُلًا يَدْعُوْ فِي صَلَاتِهٖ لَمْ يُمَجِّدِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَجِلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ أَوْ لِغَيْرِهٖ: إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيْدِ اللّٰهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَا شَاءَ۔ حضرت فضالۃ بن عبید ﷜ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو سنا جو نماز میں دعا کر رہا تھا، اُس نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور نہ نبی کریم ﷺ پر درود پڑھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے جلدی کی ہے پھر اُسے بلایا اُس سے فرمایا یا کسی دوسرے کو: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے ابتداء کرے پھر نبی کریم ﷺ پر درود پڑھے اُس کے بعد جو چاہے دعا کرے۔

(ابو داؤد حدیث ۱۴۸۱ کتاب الصلاۃ باب الدعاء ترمذی حدیث ۳۴۷۷ کتاب الدعوات)

دعا سے پہلے حمد وثنا اور درود شریف۔

حدیث نمبر 4: عن فضالة بن عبيد رضى الله عنه قَالَ: بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ إِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّيْ إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ أَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم ادْعُ تُجَبْ۔

حضرت فضالۃ بن عبید ﷜ بیان کرتے ہیں: اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے ایک شخص آیا اُس نے نماز پڑھ کر یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے نمازی تو نے جلدی کی جب تم نماز پڑھ لیا کرو تو بیٹھ جایا کرو پھر اللہ کے شایانِ شان اُس کی حمد وثنا کرو مجھ پر درود شریف پڑھو اور پھر دعا مانگو۔ راوی فرماتے ہیں پھر ایک اور آدمی نے نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: اے نمازی رب! سے دعا مانگ، قبول ہوگی۔

(ترمذی حدیث ۳۴۷۶ کتاب ابواب الدعوات باب جامع الدعوات، مشکوٰۃ حدیث ۹۳۰ کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی ﷺ)

اس حدیث پاک کی شرح میں حضرت مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے نقل فرمایا کہ پہلے نمازی نے بغیر وسیلہ کے دربارِ الٰہی میں سوال کر دیا تھا حالانکہ سائل کا حق ہے کہ وہ اپنی حاجت دربارِ خداوندی میں پیش کرنے سے پہلے وسیلہ پیش کرے۔

(مرقاۃ جلد، ص: ،،،)

بے ان کیواسطے خدا کچھ عطا کرے ☆ حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

(امام احمد رضا محدث بریلوی)

حدیث نمبر 5: عن عبد الله رضي الله عنه قال: كُنْتُ أُصَلِّي وَالنَّبِيُّ ﷺ وَأَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللهِ ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهْ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی وہاں موجود تھے جب میں بیٹھا تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر بارگاہِ رسالت ﷺ میں ہدیہ درود بھیجا اور اس کے بعد اپنے لئے دعا مانگی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مانگو تمہیں دیا جائے گا، مانگو تمہیں دیا جائے گا۔

(ترمذی حدیث ،،، ابواب السجود، مشکوۃ حدیث: ،،، کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی ﷺ)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد دعا مانگنا سنت ہے اور دعا میں یہی ترتیب ہے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر درود شریف پڑھے اور پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور پھر دعا کو درود شریف پر ختم کرے۔

مجالس کی زیب وزینت۔

حدیث نمبر 6: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زَيِّنُوا مَجَالِسَكُمْ بِالصَّلَاةِ عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ عَلَيَّ نُورٌ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ مجھ پر درود پڑھنے کے ساتھ اپنی مجالس کو زینت دو تمہارا مجھ پر درود پڑھنا تمہارے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔ (جامع صغیر حدیث 4580)

حدیث نمبر 7: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِائَةَ مَرَّةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَعَهُ نُوْرٌ لَوْ قُسِمَ ذٰلِكَ النُّوْرُ بَيْنَ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ لَوَسِعَهُمْ۔ جو جمعہ کے روز مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھے گا وہ قیامت کے دن نور کے ساتھ آئے گا کہ اس نور کو تمام مخلوق پر تقسیم کریں تو پھر بھی سب کو کفایت کر جائے گا۔ (جامع صغیر حدیث 4580)

جمعرات اور جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت۔

حدیث نمبر 8: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا وَشَافِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ جمعرات اور جمعہ کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھو جس نے ایسا کیا، میں قیامت کے دن اُس کا گواہ اور شفیع ہوں گا۔

(جامع الصغیر حدیث :۱۰۰۵) بسند حسن القول البدیع ص (۱۲۲) الباب الخامس)

حدیث نمبر 9: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَإِنَّ صَلَاةَ أُمَّتِي تُعْرَضُ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ أَكْثَرَهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً كَانَ أَقْرَبَهُمْ مِنِّي مَنْزِلَةً۔ بروز جمعہ مجھ پر کثرت سے درود پڑھو، میری امت کا درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جو مجھ پر درود زیادہ پڑھے گا وہ مقام کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ قریب ہو گا۔

(ترغیب حدیث-2478 بیہقی شعب الایمان حدیث178)

حدیث نمبر 10: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: أَكْثِرُوْا مِنَ الصَّلَاةِ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّ سَائِرَ الْاَيَّامِ تُبَلِّغُنِي الْمَلَائِكَةُ صَلَاتَكُمْ إِلَّا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنِّي أَسْمَعُ صَلَاتِي مِمَّنْ يُصَلِّيْ عَلَيَّ بِأُذُنِي۔ جمعرات اور جمعہ کو مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ باقی دنوں میں فرشتے تمہارا درود پاک پہنچاتے ہیں مگر جمعرات اور جمعہ کے دن جو مجھ پر درود پڑھتے ہیں میں اس کو اپنے کانوں سے سنتا ہوں۔

(نزہۃ المجالس ج 2 ص 110 آب کوثر ص 88)

حدیث نمبر 11: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ أَقْرَبَكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي كُلِّ مَوْطِنٍ أَكْثَرُكُمْ عَلَيَّ صَلَاةً فِي الدُّنْيَا ، مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَلَيْلَةِ الْجُمُعَةِ قَضَى اللّٰهُ لَهُ مِائَةَ حَاجَةٍ سَبْعِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الْآخِرَةِ وَثَلَاثِيْنَ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا ثُمَّ يُوَكِّلُ اللّٰهُ بِذَالِكَ مَلَكًا يُدْخِلُهُ فِي قَبْرِيْ كَمَا تُدْخَلُ عَلَيْكُمُ الْهَدَايَا ، إِنَّ عِلْمِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَعِلْمِيْ فِي الْحَيَاةِ۔ بروزِ قیامت تم میں سے میرے زیادہ قریب ہر مقام پر وہ ہوگا جو دنیا میں مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا، جس نے جمعرات اور جمعہ کو مجھ پر سو مرتبہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اُس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا ستر حاجتیں آخرت کی اور تیس حاجتیں دنیا کی اور اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس درود کو مجھ پر پیش کرتا ہے جیسے تم پر ہدیے پیش کئے جاتے ہیں میرا علم موت کے بعد بھی ایسا ہے جیسا زندگی میں تھا۔ (القول البدیع الباب الرابع ص:۰۰۰)

درود شریف سے ۸۰ سال کے گناہ معاف۔

حدیث نمبر 12: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثَمَانِيْنَ مَرَّةً غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ ذُنُوْبَ ثَمَانِيْنَ عَامًا فَقِيْلَ لَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ الْأُمِّيِّ۔ جس نے جمعہ کے دن مجھ پر (۸۰) اَسی مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے اسی سال کے گناہ بخش دے گا، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر کیسے درود پڑھیں؟ فرمایا: کہو، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَنَبِيِّكَ وَرَسُوْلِكَ الْأُمِّيِّ۔ (القول البدیع باب الخامس ص:۰۰۰)

ایک روایت میں یہ درود شریف بھی آیا ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَآلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا: ان دونوں میں سے کوئی درود شریف پڑھ لیا جائے، مذکورہ ثواب حاصل ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ (سعادت الدارین ص 82 آب کوثر ص 83)

درود شریف پڑھنے سے محتاجی دور ہوتی ہے۔

حدیث نمبر 13: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ يَوْمَ الْخَمِيْسِ مِائَةَ

مَرَّةٍ لَمْ يَفْتَقِرْ اَبَدًا جو شخص مجھ پر سو مرتبہ جمعرات کے دن درود شریف پڑھے گا وہ کبھی محتاج نہ ہوگا۔ (جذب القلوب ص: ۲۰۰)

حدیث نمبر 14: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ألف مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ۔ جس نے جمعہ کے دن مجھ پر ہزار مرتبہ درود پڑھا، وہ اُس وقت تک نہیں مرے گا جب تک جنت میں اپنا ٹھکانہ نہ دیکھ لے۔ (القول البدیع باب الخامس ص: ۲۲۲)

دوسری روایت میں جمعہ کی قید نہیں ہے۔ روزانہ پڑھنے کا حکم ہے۔
(ترغیب حدیث 2483)

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ فِي يَوْمٍ ألف مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ۔

حدیث نمبر 15: حضرت اوس بن اوس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ فَقَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ۔ تمہارے بہترین دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے، اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی میں وفات دیئے گئے اور اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں بے ہوشی ہے۔ لہٰذا اس دن میں مجھ پر درود زیادہ پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش ہوتے ہیں لوگ بولے: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہمارے درود شریف آپ پر کیسے پیش ہونگے، آپ تو رمیم ہو چکے ہونگے (یعنی گلی ہڈی) آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے۔

(ابو داود حدیث (۱۰۴۷) کتاب الصلاۃ باب فضل یوم الجمعۃ، ابن ماجۃ ۱۰۸۵، نسائی ۱۳۷۳، مشکاۃ حدیث (۱۳۶۱) کتاب الصلاۃ باب یوم الجمعۃ.

اس حدیث کو ناصر الدین البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔

مولایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دائماً ابداً　　علی حَبِیْبِكَ خیرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

حدیث نمبر 16: حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
أَكْثِرُوْا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ يُصَلِّيَ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ صَلَاتُهُ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَبَعْدَ الْمَوْتِ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ۔
مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود پڑھو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور مجھ پر کوئی درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اُس سے فارغ ہو جائے فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: کیا موت کے بعد بھی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے، پس اللہ کا نبی زندہ ہے روزی بھی دیا جاتا۔

(ابن ماجہ حدیث (1637) مشکاۃ حدیث (1366) الجامع الصغیر: 1403)

علامہ سیوطی نے اسے حسن کہا ہے۔

حدیث نمبر 17: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّيْ عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِيْ صَوْتُهُ حَيْثُ كَانَ قُلْنَا وَبَعْدَ وَفَاتِكَ قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِي إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأنبياءِ۔ تم میں سے جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کے درود کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے خواہ وہ جہاں میں کہیں بھی ہو ہم نے عرض کیا: وصال کے بعد بھی؟ فرمایا ہاں بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔

(طبرانی جلاء الافہام ص: [illegible] حدیث ابی الدرداء الباب الاول)

اہل محبت کا درود شریف خود سنتا ہوں۔

حدیث نمبر 18: قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَرَءَيْتَ صَلٰوةَ الْمُصَلِّيْنَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ يَأْتِيْ بَعْدَكَ مَا حَالُهُمَا عِنْدَكَ ؟ فَقَالَ: أَسْمَعُ صَلَاةَ أَهْلِ مَحَبَّتِيْ وَأَعْرِفُهُمْ وَتُعْرَضُ عَلَيَّ صَلَاةُ غَيْرِهِمْ عَرْضاً۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) کہ آپ ہمیں خبر دیں کہ جو دور سے آپ پر درود پڑھتے ہیں یا جو لوگ آپ کے وصال کے بعد آئیں گے ان کا آپ کے پاس کیا حال ہے؟

ارشاد فرمایا: میں اپنے اہل محبت کا درود خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا بھی ہوں اور دوسروں (غیر اہل محبت) کے درود مجھ تک فرشتے پہنچاتے ہیں۔ (مراۃ ج، ص:۱۰۶)

وہ حدیث جس میں فرمایا گیا کہ جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں سنوں گا اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھے گا مجھے پہنچایا جائے گا۔ (مشکوٰۃ:۸۷)

اس کے متعلق ابن قیم جلاء الافہام میں لکھتے ہیں: ہذا الحدیث غریب جداً، یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ (جلاء الافہام ص:۲۲)

حافظ ابن کثیر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں: **ففی اسنادہ نظر تفردبہ محمد بن مروان سدی وھو متروک**)(تفسیر ابن کثیر سورۃ الاحزاب آیت ۵۶، جلد ۳)

بالفرض اگر اس کو حسن بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب ہے یعنی روضہ اطہر پر درود پڑھنے والوں کا درود بلا واسطہ سنتا ہوں اور دور سے پڑھنے والے کا درود سنتا بھی ہوں اور پہنچایا بھی جاتا ہوں کیونکہ یہاں دور کا درود سننے کی نفی نہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ محبت والا درود خواں دور بھی ہو تو روضہ پاک سے قریب ہے اور محبت سے خالی قریب بھی ہو تب بھی دور، ان کے ہاں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قلبی قرب والوں کا درود میں خود محبت سے سنتا ہوں، خشک مزاج کا درود فرشتے ڈیوٹی ادا کرنے کے لئے پہنچا تو دیتے ہیں مگر میں توجہ سے سنتا نہیں۔

سماعت کے متعلق اہل سنت و جماعت کا عقیدہ۔

قبر انور پر جو درود پڑھا جاتا ہے حضور اقدس ﷺ اُسے سنتے بھی ہیں اور فرشتہ بھی اُسے پیش کرتا ہے اور دور سے جو لوگ درود شریف پڑھتے ہیں اُسے فرشتے بھی پیش کرتے ہیں اور سمع خارق للعادۃ سے حضور اکرم ﷺ سماعت بھی فرماتے ہیں۔ یعنی آپ خود سنتے ہیں۔

(مقالات کاظمی ص:۲۰۰، طبع ملتان ۱۳۹۱ھ)

سماعت کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ۔

انور شاہ کشمیری دیوبندی فیض الباری شرح بخاری میں لکھتے ہیں: جاننا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ پر درود شریف پیش کرنے کی حدیث علم غیب کی نفی پر دلیل نہیں بن سکتی۔ اگرچہ علم غیب کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے

ساتھ متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرح ہے کیونکہ فرشتوں کی پیش کش کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ درود شریف کے کلمات بعینہٖ بارگاہِ عالیہ نبویہ میں پہنچ جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کلمات کو پہلے جانا ہو یا نہ جانا ہو۔ بارگاہِ رسالت میں کلماتِ درود کی پیش کش بالکل ایسی ہے جیسے ربّ العزت کی بارگاہ میں کلماتِ طیبات پیش کئے جاتے ہیں اور اس بارگاہِ الوہیت میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں کیونکہ یہ کلمات ان چیزوں میں سے ہیں جن کے ساتھ ذاتِ حق رحمن کو تحفہ پیش کیا جاتا ہے اس لئے یہ پیش کش علم کے منافی نہیں۔ لہٰذا کسی چیز کا پیش کرنا کبھی علم کے لئے بھی ہوتا ہے اور بسا اوقات دوسرے معانی کے لئے بھی۔ اس فرق کو خوب پہچان لیا جائے۔ (فیض الباری جلد دود ص: ... مطبوعہ قاھرہ)

حدیث نمبر 19: حضرت ابن مسعود ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً۔** قیامت میں مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا۔

(ترمذی حدیث ... کتاب الصلاۃ، مشکوٰۃ حدیث (...) کتاب الصلاۃ
باب الصلاۃ علی النبی ﷺ)

قیامت میں سب سے آرام میں وہ ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رہے اور حضور علیہ السلام کی ہمراہی نصیب ہونے کا ذریعہ درود شریف کی کثرت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف بہترین نیکی ہے کہ تمام نیکیوں سے جنت ملتی ہے اور اس سے بزمِ جنت کے دولہا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ملتے ہیں۔

(مرآۃ شرح مشکوٰۃ جلد ، ص...)

آج جسے دنیا کے کسی امیر وزیر کا قرب نصیب ہو جائے لوگ کہتے ہیں بڑا خوش قسمت ہے کہ اُسے ملک کے وزیرِ اعظم یا صدر کا قرب حاصل ہے تو اُس کی قسمت پر زمین و آسمان والے بھی ناز کرتے ہیں جسے امام الانبیاء محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب نصیب ہو جائے کیونکہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب نصیب ہوگا اُس کو خدا کا قرب نصیب ہو گیا۔

؎ منزل ملی مراد ملی مدعا ملا، مل گئے حضور تو سمجھو خدا ملا
فضل ربّ العلیٰ اور کیا چاہئے، مل گئے مصطفیٰ اور کیا چاہئے

کثرت سے درود شریف پڑھنے والا عرشِ الٰہی کے سایہ میں۔

حدیث نمبر 20: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا: ثَلَاثَةٌ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ قِيْلَ: مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ: مَنْ فَرَّجَ عَلَى مَكْرُوْبٍ مِنْ أُمَّتِي وَأَحْيَا سُنَّتِي وَأَكْثَرَ الصَّلَاةَ عَلَيَّ۔ تین آدمی روزِ قیامت عرشِ الٰہی کے سایہ کے نیچے ہونگے پوچھا گیا کون یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) فرمایا: جس نے میری امت میں سے کسی کی تکلیف دور کی اور میری سنت کو زندہ کیا اور مجھ پر کثرت سے درود پڑھا۔ (القول البدیع ص (۱۰۱) الباب الثانی)

شہنشاہِ مدینہ الصلوٰۃ والسلام ☆ زینتِ عرش معلّٰی الصلوٰۃ والسلام

میں وہ سنّی ہوں جمیل قادری ☆ کہ مرنے کے بعد میرا لاشہ بھی کہے گا

الصلوٰۃ والسلام

درود شریف پڑھنے سے غم دور اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر 21: عن أبي بن كعب رضي الله عنه قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَكَمْ أَجْعَلُ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ: مَا شِئْتَ قُلْتُ: الرُّبُعَ؟ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ: اَلنِّصْفَ؟ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ: فَالثُّلُثَيْنِ؟ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ: أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ: إِذًا تَكْفِي هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) میں آپ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں میں کس قدر درود شریف پڑھا کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جتنا چاہو میں نے عرض کیا ایک چوتھائی فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے، میں نے عرض کیا نصف فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو بہتر ہے میں نے عرض کیا: میں سارا (وقت) درود ہی پڑھونگا فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہوگا اور تمہارے گناہ مٹادے گا۔

(ترمذی حدیث ۲۴۵۷، مشکوٰۃ حدیث ۹۲۹، کتاب الصلاۃ
باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

حضرت ابی بن کعب ﷺ نے عرض کیا کہ میں سب ورد وظیفے چھوڑ دونگا سب کی بجائے درود ہی پڑھونگا کیونکہ اپنے لئے دعائیں مانگنے سے بہتر یہ ہے کہ ہر وقت آپ کو دعائیں دیا کروں اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ایسا کرلیا تو تمہاری دین و دنیا دونوں سنبھل جائیں گی، دنیا میں رنج وغم دور ہوں گے آخرت میں گناہوں کی معافی ہوگی۔ اِسی بنا پر علماء کرام فرماتے ہیں جو تمام دعائیں وظیفے چھوڑ کر ہمیشہ کثرت سے درود پڑھا کرے، اُسے بغیر مانگے سب کچھ ملے گا اور دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی، اس حدیث سے پتہ چلا کہ حضور اقدس ﷺ پر درود پڑھنا درحقیقت رب سے اپنے لئے بھیک مانگنا ہے ہمارے بھکاری ہمارے بچوں کو دعائیں دے کر ہم سے مانگتے ہیں، ہم رب کے بھکاری ہیں اُس کے حبیب کو دعائیں دے کر اُس سے بھیک مانگیں ہمارے درود سے حضور اقدس ﷺ کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ ہمارا اپنا بھلا ہوتا ہے۔ (مراۃ جلد ۲ ص:۱۰۰)

معلوم ہوا کہ کثرتِ درود سے گناہ معاف ہوتے ہیں اور غم و پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور جتنا زیادہ درود پڑھا جائے اتنا ہی بہتر ہے اس سے حضور اقدس ﷺ خوش ہوتے ہیں اور درود شریف پڑھنے والے کو بے مانگے سب کچھ ملے گا دین و دنیا کی مشکلیں خود بخود حل ہوں گی اور حضور اقدس ﷺ امت کو بتا رہے ہیں کہ درود زیادہ پڑھنا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ درود شریف جتنا کم کرو اتنا ہی بہتر ہے اذان سے قبل نہ پڑھو بعد میں نہ پڑھو نماز سے قبل نہ پڑھو بعد میں نہ پڑھو پھر بھی کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت ہیں ہم اہل حدیث ہیں۔ اہل بدعت کی علامت درود سے روکنا ہے۔ حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں: عَلَامَةُ اَهْلِ السُّنَّةِ كَثْرَةُ الصَّلَاةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اہل سنت کی علامت رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنا ہے۔ (القول البدیع ص:۱۰، الباب الاول)

جب ربّ کریم نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی کوئی قید نہیں لگائی ہم اپنی جیب سے قیدیں کیوں لگائیں، جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو کھانے اور پینے کی کوئی قید نہیں ہے بشرطِ کہ کھانا حلال ہو، اذان سے قبل بھی کھا سکتے ہیں اور بعد بھی اسی طرح صَلُّوْا مطلق ہے بغیر کسی قید کے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کے لئے اوقات کی پابندی ہے لیکن درود وسلام اور دعا

کے لئے وقت کی کوئی پابندی نہیں۔اسی حدیث میں غور فرمائیں وہ صحابی جو ہر وقت درود پڑھتے تھے،اُس میں اذان کا ماقبل بھی آگیا اور مابعد بھی اور نماز سے پہلے نماز کے بعد دعا سے پہلے اور دعا کے بعد ہر وقت درود شریف پڑھنا سنت صحابہ سے ثابت ہوگیا بلکہ محبت رسول ﷺ کا تقاضا ہے کہ کثرت سے درود شریف پڑھا جائے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ۔ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے وہ اُس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

(الجامع الصغیر حدیث ::::)

زیارتِ حبیب ﷺ۔

حدیث نمبر 22: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَامِنْ مُؤمِنٍ یُصَلِّی لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ رَکْعَتَیْنِ یَقْرَأُ فِی کُلِّ رَکْعَۃٍ بَعْدَ الْفَاتِحَۃِ خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ مَرَّۃً {قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ} ثُمَّ یَقُوْلُ اَلْفَ مَرَّۃٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ فَاِنَّہٗ لَاتَتِمُّ الْجُمُعَۃِ الْقَابِلَۃُ حَتّٰی یَرَانِی فِی الْمَنَامِ وَمَنْ رَاٰنِی غَفَرَ اللّٰہُ لَہُ الذُّنُوْبَ۔ جو مؤمن جمعرات کو دو رکعات پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پچیس بار پڑھے پھر ایک ہزار بار یہ درود پڑھے تو وہ دوسرے جمعہ سے قبل میری خواب میں زیارت سے مشرف ہوگا اور جس کو میری زیارت ہو خدا اُس کے گناہ بخش دے گا۔(القول البدیع باب الخامس ص:::)

اگر اس کے ساتھ وآلِہٖ بھی پڑھ لے تو بہتر ہے۔صَلَّی اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وآلِہٖ۔

تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف و عطا
ہے تجھی پہ بھروسا تجھی سے دُعا
مجھے جلوہ پاک رسول (علیہ السلام) دکھا
تجھے اپنے ہی عز و علا کی قسم
یہی عرض ہے خالقِ ارض و سما
وہ رسول ہیں تیرے میں بندہ ترا

مجھے ان کے جوار میں دے وہ جگہ
کہ ہے خلد کو جس کی صفا کی قسم
مرے گرچہ گناہ ہیں حد سے سوا
مگر ان سے اُمید ہے تجھ سے رجا
تو رحیم ہے ان کا کرم ہے گواہ
وہ کریم ہیں تیری عطا کی قسم

حدیث نمبر 23: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا کہ آپ نے فرمایا: جس نے یہ درود پڑھا۔ رَآنِي فِي مَنَامِهِ، وَمَنْ رَآنِي فِي مَنَامِهِ رَآنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ رَآنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفَعْتُ لَهُ، وَمَنْ شَفَعْتُ لَهُ شَرِبَ مِنْ حَوْضِي وَحَرَّمَ اللهُ جَسَدَهُ عَلَى النَّارِ۔ جوخواب میں میری زیارت کرے گا اور جسے خواب میں میری زیارت نصیب ہوگئی وہ مجھے قیامت میں بھی دیکھے گا اور جو مجھے قیامت میں بھی دیکھے گا میں اُس کی شفاعت کرونگا اور میں جس کی شفاعت کرونگا وہ میرے حوض سے جام پئے گا اور اللہ تعالیٰ اُس کے جسم پر آگ کوحرام کردے گا۔ (القول البدیع باب اول ص:،،)

درود شریف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِي الْأَرْوَاحِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِي الْاَجْسَادِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِي الْقُبُوْرِ۔

غریبوں کا درود

حدیث نمبر 24: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان صدقہ نہ کر سکے وہ اس طرح درود پڑھے تو اسے صدقہ کا ثواب ملے گا: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ، وَصَلِّ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ (ترغیب حدیث 2485، ابن حبان 900)

حدیث نمبر 25: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جسے پسند ہو کہ اسے پوری ناپ ملے تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو اس طرح کہے:
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کما صلیت علی آل ابراھیم انك حمید مجید

(ابو داؤد حدیث 982 مشکوٰۃ حدیث 932)

حدیث نمبر 26: حضرت رویفع بن ثابت ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حضرت محمد ﷺ پر درود پڑھا اور کہا: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ و اَنْزِلْہُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ میری شفاعت اس کے لئے واجب ہوگئی۔

(احمد 16543 مشکوٰۃ 936 بزار، طبرانی، ترغیب 2491)

حدیث نمبر 27: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کہا: جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا ما ھُوَ اَھْلُہٗ۔ اس نے ستر کاتبوں (رائٹرز) کو ایک ہزار صبح تک تھکا دیا۔ (طبرانی فی الکبیر، ترغیب حدیث 2489)

سونے سے پہلے کے چار کام۔

حدیث نمبر 28: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) سونے سے پہلے چار کام کرلیا کرو۔

۱: قرآن پاک ختم کرلیا کرو۔

۲: انبیاء کرام علیہم السلام کو قیامت کے دن اپنے لئے شفیع بنالو۔

۳: مسلمانوں کو اپنے سے راضی کرلو۔

۴: ایک حج وعمرہ کرلو۔

یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے نماز کی نیت باندھ لی، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ اَمَرْتَنِیْ بِاَرْبَعَۃِ اَشْیَاءَ لا اَقْدِرُ فِیْ ھٰذِہِ السَّاعَۃِ اَنْ اَفْعَلَھَا فَتَبَسَّمَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ وَقَالَ: یارسول اللہ!

(صلی اللہ علیک وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ نے مجھے چار باتوں کا حکم دیا ہے جو کہ میں اس قلیل وقت میں نہیں کر سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: إِذَا قَرَأْتِ قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ ثلاثا فَكَأَنَّكِ خَتَمْتِ القرآن اے عائشہ! (رضی اللہ عنہا) جب تم تین مرتبہ قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ۔ پڑھ لوگی تو گویا تم نے قرآن کریم ختم کیا، وإِذَا صَلَّيْتِ عَلَيَّ وَعَلَى الأنبياء مِنْ قَبْلِي فَقَدْ صِرْنَا لَكِ شُفَعَاءَ يومَ الْقِيَامَةِ اور جب تم نے مجھ پر اور مجھ سے پہلے نبیوں پر درود پاک پڑھا تو ہم سب تمہارے لئے قیامت کے دن شفیع ہونگے۔ وَإِذَا اسْتَغْفَرْتِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَرْضَوْنَ عَنْكِ اور جب تم مومنوں کے لئے استغفار کروگی تو وہ سب تجھ سے راضی ہوجائیں گے وَإِذَا قُلْتِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلا إِلٰهَ إِلا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ فَقَدْ حَجَجْتِ وَاعْتَمَرْتِ۔ اور جب تم کہوگی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلا إِلٰهَ إِلا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔ تو تم نے حج وعمرہ ادا کرلیا۔

(درة الناصحين عربی ص ۶۵۔ آب کوثر ص ۱۸۵)

۱: ایک قرآن پاک کی تلاوت: قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ تین مرتبہ۔

۲: تمام انبیاء کی شفاعت۔

مولاىَ صَلِّ وَسَلِّمْ دائماً ابداً ✱ على حَبِيْبِكَ خيرِ الخَلْقِ كُلِّهِمِ

تمام انبیاء پر درود: وَصَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ یہ درود بھی پڑھ سکتے ہیں۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

۳: مسلمانوں کو اپنے سے راضی کرنا یعنی ان کے لئے استغفار کرنا: رَبَّنَا اغْفِرْلِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ اس کی بجائے یہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ والمومنات۔

۴: ایک حج وعمرہ کرنا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلا إِلٰهَ إِلا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔

جولوگ ختم شریف سے روکتے ہیں انہیں یہ حدیث دعوتِ فکر دے رہی ہے، اس حدیث سے ایصالِ ثواب کا ثبوت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ ہفتہ یا مہینہ کے بعد نہیں بلکہ روزانہ ختم قرآن بھی کیا جائے اور دعا بھی مانگی جائے اور ختم شریف کسے کہتے ہیں؟ ختم قرآن کو۔ جو لوگ نادانی سے ختم سے روکتے ہیں وہ اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہیں انہیں ختم کا معنیٰ ہی معلوم نہیں جو کہے کہ ختم حرام ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ دراصل کہہ رہا ہے کہ قرآن پڑھنا حرام ہے۔

محبت سے صبح وشام تین مرتبہ درود پڑھنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

حدیث نمبر 29: حضرت ابو کاہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **يَا أَبَا كَاهِلٍ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ كُلَّ يَوْمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَكُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حُبًّا لِي وَشَوْقًا إِلَيَّ ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ أَنْ يَغْفِرَلَهُ ذُنُوبَهُ تِلْكَ اللَّيْلَةِ وَذَلِكَ الْيَوْمِ۔** جس نے میری محبت اور میری ملاقات کے شوق میں مجھ پر تین مرتبہ صبح اور تین مرتبہ رات کو درود پڑھا، اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ درود پڑنے والے کے اس دن اور رات کے گناہوں کو بخش دے۔ (القول البدیع الباب الثانی ص:[illegible])(مجمع الزوائد [illegible]/۱۰)

صبح وشام دس مرتبہ درود پڑھنے والا شفاعت کا مستحق بن جاتا ہے۔

حدیث نمبر 30: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ صَلَّى عَلَيَّ حِيْنَ يُصْبِحُ عَشْرًا وَحِيْنَ يُمْسِي عَشْرًا أَدْرَكَتْهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔** جس نے مجھ پر صبح کے وقت دس مرتبہ اور شام کے وقت دس مرتبہ درود پڑھا قیامت کے دن میری شفاعت اس کو پالے گی۔

(القول البدیع الباب الثانی ص:۱۷۰)(مجمع الزوائد ۱۲۰/۱۰)

جلاء الافہام ص:۱۲۷، ۴۱۸)

حدیث نمبر 31: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ**

خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اُس کے دس گناہ معاف کئے جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند کئے جائیں گے۔

(نسائی حدیث([illegible]) کتاب السھو، مشکوۃ حدیث:[illegible] کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ علی النبی ﷺ)

یعنی ایک درود میں تین فائدے ہیں: دس رحمتیں، دس گناہ معاف، دس درجوں کی بلندی مبارک ہیں۔ وہ لوگ جن کی زبان ہر وقت درود شریف سے ہلتی رہے۔ درود شریف ہر دعا کی قبولیت کی شرط ہے۔

درود خواں کو روزِ قیامت شہداء کا مقام نصیب ہوگا۔۔

حدیث نمبر 32: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلاةً وَاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْراً وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ عَشْراً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ مِائَةً وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِائَةً كَتَبَ اللهُ لَهُ بَرَاءَةً مِنَ النِّفَاقِ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَبَرَاءَةً مِنَ النَّارِ وَأَنْزَلَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الشُّهَدَاءِ۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور جو دس مرتبہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اُس پر سو رحمتیں نازل فرمائے گا اور جو سو مرتبہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نفاق سے اور آگ سے براءت لکھ دے گا اور قیامت کے دن شہداء کے ساتھ اُتارے گا۔

(مجمع الزوائد:[illegible]/ 10)(القول البدیع الباب الثانی ص:[illegible])

خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حدیث نمبر 33: عن أبي طلحة رضي الله عنه أنَّ رسُولَ اللهِ ﷺ **جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ يُرَى فِي وَجْهِهِ فَقُلْنَا إِنَّا لَنَرَى الْبِشْرَ فِي وَجْهِكَ فَقَالَ إِنَّهُ أَتَانِي مَلَكٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ أَمَا يُرْضِيْكَ أَنْ لَا يُصَلِّي عَلَيْكَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِكَ إِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ إِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔** حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور

خوشی آپ کے چہرۂ انور سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) ہم آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا: میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اُس نے کہا یا محمد (ﷺ) آپ کا رب فرماتا ہے: کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ جب آپ کا اُمتی آپ پر ایک مرتبہ درود بھیجے تو میں اُس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہوں اور جب کوئی آپ پر ایک سلام بھیجے تو میں اُس پر دس سلام بھیجتا ہوں۔

(احمد حدیث ١٥٩٢٦، نسائی حدیث (١٢٨٣) کتاب السهو، مشکوٰۃ حدیث: ٩٢٨ کتاب الصلاۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ)

حضور اقدس ﷺ کو یہ خوشخبری اس لئے دی گئی کہ آپ کو اپنی اُمت کی راحت سے بہت خوشی ہوتی ہے جیسا کہ اپنی امت کی تکلیف سے غم ہوتا ہے۔ یہ حدیث اس آیت کی مؤید ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ محبوب کی رضا چاہتا ہے نمازی اس لئے نماز پڑھتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، حاجی اس لئے حج کرتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، مجاہد اس لئے جہاد کرتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، روزہ دار اس لئے روزہ رکھتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، مالدار اس لئے صدقہ کرتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، تمام جہان خدا کی رضا چاہتا ہے اور خالق کائنات اپنے پیارے محبوب کی رضا چاہتا ہے۔

؎ خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

صبح و شام سو مرتبہ درود پڑھنے سے سو حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر 34: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مِائَةَ صَلاةٍ حِيْنَ يُصَلِّي الصُّبْحَ قَبْلَ أَنْ يَتَكَلَّمَ قَضَى اللهُ تعالی لَهُ مِائَةَ حَاجَةٍ يُعَجِّلُ لَهُ مِنْهَا ثَلَاثِيْنَ وَيَدَّخِرُ لَهُ سَبْعِيْنَ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلُ ذٰلِكَ قَالُوْا: وَكَيْفَ الصَّلَاةُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ: {إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا} اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ حَتّٰی تَعُدَّ مِائَةً۔ جس نے مجھ پر صبح کی نماز کے بعد کسی سے کلام کرنے سے قبل (۱۰۰) سومرتبہ درود پڑھا تو اللہ تعالیٰ اُس کی سو حاجتیں پوری فرمائے گا، اُن میں سے تیس دنیا میں پوری فرمائیگا اور ستر آخرت کے لئے ذخیرہ رکھے گا اور اسی طرح مغرب میں درود شریف پڑھنے والے کی سو حاجتیں پوری ہوں گی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ پر درود کیسے پڑھا جائے؟ آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا یہ درود پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ یہاں تک کہ سو کی گنتی پوری ہو۔

(القول البدیع الباب الخامس ص:...)

رسول اللہ ﷺ باذنِ اللہ حاجت روا ہیں۔

حدیث نمبر 35: حضرت خالد بن طہمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً قَضَیْتُ لَہٗ مِائَۃَ حَاجَۃٍ۔ جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا میں نے اُس کی سو حاجتیں پوری کر دیں۔ (القول البدیع الباب الثانی ص:...)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ باذنِ اللہ حاجت روا مشکل کشا ہیں اور درود پڑھنے سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

درود شریف اور قرآن سے فقر و فاقہ کا علاج۔

حدیث نمبر 36: عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ قال: جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِيِّ ﷺ فَشَکَا إِلَیْہِ الْفَقْرَ وَضِیْقَ الْعَیْشِ فَقَالَ لَہٗ رسولُ اللّٰہِ ﷺ: إِذَا دَخَلْتَ مَنْزِلَكَ فَسَلِّمْ إِنْ کَانَ فِیْہِ أَحَدٌ أَوْ لَمْ یَکُنْ فِیْہِ أَحَدٌ ثُمَّ سَلِّمْ عَلَیَّ وَاقْرَءْ {قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ} مَرَّۃً وَاحِدَۃً ۔ فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَأَدَارَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الرِّزْقَ حَتّٰی أَفَاضَ عَلٰی جِیْرَانِہٖ وَقَرَابَاتِہٖ۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے دربار رسالت میں حاضر ہو کر فقر و فاقہ اور تنگیٔ معاش کی شکایت کی، اُس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم اپنے گھر میں داخل ہو، السلام علیکم کہو، چاہے کوئی گھر میں ہو یا نہ ہو پھر مجھ پر سلام عرض کرو: السلام علیك ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ اور ایک مرتبہ: قُلْ هُوَ

اللهُ اَحَدٌ پڑھ۔ اُس شخص نے ایسا ہی کیا، اُس پر اللہ تعالیٰ نے رزق کا دروازہ کھول دیا۔ حتیٰ کہ اُس کے ہمسایوں اور رشتہ داروں کو بھی اُس رزق سے حصہ پہنچا۔

(القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ص:،،، الباب الثانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی مشکل کشا ہے اُن کے پاس جانے سے مشکلیں حل ہو جاتی ہیں اور صحابہ کرام اپنی مشکلیں اور پریشانیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کرتے تھے۔

دوسرا یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، اسی لئے ہر گھر میں داخلہ کے وقت آپ پر درود و سلام پڑھا جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا "پھر جب تم کسی گھر میں جاؤ تو تو اپنوں کو سلام کرو۔ (سورۃ النور :،،)

قاضی عیاض فرماتے ہیں: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو "السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" اس کے تحت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: لِأَنَّ رُوْحَهُ حَاضِرٌ فِي بُيُوتِ أَهْلِ الإِسلامِ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر و موجود ہے۔ (شرح شفا شریف جلد ،ص:،،،)

لامکاں تک اُجالا ہے جس کا وہ ہے
ہر مکاں کا اُجالا ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ایک جگہ رہ کر ساری دنیا کو دیکھنا اور اُن کی آوازیں سننا۔

حدیث نمبر 37: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ فَهُوَ قَائِمٌ عَلَى قَبْرِيْ إِذَا مُتُّ، فَلَيْسَ أَحَدٌ يُصَلِّي عَلَيَّ إِلَّا قَالَ: يَا مُحَمَّدُ صَلَّى عَلَيْكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ فَيُصَلِّي الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَى ذَلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرمائی ہے جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اُس کے باپ کا نام لے کر درود پہنچاتا ہے کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اُس نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس آدمی پر ہر درود کے بدلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

''غیر مقلدین کے ایک بہت بڑے عالم ناصر الدین البانی نے اس حدیث کو ''سلسلہ احادیث **الصحیحۃ**'' جلد ۴ حدیث نمبر ۱۵۳۰ میں اس کو درج کیا القول البدیع میں علامہ سخاوی نے اس حدیث کو درج کیا ہے الباب الثانی ص ۶۵، از کریا صاحب نے تبلیغی نصاب میں فضائل درود شریف میں ص ۱۷ پر درج کیا۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو کتنی قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں ایک جگہ سارے جہان کے مسلمانوں کو دیکھتا ہے اُن کے ناموں اور باپوں کو جانتا ہے اور بیک وقت اُن سب کے سلاموں کو سنتا ہے اور سب کے نام حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اور حضور ﷺ اسی لمحہ میں سب کے سلاموں کا جواب بھی عطا فرماتے ہیں درود شریف پڑھنے والے جہاں میں کتنے ہیں مدینہ میں ہی لاکھوں ہوں گے پھر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، حجاز مقدس، پاکستان ہندوستان جرمن جاپان وغیرہ اور پھر اُن میں کوئی زور سے پڑھ رہا ہے اور کوئی دل میں پڑھ رہا ہے، فرشتے کو سب خبر ہے یعنی جہان میں فرشتے سے کوئی انسان چھپا ہوا نہیں جب حضور کے ایک خادم کے علم اور سماعت کا یہ عالم ہے تو پھر آقا ﷺ کے علم اور سماعت کا کیا عالم ہوا، اسی لئے ہم کہتے ہیں۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

اگر حضور اکرم ﷺ حاضر و ناظر نہ ہوتے تو فرشتے کے لئے بہت مشکل پیش آتی کیونکہ عام آدمی ایک ہی وقت میں ایک آدمی کی بات سن سکتا ہے اور ایک ہی کو جواب دے سکتا ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ بھی ہماری طرح ہوتے تو فرشتہ کو لائن لگانی پڑتی، باری باری سب کا سلام پیش کرتا اور حضور انور ﷺ سن کر جواب عطا فرماتے اور تمام ملکوں کے دن مقرر کر دیئے جاتے یکم محرم کو پاکستان کی باری آئے گی، دو تاریخ کو ہندوستان کی علی ہذا القیاس۔ اس طریقے سے ممکن تھا کہ پاکستان کو دوبارہ سال یا دو سال کے بعد موقع ملتا اور اہل ایمان جو پانچ بار نماز میں سلام پڑھتے ہیں اُن کو بھی جواب ملنا مشکل تھا یہ تو الگ رہا، فرشتے جو ہر روز ستر ہزار صبح اور ستر ہزار شام کو آتے ہیں بمشکل وہ ہی پورے ہوتے لیکن اس کے برعکس حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں میں ہر ایک کا سلام سنتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں تو ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ

بے مثل و بے مثال ہیں اور حاضر و ناظر ہیں کہ بیک وقت تمام مخلوق کے سلاموں کو سن کر جواب عطا فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو سرکار ﷺ کی مثل سمجھتا ہے، زیادہ نہیں تو صرف چند آدمیوں کی ہی بیک وقت باتیں سن کر اور اُن کو بیک وقت جواب دے کر بتائے تو پتہ چلے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اللہ کی عطا سے دور سے آواز سن لیتا ہے اور دور سے دیکھ لیتا ہے، دلوں کی بات جان لیتا ہے بالکل صحیح ہے، یہ شرک و بدعت ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

انبیاء و اولیاء کی سماعت کے متعلق علمائے اہلحدیث کا عقیدہ۔

وحید الزماں مترجم صحاح ستہ لکھتے ہیں: رہا کسی کا یہ گمان کہ نبی کریم ﷺ یا علی رضی اللہ عنہ یا اولیاء میں سے کسی کی سماعت عامۃ الناس سے وسیع تر ہے اور وہ ملک یا زمین کے تمام گوشوں کی سماعت پر مشتمل ہے تو یہ شرک نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعض ملائکہ کو بلکہ حیوانات کو عوام الناس کی سماعت و بصارت سے وسیع تر اور طاقت ور ترین سماعت و بصارت عطا کر رکھی ہے (اور پھر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث بیان کی اور اس کے علاوہ ایک اور حدیث بیان کی) بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام زمین کو ملک الموت کے لئے ایک پیالے کی طرح بنا دیا ہے اور وہ اُس کے ہر گوشے سے ارواح اٹھا لیتا ہے۔

اہل حدیث خارجیوں کی طرح ہیں۔

متاخرین میں سے ہمارے بعض بھائیوں نے امر شرک میں تشدد سے کام لیا ہے اور دائرۂ اسلام کو تنگ کر دیا ہے اور ایسے اُمور کو شرک قرار دیا ہے جو مکروہ و حرام ہیں۔ اگر اس سے ان کی غرض شرکِ عملی یعنی شرکِ اصغر یا شرک کے ذریعے کو مسدود کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور اگر وہ دین میں غلو و تشدد کرنے والا ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد یاد رکھے: **لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ**: اپنے دین میں غلو نہ کرو۔ اور دین میں شدت خارجیوں اور مارقین اور ناکثین کا کام ہے ہم انہیں ان امور پر اجمالاً انتباہ کرتے ہیں اور اس سے ہماری غرض اپنے اہل حدیث بھائیوں کی غلطیاں واقع ہونے سے امداد و صیانت کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والا ہے۔ (ھدیۃ المھدی مترجم از شیخ وحید الزماں غیر مقلد ص:۰۰_۰۰)

درود شریف نہ پڑھنے والا زیارت سے محروم۔

حدیث نمبر 38: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا یُرَی وَجْھِی ثلاثۃ اَنْفُس: تین ایسے شخص ہیں جو میری زیارت سے محروم رہیں گے: اَلْعَاقُ لِوَالِدَیْہِ، وتَارِکُ سُنَّتِی ومَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِذَا ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ (1) اپنے والدین کا نافرمان، سنت کا تارک اور جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (القول البدیع 151، آب کوثر 91)

حدیث نمبر 39: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: منبر کے قریب ہو جاؤ، ہم قریب ہو گئے جب آپ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو آمین کہا، جب دوسری پر قدم رکھا تو آمین کہا، جب تیسری پر قدم رکھا تو آمین کہا جب آپ نیچے تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی ہے جو پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ فرمایا: میرے پاس جبریل آمین علیہ السلام آئے تھے اور کہا تھا: اُس آدمی کے لئے (رب کی رحمت سے) دوری ہے جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اُس کی بخشش نہ ہوئی، میں نے آمین کہی اور جب میں دوسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا اُس آدمی کے لئے (رب کی رحمت سے) دوری ہے جس کے پاس آپ کا ذکر کیا گیا اور اُس نے آپ پر دورد نہ پڑھا، تو میں آمین کہی اور جب میں منبر کی تیسری سیڑھی پر چڑھا تو جبریل نے کہا اُس آدمی کے لئے (رب کی رحمت سے) دوری ہے جس نے اپنے والدین یا اُن دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انہوں نے اُس کو جنت میں داخل نہ کرایا (یعنی وہ اُن کی خدمت کر کے جنت کا حقدار نہ بنا تو وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا) میں نے آمین کہی۔

(مستدرک حاکم [illegible] / ، حدیث [illegible] ، القول البدیع الباب الثالث ص [illegible] ، ترغیب حدیث 2495)

حدیث نمبر 40: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا نام

لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ (ترمذی 3546، مشکوۃ 933)

کیونکہ درود میں کچھ خرچ ہوتا نہیں اور ثواب بہت مل جاتا ہے اس ثواب سے محرومی بڑی ہی بدنصیبی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنے یا پڑھے تو درود شریف ضرور پڑھے کہ یہ مستحب ہے۔ (مرآۃ ج 2 ص 101)

درود شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا۔

ایک عورت نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری بیٹی فوت ہو گئی ہے، میں چاہتی ہوں کہ خواب میں اُس کی زیارت کروں۔ آپ نے فرمایا: نمازِ عشاء کے بعد چار رکعات نفل پڑھ! ہر رکعت میں فاتحہ شریف کے بعد سورہ الھٰکم التکاثر۔ ایک مرتبہ پڑھ، نماز کے بعد لیٹ جا اور درود شریف پڑھتی پڑھتی سو جا! اس عورت نے ایسا ہی کیا جب وہ سو گئی تو اُس نے خواب میں اپنی لڑکی کو دیکھا کہ وہ عذاب میں مبتلا ہے اور اُسے گندھک کا لباس پہنا کر ہاتھوں میں آگ کی ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں پہنا دی گئیں ہیں۔ وہ گھبرا کر بیدار ہوئی اور حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور واقعہ بیان کیا۔ آپؒ نے سن کر فرمایا: کچھ صدقہ کر! شاید اللہ تعالیٰ اُس کو معاف فرمائے: وَنَامَ الْحَسَنُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَرَأَى كَأَنَّهُ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، وَرَأَى سَرِيْرًا مَنْصُوْبًا وَعَلَيْهِ جَارِيَةٌ حَسِيْنَةٌ جَمِيْلَةٌ، وَعَلَى رَأْسِهَا تَاجٌ مِنْ نُوْرٍ۔ اور اُسی رات جب حسن بصری رضی اللہ عنہ سوئے، انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ باغوں میں سے کسی باغ میں ہیں جس میں ایک تخت بچھا ہوا ہے اور اُس پر ایک حسینہ جمیلہ لڑکی بیٹھی ہے جس کے سر پر نورانی تاج ہے۔ اُس نے دیکھ کر عرض کیا حضرت آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں عرض کیا حضرت! میں اُسی عورت کی لڑکی ہوں جس کو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کا کہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا: تیری والدہ نے تو تیری حالت کچھ اور بتائی تھی مگر میں اس کے برعکس دیکھ رہا ہوں۔ لڑکی نے کہا: میری وہی حالت تھی جیسا کہ اُس نے بتایا تھا آپ نے فرمایا: فَبِمَاذَا بَلَغْتِ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةَ؟ تجھے یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ اُس نے کہا: كُنَّا سَبْعِيْنَ

أَلْفَ نَفْسٍ فِي الْعُقُوْبَةِ وَالْعَذَابِ كَمَا وَصَفْتُ لَكَ وَالِدَتِيْ فَعَبَرَ رَجُلٌ مِنَ الصَّالِحِيْنَ عَلَى قُبُوْرِنَا وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ ﷺ مَرَّةً وَجَعَلَ ثَوَابَهَا لَنَا فَقَبِلَهَا اللّٰهُ عزوجل مِنْهُ وَأَعْتَقَنَا كُلَّنَا مِنْ تِلْكَ الْعُقُوْبَةِ وَذٰلِكَ بِبَرَكَةِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ وَبَلَغَ نَصِيْبِيْ مَا قَدْ رَأَيْتَهُ وَشَاهَدْتَهُ۔ ہم (اس قبرستان میں) ستر ہزار مردے تھے جنہیں عذاب ہو رہا تھا۔ ہماری خوش نصیبی کہ ہمارے قبرستان کے پاس سے ایک نیک آدمی گزرا اور درود پاک پڑھ کر ہمیں بخش دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس درود پاک کو قبول فرما کر ہم سب پر رحمت فرمائی اور عذاب سے نجات مل گئی۔ یہ اس نیک صالح آدمی کی برکت اور وسیلہ سے ہمیں انعام ملا اور یہ میرا حصہ ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

(القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ص: [illegible]۔ الباب الثانی، آب کوثر ص: [illegible])

اسی لئے ختم شریف میں درود شریف والی آیت پڑھی جاتی ہے اور اُس کے بعد سب حضرات مل کر درود و سلام پڑھتے ہیں بلکہ درود تاج بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر ایک بار درود شریف پڑھنے سے ستر ہزار آدمیوں سے عذابِ قبر اُٹھ سکتا ہے اور قبریں جنت کا باغ بن سکتی ہیں تو جہاں کئی ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ کر ثواب اموات کو بخشا جاتا ہو، ان مرحومین کی قبریں ضرور جنت کا باغ بنیں گی۔ اگر میت پہلے ہی نیک ہو تو اُس کے درجات بلند ہونگے۔ درود و سلام کی ایسی نورانی محفلوں سے روکنے والے سن لیں کہ تم تو ہمیں یہاں روکتے ہو ہم نے تو قبر و حشر میں بھی درود و سلام پڑھنے کی تیاریاں کی ہوئی ہیں۔

جب فرشتے قبر میں جلوہ دکھائیں آپ کا
ہو زباں پر پیارے آقا الصلوٰۃ والسلام
میں وہ سنی ہوں جمیل قادری مرنے کے بعد
میرا لاشہ بھی کہے گا الصلوٰۃ والسلام

فریادِ اُمتی جو کرے حالِ زار میں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا، میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو ہر قدم پر نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھ رہا تھا میں نے اس سے

کہا، اے شخص تو تسبیح وتہلیل کو چھوڑ کر صرف درود پڑھ رہا ہے کیا اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟ اُس نے کہا اللہ آپ کو عافیت دے آپ کون ہیں؟ میں نے کہا سفیان ثوری۔ اُس نے کہا اگر آپ اپنے زمانے کے عارفِ باللہ اور ولی کامل نہ ہوتے تو میں آپ کو اپنا بھید نہ بتاتا پھر کہا کہ میں اور میرا والد حج بیت اللہ اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے لئے اپنے شہر سے نکلے۔ دورانِ سفر میرے والد صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ میں اُن کی تیمارداری کے لئے ٹھہر گیا اس دوران میں اُن کے سر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اُن کا انتقال ہو گیا اور اُن کا چہرہ سیاہ ہو گیا، میں نے اپنا ازار کھولا اور اس سے اُن کا چہرہ ڈھک دیا اور میں بہت غمگین ہوا کہ پردیس میں میرا باپ اس حالت میں فوت ہوا ہے اور اس حالت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں، میں اِسی سوچ وبچار میں بیٹھا ہوا تھا کہ اب کیا کروں کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا۔ فإذا أنا برجل لم أر أحسن منه وجها ولا أنظف منه ثيابا ولا أطيب منه رائحة وهو يرفع قدما ويضع قدما حتى دنا من والدي ثم كشف الإزار عن وجهه ومر بيده عليه فعاد ابيض يلوح منه نور ثم ولى راجعا فتعلقت بثوبه وقلت من أنت الذي من الله على والدي بك في هذه البرية قال فتبسم وقال أنا محمد رسول الله صاحب القرآن كا ن والدك مسرفا على نفسه وكان يكثر الصلاة على فلما نزل به ما نزل استغاث بي فأغثته وأنا غياث من أكثر الصلاة على فانتهيت فرأيت وجه أبي أبيض يلوح منه نورا ساطع۔ اور میں نے خواب میں ایک آدمی کو دیکھا کہ اس سے خوبصورت چہرہ میں نے کسی کا نہیں دیکھا اور نہ اس سے زیادہ کسی کو پاکیزہ لباس دیکھا اور اس سے زیادہ کسی کو اچھی خوشبو والا دیکھا، وہ چلتے ہوئے آئے یہاں تک کہ میرے والد کے قریب ہو گئے اور پھر اُن کے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور اپنا نورانی ہاتھ اُس پر پھیرا تو وہ سفید ہو گیا اور اُس سے نور نکلنے چمکنے لگا پھر وہ واپس جانے لگے تو میں اُن کے دامن سے لپٹ گیا اور عرض کیا آپ کون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ سے اس جنگل بیابان میں میرے والد پر احسان فرمایا ہے، آپ مسکرا پڑے اور ارشاد فرمایا: میں محمد رسول اللہ، صاحبِ قرآن ہوں تیرا والد گنہگار تھا لیکن کثرت سے مجھ پر درود بھی پڑھتا تھا پھر اس پر یہ

مصیبت نازل ہوئی تو اس نے مجھ سے فریاد کی۔ میں اُس کی فریاد کو پہنچ گیا اور میں ہر اُس آدمی کی فریاد کو پہنچتا ہوں۔ جو مجھ پر کثرت سے درود پڑھتا رہے، میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے باپ کے چہرے کو سفید دیکھا اور اس سے نور بلند ہو کر پھیل رہا تھا۔

(روض الریاحین فی حکایات الصالحین از علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ ص،، ناشر مکتبہ الجمہوریہ العربیہ مصر القول البدیع از علامہ سخاوی الباب الخامس ص:،،، ،سعادۃ الدارین، آب کوثر ص 176)

واللہ وہ سن لیں گے فریاد کو پہنچیں گے
اتنا بھی تو ہو کوئی جو آہ کرے دل سے
فریاد اُمتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

خدا دیکھ رہا ہے۔

حکایت: حضرت ابرہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنے نفس پر بہت زیادتی کی ہے مجھے کوئی ایسی نصیحت کیجئے کہ میں گناہوں سے باز آ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: اگر تو پانچ چیزوں کو قبول کرلے اور اُن پر قادر ہو جائے تو تمہیں کوئی گناہ نقصان نہیں دے گا اور کوئی لذت ہلاک نہیں کرے گی۔

اُس نے کہا بتائیے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا: پہلی بات یہ ہے: **إذَا أَرَدتَّ ان تعصي الله فلا تأكل رزقه:** کہ جب تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارادہ کرے تو اُس کا رزق نہ کھا، اُس نے کہا تو میں کہاں سے کھاؤں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اُسی کا رزق ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا یہ اچھی بات ہے کہ تم اُس کا رزق بھی کھاؤ اور نافرمانی بھی کرو۔ اُس نے کہا نہیں۔ دوسری بات بتائیے۔ فرمایا: دوسری بات یہ ہے: **إذَا أَرَدتَّ ان تعصيه فلا تسكن شيئا من بلاده۔** جب تو اللہ کی نافرمانی کرنا چاہے تو اُس کے ملک میں نہ رہ، اُس نے کہا یہ بات تو پہلی سے بھی بڑی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ اچھی بات ہے کہ تم اُس کا رزق بھی کھاؤ اور اُس کے ملک میں بھی رہو اور نافرمانی بھی کرو۔ اُس نے کہا نہیں۔ اچھا تیسری بات بتائیے فرمایا:

تیسری بات یہ ہے: إذَا اَرَدتَّ ان تعصیه وانت تحت رزقه وفی بلاده فانظر موضعاً لایراك فیه مبارزاً له فاعصه فیه: جب تو اللہ کی نافرمانی کرنا چاہے حالانکہ تو اُس کا رزق بھی کھاتا ہے اُس کے شہر میں بھی رہتا ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں وہ تجھے نہ دیکھتا ہو۔ نوجوان نے کہا یہ کیسے ممکن ہے حالانکہ وہ پوشیدہ چیزوں کا بھی جاننے اور دیکھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ اچھی بات ہے کہ تم اُس کا رزق بھی کھاؤ اُس کے ملک میں بھی رہو اور تم اُس کے سامنے ہی نافرمانی بھی کرو اُس نے کہا نہیں۔ اچھا چوتھی بات بتایئے فرمایا: چوتھی بات یہ ہے: إذا جاء ك مَلَكُ الموتِ لیقبض روحك فقل له أخِّرْنِي حتى أتوبَ توبةً النصوحاً وأعملَ عملاً صالحاً: جب ملک الموت تیری روح قبض کرنے کے لئے آئے تو اُس سے کہنا مجھے تھوڑی مہلت دے تاکہ میں توبة النصوح کرلوں اور نیک اعمال کرلوں۔ نوجوان نے کہا وہ میری بات نہیں مانے گا۔ فرمایا: اے نوجوان! جب تو اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ توبہ کرنے کے لئے موت اپنے سے دور کرسکے اور تو جانتا ہے کہ موت کا وقت آجائے گا۔ تو تاخیر ناممکن ہے تو پھر کیسے خلاصی ہوگی۔ اُس نے کہا اچھا۔ پانچویں بات بتایئے فرمایا: پانچویں بات یہ ہے: إذا جاء ك الزبانية یوم القیامة لیأ خذوك إلى النار فلا تذهب معهم۔ جب قیامت کے دن جہنم کے فرشتے زبانیہ تیرے پاس آئیں تاکہ تمہیں پکڑ کے آگ میں لے جائیں تو تو اُن کے ساتھ نہ جانا۔ نوجوان نے کہا وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے اور میری بات نہیں مانیں گے۔ فرمایا: تو پھر تو نجات کی اُمید کیسے رکھتا ہے؟ نوجوان نے کہا: یا ابراهیم حسبی حسبی انا استغفر الله واتوب إلیه: اے ابراہیم! مجھے یہ نصیحت کافی ہے، کافی ہے، میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اُس کی طرف توبہ کرتا ہوں اور وہ عبادت میں لگا رہا یہاں تک موت نے اُن کے درمیان جدائی ڈال دی۔ (الدرة الفاخرة)

ہماری دعاؤں میں اثر کیوں نہیں؟

حضرت ابرہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بازار سے گزرے، لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اور کہا: یا أبا إسحاق مالنا ندعو فلا یُستجابُ لنا؟

اے ابو اسحٰق کیا وجہ ہے ہم دعا کرتے لیکن قبول نہیں ہوتی ؟

قال: لأن قلوبكم ماتت بعشرة أشياء۔

فرمایا: اس لئے کہ تمہارے دل دس باتوں کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں:

الأولى: عَرَفْتُمُ اللهَ فَلَمْ تُؤَدُّوا حَقَّهُ۔

پہلی بات: تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہو لیکن اُس کا حق ادا نہیں کرتے۔

الثانية: زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ تُحِبُّوْنَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَتَرَكْتُمْ سُنَّتَهُ۔

دوسری بات: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو لیکن آپ کی سنت چھوڑ دیتے ہو۔

الثالثة: قَرَأْتُمُ الْقُرْآنَ وَلَمْ تَعْمَلُوْا بِهِ۔

تیسری بات: تم قرآن کی تلاوت کرتے ہو لیکن عمل نہیں کرتے۔

الرابعة: أَكَلْتُمْ نِعَمَ اللهِ وَلَمْ تُؤَدُّوا شُكْرَهُ۔

چوتھی بات: تم اللہ کی نعمتیں کھاتے ہو لیکن اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

الخامسة: قُلْتُمْ أَنَّ الشَّيطانَ عَدُوُّكُمْ وَوَافَقْتُمُوْهُ۔

پانچویں بات: تم کہتے ہو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے لیکن پھر اُس کی موافقت بھی کرتے ہو۔

السادسة: قُلْتُمْ أَنَّ الجنةَ حَقٌّ وَلَمْ تَعْمَلُوْا لَهَا۔

چھٹی بات: تم کہتے ہو کہ جنت حق ہے لیکن اُس کے لئے عمل نہیں کرتے۔

السابعة: قُلْتُمْ أَنَّ النَّارَ حَقٌّ وَلَمْ تَهْرَبُوْا مِنْهَا۔

ساتویں بات: تم کہتے ہو کہ دوزخ حق ہے لیکن اُس سے بچتے نہیں۔

الثامنة: قُلْتُمْ أَنَّ الموتَ حَقٌّ وَلَمْ تَسْتَعِدُّوْا لَهُ۔

آٹھویں بات: تم کہتے ہو کہ جنت برحق لیکن اُس کیلئے تیاری نہیں کرتے۔

التاسعة: اِشْتَغَلْتُمْ بِعُيُوْبِ النَّاسِ وَنَسِيْتُمْ عُيُوْبَكُمْ۔

نویں بات: تم لوگوں کے عیب نکالنے میں مشغول لیکن اپنے عیبوں کو بھول چکے۔

العاشرة: دَفَنْتُمْ مَوْتَاكُمْ وَلَمْ تَعْتَبِرُوْا بِهِمْ۔

دسویں بات: تم اپنے مردوں کو دفن کرتے ہو لیکن اُن سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

(الدرة الفاخرة)

یہ کتاب الحمد للہ! آج بروز بدھ 21 محرم 1426ھ بمطابق 2 مارچ 2005ء کو مدینہ منورہ میں تکمیل کو پہنچی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے میرے والدین اور میری بیوی اور اولاد کے لئے نجات کا ذریعہ بنائے اور اس کو صدقہ جاریہ بنائے اور اسے قبولیت عامہ عطاء فرمائے اور اس کتاب کی نشر و اشاعت میں کسی بھی طرح حصہ لینے والوں اور ان کے والدین اور تمام قارئین کے لئے مفید بنائے اور ان کو دونوں جہاں کی برکات سے نوازے خصوصاً ابوالفیوض حافظ **سید محمد فاروق شاہ** سیالوی بانی ادارہ قمر الاسلام برمنگھم (برطانیہ) کو اجر کثیر عطا فرمائے اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور شفاعت نصیب فرمائے۔

ایمان پہ دے موت مدینے کی گلی میں
مدفن ہمارا محبوب کے قدموں میں بنادے

آمین: صلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اختتامیه

ایک عجیب تمثیلی واقعہ

بابا کرموں اور اُس کے بیٹے

بابا کرم دین ایک نہایت سادہ اور بھولا انسان تھا۔ لوگ اسے بابا کرموں کہتے تھے۔ بابا کرموں کے چار بیٹے تھے۔ اس نے تین بیٹوں کو سکول کالج کی خوب تعلیم دلائی۔ چوتھا بیٹا ان پڑھ تھا اور کھیتی باڑی کرتا تھا۔ پڑھے لکھے بیٹوں میں سے ایک بیٹا ملازمت کے سلسلے میں سعودی عرب چلا گیا۔ دوسرا بیٹا ایران چلا گیا اور تیسرا بیٹا اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں لاہور یونیورسٹی میں داخل تھا اور اس کی رہائش کلمہ چوک کے قریب گلیکسی ہاسٹل میں تھی۔

ہوا یہ کہ اس کا سعودی عرب والا بیٹا سعودیہ میں رہ کر وہابی ہوگیا۔ اس نے رفع یدین وغیرہ شروع کر دیا اور جب بھی اپنے گاؤں آتا تو اپنے باپ دادا اور پورے گاؤں والوں کو کافر اور مشرک کہتا۔ بابا کرموں اس کی باتوں سے سخت پریشان رہنے لگا۔ بابا اپنے بیٹے کو کئی علماء کے پاس لے کر گیا مگر وہ کسی سے قائل نہ ہوا، نیز وہ لڑکا کسی عالم کے سامنے لاجواب ہو بھی جاتا تو کہتا کہ اس کا جواب میں اپنے علماء سے پوچھ کر دوں گا۔ بابے کو اس بات پر غصہ آجاتا تھا۔ بابا کہتا تھا کہ اب تم علماء سے رابطہ رکھتے ہو۔ وہابی ہونے سے پہلے اپنے سنی علماء سے رابطہ کیوں نہیں رکھا؟

مختلف علماء سے اپنے بیٹے کی بحث سن سن کر کچھ باتیں بابے کی سمجھ میں بھی آچکی تھیں۔ بابے نے ہر بحث میں اپنے بیٹے کی دو باتیں بار بار سن رکھی تھیں۔ پہلی یہ کہ اس کا بیٹا ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتا تھا۔ دوسری یہ بات کہ سعودی عرب والے کیسے غلط ہو سکتے ہیں جب کہ سعودی عرب دین کا مرکز ہے ؛ یہیں سے دین پھوٹا اور ساری دنیا تک پہنچا۔ بابا یہ باتیں سن کر خود بھی اپنے مذہب سے ڈگمگا گیا۔ بیٹے کی یہ دو باتیں سن سن کر بابا اپنے بیٹے سے پہلے ہی یہی سوال علماء پر داغ دیتا تھا۔

ایک عالم سے لڑکے کی بحث اس طرح ہوئی۔ اس لڑکے نے کہا رفع یدین (نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد، کانوں تک ہاتھ اُٹھانا) چار سو احادیث سے ثابت ہے۔ عالم نے کہا وہ تمام احادیث مجھے مکمل سند اور اصل الفاظ کیساتھ گنواؤ۔ لڑکے کا منہ بند ہو گیا پھر کہنے لگا مجھے تو معلوم نہیں میں نے مولوی صادق کی کتاب صلوٰۃ الرسول میں پڑھا ہے۔ پھر کہنے لگا رفع یدین پر احادیث کی تعداد کو چھوڑیئے۔ بہر حال صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے اسی ایک مسئلے پر تحقیق کر کے میں اہل حدیث ہوا ہوں۔

عالم نے کہا، صرف ایک مسئلے پر تحقیق کر کے آپ نے پورا مسلک کیوں تبدیل کر لیا یہ تو تحقیق کا نہایت ناقص اور جلد باز طریقہ ہے۔ آپ کے نزدیک رفع یدین ثابت ہوتے ہی تقلید کا مسئلہ، آمین بِالْجہر کا مسئلہ، فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ، تین طلاق کا مسئلہ، نماز تراویح کا مسئلہ وغیرہ وغیرہ خود بخود کیسے حل ہو گئے۔ آپ کا فیصلہ نہایت جاہلانہ بلکہ احمقانہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رفع یدین تو شافعی اور حنبلی بھی کرتے ہیں بلکہ کسی حد تک شیعہ بھی کرتے ہیں۔ آپ اس ایک مسئلے پر مطمئن ہونے کے بعد اہل حدیث ہونے کی بجائے شافعی یا حنبلی یا شیعہ کیوں نہیں ہو گئے؟ مثلاً ایک آدمی کی تحقیق یہ ہو کہ داڑھی کو مطلق چھوڑ دینا چاہیے، اسے کتروانا نہیں چاہیے۔ اس تحقیق کے بعد وہ سکھ ہو جائے اور کہنا شروع کر دے کہ میں صرف اور صرف داڑھی کے مسئلے پر تحقیق کرنے کے بعد سکھ ہوا ہوں۔ تو بتایئے کہ اس کی یہ بات معقول ہو گی؟ لڑکے کو یہ باتیں کڑوی لگیں مگر ان باتوں میں صداقت موجود تھی۔ لاجواب ہو کر کہنے لگا میں اپنے علماء سے پوچھوں گا۔

پھر کہنے لگا آخر سعودی عرب والے رفع یدین کیوں کرتے ہیں۔ سعودی عرب دین کا مرکز ہے وہاں سے دین پھوٹتا ہے اور وہاں چودہ سو سال سے رفع یدین ہوتا چلا آ رہا ہے۔ عالم نے کہا آپ بے شک رمضان شریف میں ٹی وی پر نماز کا منظر دیکھ لینا۔ آپ کو ہر طرح کے لوگ مل جائیں گے۔ بلکہ ٹی وی پر کئی امام نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ کوئی رفع یدین کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا۔ کوئی سینے پر ہاتھ باندھتا ہے اور کوئی ناف کے پاس۔ کوئی آمین اونچی کہتا ہے اور کوئی آہستہ۔ یہ آپ کو کس نے سکھایا ہے کہ سعودی عرب والے سارے اہل حدیث ہیں؟ وہاں تو

ایک آدمی بھی غیر مقلد (اہل حدیث) نہیں ہے۔ وہ سب کے سب حنبلی، شافعی، مالکی اور حنفی ہیں۔ وہاں حنبلیوں کی اکثریت ہے اور یہ سب اہل سنت ہوتے ہیں اور اماموں کے مقلد اور پیروکار ہوتے ہیں۔ جب کہ اہل حدیث کے نزدیک امام کی پیروی شرک اور گمراہی ہے۔ پھر یہ کہ سعودی عرب میں ''ض'' داد، کی طرح پڑھا جاتا ہے جب کہ پاکستان کے وہابی اور شیعہ دونوں اسے ''زاد'' پڑھتے ہیں۔ دین اگر عرب سے پھوٹا ہے تو عربوں کو کم از کم ''ض'' پڑھنا تو آتا ہوگا؟

پھر یہ بتاؤ کہ سعودی عرب والے بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ ہر سال ٹی وی پر اس کا ثبوت دیکھ سکتے ہو۔ اب بتاؤ کہ جہاں سے دین پھوٹا وہاں بیس تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ اور پاکستان کے وہابی (اہل حدیث) آٹھ تراویح پڑھتے ہیں۔ اس وقت انہیں سعودیہ کی مرکزیت یاد نہیں آتی؟ سعودیہ والے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں۔ جب کہ پاکستانی وہابی تین طلاقوں کو شیعوں کی طرح ایک ہی شمار کرتے ہیں۔ اس کی بے شمار دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔ اب بتاؤ کہ اگر تم سعودی عرب کو دین کا مرکز مانتے ہو تو پھر ان تمام مسائل کو دیکھ کر تم اہل سنت کیوں نہیں ہو جاتے؟ آپ کچھ لوگوں کو رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ کر متاثر ہو گئے اور تمام کے تمام لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتا دیکھ کر متاثر کیوں نہیں ہوتے؟ اس عالم کے دلائل نے اس لڑکے کی تباہی مچادی مگر وہ کہنے لگا کہ میں اپنے علماء سے پوچھوں گا۔ بابا اس بات پر گرم ہو جاتا تھا مگر وہ عالم دین بابے کو سمجھا کر ٹھنڈا کر دیتے تھے۔ لڑکے نے کہا میں اپنے علماء سے سمجھ کر آؤں گا اور ان شاء اللہ دلائل کی روشنی میں آپ کو کوفہ پہنچا دوں گا۔

عالم دین نے کہا آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ مجھے کوفہ پہنچا دیں۔ وہاں میری ملاقات مولا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے ہو جائے گی۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مل لوں گا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی گلیاں دیکھ لوں گا لیکن بیٹا میں ان شاء اللہ تعالیٰ تجھے دلائل کی روشنی میں نجد پہنچا دوں گا۔ جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **ھناک الزلازل والفتن** یعنی نجد میں زلزلے ہوں گے اور فتنے ہوں گے اور وہاں سے شیطانی ٹولہ نکلے گا۔

(بخاری، مشکوٰۃ صفحہ ۵۸۲)

اسی نجد میں محمد بن عبدالوہاب نجدی پیدا ہوا تھا جس کے تم پیروکار ہو۔ وہاں جا کر اپنے وڈیرے سے مل لینا۔

ع: پہنچے گی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر ہے۔

لڑکے نے کہا آپ نے مجھ پر کیچڑ اُچھالا ہے۔ عالم نے کہا بیٹا پہلے تم نے کیچڑ اچھالا تھا اور مجھ پر نہیں بلکہ میرے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر کیچڑ اچھالا تھا اور ان کے شہر کوفہ کی توہین کی تھی۔ میں نے تو صرف جوابی کاروائی کی ہے۔

اس لڑکے نے کہا آپ رفع یدین ترک کرنے کا ثبوت دیجئے۔ عالم نے کہا: اس کا ثبوت بخاری میں بھی موجود ہے۔ مسلم میں بھی موجود ہے اور بے شمار دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث لی گئی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار مرتبہ رفع یدین کئے بغیر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ حدیث مسند امام اعظم اور موطا امام محمد میں موجود ہے۔

اس لڑکے نے کہا یہ حدیث دکھائیں۔ عالم دین نے حدیث اصل کتابوں میں دکھا دی۔ اس لڑکے نے حدیث نوٹ کر لی اور کہنے لگا کہ میں اپنے علماء سے پوچھوں گا۔

گفتگو کافی طویل ہو چکی تھی۔ عالم دین نے فرمایا کہ جاؤ اپنے علماء سے پوچھ لو پھر دوبارہ تشریف لے آنا وہ باپ بیٹا دونوں چلے گئے۔

اگلے دن وہ لڑکا اپنے علماء سے خوب معلومات لے کر دوبارہ آ گیا۔ آتے ہی کہنے لگا کہ مسند امام اعظم اور موطا امام محمد معتبر کتابیں نہیں اور آپ کی پیش کردہ حدیث ضعیف ہے۔ عالم دین نے کہا کہ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے رفع یدین ترک کرنے والی احادیث صحاح ستہ میں بھی موجود ہوں تو پھر؟ لڑکے نے کہا پھر ٹھیک ہے۔ آپ دکھا دیجئے۔ عالم دین نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز پڑھ کر دکھاؤں؟ آپ نے نماز پڑھ کر دکھائی اور صرف شروع میں رفع یدین کیا، بعد میں پوری نماز میں رفع یدین نہیں فرمایا۔ یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور امام بخاری کی جزء رفع یدین وغیرہ میں موجود ہے۔

اب بتاؤ کہ مسند امام اعظم اور موطا امام محمد پر تو آپ نے فوراً زبان درازی کر دی مگر صحاح ستہ کے مصنفین اور امام بخاری تک نے اس کی تائید کر دی ہے۔ یاد رکھو کہ جو حدیث امام اعظم اور ان کے شاگرد بیان کر دیں۔ (جو پہلی اور دوسری صدی کے لوگ ہیں) تو ایسی حدیث پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ اب اس کو ضعیف کہنا یا کسی کتاب کو غیر معتبر کہنا محض فریب بلکہ فراڈ ہے۔ ایسی حدیث احناف اور شوافع کے درمیان متفق علیہ بن جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ احناف کچی گولیاں نہیں کھیلتے۔

اس لڑکے نے کہا میں اپنے علماء سے پوچھ کر آیا ہوں کہ اس حدیث میں فلاں راوی ضعیف ہے اور تدلیس سے کام لیتا ہے۔ عالم نے کہا اس راوی کو کس نے ضعیف لکھا ہے؟ لڑکے نے کہا ذہبی اور ابن حجر نے۔

عالم نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اہل حدیث ہیں اور اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ قرآن وحدیث کے علاوہ ہر چیز نا قابل قبول ہے۔ تم بتاؤ کہ ذہبی اور ابن حجر کی کتاب قرآن ہے یا حدیث؟ نیز ذہبی اور ابن حجر خدا ہیں یا خدا کے رسول؟ جب تمہارا نعرہ قرآن وحدیث ہے تو پھر ذہبی کیا ہیں اور ابن حجر کون ہیں؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کو بخاری پر عمل کرنے کا بھی کوئی حق حاصل نہیں۔ اسلئے کہ بخاری کے لکھنے والے کا نام محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمہ ہے اور امام بخاری نہ خدا ہیں اور نہ خدا کے رسول۔ جب کہ اہل حدیث خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی بات نہیں مانتے۔

پھر یہ رجال کی کتابیں جو سات آٹھ سو سال بعد لکھی گئی ہیں آپ کے ہاں ان کتابوں کی کیا حیثیت رہ گئی؟ پھر یہ بھی سن لو کہ تابعین جیسے عظیم المرتبت اولیاء اللہ کو ضعیف اور جاہل کہنے کا دھندا جن لوگوں نے شروع کیا ہے ان کی اپنی اوقات کیا ہے۔ ذہبی کے شاگرد تاج الدین سبکی اپنی کتاب طبقات شافعیہ کی جلد ا صفحہ ۱۹۱ پر لکھتے ہیں کہ ذہبی میرے استاد ضرور ہیں لیکن نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ذہبی نے اللہ والوں کے خلاف سخت زبان درازی کی ہے، مجھے ڈر ہے کہ جن لوگوں کے خلاف انہوں نے زبان درازی کی ہے قیامت کے دن یہ لوگ ذہبی کے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں۔ اس سے زیادہ سخت الفاظ ابن حجر کے

بارے میں امام سخاوی علیہ الرحمہ نے لکھے ہیں اور انہیں احناف کے خلاف سخت متعصب قرار دیا ہے۔لڑکا سہم گیا اور کہنے لگا میں اپنے علماء سے پوچھوں گا بابے کو سخت غصہ آ گیا۔بابے نے اپنے بیٹے کو ایک لاٹھی ماردی اور اسے اس کے علماء سمیت گالیاں دینے لگ گیا اور اسے بازو سے پکڑ کر باہر کو گھسیٹا، اور کہا چل دفع ہو۔

بابا ان پڑھ ضرور تھا مگر ذہین بہت تھا اور بار بار گفتگو سن کر اچھی خاصی سوجھ بوجھ حاصل کر چکا تھا اور اس نے بعض علمی اصطلاحات تک یاد کر لی تھیں۔

گھر پہنچ کر بابا کہنے لگا: بیٹا! مجھے تین باتیں اچھی طرح معلوم ہو گئی ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ جس حدیث کو امام اعظم ابوحنیفہ نے یا امام محمد نے بیان کیا ہو، اسی حدیث کو جب بعد والے محدثین بھی بیان کر دیں تو اب سند کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں رہتی۔اب ایسی حدیث کو ضعیف کہنا محض جان چھڑانے والی بات ہے۔

دوسری بات یہ کہ رجال کی کتابیں، جن میں کہیں کسی جلیل القدر تابعی کو ضعیف کہا گیا ہے اور کہیں کسی تبع تابعی کو کذاب کہا گیا ہے۔میری سمجھ کے مطابق یہ سب زبان درازی ہے اور اولیاء اللہ سے دشمنی اور ان کا ناجائز گلہ ہے۔

تیسری بات یہ کہ اہل حدیثوں کو رجال کی کتابوں پر اعتماد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ورنہ اس سے اندھی تقلید لازم آئے گی۔لڑکا اپنے باپ کی باتوں سے مزید پریشان ہو گیا مگر ابھی وہ اپنی ضد پر قائم تھا۔

اتفاق سے بابے کا دوسرا بیٹا ایران سے واپس آ گیا لیکن تقدیر کا کھیل دیکھئے کہ اس کا یہ بیٹا شیعہ مذہب اختیار کر چکا تھا۔اس نے گاؤں پہنچتے ہی مجلس عزا میں جانا شروع کر دیا۔ایک دن اپنے گھر میں بھی زبردستی مجلس عزا رکھ دی۔چند دنوں میں اپنے ذاتی خرچے پر امام بارگاہ کی تعمیر کی افواہ بھی چھوڑ دی۔جو آدمی اس سے بات کرتا، اس سے لڑنے پر اُتر آتا۔بابا پہلے بیٹے سے کیا پریشان تھا کہ دوسرا بیٹا اس سے بھی نمبر لے گیا۔بابا اس بیٹے کو بھی مختلف علماء کے پاس لے گیا۔پہلے تو اس نے کہا کہ تمہارے مولویوں کے پاس ہے ہی کیا؟ یہ سب اہل بیت کے منکر ہیں لیکن بابا کسی نہ کسی طرح اسے علماء کے پاس لے کر پہنچ ہی گیا۔یہ لڑکا بھی ہر عالم سے دو

باتیں ضرور کرتا تھا۔ ایک تو وہ حدیث **من کنت مولاہ** ہر کسی کو سناتا تھا۔ دوسری بات یہ کرتا تھا کہ اہل بیت پر دین کا دارومدار ہے۔ جن کے گھر میں دین اُترا، جو دین کے سب سے پہلے مخاطب ہیں اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر کے ٹکڑے ہیں ان کی پیروی ضروری ہے اور تم لوگ ان سب کے منکر ہو۔

بابا اس بیٹے کو ایک عالم دین کے پاس لے گیا۔ اس عالم سے اس طرح گفتگو ہوئی۔ لڑکے نے کہا آپ اہل بیت کے منکر ہیں۔ عالم نے کہا جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ ہم اہل بیت کے منکر نہیں بلکہ اہل بیت اور صحابہ کرام سب کا ادب کرتے ہیں اور ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں۔ لڑکے نے کہا یہ آپ اوپر اوپر سے کہہ رہے ہیں۔ بابے کو غصہ آ گیا۔ بابے نے گالی دے کر کہا۔ میں تمہارا باپ ہوں۔ میں اہل سنت ہوں اور تو مجھے اچھی طرح جانتا ہے کہ میں اہل بیت کا بہت ادب کرتا ہوں اور تجھے بھی میں نے ان کا ادب ہی سکھایا تھا تو میری گود میں بیٹھ کر میری داڑھی صاف کر رہا ہے۔ تیری۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بابے نے پھر ماں کی گالی دی) بابے نے کہا تجھے سکھانے والے نہایت فراڈی اور چال باز لوگ ہیں اور تم نے میری تربیت کو اور سنی مسلک کو پس پشت ڈال کر ان کی ہر بات پر ایمان رکھ لیا ہے۔ بتا! میں نے تجھے مولا علی کا ادب سکھایا تھا یا بے ادبی؟ بتا مسجد کے مولوی صاحب تمام اہل بیت اور مولا علی کا نام ادب سے لیتے ہیں یا بے ادبی سے؟

عالم دین نے سمجھا بجھا کر بابے کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ پھر عالم دین فرمانے لگے کہ بیٹا! جھوٹ بولنا اور اوپر اوپر سے ماننا اہل سنت کا طریقہ نہیں۔ یہ تعلیم شیعہ مذہب میں پائی جاتی ہے۔ جسے یہ لوگ تقیہ کا نام دیتے ہیں۔ شیعوں کی سب سے پہلی کتاب اصول کافی میں لکھا ہے کہ جس نے دین کو ظاہر کیا اللہ اسے ذلیل کرے گا اور جس نے دین کو چھپایا اللہ اسے عزت دے گا (اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۲۰)۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ ہے (اصول کافی جلد ا صفحہ ۳۱۱)۔ اب بتائیے کہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سنی اہل بیت کے ساتھ اوپر اوپر سے محبت کرتے ہیں۔ جب کہ سچ تو یہ ہے کہ شیعہ مذہب کی ہر بات اوپر اوپر سے ہوتی ہے، جو سچی بات کرے وہ ذلیل ہے اور جو جھوٹ بولے وہ باعزت ہے۔

اب بتائیے کہ آپ کے مذہب کی کسی بھی بات کا کیا اعتبار ہے؟ آپ کے علماء اگر کہہ دیں کہ ہم اہل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ ہمیں کیا معلوم کہ یہ سچ ہے یا تقیہ۔ اگر یہ لوگ کہہ بھی دیں کہ بارہ امام برحق ہیں۔ ہمیں کیا معلوم کہ یہ سچ ہے یا تقیہ۔ آپ کو ایران والوں نے جو جو باتیں رٹا کر بھیجا ہے آپ کو کیا معلوم کہ وہ سچ ہیں یا تقیہ؟

لڑکا یہ باتیں سن کر پریشان سا ہو گیا۔ کہنے لگا مجھے اصل کتاب میں لکھا ہوا دکھا دیں کہ شیعہ مذہب کا دارومدار تقیہ پر ہے۔ عالم دین نے اصول کافی کھول کر اس کے سامنے رکھ دی بلکہ اس مضمون کی کئی احادیث اس کے سامنے آگئیں لڑکا سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ واقعی کہیں شیعہ علماء نے مجھ پر تقیہ تو استعمال نہیں کیا؟ میں کونسے اصول کے تحت ان کی کسی بات کو سچ سمجھوں اور کونسی بات کو تقیہ قرار دوں۔

لڑکا بوکھلایا ہوا تھا مگر ہمت سنبھال کر کہنے لگا آخر بہت سے لوگ شیعہ کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ عالم دین نے کہا وہابی بھی یہی کہتے ہیں کہ پچھلے سال میں دس ہزار آدمی سنی مذہب سے اہل حدیث ہو گئے ہیں۔ بیٹا! مزہ تو جب ہے کہ کسی کافر کو شیعہ مذہب میں لے آؤ تا کہ کفر کا مقابلہ کرو۔ سنی عوام ہی تمہیں لوٹ کا مال نظر آتے ہیں؟

یہاں عالم دین نے ایک نہایت زبردست پوائنٹ مارا۔ عالم نے کہا کہ اگر تم کسی غیر مسلم کو اسلام کی دعوت دو اور اسے بتاؤ کہ مسلمان ہونے کے بعد تمہیں ماتم کرنا پڑے گا۔ اور اپنے آپ کو تھپڑ، مکے، بلیڈ اور چھریاں مارنا پڑیں گی۔ اور قمیص اُتار کر سینہ کوبی کرنا پڑے گی۔ ورنہ تم منافق اور کافر ہی رہو گے۔ تو ایمان داری سے بتاؤ کہ کیا وہ غیر مسلم ایسا اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا؟

یہ تلخ حقائق سن کر لڑکے کا دماغ گھوم گیا۔ یہ لڑکا اندر اندر سے ڈگمگا چکا تھا مگر تا حال ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم تھا۔ وہ بہت سی فروعی باتوں پر بحث کرنا چاہتا تھا مگر ان دو اصولی باتوں نے اس کے پلے کچھ نہیں رہنے دیا تھا پھر بھی اس نے کہا کہ میں اپنے علماء سے پوچھوں گا۔

عالم دین نے کہا جاؤ اپنے علماء سے پوچھ کر دوبارہ آنا۔ ان شاء اللہ ان باتوں کا تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔ اپنے علماء سے مل کر لڑکا پھر انہی الجھنوں پر اتر آیا مگر اب کی بار اس نے کسی

سنی عالم کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔

الغرض یہ لڑکا بھی بابے سے کنٹرول نہ ہوا بلکہ یہ تو اُلٹا جذباتی بھی ہو جاتا تھا اور اگر کسی عالم کے سامنے لاجواب ہو جاتا تو کہتا تھا کہ اس کا جواب میں اپنے علماء سے پوچھ کر دوں گا۔ بابے کو اس بات پر بھی غصہ آ جاتا تھا۔ بابا کہتا تھا تم بھی اپنے دوسرے بے ایمان بھائی کی طرح اب علما سے رابطہ رکھتے ہو۔ شیعہ ہونے سے پہلے اپنے سنی علماء سے رابطہ رکھتے تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔

ایک دن بابے نے ان دونوں بیٹوں کو آمنے سامنے کر دیا۔ ایک وہابی اور دوسرا شیعہ۔ بابا دیہاتی آدمی تھا اور کبھی کبھی اپنے بیٹوں کو ماں کی گالی بھی دے دیتا تھا۔ اس نے دونوں بیٹوں کو اپنی مخصوص گالی دی اور کہا کہ میں تو ان پڑھ آدمی ہوں۔ اگر تم دونوں میں سے کسی ایک نے مجھے قائل کرنا ہوتا تو میں لاعلمی کی وجہ سے ضرور قائل ہو جاتا لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ دونوں کے دلائل اور اندازِ گفتگو تقریباً ایک جیسا ہے مگر تقدیر نے دونوں کو متضاد مذاہب پر لگا دیا ہے۔ اگر وہابی سچا ہے تو پھر شیعہ بھی سچا ہے اور اگر وہابی جھوٹا ہے تو پھر شیعہ بھی جھوٹا ہے اس صورت حال میں میرے لئے بہتر یہی ہے کہ میں سنی مذہب پر پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو جاؤں اور میرا یہی فیصلہ ہے مگر تم دونوں آپس میں بحث کرو (یہاں بابے نے ان دونوں کو ماں کی گالی بھی دی) اور کہا کہ میں تمہاری بحث سنوں گا۔

دونوں میں بحث شروع ہوئی۔ وہابی نے کہا صحابہ سب کچھ ہیں۔ شیعہ نے کہا اہل بیت سب کچھ ہیں۔ بابا خاموش نہ رہ سکا۔ ماں کی گالی دے کر کہنے لگا "اوئے! صحابہ اور اہل بیت دونوں کو سب کچھ مان لینے میں تمہیں کیا تکلیف ہے؟

مگر وہ دونوں اپنے اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے اور دلائل کی بھر مار کرتے رہے پھر شیعہ نے کہا امام حسین علیہ السلام حق پر تھے اور جن صحابہ نے امام پاک کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ سب مجرم ہیں۔ وہابی نے کہا حضرت یزید رحمت اللہ حق پر تھے اور امام حسین سے تو جنرل ضیاء الحق ہی بہتر تھا۔

بابے کو دونوں بیٹوں پر غصہ آ گیا۔ اس نے کہا تم دونوں بے ادب اور بدتمیز ہو۔ ایک امام حسین کا بے ادب ہے اور دوسرا اصحابہ پاک کا بے ادب ہے۔ بابے نے دونوں بیٹوں پر

لاٹھیاں برسانا شروع کر دیں اور گالیاں دے کر کہنے لگا میرے گھر سے نکل جاؤ۔ آج مجھے تم دونوں کی حقیقت پہلے سے بھی زیادہ معلوم ہوگئی ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اہل سنت مذہب اختیار کرنے کی توفیق دی ہے۔

بابے کا تیسرا بیٹا جب لاہور سے واپس آیا تو وہ قادیانی ہو چکا تھا۔ یہ بیٹا نہایت خاموش اور محتاط تھا۔ اس نے سب سے پہلے سائنس اور عقلیات کا فلسفہ جھاڑنا شروع کر دیا۔ کچھ دنوں تک اس نے کہنا شروع کر دیا کہ آسمانوں پر انسان آکسیجن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آسمان پر چڑھ جانا اور آسمان سے اُتر آنا عقلاً ناممکن ہے۔ ان پڑھ لوگ اس کی باتوں کے نتائج پر غور کئے بغیر اس کی باتوں میں آنے لگے۔ یہ لڑکا بظاہر مسلمان بلکہ اہل سنت نظر آتا رہا۔ آہستہ آہستہ اس نے کہنا شروع کر دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے نہیں اُترے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی نہیں ہوئی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر نہیں اٹھائے گئے اور نہ ہی قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور بالآخر اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ جس عیسیٰ نے آنا ہے وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے اور چونکہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے لہٰذا یہ بھی نبی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے آخری نبی نہیں ہیں بلکہ آپ کے بعد ظلّی اور بروزی نبی آ سکتا ہے۔ اور مرزا قادیانی وہی ظلّی اور بروزی نبی ہیں۔

بابا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ بابے نے کہا یہ تو پہلے سے بھی بھاری آفت آن پڑی۔ اب کہاں جاؤں۔ بابے نے ایک بار پھر قسمت آزمانے کے لئے علماء کا رخ کیا مگر یہ لڑکا بظاہر بڑا با اخلاق، ٹھنڈا اور چالباز بھی تھا۔ یہ خود کہتا تھا کہ مجھے علماء کے پاس لے چلو۔ بابا اسے ایک مولوی صاحب کے پاس لے گیا۔ ان مولوی صاحب کی معلومات قادیانیت کے موضوع پر صفر تھیں۔ بابا اسے اسی طرح کے چند مولویوں کے پاس لے گیا جنہیں نور بشر کے سواء کچھ نہیں آتا تھا۔ بالآخر کسی مولوی صاحب نے اسے فقیر غلام رسول قاسمی کا ایڈریس دیا۔

بابا اپنے بیٹے کو لے کر فقیر کے پاس پہنچ گیا اور اپنی روئداد سنائی۔ اس لڑکے نے کہا کہ میں آپ سے کچھ معلومات لینا چاہتا ہوں۔ فقیر نے کہا کہ فرمائیں۔ اگر میری سمجھ میں ہوں گی تو ضرور عرض کر دوں گا۔ اس لڑکے نے کہا کہ میں قرآن کی روشنی میں حیات مسیح کا مسئلہ سمجھنا چاہتا

ہوں۔ مسلمانوں کے پاس حیاتِ مسیح پر صرف ایک آیت بل رفعه الله الیه موجود ہے۔ جب کہ مرزا صاحب نے وفاتِ مسیح کو تیس آیات سے ثابت کر دیا ہے۔ یہ سیدھا سیدھا معیار ہے۔ آیات کی تعداد سے ہی آپ سچ اور جھوٹ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

فقیر نے کہا کہ پادری فانڈر نے اپنی کتاب میزان الحق میں قرآن کی ایک سو چودہ آیات سے تین خدا ثابت کئے ہیں۔ اگر آیات کی تعداد گن کر سنانے پر دارومدار ہے تو پھر پادری فانڈر، مرزا صاحب سے بھی نمبر لے گیا۔

پھر لا الہ الا اللہ کے الفاظ بھی قرآن کی تیس آیات میں نہیں بلکہ صرف ایک آیت میں وارد ہوئے ہیں۔ بتایئے کہ جب تک تیس آیات فراہم نہ ہوں گی کیا آپ خدا کی توحید کا انکار کرتے رہیں گے؟

اسی طرح محمد رسول اللہ کے الفاظ بھی پورے قرآن میں صرف ایک جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ کیا آپ نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرنے کے لئے انتیس مزید آیات کا انتظار کریں گے؟

اصل بات یہ ہے کہ مرزا صاحب نے کھینچا تانی کے ذریعہ تیس آیات سے وفاتِ مسیح ثابت کر ماری ہے۔ جب کہ حیاتِ مسیح جس آیت سے ثابت ہے۔ وہ لاالہ الا اللہ کی طرح بڑی صاف اور صریح ہے۔ دلائل کو تولا کرتے ہیں گنا نہیں کرتے لڑکا لاجواب ہوگیا۔

پھر اس لڑکے نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن میں ہے کہ میں جب تک زندہ رہوں مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چلے گئے ہیں تو اب وہ زکوٰۃ کس طرح ادا کرتے ہوں گے۔ اور وہ زکوٰۃ کون وصول کرتا ہوگا؟

فقیر نے کہا کہ یہ انہی تیس آیات میں سے ایک ہے جنہیں مرزا قادیانی نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں لکھا ہے اور کھینچا تانی کر کے اس آیت سے وفاتِ مسیح ثابت کر ڈالی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جس کسی کو بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہو اس کیلئے شرط یہ ہوتی کہ وہ شخص مالدار ہو۔ مثلاً نبی کریم ﷺ کی ساری اُمت کو حکم ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو مگر زکوٰۃ وہی شخص دیتا ہے جو مالدار ہو باقی لوگ عمومی حکم ملنے کے باوجود زکوٰۃ نہیں دیتے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے

بھی زکوٰۃ دینے کیلئے مالدار ہونا شرط ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تک زمین پر موجود رہے انہوں نے اس وقت بھی زکوٰۃ نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دنیا میں کبھی بھی مالدار نہیں ہوئے بلکہ ہمیشہ فقر اور غریب الوطنی میں وقت گزارا۔ اگر زمین پر رہتے ہوئے زکوٰۃ نہیں دی تو آسمان پر جا کر زکوٰۃ نہ دینے میں تو بالکل ہی کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے حال اور پیش آنے والے معاملات کو خوب سمجھتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس قسم کے احکام میں ظاہری خطاب نبی کو ہوتا ہے۔ جب کہ حکم امت کو دیا جا رہا ہوتا ہے۔ گویا زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت سب کے لئے تھا جب کہ صاحبِ نصاب یعنی مالدار ہونے کی شرط اپنی جگہ پر ہے۔

بابا یہ ساری گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا۔ پھر اس لڑکے نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے جاندار اس وقت زندہ ہیں آج سے سو سال بعد سارے کے سارے مر جائیں گے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام گر زندہ تھے بھی تو فوت ہو گئے ہوں گے۔

فقیر نے کہا کہ یہ حدیث پوری پڑھو اس حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ علی وجہ الارض الان یعنی اس وقت روئے زمین پر جتنے جاندار ہیں، مر جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نہیں تھے۔ لہٰذا اس حدیث سے ان کی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ آپ نے حدیث ادھوری پڑھ کر بے ایمانی کی اور اگر آپ کو ادھوری رٹائی گئی تو رٹانے والوں نے بے ایمانی کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے بحث کے آغاز میں کہا تھا کہ قرآن کی روشنی میں حیاتِ مسیح ثابت کریں۔ جب کہ آپ نے خود اپنا اصول توڑ ڈالا ہے۔ آپ نے قرآن کو چھوڑ کر حدیث پیش کر دی ہے۔ اس جرم کی کیا سزا ہے؟ آپ کو جواب دینا پڑے گا اور میں ادھر ادھر نہیں ہلنے دوں گا۔ اس پر وہ لڑکا بالکل بند ہو گیا۔ فقیر نے بار بار پوچھا کہ آگے بولو۔ اس نے کہا آپ نے میرا بولنا ہی بند کر دیا ہے مگر میں اپنے علماء سے پوچھوں گا۔

باپ ان پڑھ ضرور تھا مگر بلا کا ذہین اور صلاحیت والا شخص تھا۔ بابے نے اپنے بیٹے کو خوب گالیاں دیں اور کہا کہ یہ تینوں ایسے تیسے اپنے علماء سے پوچھنا چاہتے ہیں مگر گمراہ ہونے سے پہلے ان کی ماں مر گئی تھی کہ علماء سے پوچھتے۔ بابا اپنے بیٹے کو لے کر گاؤں چلا آیا۔

ایک دن بابے کا چوتھا بیٹا کھیتوں سے تھک ہار کر واپس گھر آیا تو گھر میں اس کے تینوں بھائی آپس میں بحث کر رہے تھے اور باہم دست و گریباں ہونے کے قریب تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر اس نے بیل ہانکنے والی لاٹھی جسے پنجابی میں تر وڑ کہتے ہیں، اُٹھالی اور تینوں بھائیوں کی اس قدر پٹائی کر دی کہ ان کی ناس مار کر رکھ دی۔ اسی وقت بابا مکان کی چھت پر چڑھ کر چیخنے لگا کہ کوئی تین پڑھے لکھے بیٹے لے لو اور ایک ان پڑھ دے دو۔ گاؤں کے لوگ جمع ہو گئے۔ کوئی مذاق اڑا رہا تھا، کوئی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ کوئی لڑکوں کی اصلاح کے لئے مشورے دے رہا تھا اور کوئی کہہ رہا تھا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان کا مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔

گاؤں کے کسی نوجوان نے بابے سے پوچھا کہ بابا جی آخر یہ لڑکے اتنی محنت کے باوجود صحیح کیوں نہیں ہو رہے؟ بابا غصے میں تھا۔ کہنے لگا حرام کا حمل ضائع کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ نوجوان کو سمجھ آ گئی اور پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ بالآخر ایک پڑھا لکھا آدمی آگے بڑھا اور اس نے بابے کو عجیب مشورہ دیا۔ اس نے کہا بابا جی اپنے تینوں بیٹوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی وقت میں کسی ماہر نفسیات کے پاس لے جاؤ۔ بابے کو یہ بات پسند آ گئی۔ اگلے ہی روز بابا اپنے تینوں بیٹوں کو لے کر پی اے ایف ہسپتال سرگودھا پہنچ گیا۔ وہاں کے ماہر نفسیات ڈاکٹر کے سامنے تینوں بیٹے پیش کر دیئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

اتفاق سے وہ ڈاکٹر قادیانی تھا جو نیا نیا قادیانی ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے ساری کہانی بڑے غور سے سنی۔ اور پھر تھوڑی دیر آنکھیں بند کر کے کچھ سوچتا رہا۔ بالآخر آنکھیں کھول کر کہنے لگا بابا جی میں خود پچھلے مہینے قادیانی ہوا تھا۔ میں آج اور اسی وقت قادیانیت سے توبہ کرتا ہوں اور یہ سب آپ کی برکت ہے۔

بابا حیران ہو گیا۔ بابے نے کہا میری برکت سے میرے تین بیٹوں میں سے ایک بھی انسان نہیں بنا۔ تم پر میری برکت کیسے اثر کر گئی؟

ڈاکٹر نے کہا: دراصل یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ پوری دنیا میں اہل سنت کی اکثریت ہے اور جس قوم کی اکثریت ہو اس قوم میں ان پڑھ اور بھولے لوگ بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جسے کوئی سب سے پہلے ٹکر جاتا ہے یہ اسی سے قائل ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کا ایرانی

بیٹا سعودیہ میں چلا جاتا تو اس نے وہابی ہو جانا تھا اور اگر سعودی بیٹا ایران میں چلا جاتا تو اس نے وہاں سے شیعہ ہو کر واپس آنا تھا۔ ان کے پاس اپنا مطالعہ اور شعور نہیں تھا۔ یہ ہر کسی کی باتوں میں آ سکتے تھے۔ یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا تھا مگر میں اس مسئلے کی نفسیات کو اس وقت نہیں سمجھا تھا۔ آج اللہ کریم نے اپنے فضل سے مجھ پر ہدایت کا دروازہ کھولنا تھا۔ آپ اور آپ کے بیٹوں کا کیس میرے سامنے آ گیا اور میں معمولی غور و خوض کے بعد بڑی آسانی سے معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔

ڈاکٹر نے ایسے دل نشین انداز سے گفتگو کی کہ بابے کے تینوں بیٹوں پر ڈاکٹر کی باتیں اثر کر گئیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے تینوں نے اپنے اپنے مذاہب سے توبہ کر لی پہلے دونوں اہل سنت ہو گئے اور تیسرا بھی قادیانیت سے توبہ کر کے مسلمان ہو گیا۔

بابا اپنے بیٹوں کو لے کر سیدھا گھر پہنچا۔ شکرانے کے نفل ادا کیے اور نفل ادا کرنے کے بعد خصوصی سجدہ کیا اور سجدے میں پڑ کر زار و قطار رونے لگا۔

اس کے بیٹے اپنے اپنے کام کاج میں مصروف ہو گئے۔ اور مذہبی مصروفیات ترک کر دیں۔ بابے نے کچھ عرصے تک ان کا جائزہ لیا۔ بالآخر ایک دن بابے نے ان تینوں کو جمع کر کے خوب گالیاں سنائیں۔ بابے نے کہا۔ بے غیر تو! تم بے ایمان ہونے کے بعد تو بڑے سرگرم ہو گئے تھے مگر اب تمہیں سانپ نے سونگھ لیا ہے؟

تینوں مل کر دین کی خدمت کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دو ورنہ میں تمہاری۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔(بابے نے پھر وہی ماں کی گالی دی)۔

ان تینوں بھائیوں نے اپنے باپ کی بات پر سنجیدگی سے غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ واقعی ہم بے حس اور بے انصاف ہیں۔ آخر ہم اس وقت اتنے سرگرم کیوں تھے اور آج اتنے نرم کیوں ہیں؟ انہوں نے اسی وقت دین کی خدمت کا فیصلہ کر لیا۔ تینوں نے ایک ہی مرشد کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنی زندگیاں دین کیلئے وقف کر دیں۔ وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

(از شیخ الحدیث پیر طریقت علامہ غلام رسول قاسمی آف سرگودھا)

کیا ہمارے لئے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی نہیں؟

عن اسماء رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: قَا اللّٰهُ کَافِیْکُمْ وَرَسُوْلُهٗ: پس تمہیں اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔

(طبرانی 170/24 مجمع الزوائد 347/7 کتاب الایمان باب ما جاء فی الدجال)

کتبہ استاد محترم مناظر اہل سنت فاتح نجدیت شیر پنجاب حضرت علامہ غلام مرتضٰی ساقی مجددی حفظہ اللہ فی الدینا و الا خرہ۔

سوال: کیا ہمارے لئے اللہ کافی نہیں؟

جواب: کیوں نہیں لیکن بعض لوگ کھلے بندوں یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ غوث، داتا، مشکل کشا، گنج بخش، غریب نواز اور دستگیر صرف اللہ ہی ہے کوئی نبی ولی مشکل کشا حاجت روا اور داتا نہیں ہوسکتا جبکہ ان کی یہ بات بالکل غلط اور اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے ذیل میں قرآن و حدیث کی چند گواہیاں پیش خدمت ہیں ...... انہیں پڑھئے! ...... سمجھئے! ...... اور اپنے عقائد کی اصلاح کیجئے! ......

وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا: یعنی تیرے رب کی عطا پر کوئی پابندی نہیں۔

(بنی اسرائیل: آیت ۲۰)

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا: لوگو! تمہیں کیا ہو گیا تمہاری نظروں میں اللہ کا کوئی وقار نہیں۔ (نوح آیت: ۱۳)

محبوبانِ خدا کے اختیارات اور تصرفات کا انکار کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ خدا کی دی ہوئی عظمتوں، فضیلتوں اور رفعتوں کا انکار کر کے خدا کے وقار کو کیوں مجروح کرتے ہیں۔

دستگیر پریشانی دور کرنے والا حمایت کرنے والا۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا: اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو محبوب تیرے پاس حاضر ہو کر معافی مانگیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے معافی مانگے یعنی ان کی حمایت کریں

توضرور اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔ (النساء آیت 64)

فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا: فرشتو تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو یعنی ان کی دستگیری کرو۔

(الانفال:[illegible])

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ: اچھے کاموں میں ایک دوسرے کی دستگیری کرو۔ (المائدہ [illegible])

مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً: جو اپنے بھائی کی پریشانی دور کرے اور حاجت روائی کرے تو اللہ اس کی حاجت روائی اور پریشانی دور کریگا۔

(بخاری حدیث 2262 کتاب 29 المظالم باب 3 لا یظلم المسلم. مسلم حدیث 4867 کتاب 49 الذکر باب 11 فضل الاجتماع، مشکوۃ 204 کتاب العلم)

ایک آدمی روزِ قیامت عرض کرے گا: یارَسُولَ اللهِ أَغِثْنِي یارسول اللہ! میری دستگیری فرمایئے، امداد فرمایئے۔

(بخاری 2844 کتاب 38 الجهاد باب 187 الغلول مشکوۃ 3996 کتاب الجهاد باب قسمة الغنائم)

گنج بخش خزانے دینے والا، سخی اور غنی۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَى: محبوب! خدا نے تجھے محتاج پایا تو غنی کر دیا۔ (والضحیٰ:[illegible])

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ: ہم نے آپ کو بے حد و بے حساب خزانے دیئے ہیں۔

(الکوثر:[illegible])

هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ۔ اے سلیمان! یہ ہماری عطا ہے چاہے کسی کو بخش دو یا پاس رکھو۔ (سورت ص [illegible])

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ: مجھے دو سرخ و سفید خزانے دیئے گئے۔ (مسلم 5144 کتاب 54 الفتن باب 5 هلاك هذه الامه)

أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ: مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔

(بخاری 2755 کتاب 38 الجهاد باب 121 قول النبی ﷺ نصرت مسلم 813 کتاب المساجد)

حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِي۔ بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ عطا کرنے والا ہے۔ (بخاری حدیث ۷۱ کتاب (۳) العلم باب ۱۳ من یرد الله به خیرا)

غریب نواز غریبوں کو نوازنے والا۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ: انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ (التوبہ: ۷۴)

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ: (محبوب) کسی سوالی کو (کبھی) نہیں جھڑکنا۔ (والضحیٰ: ۱۰)

ابن جمیل فقیر تھا، اسے اللہ اور اس کے رسول نے غنی کر دیا۔

(بخاری حدیث: 1375 کتاب 13 الزکوۃ باب 49 قول الله وفی الرقاب مشکوۃ 1778 کتاب الزکوۃ)

حضور ﷺ کسی سوالی کو خالی نہ لوٹاتے۔

(بخاری 5363 کتاب 57 اللباس باب 18 البروت، 1951
کتاب 18 البیوع باب 31 ذکر النساج)

مشکل کشا مشکل اور سختی دور کرنے والا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دینے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ: (آل عمران: ۴۹)

(حضور اکرم ﷺ) مسلمانوں سے دشواریاں دور کرتے اور سختی کی زنجیریں توڑ دیتے:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

حدیبیہ کے مقام پر پانی کی مشکل بنی تو حضور ﷺ اپنی انگلیوں سے چشمے جاری کر کے مشکل کشائی فرمائی۔ فَجَعَلَ الْمَآءُ يَفُوْرُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِهٖ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ۔

(بخاری حدیث 3311 کتاب 43 المناقب باب 22 علامات النبوۃ
مشکوۃ کتاب الفضائل باب المعجزات حدیث 5882)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بیماری کی وجہ سے ہوش ٹھکانے نہ رہے تو آپ نے وضو کا پانی چھڑک کر سختی دور کر دی۔ (بخاری 6246 کتاب 65 الفرائض باب 13 میراث الاخوات والاخوۃ)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈسا تو لعابِ دہن لگا کر مشکل حل کر دی۔

(مشکوٰۃ 6034 کتاب المناقب باب مناقب ابو بکر، کتاب الوفاء)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنکھ کا مرض ہوا تو لعابِ دہن لگا کر مشکل حل کر دی۔

(بخاری 3888 کتاب 44 المغازی باب 36 غزوۃ خیبر مشکوٰۃ 6089
کتاب المناقب باب مناقب علی)

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن لگا کر مشکل حل کر دی۔

(مشکوٰۃ کتاب الفضائل باب المعجزات 5886 بخاری 3884
کتاب 44 المغازی باب 36 غزوۃ خیبر)

غوث فریاد کو سننے والا۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا: اللہ تعالیٰ، اس کا رسول اور ایمان والے تمہارے مددگار ہیں (المائدہ: ۵۵) فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ جبرئیل نیک لوگ اور فرشتے (بھی) مددگار ہیں۔

(التوبہ: [illegible])

ایک صحابی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سکھایا کہ مشکل کشائی کے لئے دعا میں مجھے پکارنا:
یا محمدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ:

(ابن ماجہ حدیث 1375 کتاب [illegible] اقامۃ الصلاۃ، باب [illegible] ما جاء فی صلاۃ الحاجۃ ترمذی
3502 کتاب [illegible] الدعوات باب ([illegible]) فی دعاء الضیف)

حضرت عمرو بن سالم نے مکہ کی گلیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ سے جواب دیا اور مدد فرمائی۔

(طبرانی صغیر [illegible] الاصابہ [illegible] مختصر سیرت رسول
عبداللہ بن محمد بن الوہاب نجدی)

داتا دینے والا۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا: میں تجھے ستھرا بیٹا دینے آیا ہوں۔ (مریم: ۱۹) وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ: (کاش) یہ

لوگ اللہ اور اس کے رسول کے دیئے پہ راضی ہو جاتے ۔ (التوبہ [illegible])

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ربیعہ سے فرمایا: سَلْ فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ :ربیعہ مانگ لو! عرض کیا جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں۔ فرمایا مزید جو چاہتے ہو مانگ لو! عرض کیا یہی کافی ہے۔

(مسلم ح [illegible] کتاب الصلوٰۃ [illegible] باب فضل السجود نسائی ح [illegible]
کتاب التطبیق باب فضل السجود ابوداتود ح [illegible] کتاب الصلوٰۃ
باب وقت قیام النبی ﷺ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سَلْ مَا شِئْتَ يَا أَعْرَابِيُّ: اعرابی مانگ جو تیرا جی چاہے۔

(مجمع الزوائد [illegible]) اس حدیث کو غیر مقلدین کے امام ناصر الدین البانی نے ”سلسلہ احادیث الصحیحہ،، میں صحیح قرار دیا ہے دیکھو حدیث [illegible] رواہ ابو یعلی وطبرانی)

قرآن وحدیث کی ان گواہیوں سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو اللہ تعالی نے وسیع اختیارات دے کر داتا، غریب نواز، مشکل کشا، گنج بخش اور غوث بنایا ہے۔ جو لوگ بتوں والی آیات نبیوں ولیوں پر چسپاں کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ان کے متعلق فتوٰی ہے۔ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللهِ: کہ وہ مخلوق میں سب سے بدترین ہیں۔

(بخاری [illegible] کتاب استتابۃ المرتدین، باب قتل الخوارج ما قبل حدیث [illegible])

آل واصحابِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام پر آگ گلزار ہو گئی

ضلع شیخوپورہ میں موٹروے پر خانقاہ ڈوگراں انٹرچینج کے قریب ڈیرہ سرونہہ میں صحیح العقیدہ سنی بریلوی نوجوان محمد سرفراز پر آگ گلزار ہو گئی جبکہ منکر صحابہ شاہد نامی آگ میں جل گیا۔ تفصیلات کے مطابق ۱۰ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۸ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز پیر ڈیرہ سرونہہ میں شاہد نامی نوجوان (جو کہ شیعہ مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے) اپنے خودساختہ عقیدہ کے مطابق ماتم وغیرہ کر کے بوقت عصر اپنے ڈیرے پر پہنچا تو بعض سنی حضرات نے اسے کہا کہ ”الحمد للہ ہم بھی اہل بیت کے غلام ہیں اور ہم بڑے ادب کے ساتھ قرآن خوانی اور فضائل و شہادت کا بیان سن سنا کر امام حسین علیہ السلام کی یاد مناتے ہیں تم بھی اسی طریقہ سے امام حسین علیہ السلام کی یاد منایا کرو، خودساختہ نظریات چھوڑ دو،، اس پر شاہد ولد اشرف خاں نے کہا کہ ”ہمارا طریقہ ٹھیک ہے اور جنت کی ٹکٹیں ہمارے پاس ہیں ہمارے علاوہ باقی سب دوزخی

ہیں اور میرا چیلنج ہے کہ پورے ملک میں سے کوئی سنی آگ میں چھلانگ لگائے جو سچا ہوگا وہ بچ جائے گا، جو جھوٹا ہوگا جل جائے گا،، یہ بات سن کر محمد سرفراز ولد محمد انور بھٹی نمبردار نے شاہد سے کہا ''مجھے تیرا چیلنج منظور ہے،، چنانچہ اسی وقت آگ جلائی گئی اور محمد سرفراز شاہد کا بازو پکڑ کر آگ میں داخل ہوگیا محمد سرفراز نے آگ میں داخل ہوتے ہی شاہد کا بازو چھوڑ دیا۔ شاہد کے کپڑوں کو فوری طور آگ لگ گئی جبکہ محمد سرفراز تین منٹ آگ کے شعلوں میں کھڑا ہو کر کلمہ طیبہ اور الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول الله وعلی آلك وصحابك یا حبیب الله کا ورد کرتا رہا اس منظر کو موقع پر موجود بیس پچیس افراد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(ماھنامه رضائے مصطفےٰ گوجرانواله ربیع الاول ،،،، ھ)

(محمد سرفراز کے بیان کی سی ڈی اور کیسٹ بھی موجود ہے)

دیوبندی مکتب فکر کے روزنامہ ''اسلام'' کی ۱۵ جنوری ۲۰۱۰ء کی اشاعت میں بھی یہ واقعہ شائع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کو دنیا کی آگ تو کیا ان شاء اللہ جہنم کی آگ بھی نہیں جلا سکتی۔

آقا کا گدا ہوں اے جہنم تو بھی سن لے
وہ کیسے جلے جو کہ غلام مدنی ہو

عاشق مصطفٰی محمد پناہ کی کہانی، وہابی جریدہ کی زبانی

''الاعتصام'' لاہور ۱۷ اپریل ۱۹۹۸ء اور ہفت روزہ ''سٹیزن ڈیفنس'' گوجرانوالہ نے جناب محمد پناہ اور ان کے امام وخطیب مولانا تاج محمد کا انٹرویو بدیں الفاظ شائع کیا کہ لاڑکانہ سے ''دارہ'' ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے ہم مین بازار میں گئے اور حنفی بریلوی مسجد کا معلوم کرنے لگے، کافی آگے جانے کے بعد ایک مسجد آ گئی جو کہ حنفی بریلوی مسلک والوں کی تھی ہم مسجد میں چلے گئے وہاں ہماری ملاقات مولانا میر محمد سے ہوئی۔ ان سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور پوچھا کہ جلنے والا واقعہ جو ہوا ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ مزید تفصیل آپ کو علامہ تاج محمد بتائیں گے۔ جو یہاں کے حنفی بریلوی مسلک کے سب سے بڑے عالم دین ہیں اور وہ اسی مسجد میں موجود ہیں۔ ہم نے کہا یہ تو بڑی اچھی بات

ہے کہ کسی ذمہ دار آدمی سے ملاقات ہو جائے گی۔ مسجد کے اندر ہی حجرے میں علامہ تاج محمد صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ محمد پناہ اور محمد ہارون کے درمیان جو معاملہ ہوا ہے اس کی تفصیل بتانا پسند کریں گے؟ علامہ تاج محمد صاحب نے بتایا کہ محمد پناہ پیشے کے اعتبار سے ڈرائیور ہے۔ ٹریکٹر چلاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میں ٹریکٹر ٹرالی لے کر مٹی بھرنے جا رہا تھا۔ یہ ہارون مجھے راستہ میں ملا، میں اسے پہنچانتا بھی نہیں تھا۔ راستے میں کھڑے دیکھ کر میں نے اسے ٹرالی میں بٹھا لیا۔ ٹرالی میں محمد پناہ کے دو اور بھائی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سے ہارون کی چھیڑ چھاڑ ہو گئی اور نبی پاک ﷺ کے حاضر و ناظر اور علم غیب پر بحث چھڑ گئی، ان کے بھائی زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن تھے محبت والے۔ جب محمد ہارون اترنے لگا تو محمد پناہ کے بھائیوں نے اسے بتایا کہ یہ آدمی گستاخ رسول ہے۔ اور یہ نبی پاک ﷺ کے حاضر و ناظر اور علم غیب کا انکار کرتا ہے اور ہماری کافی بحث ہوئی ہے۔ محمد پناہ کا بیان ہے کہ میں نے اسے بلایا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ہارون نے کہا یہ بات بالکل ٹھیک ہے اور قرآن پاک میں کہیں بھی نہیں لکھا ہوا کہ حضور ﷺ غیب جانتے ہیں یا حاضر و ناظر ہیں۔ محمد پناہ نے کہا کہ بھئی حضور ﷺ کی شان تو بہت اعلیٰ ہے۔ میں تو ان کا ایک چھوٹا سا ادنیٰ امتی ہوں۔ میں بتا سکتا ہوں کہ آج سے آٹھ دن پہلے آپ نے کیا کھایا تھا۔ ہارون نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ تو علم غیب ہے ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے غیب کی ساری چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ محمد پناہ نے کہا یہ تو قرآن شریف ہے ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک اول تا آخر سارا اللہ کے محبوب کی تعریف سے بھرا ہوا ہے کیا قرآن میں اس آیت کے سوا اور کچھ نہیں ہے پھر محمد پناہ نے ہارون سے کہا کیا آپ قرآن کو مانتے ہیں اور کیا قرآن میں یہ نہیں ہے کہ آگ کافر کو جلاتی ہے مومن کو نہیں جلاتی۔ ہارون نے کہا ہاں یہ صحیح ہے۔ محمد پناہ نے کہا تو پھر اس طرح کرتے ہیں کہ آگ جلاتے ہیں اور اس میں کود جاتے ہیں جو مومن ہو گا اسے آگ نہیں جلائے گی اور جو کافر ہو گا وہ جل جائے گا۔ اتنی دیر میں ہارون کے اور ساتھی بھی آ گئے۔ انہوں نے جب بات سنی تو کہا اس بات کو چھوڑ دو۔ یہ بڑا خطرناک مسئلہ ہے ان کی بات مان کر میں اپنے ٹریکٹر کی طرف گیا۔ اور میں نے حضرت علی شیر خدا مشکل کشا کا

نعرۂ حیدری لگا دیا۔ بس یہ نعرہ سنتے ہی اسے ایسا جنون ہوا کہ اس نے محمد پناہ سے کہا کہ آؤ آج میں تم کو جلا کر ہی جاؤں گا۔ محمد پناہ نے کہا ٹھیک ہے آ جاؤ اور سب نے مل کر آگ جلائی اور ہارون نے دو رکعت نماز پڑھی اور قرآن مجید کی آیتیں بھی پڑھ رہا تھا اور اپنے جسم پر پھونک رہا تھا محمد پناہ کا بیان ہے کہ میں نے اللہ کے حبیب ﷺ کو یاد کیا اور کہا: الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ اور پکارا یارسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا اور فریاد کی یارسول اللہ! یہ میرے باپ کا گستاخ نہیں بلکہ آپ کے علم غیب اور آپ کے حاضر و ناظر ہونے کا منکر ہے۔ خدارا میری مدد کیجئے اور کامیابی عطا کیجئے چنانچہ پہلے میں آگ میں اندر گیا تو آگ آگ نہ تھی بلکہ جنت کی ہوا آگ سے نکل رہی تھی اور آگ میں داخل ہوتے ہی میں نے اپنے پیرومرشد سید غلام حسین شاہ بخاری کی زیارت کی اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے گنبد خضریٰ کی زیارت کی اور مجھے آگ نے بالکل نہیں جلایا اور جب ہارون اندر آیا تو اس کے پاؤں اس کی داڑھی اور بھنویں یہ سب جل گئے۔ جب میں نے اسے جلا ہوا دیکھا تو دوبارہ مجھے جذبہ آیا اور میں آگ کے اندر چلا گیا اور دس پندرہ منٹ آگ میں کھڑا رہا اور دیکھنے والے محمد پناہ کے بھائی اور مزدور کہتے ہیں کہ جب محمد پناہ اندر تھا تو آگ لال رنگ کی نظر نہیں آتی تھی بلکہ سبز رنگ کی نظر آتی تھی جبکہ ہارون کی شکل مسخ ہو چکی تھی اور اس طرح نظر آتا تھا جس طرح کوئی خنزیر ہو، اسے دیکھ کر ہمیں اس طرح ڈر لگا کہ یہ ہمیں کھانے نہ آ جائے۔ پھر ہارون کو ہسپتال لے گئے جبکہ محمد پناہ تھانہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایس ایچ او کو ملے اور پھر ''وارہ'' پریس کلب گئے تا کہ اس واقعہ کو کوئی اور رنگ نہ دیا جائے ہمارے او پر پولیس کیس نہ بنا دیا جائے۔

علامہ تاج محمد صاحب نے ہمیں ایک گروپ فوٹو دی اور کہا کہ یہ ان گواہوں کی تصویر ہے جو لوگ وہاں موجود تھے۔ ہم نے ان سے محمد پناہ کا ایڈریس پوچھا۔ چنانچہ محمد پناہ سے ملاقات ہوئی، ہم نے ان سے کہا کہ علامہ تاج محمد نے ہمیں یہ واقعہ سنایا ہے اور محمد پناہ کو کیسٹ سنا دی۔ چنانچہ محمد پناہ نے اس کیسٹ کی تصدیق کی۔

(''الاعتصام'' لاهور ۷ اپریل ۱۹۹۸ء اور هفت روزه ''سٹیزن ڈیفنس'' گوجرانواله)

ہو اگر آج بھی ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا (اقبال)

اس واقعہ کی خبریں قومی اخبارات نوائے وقت، روزنامہ جراءت لاہور اور روزنامہ "خبریں" نے شائع کیں روزنامہ "نوائے وقت" نے ۱۴ فروری ۱۹۹۸ء کو خبر اس سرخی کے ساتھ شائع کی "نبی کریم ﷺ کو حاضر وناظر اور مختار ماننے والا آگ سے بچ نکلا، مخالف جھلس گیا"۔

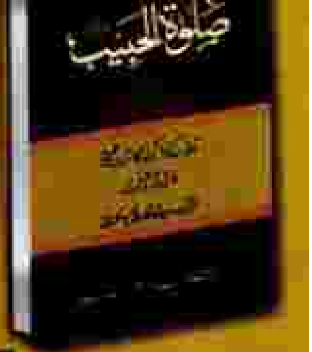
منکرِ عظمتِ رسول پر قہرِ خداوندی

علماء کرام کی دعوت پر محمد پناہ حافظ آباد اور گوجرانوالہ تشریف لائے، انہوں نے علماء کرام کی موجودگی میں اس سچے واقعہ کو خود سنایا۔ محمد پناہ کی زبانی یہ واقعہ سن کر حافظ آباد کے قریب چک چٹھہ میں مولانا محمد سلیم نے دورانِ تقریر نبی کریم ﷺ کی عظمت بیان کرتے ہوئے یہ واقعہ سنایا جس پر مخالف مسلک کے مولوی اور جامعہ فاروقیہ چک چٹھہ کے مدرس حافظ محمد ابوبکر نے جمعہ کے خطاب کے دوران کہا کہ محمد پناہ والا واقعہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔ میں خود نبی کریم ﷺ کے حاضر وناظر، علم غیب اور درود وسلام کا انکاری ہوں۔ مجھ پر قہر خداوندی نازل ہو تو مانوں۔ عینی شاہدوں کے مطابق اس خطاب کے تین گھنٹے بعد مذکورہ مدرس حافظ محمد ابوبکر فالج کے مرض میں مبتلا ہو کر بستر مرگ پر لگ گیا۔ اس واقعہ کی درجنوں افراد نے تصدیق کی۔

(روزنامہ "سماج،، گوجرانوالہ ۱۴ اپریل ۱۹۹۸ ء۔ مکمل تفصیلات جاننے کے لئے "مکتبہ رضائے مصطفی" گوجرانوالہ سے کیسٹ اور کتاب "محمد پناہ اور جنگ ستمبر ۱۹۶۵ ء،، منگوا کر مطالعہ کریں)

فون نمبر: ۰۳۳۳۸۱۵۹۵۲۳۔ Tel: 0333 8159523

☆☆☆



ادارہ قمر الاسلام برمنگھم (برطانیہ)

کی دیگر اہم مطبوعات

نماز کے مسائل
(اعلیٰ ایڈیشن)

مصنف

علامہ حافظ محمد خرم شہزاد فاروقی سیالوی

فضل الودود (اعلیٰ ایڈیشن)
فی شرح

سنن ابی داود (عربی میں)

مصنف

شیخ الحدیث علامہ محمد شفیق چکسواری

دعائے حزب البحر (شرح)

مصنف

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

اے تازہ واردانِ بساط

مصنف

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

حقیقت توبہ

مصنف

علامہ حافظ محمد خرم شہزاد فاروقی سیالوی

The Role of Sufis

By

Prof. Syed Ahmad Saeed Hamdani

Address:

Syed Muhammad Farooq Shah Sialvi

Idara Qamar ul Islam

168-170 Fosbrooke Road,

Small Health Birmingham, B10 9JP,

United Kingdom

Ph: 0044 121 773 0372, Cell: 0044 795 715 5722